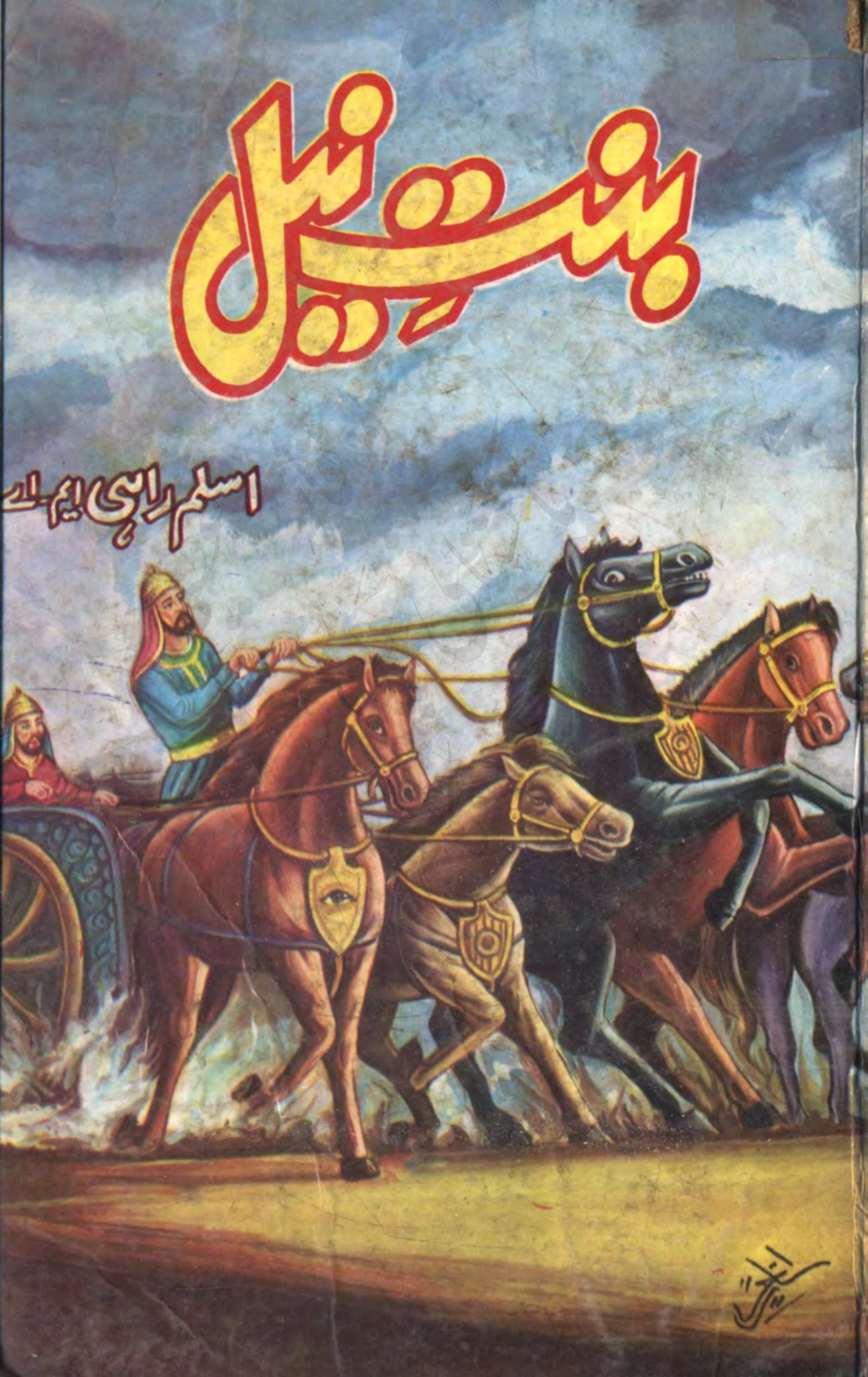
ہیکل
اسلم راہی ایم اے

تعارف

اسلم راہی ایم اے صاحب کی زیرِ نظر تصنیف "بنتِ نیل" درجن بھر تاریخی ناولوں کی اشاعت اور مقبولیت کے بعد ان کی تازہ ترین کاوش ہے۔ اتنا کچھ لکھنے کے بعد ان کے قلم اور اسلوب میں ایک استحکام پیدا ہونا لازمی تھا جو قاری کو متاثر کیے بغیر نہیں رہتا۔ زبان اور بیان پر ان کی گرفت خاصی مضبوط ہے اور وہ تاریخ کے وسیع مناظر میں اپنا پسندیدہ پلاٹ اور کردار چننے میں فنی مہارت سے کام لیتے ہیں۔

اس ناول میں بھی انہوں نے اُس تاریخی دور کو چُنا ہے جب ظہورِ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ قبل ایران و روم اقتدار کی جنگ میں برسرِپیکار تھے۔ اسی پس منظر میں روشنی کی ایک کرن اُبھرتی ہے جو ظلمتوں کو دُور کرتی ہوئی اطراف و اکنافِ عالم میں بڑھتی اور پھیلتی جاتی ہے اور حیرت انگیز تبدیلیاں کروٹ لیتی ہیں۔ نورِ ایمان سے سرشار مجاہدین معرکہ حق و باطل میں سرگرم نظر آتے ہیں۔ حق شناس لوگ جو پہلے سے ہی اس عظیم سچائی کے ظہور کے منتظر تھے ایک نئی منزل کی طرف گامزن ہوتے ہیں اور بدسرشت، بدکردار، طاغوت کے آلۂ کار ناکام مزاحمت کے بعد ذلت و رسوائی اور ابدی لعنت کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ اسود عنسی، مسیلمہ کذاب اور سجاح بنتِ حارث ایسے لوگوں میں سرفہرست ہیں۔ جب کہ خالدؓ بن ولید جنہیں حضورِ اکرمؐ سے سیف اللہ کا خطاب ملا ہوا تھا ہر میدانِ کارزار میں دادِ شجاعت دیتے نظر آتے ہیں اور اُن کی ہیبت سے مخالفینِ حق تھرتھراتے اور لڑکھڑاتے قعرِ مذلت میں گرتے دکھائی دیتے ہیں۔

اسلام کے ان عظیم سپہ سالاروں کی معیّت میں ایک عام سپاہی بھی ہے جسے اس ناول کا ضمنی ہیرو تصور کیا جا سکتا ہے۔ یہ عدیم ہے جو اپنی ماں نیابُوث سے

بچپن میں ہی بچھڑ گیا تھا۔ بنو سلیم کے قبیلے کی یہ محترم خاتون ایک تاریخی حادثے میں اپنے شوہر اور بچوں سے جدا ہو جاتی ہے اور اس کے تین بیٹے اور ایک بیٹی مختلف جگہ دور پر یک کر ایک دوسرے سے ناآشنا پرورش پا کر دینِ حق کو قبول کر لیتے ہیں۔ ہر ایک کی اپنی علیحدہ زندگی ہے مگر آخر میں سب کڑیاں مل جاتی ہیں اور گھر کے بکھرے افراد جب مل کر ایک دوسرے کو پہچان لیتے ہیں تو بنتِ نیل بھی آسودگی اور خوشی سے زندگی بھر کی حسرت کی تکمیل کے بعد سفرِ آخرت اختیار کر سکتی ہے۔

اسلم راہی صاحب نے ایک چھوٹے سے خاندان کی ابتلا، اس کے بکھرتے اور آخر میں مجتمع ہونے پر پلاٹ کی بنیاد رکھی ہے۔ اسی پلاٹ کے سہارے انہوں نے قاری کو ہرقلِ روم اور ایران کے خسرو پرویز کے درباروں کی سیر کرائی ہے۔ اس دور کے عہد آفرین واقعات میں ان کرداروں کو سمویا ہے اور یوں تاریخ اور تخیل کا حسین امتزاج پیدا کیا ہے۔ تاریخی واقعات کی صداقت پر کوئی آنچ نہیں آنے دی۔ پرانے مؤرخین طبری، جریر اور ابن خلدون کے علاوہ عہدِ حاضرہ کے اسکالرز (جن میں پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی اور مولانا مودودی شامل ہیں) کا جگہ جگہ حوالہ دیا ہے جس سے مصنف کی وسعتِ مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے

مکتبہ القریش کے عبدالحفیظ قریشی صاحب بھی مستحقِ ستائش ہیں جو قارئین کے ادبی ذوق کی تسکین کا سامان پچھلی ربع صدی سے فراہم کرتے آئے ہیں۔ انہوں نے کئی ادیبوں کو گمنامی سے نکال کر شہرت کی منزلوں تک پہنچایا۔ اسلم راہی صاحب بھی انہی کی دریافت ہیں اور اس گوہر کو پہچاننے میں انہوں نے غلطی نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ اس ادارے اور اس کے وابستگین کو مزید ترقی دے۔ آمین۔

عبدالرؤف انجم
قسم اللغات الاجنبیہ
جامعۃ الملک عبدالعزیز
بالمدینۃ المنورۃ

ستمبر ۱۹۸۶ء / محرم ۱۴۰۷ھ

رات کی بوالہوسی اور خطاکاری رخصت ہو رہی تھی - پابہ زنجیر شب کی جبیں پر رقص کرتے اندھیرے اپنے کاندھوں پر صلیبیں اٹھائے کوچ کرنے لگے تھے۔ مشرقی اُفق نور کی موجوں اور شفق سے روشن ہونے لگا تھا۔

سورج طلوع ہونے والا تھا۔ گویا رات کی تاریکیوں کے اندر فطرت نے دن کا جو بیج بویا تھا وہ پھوٹ رہا تھا۔ فطرت پھولوں اور کھیتوں کو آواز دیتی، پودوں اور پیڑوں سے ہم کلام ہوتی، شعورِ زندگی کی تسبیح و تمجید کرتی ہوئی ندّی، نالوں، دریاؤں، ہواؤں، فضاؤں اور سمندروں میں گنگنانے لگی تھی۔ اجالوں کے پیغامبر سحر کو بیدار کر چکے تھے - پتّوں کی نوک پر پڑے شبنم کے قطروں نے سورج کی پہلی کرن کے استقبال کو اپنے دِل ریسپ کی طرح کھول کر رکھ دیئے تھے -

دریائے نیل کے کنارے فرعونوں کے شہر ممفس[۱] کے شمال میں دو[۲] سوار جن میں

---

[۱] قدیم دَور میں یہ شہر مصر کا دارالحکومت تھا اور اس کی وہی اہمیت تھی جو حمورابی کے عہد میں بابل شہر کی تھی۔ آج کل یہ شہر دریائے نیل کے کنارے قاہرہ سے پندرہ میل جنوب میں ایک

ایک تنومند جوان اور ایک حسین لڑکی تھی ۔ دریا کے کنارے ایک قدیم اور اساطیری حیثیت رکھنے والے معبد کے باہر اپنے گھوڑوں سے اُتر پڑے ۔ پھر انہوں نے اپنے گھوڑے باہر باندھ دیئے اور معبد میں داخل ہوئے ۔

وہ مصر کے قدیم دیوتا اُزریس[1] کا معبد تھا اور ان گنت لوگ معبد میں جمع ہو کر اُزریس دیوتا کے تقدس، اس کی حمد اور تعریف و توصیف کے گیت گا رہے تھے معبد میں داخل ہونے والا وہ جوان اور اس کی ساتھی لڑکی بھی ان لوگوں میں شامل ہو گئے تھے شاید دیوتا کے تقدس کا وہ گیت کافی گایا جا چکا تھا پھر وہ دونوں اوروں میں شامل ہو کر گانے لگے اور اب اس قسم کی متحدہ آوازیں ۔ معبد کے در و دیوار اور چھت سے ٹکرا کر گہری بازگشت کے ساتھ بلند ہونے لگی تھیں

جہاں اُزریس پانی میں ڈوبا تھا ۔
اِزریس[2] اور نفتیس[3] نے اُسے ڈوبتے دیکھا ۔
اور وہ بے حد دلگیر ہوئیں ۔
تب حوریس[4] نے بار بار چیخ کر انہیں حکم دیا کہ
تم اُزریس کو پکڑ لو اور ڈوبنے نہ دو ۔
اور وہ اُزریس کو عین وقت پر پانی سے نکال کر خشکی پر لائے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹) چھوٹے سے قصبے اور بستی کی شکل میں موجود ہے ۔

[1] اُزریس مصر کے شہر عبیدوز کا بادشاہ تھا ۔ اس نے مصریوں کے لیے نئی قسم کے اناج اور انگور سے متعارف کرایا اور از راہِ عقیدت مصریوں نے اسے اور اس کے اہلِ خانہ کو دیوتا اور دیویوں کی شکل میں پوجنا شروع کر دیا ۔

[2] اُزریس دیوتا کی بہن اور بیوی

[3] اُزریس دیوتا کی بہن اور سالی اور اِزریس کی بہن

[4] اُزریس اور اِزریس کا بیٹا

اور وہ ابدیت کے پُر اسرار دیوتاؤں کے پُر اسرار محل میں داخل ہو گیا ۔
اس کی [illegible] ملتا ہے
[illegible] کے راستوں پر
وہ پتاح[1] کے دربار میں داخل ہو گیا
اس طرح اُزریس ملک کے شمالی حصے میں خداوند کے محل میں پہنچا
اور اس کا بیٹا حوریس شمالی اور جنوبی ملک کا بادشاہ ہوا ۔

گیت جب ختم ہو گیا تو لوگ آگے بڑھ کر معبد میں رکھے بتوں کے سامنے جھک کر دعائیں مانگنے لگے تھے ۔ سب سے دائیں طرف بڑے دیوتا پتاح کا بت تھا ۔ اس کے بائیں طرف ہوا کا دیوتا شو اپنی بیوی اور نمی کی دیوی طفنوت کے ساتھ تھا ۔ ان سے آگے زمین کا دیوتا گیب پھر آسمان کی دیوی نوط ۔ اس سے آگے موت کا دیوتا انوبیس (اس کی شکل گیدڑ کی سی تھی) ، اس کے بعد اُزریس، اِزریس، نفتیس، حوریس اور بدی کا دیوتا سات کے بت رکھے ہوئے تھے ۔

وہ جوان اور اس کی ساتھی لڑکی بھی جب بتوں کے حضور دعائیں مانگنے کے بعد معبد سے نکلنے لگے تو کسی نے پیچھے سے اس جوان کو پکارتے ہوئے کہا ۔ "لابان! لابان! رکو میری بات سنو ۔" وہ جوان جس کا نام لابان تھا اپنی ساتھی لڑکی کے ساتھ رُک گیا ۔

پکارنے والا جس کے ساتھ شاید اس کی بیوی بھی تھی قریب آیا اور لابان سے پوچھا ۔ "میں نے سنا ہے تم نے شادی کر لی ہے ۔"

لابان نے اپنی ساتھی لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ۔ "تم نے ٹھیک سنا ہے ۔ میرے ساتھ میری بیوی ہے اس کا نام نیا بوث ہے ۔ ہم دونوں ابھی اور اسی وقت یہاں سے قسطنطنیہ کی طرف کوچ کر رہے ہیں ۔ ہم دونوں کے گھوڑے معبد سے باہر کھڑے ہیں ۔"

---

[1] قدیم مصر کا سب سے بڑا دیوتا ۔

لابان کے اس دوست نے حیرت سے پوچھا۔ "پر اتنی جلدی کیوں؟ چند روز ہی تو ہوئے ہیں تم قسطنطنیہ سے آئے ہو اور آج اپنی بیوی کے ساتھ لوٹ بھی رہے ہو۔"

لابان نے کہا۔ "تم جانو میں قیصر موریق کا ایک جرنیل ہوں اور صرف چند یوم کی رخصت لے کر آیا تھا اور اب لوٹ رہا ہوں۔" پھر لابان نے اس پکارنے والے سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "اب میں رخصت ہوتا ہوں۔"

دونوں میاں بیوی جب معبد سے نکلے تو نیا بوث نے لابان سے پوچھا۔ "یہ کون تھا؟"

لابان نے کہا۔ "یہ میرا بچپن کا دوست ہے۔" پھر دونوں میاں بیوی خاموشی سے اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور وہاں سے وہ کوچ کر گئے تھے۔

○

لابان اور نیا بوث بحیرہ روم کے کنارے شمال کی طرف سفر کرتے رہے۔ ان کے بائیں ہاتھ بے جہت و بے مہار سمندر کے دل کی خنک گہرائی تھی اور ان کے دائیں طرف مہیب اور قدیم صحرائے سینا اپنی غیر محدود وسعتوں کے ساتھ پھیلا ہوا تھا۔ جس وقت سورج میدانوں، کوہستانوں اور نزہت گاہوں سے اپنا دامن سمیٹ رہا تھا وہ دونوں صیدا شہر کے قریب ایک کوہستانی ٹیلے کو عبور کر رہے تھے تو اچانک ان دونوں نے ایک دوسرے کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے اپنے گھوڑوں کو روک لیا تھا کیوں کہ ان کے کانوں میں قلب کی گہرائیوں سے ہم کلام اور موسیقی کی الم ریز سُروں سے بھرپور ایک ایسی آواز پڑی تھی جو ان دونوں کے لیے اجنبی اور ناآشنا سی تھی۔

ان دونوں نے دیکھا۔ ان کے سامنے وادی میں ایک چرواہا بربط بجاتے ہوئے قلوب کے نہاں خانوں میں کفر و شرک اور افکار دھو ڈالنے والے انداز میں زبور گا رہا تھا۔

مبارک ہے وہ آدمی جو شریروں کی صلاح پر نہیں چلتا۔
وہ خطا کاروں کی راہ میں کھڑا نہیں ہوتا۔

اور ٹھٹھا بازوں کی مجلس میں نہیں بیٹھتا
بلکہ خداوند کی شریعت میں اس کی خوشنودی ہے
اور اس کی شریعت میں دن رات اس کا دھیان رہتا ہے
وہ اس درخت کی مانند ہے جو پانی کی ندیوں کے پاس لگا ہو۔
جو اپنے وقت پر پھلتا ہے
جس کا پتہ بھی نہیں مرجھاتا۔
سو جو کچھ وہ کرے بار آور ہو۔
شریر ایسے نہیں، بلکہ وہ بھوسے کی مانند ہیں جسے ہوا اُڑا لے جاتی ہے
اس لیے شریر عدالت میں قائم نہ رہیں گے۔ نہ خطا کار صادقوں کی جماعت میں۔
کیونکہ خداوند صادقوں کی راہ جانتا ہے
پر شریروں کی راہ نابود ہو جائے گی۔

وہ چرواہا اپنی سحر آفریں آواز میں بربط کے نقرئی تاروں سے کھیلتا ہوا زندگی اور روح کو شادماں کرنے والا کلام گاتا رہا۔ کسی شاعرِ آدمیت کی طرح وہ چرواہا عہدِ رفتہ کی اجنبیت اور مستقبل کی رفاقت سے بھرپور اپنے رب کی حمد و ثنا گاتا رہا۔ ایسا لگتا تھا خداوند کے کلام نے جذبات کی خاموشی اور دل کی نغمگی کے درمیان ایک اتحاد، یگانگت اور رشتہ و تعلق استوار کر دیا ہو۔

جب وہ چرواہا گاتے گاتے خاموش ہو گیا تو لابان اور نیا بوث دونوں اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگا کر اس کی طرف بڑھنے لگے تھے۔

سورج اب غروب ہو رہا تھا۔ وقت کی آنکھوں میں شام کا کاجل بکھرنے لگا تھا۔ سنگ کی آنکھوں سے گرتے ستاروں اور سلگتی ریت کے صحراؤں میں صدیوں کی ان کہی داستانیں بکھرنے لگی تھیں ساحل پر شام کی چیختی پاگل ہوائیں، بھیگے بھیگے دھندلکے، سہما سہما سکوت اور ٹھہرے ٹھہرے سنسان سناٹے غالب آنے لگے تھے۔ شام کا آسمان دھواں دھواں ہونا شروع ہو گیا تھا۔ پرندے ہری بھری شاخوں کے اندر

بسیرا کرنے کی خاطر سمندر کے کنارے کنارے اپنی جانی پہچانی منزلوں کی طرف اُڑے جا رہے تھے۔

ٹیلے پر کھڑے ہو کر لابان اور نیابوث نے یہ بھی دیکھا کہ نیچے وادی میں جہاں و چرواہا اپنا ریوڑ چرا رہا تھا۔ وہاں قریب ہی ایک بستی تھی جس کے اردگرد دور تک ہری بھری کھیتیاں پھیلی ہوئی تھیں اور بستی سے باہر اس چرواہے کے قریب ایک خانقاہ تھی جس کے اندر دھواں اُٹھ رہا تھا۔

لابان اور نیابوث جب اس ٹیلے سے اُتر کر۔ زبور گانے والے چرواہے کی ط بڑھے تو انہوں نے دیکھا وہ چرواہا بھی اپنے ریوڑ کو ہانک کر اب خانقاہ کی طرف چلنے لگا تھا۔

جب وہ دونوں اس چرواہے کے قریب گئے تو وہ ان دونوں کو دیکھ کر رُک گ لابان اور نیابوث اس کے قریب جا کر اپنے گھوڑوں سے اُترے۔ پھر لابان نے چرواہے کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ "اے اجنبی! یہ تھوڑی دیر قبل تم کیا گا رہے یہ کس کا کلام ہے"۔

اس چرواہے نے ہلکی سی مسکراہٹ میں کہا۔ "یہ زبور ہے، خدا کا کلام ہے ا اسے حضرت داؤدؑ اپنے بربط کی لے پر اپنے خدا کی خوشنودی اور اس کی حمد و توصیف لیے اور دعائیہ انداز میں گایا کرتے تھے۔

لابان نے پوچھا۔ "تمہارا نام کیا ہے اور کیا تم اس سامنے والی بستی میں رہتے چرواہا جو عمر میں بیس بائیس سال کا ہو گا پھر بڑی خوش خلقی کے ساتھ لابان سے کہہ تھا۔ "میرا نام قدوم ہے، مَیں عرب ہوں اور اس بستی میں نہیں بلکہ یہ جو سامنے خا نظر آ رہی ہے اس میں رہتا ہوں۔ یہ بستی بہت بڑی ہے اور اسے میرے دادا آباد کیا تھا۔ میرے آبا بحیرہ احمر کے کنارے سے اُٹھ کر یہاں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ میر دادا کے دو ہی بیٹے تھے۔ ایک میرا باپ جو مر چکا ہے اور مَیں اس کی واحد اولاد ہو اور دوسرا میرا چچا جس کا نام سمعان ہے اور کاہن ہے اور سامنے دکھائی دینے وا

اس خانقاہ میں رہتا ہے۔ ہم یہودی ہیں۔ میرا عم سمعان جو کاہن ہے اس کی بیوی مر چکی ہے اس کی ایک بیٹی ہی ہے جس کا نام زمیل ہے اور وہ میری منسوبہ بھی ہے۔ اس لحاظ سے اس خانقاہ کے اندر ہم گھر کے تین افراد ہی ہیں"۔

لابان نے کہا۔ "ہم دونوں میاں بیوی ہیں۔ میرا نام لابان اور میری بیوی کا نام نیابوث ہے۔ ہم دونوں قسطنطنیہ کی طرف جا رہے ہیں۔ ہمارا ارادہ تھا کہ ہم یہ رات صیدا شہر کی کسی سرائے میں گزاریں گے لیکن تمہارے گیت نے ہم دونوں کو ایسا مسحور کیا کہ ہم ٹیلے پر کھڑے ہو کر سنتے رہے اور پھر تمہاری طرف کھنچے چلے آئے"۔

قدوم نام کے اس عرب اور یہودی چرواہے نے کہا۔ "گو صیدا شہر یہاں سے صرف ایک میل کے فاصلے پر ہے اور وہاں تم آرام و استراحت میں رات گزار سکو گے لیکن اس کے باوجود مَیں تم دونوں کو اجنبی نہیں مہمان کی حیثیت سے خانقاہ میں قیام کی دعوت دیتا ہوں۔ گو میرا عم سمعان بہت خاموش طبع ہے پر وہ تم دونوں کو دیکھ کر خوش ہو گا۔ ان دنوں وہ پہلے کی نسبت زیادہ خاموش، سنجیدہ اور الجھا الجھا رہنے لگا ہے۔ پر تم دونوں کی مہمان نوازی میں وہ کوئی کسر اُٹھا نہ رکھے گا۔ میری منسوبہ زمیل بھی تم دونوں کو دیکھ کر خوش ہو گی"۔

لابان نے دلچسپی اور تجسس کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ "تمہارا عم سمعان ان دنوں کیوں زیادہ خاموش رہنے لگا ہے"؟

قدوم نے کہا۔ "میرے عم کو کسی آنے والے رسولؐ کا انتظار ہے۔ ہر وقت اسی کے گیت گاتا رہتا ہے اور اسی کی یاد میں ہر وقت کھویا کھویا سا رہتا ہے۔ وہ راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر اس آنے والے رسولؐ کی آمد کے خوش کن گیت گاتا ہے۔ اپنے رب سے استغفار کرتا ہے اور اس رسولؐ کی اُمت میں شامل ہونے کی دعائیں کرتا ہے"۔

لابان نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "کیا مَیں تمہارے عم سے مل سکوں گا"؟

"قدوم نے کہا۔ "ضرور۔ آپ میرے ساتھ آئیں"۔ قدوم ان دونوں کو لے کر خانقاہ کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ جب کہ اس کا ریوڑ پہلے ہی خانقاہ کی طرف جا

چکا تھا۔

جب وہ دونوں قدوم کے ساتھ خانقاہ کے پاس گئے تو انہوں نے دیکھا کہ خانقاہ کی عمارت کافی بڑی تھی۔ اس میں کئی کمرے تھے اور خانقاہ سے باہر ریوڑ باندھنے کے لیے ایک چھت دار اصطبل نما باڑہ سا بنا ہوا تھا۔

قدوم کے ریوڑ کے سارے جانور اس باڑے میں گھس گئے تھے اور ایک لڑکی بھاگ کر بکریوں کا دودھ نکال رہی تھی۔ قدوم کے ساتھ دو اجنبیوں کو دیکھ کر وہ لڑکی باڑے سے نکلی اور بھاگ کر ان کی طرف آئی۔ قدوم کے پاس آکر وہ رُکی اور مستفرانہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

قدوم نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”زمیل! زمیل! یہ دو مہمان ہیں اور دونوں میاں بیوی ہیں۔ عم سے ملنا چاہتے ہیں۔ تم دُودھ نکالو اور [illegible] ابھی لاؤ، انہیں بھوک لگی ہوگی۔ میں انہیں عم کے پاس لے کر چلتا ہوں“۔

زمیل مُڑی اور دوبارہ باڑے میں چلی گئی۔ قدوم ان دونوں کو لے کر خانقاہ کی عمارت میں داخل ہُوا۔ اندر مشعلیں روشن ہوگئی تھیں اور اندھیرے اُجالے کے نقوش ہوا کی تیز لہروں کے دوش پر ایک دوسرے سے دست و گریباں تھے۔ زمیل بے چاری ایک بار بھاگتی ہوتی پھر آئی اور ان دونوں کے گھوڑے پکڑ کر باڑے میں لے گئی تھی۔

خانقاہ میں داخل ہو کر لابان اور نیابوث نے دیکھا۔ خانقاہ کے ایک روشن برآمدے میں ایک شخص عبادت کے انداز میں دو زانو بیٹھا ہُوا تھا۔ عمر میں وہ پچاس برس کا ہوگا۔ اس کے نزدیک جا کر قدوم نے سلام کیا۔ بوڑھا کاہن سمعان چونکا اور بڑی شفقت سے اس نے قدوم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تم آگئے بیٹا!“

قدوم نے لابان اور نیابوث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اے عم! یہ دو مہمان ہیں۔ قسطنطنیہ کی طرف جا رہے ہیں۔ دونوں میاں بیوی ہیں۔ میں زبور گا رہا تھا جسے سن کر یہ رُک گئے۔ پھر میرے پاس رک کر گفتگو کرتے رہے جس میں آپ کا ذکر بھی آیا اور یہ دونوں آپ سے ملنے کے شوق میں میرے ساتھ چلے آئے ہیں“۔

کاہن سمعان نے چٹائی پر ہاتھ مارتے ہوئے ایک محبت اور شفقت میں کہا۔

”بیٹھو! بیٹھو!“

لابان اور نیابوث بیٹھ گئے۔ قدوم نے دروازے کی طرف بھاگتے ہوئے کہا۔ ”میں ان دونوں کے گھوڑے باڑے میں باندھ آؤں“۔ پر دروازے کے قریب جا کر وہ پھر لوٹ آیا۔ اور چٹائی پر بیٹھتے ہوئے اس نے کہا۔ ”زمیل ان دونوں کے گھوڑے پہلے ہی باڑے میں لے گئی ہے“۔

کاہن سمعان نے لابان اور نیابوث کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”تم دونوں کون ہو، کہاں سے آئے ہو، قسطنطنیہ جانے کا مقصد کیا ہے اور تمہارا تعلق کس سرزمین سے ہے“؟

لابان نے کہا۔ ”اے مقدس کاہن! میں عرب ہوں، میرا تعلق عربوں کے قبیلے بنو سُلیم سے ہے۔ میرا باپ بچپن میں مجھے لے کر مصر چلا گیا اور وہیں آباد ہو گیا۔ میرے دو سگے اور مجھ سے بڑے بھائی بھی ہیں۔ وہ ابھی تک [illegible] پنے قبیلے میں ہی رہتے ہیں۔ اس لیے کہ میرے چچا کی کوئی اولاد نہ تھی اور میرے چچا نے میرے دونوں بھائیوں کو وہیں قبیلے میں رکھ لیا۔ اب میرا چچا مر چکا ہے اور میرے دادا کی زمینوں اور نخلستان کے وہی دونوں بھائی مالک ہیں میرا نام لابان ہے اور میں قیصرِ روم کے لشکر کا ایک جرنیل ہوں۔ میرے ساتھ یہ میری بیوی ہے اس کا تعلق مصر سے ہے۔ ہم دونوں ہی ازریس دیوتا کے ماننے والے ہیں۔ آپ کا بھتیجا قدوم ہمیں بتا رہا تھا کہ آپ کو کسی آنے والے رسولؐ کا انتظار ہے۔ کیا یہ درست ہے“۔

لابان کے اس سوال پر کاہن سمعان پر چند لمحوں کے لیے کچھ ایسی کیفیت طاری رہی جیسے وہ اپنے باطن کو اُجاگر کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ چند ساعتوں تک وہ وجدانی سکوت، جذبات کی شگفتگی، احساسات کی مہک اور کاشفِ اسرار و رموز حالت میں ڈوبا رہا۔ پھر اس نے گویا انتشارِ الفاظ کو مجتمع کرتے ہوئے روح کو تونگری بخش دینے والی آواز میں کہا۔

”اے اجنبی! تُو نے شام کے سینے میں اٹھنے والے ان اندھیروں کے اندر آج کس ہستی کا پوچھ لیا ہے۔ قسم مجھے اپنے اس رب کی جو وادیٔ طویٰ میں موسیٰؑ سے ہم کلام ہُوا جس آنے والے کا مجھے انتظار ہے وہ رسولوں کا رسول اور نبیوں کا نبی ہوگا۔

اس کے کانے پر ذلت و پستی کے کفن چاک ہوں گے ۔ اطاعت پیشہ غلاموں کو خوشی نصیب ہوگی ۔ پابہ زنجیر قیدی آزادی کی سانس لیں گے ۔ زندگی کے اندھیرے اُجالوں سے ہم کنار ہوں گے ۔ مختلف قوموں اور نسلوں کے لوگ کارواں در کارواں غاروں کے اندھیرل سے نکل کر روشنی کی طرف گامزن ہوں گے ۔ بوجھ تلے دبی گردنیں اور ہتھ کوڑیاں پڑی کلائیاں رہائی پائیں گی ۔ بتوں کے حضور خمیدہ گردنیں خدا کے حضور جھکیں گی ۔ نسلوں اور صدیوں کی آماجگاہوں، شاہی محلوں، عبادت کدوں، جلسہ گاہوں، سنگھاسنوں، قربان گاہوں رزم گاہوں اور نفس کی تقلید کے اندر جکڑے انسانی ضمیر کے نہاں خانوں میں خدائے واحد کا غلغلہ اور شور ہوگا

دیکھا اجنبی! اس رسولؐ کی آمد ایک ایسی کرن ہوگی جس کے اندر سینکڑوں خورشید پنہاں ہوں ۔ ایک ایسا سناٹا جس میں لاکھوں آوازیں چھپی ہوں ۔ ایک ایسی دلجمعی جس میں اَن گنت انقلاب ہوں ۔ ایک ایسا نقطہ جس کے اندر ہزاروں شکلیں تڑپ رہی ہوں ایک ایسی نوائے راز جس میں لاکھوں ساز گم ہوں ۔ ایک ایسا ویرانہ جس میں کئی آبادیاں مچل رہی ہوں ۔ ایک ایسی محتاجی جس میں دونوں جہاں کی سروسامانیاں ہوں اور ایک ایسی تشنہ لبی ہوگی جس کے اندر وقت کے بہترین سیلاب جاری ہوں ۔

اے اجنبی! اس رسولؐ کی آمد سے صدیوں کی کفر و انکار کی آزادی اطاعت و عبودیت کی بساط میں لپیٹ جائے گی ۔ وہ رسولؐ جہل و ظلمات کے جبر، انسان کے دُکھوں میں سلگتے سایوں، مظلوم، مجبور اور محروم انسانیت کی بے بسی کو مٹا کر منزلوں کی بشارت، نورِ صبح کی ہدایت اور مسرت کی تنویر عطا کریں گے ۔ کاروانِ بشر کے وہ امیر، بکھرے حروف کی بے چہرہ صورتوں کو سنواریں گے ۔ عہدِ گزشتہ کی بدی کو مٹا کر صداقت کی قندیلیں روشن کریں گے ۔ رازِ مشیت وقت کا سمندر بن کر میرے اس آنے والے رسول کے سامنے عیاں ہوگا۔

کاہن سمعان چند ثانیوں تک رُکا پھر وہ دوبارہ کہہ رہا تھا اور اس آنے والے رسولؐ کے ماننے والے اور پیروکار، آہ! بلندی و پستی ان کے زیرنگیں ہوگی ۔ ان کے دل میں تڑپ، رگوں میں بجلیاں، سینوں میں انگارے، جذبوں میں اضطراب جاوداں، نعروں

میں شعلہ سامانی اور نگاہوں میں ہدایت کی چنگاریاں ہوں گی ۔ بڑھتے طوفانوں کے بگڑتے تیور ان کے سامنے سرنگوں ہوں گے ۔ موت ان کے قدموں پہ آ کر جھکے گی ۔ قیصر و کسریٰ کے نشانات ان کے سامنے ہیچ ہو جائیں گے ۔ ہزار باد مخالف کے اندر بھی زمین انہیں لعل و گوہر جان کر اگلے گی اور وہ اس ارض کے اقتدار کو اور وقت کی طوفانی موجوں کی تقدیر کو نیا رُخ عطا کریں گے ۔

ایک آہ بھرتے ہوئے کاہن سمعان نے کہا ۔" کاش میں اس وقت کو دیکھ سکوں جب اس نئے آدم کی آمد پر جس کے لیے یہ کہنہ زمین منتظر ہے ۔ سرزمین عرب کے ذرّے تشکیل جہاں بانی کا کام دیں گے اور وقت کی قدیم ہدایات اور صحیفوں کے فسانہ در فسانہ اور داستان در داستان بکھرے اوراق کی نئے سرے سے شیرازہ بندی ہوتی ۔

کاش میں اس رسولؐ کو دیکھ سکوں، اس پر ایمان لا سکوں جو انسانوں کو بصیرت، ہمدردی، صداقت، خداترسی، اتحاد، نیکی، بھلائی، خوبی، پاکیزگی اور خداپرستی کا درس دے گا ۔

کاہن خاموش ہو گیا ۔ اس کے ماتھے پر نا آشنا سا کرب اور عجیب سی تمناؤں کی زرد چاندنی بکھر گئی ۔ کچھ دیر تک وہ گم سُم سوچتا رہا ۔ پھر اس کی پیشانی پر شفق، آنکھوں میں رنگوں کی ہنسی، خوشبو کا تبسم، نغماتِ مسرت، لمحاتِ طرب اور نشاط و انبساط کی کیفیت رقص کرنے لگی پھر وہ دوبارہ بولا، یوں جیسے خاموشی کی جھیل میں ایک خوش کن اضطراب پیدا ہو گیا ہو ۔

کاہن سمعان کہہ رہا تھا ۔" میرا دل کہتا ہے میں اس بیداری کو دیکھوں گا جس کی چشمِ انجم ازل سے منتظر ہے اور جس سے داستانِ نوعِ بشر کی تکمیل ہوتی ۔ اہلِ زمین کی پستی بلندی میں تبدیل ہوگی ۔ اوہامِ باطل حقیقت کی سنہری زنجیروں میں جکڑے جائیں گے اندھی اور خوفناک قوتوں کا اختتام ہوگا اور تاریخ انسانی کے اوراق تابناک ہوں گے ۔"

اس بار لابان کی بیوی نیا بوشا نے بولتے ہوئے کہا ۔" اے بزرگ کاہن! آپ

نے کہا، قیصر و کسریٰ[1] کے نشانات اس کے سامنے ہیچ ہوں گے۔ کیا وہ نبیؐ اور اس کے پیروکار اس قدر پُر قوت اور زبردست ہو کر اُبھریں گے کہ قیصر و کسریٰ بھی بے بس و مجبور ہوں گے۔ اے مقدس کاہن! اگر ایسا ہے تو مصر کی کیا حالت ہو گی اور ہمارے بتوں کا کیا بنے گا۔"

کاہن سمعان نے کہا۔ "قدیم مذہبی کتُب ایسے ہی کہتی ہیں کہ قیصر و کسریٰ اس آنے والے نبی کے سامنے مجبور و مغلوب ہوں گے۔ اے بنتِ زبیل! صرف قیصر و کسریٰ ہی نہیں پورا مصر ان کے قدموں میں ہو گا اور بڑے بڑے قدیم دیوتا اور بتوں کو توڑ کر وہ صرف خدائے واحد کے نام کی تشہیر کریں گے۔

اے بنتِ زبیل! جس نبیؐ کا میں منتظر ہوں اس کی آمد پر یہ کائنات گداز ہو کر ایک خوش کُن کھیت کی صورت اختیار کر جائے گی۔ بدنوں کے دریدہ لباسوں کی رفوگری ہو گی۔ محض حصولِ لذّت اور تسکینِ نفس کی خاطر زندگی بسر کرنے والے ذِلّت و بدی کے زندان سے نکل کر اپنی سرشت و جبلت کے پابند ہو کر معصوم تمنّاؤں کے نقیب اور قانونِ فطرت کے خادم بن کر نمودار ہوں گے۔

اے بنتِ زبیل! مجھے اس نبیؐ کا انتظار ہے جسے توریت مقدّس نے ماذ ماذ کے نام سے پکارتے ہوئے اس کے آنے کی بشارت دی۔ زبور نے اس نبیؐ کو عاقب کہہ کر اس کے آنے کا مژدہ سُنایا، انجیل نے اسے فارقلیط کہہ کر پکارا اور صحائف میں روحلا کے نام سے اس نبیؐ کی بشارت دی گئی۔

اے بنتِ زبیل! میرے اس آنے والے رسولؐ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اس کی آمد سے بالکل قریب مکّہ میں خداوند کے گھر پر کوئی بادشاہ حملہ آور ہو گا اور اس کا انجام بُرا ہو گا۔ کئی برس ہوئے یمن کا حاکم ابرہہ مکّہ پر حملہ آور ہو کر ذلّت و پستی کا شکار ہو چکا ہے۔

---

[1] حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش پر کسریٰ نوشیرواں کے محل کے کنگرے ٹوٹ کر گرے۔ ایران کا سب سے بڑا آتش کدہ ٹھنڈا پڑ گیا اور مجوسیوں کا مقدّس دریا ساوا خشک ہو گیا۔

قسم مجھے اس خدا کی جس نے آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا۔ میرا دِل کہتا ہے کہ نبیؐ پیدا ہو چکا ہے اور عنقریب وہ کہیں سے ظہور کر کے خدا کی وحدانیت کی تعلیم اور اس جہان کے فانی ہونے کی خبریں دینا شروع کر دے گا۔

کاہن سمعان رُکا پھر اس نے انتہائی دُکھ اور کرب میں کہا ——— "کاش ———

کاہن سمعان کہتے کہتے خاموش ہو گیا کیونکہ اس کی بیٹی زمیل کھانا لے آئی تھی۔ سب نے مل کر کھانا کھایا۔ پھر زمیل نے لابان اور نیابوث کے لیے ایک کمرے میں بستر لگا دیئے تھے۔ لابان اور نیابوث نے وہاں خانقاہ کے اندر انتہائی آرام و آسائش میں رات بسر کی اور دوسرے روز وہ دونوں میاں بیوی وہاں سے کُوچ کر گئے تھے۔

○

ایک روز لابان اور نیابوث اپنے گھوڑوں پر سوار قسطنطنیہ کے سنہری دروازے سے شہر میں داخل ہوئے اور ہپوڈروم کے پاس سے گزرتے ہوئے وہ کلیسا ایاصوفیہ اور سرجیوس کے گرجا کے درمیان ایک حویلی کے سامنے رُک گئے اور لابان نے اپنی بیوی نیابوث کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "نیابوث! یہ حویلی ہم دونوں کی رہائش گاہ ہو گی۔"

نیابوث نے دیکھا، حویلی کو باہر سے قفل لگا ہوا تھا۔ دونوں میاں بیوی اپنے گھوڑوں سے اُتر گئے پھر لابان نے اپنی جیب سے چابی نکال کر قفل کھول دیا اور جب وہ اپنے گھوڑوں کی باگیں پکڑ کر اپنی اس حویلی میں داخل ہونے لگے تو ساتھ والی حویلی سے ایک بوڑھا نکلا اور بلند آواز میں لابان کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ "لابان! تم آ گئے بیٹے!"

لابان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اپنے گھوڑے کی باگ چھوڑ دی اور بھاگ کر اس سے گلے مل گیا۔

پھر اس سے علیحدہ ہوتے ہوئے اپنی بیوی کو مخاطب کر کے کہا۔ "نیابوث! یہ ہمارے ہمسائے ہیں۔ ان کا نام مطریوس ہے۔ یہ یونانی ہیں، ان کا کوئی بیٹا نہیں، بیوی فوت ہو چکی ہے۔ صرف ایک بیٹی ہی ہے جس کا نام شوطا ہے۔"

اتنے میں ایک لڑکی بھاگتی ہوئی دروازے پر نمودار ہوئی اور اس کی طرف اشارہ کر

کے لابان نے کہا۔ "لو ان کی بیٹی شوطار بھی آگئی۔"

مطریوس کی اس بیٹی نے جس کا نام شوطار بتایا گیا تھا اپنی شیریں آواز میں لابان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "لابان بھائی! آپ کیسے ہیں؟"

لابان نے کہا۔ "میں ٹھیک ہوں میری بہن! تم میری بیوی سے تو ملو، اس کا نام نیا بوث ہے۔"

شوطار بھاگ کر آگے بڑھی اور نیا بوث سے گلے مل گئی پھر مطریوس کی حویلی سے ایک جوان نکلا اور بھاگ کر لابان سے گلے ملنے لگا۔ اس جوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لابان نے نیا بوث سے کہا۔ "یہ شوطار کا شوہر سمتوس ہے اور شوطار کا عم زاد بھی ہے اور میرے لشکر میں ہی کام کرتا ہے۔"

مطریوس، شوطار اور سمتوس تینوں نے لابان اور نیا بوث کو شادی کی مبارکباد دی۔ شوطار جس نے نیا بوث سے گلے ملنے کے بعد ابھی تک پیار سے اس کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا بڑی ہمدردی سے لابان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "لابان! میرے بھائی! آپ، بابا اور سمتوس کے ساتھ ہماری حویلی کے دیوان خانے میں جا کر بیٹھیں۔ اتنی دیر تک میں اور نیا بوث آپ کی حویلی کی صفائی دھلائی کر لیتے ہیں پھر آپ دونوں کا کھانا بھی ہمارے ہاں ہی ہوگا۔"

لابان کے کچھ کہنے سے پہلے ہی مطریوس اور سمتوس لابان کو پکڑ کر اپنی حویلی میں لے گئے جب کہ نیا بوث اور شوطار دونوں گھوڑوں کی باگیں پکڑ کر لابان کی حویلی میں داخل ہو گئی تھیں۔

لابان، مطریوس اور سمتوس حویلی کے دیوان خانے میں آ کر بیٹھ گئے۔ بوڑھا مطریوس [illegible]یوں تک [illegible]موش رہا پھر اس نے لابان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم پورے چھ ماہ کے بعد رہ کر لوٹ رہے ہو۔ جب تم یہاں سے روانہ ہوئے تھے تو تم نے کہا تھا کہ تمہاری ماں بیمار ہے۔ شاید مصر سے آنے والا کوئی سوداگر یہ پیغام لے کر آیا تھا۔ اب تمہاری ماں کیسی ہے؟"

لابان نے کہا۔ "آہ میری ماں! میرے مصر جانے کے دو ماہ بعد مر گئی۔ اس کی موجودگی میں ہی میں نے نیا بوث سے شادی کر لی تھی۔ نیا بوث میرے ہمسائے میں رہتی تھی میری طرح اس کی بھی ایک ماں ہی تھی وہ مر گئی تو میری ماں اسے اپنے ہاں لے آئی تھی شادی کے بعد ہم دونوں میاں بیوی چار پانچ ماہ تک وہاں رہے اور آتی دفعہ ہم اپنے دونوں مکانوں کو بیچ آئے ہیں۔"

مطریوس نے پوچھا۔ "تو کیا اب تم دونوں قسطنطنیہ کو ہی اپنا مستقل ٹھکانہ بناؤ گے؟"

لابان نے کہا۔ "نہیں، میرا ارادہ ایسا نہیں ہے۔ میں آپ کو پہلے بتا چکا ہوں کہ میں عرب ہوں اور قبیلہ بنو سلیم سے میرا تعلق ہے۔ اب بھی قبیلے میں میرے دو بھائی رہتے ہیں۔ وہ دونوں مجھ سے بڑے ہیں۔ اگر قسطنطنیہ سے کبھی مجھے جانا پڑا تو میں سیدھا اپنے قبیلے میں جاؤں گا کیوں کہ میرے بھائی مجھے کئی بار وہاں بلا چکے ہیں۔

چند ثانیوں تک خاموش رہنے کے بعد مطریوس نے پھر لابان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تمہارے بعد ہماری سلطنت کے سب سے بڑے حریف ایران میں ایک زبردست انقلاب آگیا ہے۔"

لابان نے چونک کر پوچھا۔ "وہ کیا؟"

مطریوس نے کہا۔ "جو خبریں یہاں پہنچی ہیں، ان کے مطابق ایران کے بادشاہ ہرمز کو قتل کر دیا گیا ہے اور اس کی جگہ اس کا بیٹا خسرو پرویز تخت نشین ہوا ہے۔ اب دیکھیں ہمارے شہنشاہ ماریس سے وہ کیسے تعلقات رکھتا ہے۔ ورنہ اس کا باپ ہرمز اور دادا نوشیرواں تو بڑی سرگرمی سے ہمارے خلاف حرکت میں آتے رہے ہیں۔"

لابان یہ انقلاب آمیز خبر سن کر خاموش بیٹھا رہا۔ پھر وہ، مطریوس اور سمتوس اپنی اور ایرانیوں کی قوت کا ایک طرح سے موازنہ کرتے ہوئے گفتگو کرنے لگے تھے۔ کافی دیر تک وہ گفتگو کرتے رہے۔ یہاں تک کہ حویلی کی صفائی کرنے کے بعد نیا بوث اور شوطار وہاں آئیں۔ انہوں نے کھانا لگایا اور سب مل کر کھانے لگے۔

ایران کا بادشاہ ہرمز اپنے باپ نوشیرواں کی طرح امراء کے ساتھ سختی سے پیش آنے والا اور غُربا و مساکین کے ساتھ نرمی برتنے والا تھا لیکن وہ اپنے باپ نوشیرواں جیسا دانشمند اور دُور اندیش نہ تھا۔ لہٰذا اُمراء کی اکثریت اس کے خلاف ہوگئی۔

ہرمز کے مخالف اُمراء میں اس کا مشہور جرنیل بہرام چوبین تھا۔ اس نے ایرانی سرحدوں کو ترکوں کی یلغار سے محفوظ کیا اور لازیکا کی جنگ میں جب رومنوں کے ہاتھوں اسے شکست ہوئی تو ہرمز نے بہرام پر بہتان تراشی کی اور اس ہزیمت کو اس کی کوتاہی قرار دیتے ہوئے اس کی خوب مذمّت کی۔ اس بنا پر بہرام ہرمز کے سخت خلاف ہوگیا اور اس وقت وہ اپنے لشکر کے ساتھ شہر رَے میں مقیم تھا۔ ہرمز کا بیٹا خسرو پرویز بھی اِن دِنوں رَے شہر میں ٹھہرا ہُوا تھا۔

خسرو پرویز کو اپنے سامنے نیچا دکھانے کے لیے بہرام نے ایک انتہائی بھیانک چال کی ابتدا کی اور سب سے پہلے اس نے خسرو پرویز اور اس کے باپ ہرمز کے درمیان اختلافات پیدا کرنے کی کوشش کی۔

بہرام نے شاہِ ایران ہرمز کے بیٹے خسرو پرویز کے نام کے جعلی سکّے رَے شہر سے جاری کیے اور کچھ سوداگروں کے ہاتھ انہیں سلطنت کے پایہ تخت مدائن کی طرف بھیج دیا۔ ہرمز نے ان سوداگروں کو بلا بھیجا جو یہ سکّے مدائن سے لائے تھے اور پوچھا کہ تم یہ سکّے کہاں سے لائے ہو؟"

ایک سوداگر نے بہرام کی سازش کے مطابق جواب دیتے ہوئے کہا "یہ سکّے خسرو پرویز نے اپنے نام سے رَے شہر سے جاری کیے ہیں اور شہزادہ و ولی عہد خسرو پرویز کے سکّے لینے سے انکار کرنا ہمارے لیے ممکن نہ تھا۔

ہرمز یہ سن کر سخت برہم ہُوا اور ایسے سکّے جاری کرنے سے متعلق اس نے اپنے بیٹے خسرو پرویز سے استفسار کیا۔ خسرو نے ہرچند اپنی بے گناہی کا اظہار اپنے خطوط میں کیا لیکن ہرمز کو اس کا یقین نہ آیا۔ آخر خسرو پرویز اپنے باپ کی سخت گیری

سے ڈر کر رَے شہر سے آذربائیجان کی طرف بھاگ گیا۔ یہاں پہنچ کر وہ آذر گشنسپ کے معبد میں پناہ گزین ہوگیا۔

خسرو پرویز کے دو ماموں جو ہرمز کے لشکر میں جرنیل تھے اور جن کے نام بندوی و بسطام تھے۔ ہرمز نے اس احتیاط کے تحت ان دونوں جرنیلوں کو زنداں میں ڈال دیا کہ کہیں اپنے بھانجے کی طرف داری میں وہ اس کے خلاف بغاوت نہ کر دیں۔

بہرام نے جب دیکھا کہ دونوں باپ بیٹے میں اختلافات پیدا ہوگئے ہیں اور خسرو پرویز کے دونوں ماموں بندوی اور بسطام کو زنداں میں ڈال دیا گیا ہے تو اس نے ہرمز کے خلاف بغاوت کر دی۔

اس بغاوت سے دیگر شاہی لشکر بھی ہرمز کے خلاف ہو گیا۔ ہرمز جب اپنے لشکر کی وفاداری سے محروم ہوا تو رعایا کی ہمدردیاں بھی ختم ہوگئیں اور لوگ اس کے خلاف ہوگئے۔ پایہ تخت مدائن میں ہر طرف بادشاہ کے خلاف نعرے بلند ہونے لگے۔ آخر لوگوں نے زنداں کو توڑ کر خسرو پرویز کے ماموں بندوی اور بسطام کو رہا کرا لیا۔ عوام نے ہرمز کو تخت سے محروم کرکے اور اس کی آنکھیں نکلوا کر زنداں میں ڈال دیا پھر اسی قید میں ہرمز کو قتل کرا دیا گیا۔

ہرمز کے قتل کے بعد بندوی اور بسطام نے فوراً ہرمز کے بیٹے، ولی عہد اور اپنے بھانجے خسرو پرویز کو بُلا بھیجا۔ خسرو پرویز فوراً آذربائیجان سے مدائن پہنچ کر تخت نشین ہوگیا۔ ان دِنوں پایہ تخت کے حالات دِگرگوں تھے۔ اُمراء اپنا تسلّط قائم کرنے کے لیے دوڑ دھوپ کر رہے تھے۔

اس ناموافق صورتِ حال کو بہتر بنانے کی خاطر خسرو پرویز نے چاہا کہ وہ سب سے پہلے اپنے باپ کے باغی جرنیل بہرام چوبین کو اپنی اطاعت پر مائل کرنے کی کوشش کرے اور اس کی خطاؤں کو درگذر کر جائے۔ اسی خیال کے تحت خسرو پرویز نے ایک ہمدردانہ و مشفقانہ مراسلہ بہرام چوبین کو ارسال کیا جس میں اس نے لکھا کہ

"میرا باپ ہرمز جس سے تمہیں اختلاف تھا ختم ہوچکا ہے اگر تم میری اطاعت کر لو اور پایہ تخت واپس آجاؤ تو میں خسرو پرویز تمہیں اپنے لشکر کا سپہ سالار مقرر کر دوں گا۔ اس طرح فارس کی وسیع سلطنت میں تمہیں بادشاہ سے دوسرے درجے کا منصب مل جائے گا۔"

بہرام نے خسرو کے شفیقانہ مراسلے کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا اور نہایت گستاخانہ انداز میں خسرو کے نام خط تحریر کرتے ہوئے اس نے لکھا۔ "تُو نے اپنے باپ سے وحشیانہ سلوک کیا۔ تو نے لوگوں کو آمادہ کرکے اسے اندھا کیا پھر تخت سے محروم کرکے اسے قتل کرادیا۔ بیٹا کبھی باپ سے ایسا سلوک نہیں کرتا۔ تم اپنا تاج اُتار کر میرے حضور آؤ تاکہ میں تمہیں کسی ایرانی صوبے کی حکومت سونپ دوں۔"

خسرو نے اس گستاخانہ مراسلے سے قطع نظر کرتے ہوئے۔ بہرام کو ایک اور مراسلہ روانہ کیا اور لکھا کہ ہرمز کے ساتھ جو وحشیانہ سلوک ہوا اس سے میرا کوئی تعلق نہ تھا۔"

اس کے علاوہ بھی خسرو پرویز نے ہرطرح سے بہرام کی دلداری کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس ساری ہمدردی اور دردمندی کا بہرام چوبین پہ کوئی اثر نہ ہُوا لہٰذا خسرو پرویز اپنا لشکر لے کر بہرام چوبین کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوگیا۔

بہرام چوبین کا تعلق فارس کے نامور خاندان مہران سے تھا اور اس خاندان کا دعویٰ تھا کہ وہ قدیم اشکانی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اپنی اس خاندانی برتری کی وجہ سے بھی بہرام آمادہ بغاوت ہوا اور فارس کا بادشاہ بننے کے خواب دیکھنے لگا تھا۔ اسی لیے خسرو پرویز کے ساتھ وہ کسی بھی قسم کی گفت وشنید کرنے پہ رضامند نہ تھا۔ اسی بنا پہ وہ اپنا لشکر لے کر رَے شہر سے روانہ ہُوا اور مدائن کی طرف اس نے کوچ کیا۔

خسرو پرویز بھی ایک جرار لشکر کے ساتھ بہرام کی سرکوبی کے لیے مدائن سے نکلا۔ مدائن سے باہر دونوں میں ہولناک جنگ ہوئی جس میں خسرو پرویز کو بدترین شکست ہوئی اور وہ بھاگ کر دریائے فرات پار کر گیا۔

بہرام چوبین ایک فاتح کی حیثیت سے مدائن میں داخل ہُوا۔ تاجِ شاہی پہن کر اس نے بادشاہ ہونے کا اعلان کیا اور اپنے نام کے سکّے جاری کردیے۔

خسرو پرویز نے اپنے چند جان نثاروں کے ساتھ بھاگ کر دریائے فرات عبور کرنے کے بعد قسطنطنیہ کا رُخ کیا تاکہ بہرام چوبین کے خلاف قیصرِ روم سے مدد حاصل کرے۔ اس کے ساتھ اس کے جو ساتھی تھے ان میں اس کے دونوں ماموں بندوی اور بسطام بھی تھے۔

بہرام کو بھی خبر ہوگئی کہ خسرو پرویز بھاگ کر قیصرِ روم کی طرف گیا ہے۔ لہٰذا اس نے اپنے ایک جرنیل اور اپنے ہم نام بہرام سیاؤشان کو چار ہزار سوار دے کر تعاقب میں لگا دیا۔

لگاتار سفر کرنے کے باعث خسرو پرویز ایک روز آرام کرنے کی خاطر نصرانیوں کے ایک معبد میں ٹھہر گیا۔ جس وقت خسرو پرویز اور اس کے ساتھی گہری نیند سوئے ہوئے تھے اس معبد کے راہب نے دفعتاً انہیں جگا دیا اور کہا۔ "دیکھو ایک لشکر چلا آرہا ہے، شاید وہ تمہارے تعاقب میں ہو۔"

خسرو پرویز کے ماموں بندوی نے اس موقع پر خسرو پرویز کو مشورہ دیتے ہوئے کہا۔ "میرے ذہن میں تو اب بچ نکلنے کی صرف ایک ہی تدبیر ہے کہ اپنی جان دے کر تمہیں بچا لوں۔"

خسرو پرویز نے کہا۔ "خالِ محترم! اس چارہ گری میں تمہاری جان بھی بچ جائے۔ چارہ گری کا نتیجہ تو یزدان کے ہاتھ میں ہے لیکن اگر تم ہلاک بھی ہو جاؤ تو تمہاری ہلاکت ہمیشہ کے لیے یادگار رہے گی اور اگر تم بچ جاؤ تو تمہارا خطرہ قبول کرنا تمہارے لیے جاہ و منزلت کا موجب بن جائے گا۔"

بندوی نے کہا۔ "اگر ایسا ہے تو اپنا لباس اُتار کر مجھے دے دو اور خود سادہ لباس پہن کر اپنے محافظوں کے ساتھ یہاں سے نکل جاؤ اور تعاقب کرنے والوں کو مجھ پر چھوڑ دو۔" خسرو پرویز نے فوراً اپنا شاہانہ لباس اُتار کر اپنے ماموں بندوی کے حوالے کیا اور خود سادہ سا عام لباس پہن کر وہ اپنے دوسرے ماموں بسطام اور دیگر ہمراہیوں کے ساتھ اس معبد سے نکل بھاگا۔

بندوی نے شاہی لباس زیب تن کیا اور اس راہب سے استدعا کرتے ہوئے اس نے کہا کہ "یہ ہمارا راز ہے تم اس راز کو افشا نہ کرنا ورنہ میں تمہیں زندہ نہ چھوڑوں گا۔"

راہب نے کہا۔ "تم جو چاہو کرو، میں کسی سے کچھ نہ کہوں گا۔"

اتنے میں بہرام چوبین کا جرنیل اور بہنوئی بہرام سیاؤشان اپنے چار ہزار سے

لشکر کے ساتھ تعاقب کرتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔ بندوی نے شاہی پٹکا سر پر باندھا ۔معبد کا دروازہ اندر سے مقفل کیا اور معبد کی چھت پر چڑھ گیا۔

اہلِ لشکر نے دیکھا کوئی شخص زربفت کا لباس زیبِ تن کیے چھت پر کھڑا ہے۔ اس کا لباس آفتاب کی روشنی میں جگمگا رہا تھا۔ انہیں یقین ہو گیا کہ خسرو پرویز یہیں ہے لہٰذا بہرام سیاؤشان نے اپنے لشکر کے ساتھ معبد کا گھیراؤ کر لیا۔

بندوی نیچے اُترا ۔شاہی لباس اُتار کر اس نے اپنے کپڑے پہن لیے پھر وہ دوبارہ چھت پر چڑھ آیا اور معبد کا گھیراؤ کرنے والے فارس کے لشکر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”اے اہلِ لشکر! مَیں بندوی بول رہا ہوں ،تمہارا جو جرنیل ہے اسے کہو میرے قریب آکر میری بات سُنے“۔

بہرام سیاؤشان جب اپنے لشکر سے نکل کر معبد کی عمارت کے قریب جاکر کھڑا ہُوا تو بندوی نے اسے سلام کہا اور بولا کسریٰ خسرو پرویز کی طرف سے آپ کو سلام پہنچے۔یزداں کا شکر ہے کہ ہمارا تعاقب کرنے والے آپ ہیں۔مَیں سمجھتا ہوں آپ ہمارے ہی آدمی ہیں۔“

یہ بات بندوی نے اس لیے کہی تھی کہ بہرام سیاؤشان اس کے بہترین دوستوں میں سے تھا۔ بہرام سیاؤشان بندوی کو پہچان لینے کے بعد کہا ۔”بے شک مَیں کسریٰ کا غلام ہوں۔“

اس پر بندوی نے اپنا جال پھیلاتے ہوئے کہا ۔” اگر ایسا ہے تو بہرام سیاؤشان سنو! کسریٰ نے یہ پیغام دیا ہے کہ مَیں پچھلے تین روز سے لگاتار گھوڑے کی پیٹھ پر سفر کرتا آ رہا ہوں ۔اس وقت سخت پریشان اور مضمحل ہوں ۔مَیں جانتا ہوں کہ مجھے تمہارے ساتھ بہرام چوبین کے پاس جانا ہے اور اپنے آپ کو موت کے سپرد کرنا ہوگا ۔پر اس موقع پر اگر آپ نامناسب نہ جانیں تو مَیں تھوڑی دیر کے لیے ستالوں ۔آپ اور آپ کا لشکر بھی آرام کرے ۔شام ہوتے ہی یہاں سے واپس مدائن کی طرف چل دیں گے“۔

بہرام سیاؤشان مان گیا اور اپنے لشکر کو آرام کرنے کا حکم دیا۔جب شام ہو گئی بندوی پھر معبد کی چھت پر آیا اور بہرام سیاؤشان کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا۔ بہرام سیاؤشان! اب کسریٰ نے یہ پیغام بھیجا ہے کہ تم نے شام تک انتظار کیا ہے ۔اب رات ہونے کو ہے ۔تاریکی چھانے لگی ہے اگر ممکن ہو تو رات بھر اور صبر کر لو تمہاری یہ بہت بڑی نیکی ہو گی۔صبح ہوتے ہی یہاں سے چل دیں گے“۔

بہرام سیاؤشان نے کہا ۔”یہ مناسب بات ہے مَیں ضرور اس پر عمل کروں گا۔ کسریٰ کا جو مجھ پر حق ہے وہ حق مجھے ادا کرنا ہوگا“۔

بہرام سیاؤشان نے اپنے لشکر کو رات وہیں بسر کرنے کا حکم دے دیا ۔تاہم اس نے اپنے لشکر کا ایک حصّہ معبد کے اردگرد پھیلا دیا اور انہیں چوکنّا اور خبردار رہنے کا حکم دے دیا تھا۔

اگلے روز جب دھوپ کافی چڑھ آئی تو بندوی پھر اس معبد کی چھت پر نمودار ہُوا اس وقت تقریباً دوپہر ہو رہی تھی ۔بندوی نے پھر بہرام سیاؤشان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ۔” ہمیں تمہارے ساتھ بہرام چوبین کے پاس چلنا تو ہوگا ہی کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ دوپہر ڈھل جائے پھر ہم یہاں سے مدائن کی طرف کوچ کریں“۔

اس پر بہرام سیاؤشان نے کچھ بے صبری اور برافروختگی کا اظہار کیا۔ بندوی چھت سے اُتر کر نیچے چلا گیا پھر اس نے معبد کا دروازہ کھول دیا اور بہرام سیاؤشان کے قریب آکر اس نے کہا۔

” یہاں تو مَیں اکیلا ہی ہوں ،تمہارا کسریٰ خسرو پرویز تو کل کا یہاں سے جا چکا ہے ۔ مَیں نے چاہا تھا کہ کسی حیلے سے تمہیں ایک دن اور ایک رات روکے رکھوں تاکہ خسرو پرویز تم لوگوں کی دسترس سے باہر ہو جائے اور تم دیکھتے ہو مَیں اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب رہا ہوں ۔اب اگر تم خسرو پرویز کا تعاقب کرنے کی کوشش کرو بھی تو تمہاری سعی ناکام اور رائیگاں جائے گی ۔ اس لیے کہ خسرو پرویز اب اپنی منزل پر پہنچنے والا ہوگا اب مَیں حاضر ہوں جہاں چاہے لے چلو۔“

اس انکشاف پر بہرام سیاؤشان سخت ششدر اور برہم ہُوا۔ تاہم اس نے معبد کی تلاشی لی اور بندوی کو لے کر وہ مدائن کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

بہرام سیاؤشان نے مدائن پہنچ کر جب بندوی کو بہرام چوبین کے سامنے پیش کیا تو بہرام چوبین نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اے فاسق و فاجر انسان! کیا یہ کافی نہ تھا کہ تم نے ہرمز کی آنکھیں نکلوا کر اسے قتل کر دیا۔ اب تم نے خسرو کو ہماری دسترس سے باہر کر دیا ہے۔ تمہیں ایسی ذلّت کی موت مارا جائے گا جس کے ذکر سے دوسرے لوگوں کو عبرت ہوگی لیکن یہ اس وقت ہوگا جب تمہارا بھائی بسطام بھی ہمارے قابو میں آجائے گا جو ہرمز کو قتل کرنے میں برابر کا شریک ہے۔"

پھر بہرام چوبین نے اپنے بہنوئی بہرام سیاؤشان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "بندوی کو تم اپنے ساتھ لے جاؤ اور اسے اس وقت تک اپنی نگرانی میں اپنے ہاں نظر بند رکھو جب تک اس کا دوسرا بھائی ہمارے ہاتھ نہیں لگتا اور ہم ان کے لیے کوئی عبرت خیز سزا تجویز نہیں کرتے"۔ بہرام سیاؤشان بندوی کو لے کر بہرام چوبین کے پاس سے چلا گیا۔

بہرام سیاؤشان کے دل میں بندوی کا بڑا احترام اور بڑی عزت تھی۔ اس لیے بندوی کو اسے اپنا ہم نوالہ و ہم پیالہ بنانے میں کچھ زیادہ دیر نہ لگی۔ آخر دونوں نے مل کر سازش تیار کی کہ بہرام چوبین کو چوگان کھیلنے کے دوران قتل کر دیا جائے۔ بہرام سیاؤشان کی بیوی چونکہ بہرام چوبین کی بھانجی تھی۔ وہ ان دونوں کی سازش سے آگاہ ہوئی اور فوراً اس کی اطلاع اس نے اپنے ماموں سے کر دی۔

اس سازش کی اطلاع جب بہرام چوبین کو ہوئی تو اس نے فوراً بہرام سیاؤشان کا سر قلم کرا دیا۔ تاہم بندوی کسی نہ کسی طرح فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا اور آذربائیجان کی طرف چلا گیا تھا۔

○

خسرو پرویز عرب قبیلے طے کے سردار ایاس کی مدد سے رومیوں کے شہر سرکیسیم پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہاں رومیوں نے اس کا پُرتپاک خیر مقدم کیا۔

خسرو پرویز کو اپنے پاس قسطنطنیہ بلانے سے قبل قیصر روم مارس نے چند ایک

اپنے مشیروں سے مشورہ کیا پھر اس نے اعلان کر دیا کہ قیصر روم خسرو پرویز کو نہ صرف ایک مہمان بلکہ اپنا فرزند سمجھتا ہے اور وہ بہرام چوبین کے خلاف جنگ کرنے میں اس کی پوری پوری مدد کرے گا۔ پر ساتھ ہی اپنے مفاد کو نگاہ میں رکھتے ہوئے قیصر روم مارس نے یہ بھی کہا کہ اہلِ روم یہ توقع رکھنے میں بھی حق بجانب ہوں گے کہ ایرانی آرمینیا پر رومی تسلّط تسلیم کر لیا جائے۔ وارا اور مارٹیروپولس کے علاقے رومیوں کے حوالے کر دیئے جائیں۔

خسرو پرویز نے فوراً ان شرائط کو تسلیم کر لیا۔ تب مارس نے خسرو پرویز کو قسطنطنیہ بلایا۔

قیصر روم مارس نے خسرو پرویز کی اس قدر عزّت افزائی کی کہ اپنی حسین ترین بیٹی مریم اس نے خسرو پرویز سے بیاہ دی اور اپنے ایک صفِ اوّل کے جرنیل نرسس کو ایک جرار رومی لشکر دے کر خسرو پرویز اور اپنی بیٹی کے ساتھ روانہ کر دیا تا کہ وہ خسرو پرویز کو اس کا کھویا ہُوا وقار اور تخت و تاج دوبارہ حاصل کرنے میں مدد دے۔

پورے فارس میں یہ خبر پھیل گئی تھی کہ خسرو پرویز اپنا کھویا ہُوا تاج و تخت دوبارہ حاصل کرنے کی خاطر رومیوں کا ایک بہت بڑا لشکر لے کر فارس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ لہٰذا اس کے حامی خوشیاں منانے لگے تھے۔

دوسری طرف اس صورتِ حال سے نمٹنے کی خاطر بہرام چوبین نے بھی جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ بہرام چوبین نے اپنے ایک آزمودہ کار جرنیل زبکیس کو روانہ کیا کہ وہ خسرو پرویز اور رومی جرنیل نرسس کی راہ روکے۔ زبکیس اس شاہراہ کے کنارے خیمہ زن ہو گیا جو دریائے دجلہ کو پار کر کے قسطنطنیہ کی طرف جاتی تھی۔

جب خسرو پرویز اور رومی جرنیل نرسس نے اپنے لشکر کے ساتھ دریائے دجلہ کو پار کیا تو زبکیس نے ان پر حملہ کر دیا۔ دریائے دجلہ کے کنارے گھمسان کا رن پڑا۔ جس میں خسرو پرویز اور رومیوں کا پلّہ بھاری رہا۔ بہرام چوبین کے لشکر کو ذلّت آمیز شکست ہوئی اور اس کے جرنیل زبکیس کو گرفتار کر لیا گیا۔

خسرو پرویز نے اس موقع پر زبردست انتقامی کارروائی کی۔ اس نے بہرام چوبین کے گرفتار ہونے والے جرنیل زنگیئس کے کان اور ناک کٹوا دیئے اس کے بعد اپنے پورے لشکر میں اسے گھما کر اس کی نمائش کی گئی ذلیل کیا اور بعد میں اسے قتل کر دیا گیا۔

ادھر آذربائیجان میں بندوی کو جب اپنے بھانجے خسرو پرویز کے واپس آنے کی اطلاع ملی تو اس نے آذربائیجان سے ایک زبردست لشکر جمع کیا اور خسرو پرویز سے آملا۔ اب یہ متحدہ لشکر ایران کے اندر بڑی تیزی سے ترکتاز کرتا ہوا سلیوکیا اور مدائن شہروں کی طرف بڑھا۔ بہرام چوبین بھی اپنے لشکر کے ساتھ ان کی طرف کوچ کر چکا تھا۔

لابان اور اس کا ہمسایہ سمتوس بھی اس لشکر میں شامل تھے جس نے خسرو پرویز کے ہمراہ ایران کی طرف کوچ کیا تھا اور جس کا سالار مشہور رومی جرنیل نرسس تھا۔ لابان اور سمتوس دونوں نرسس کے نائب تھے۔ لابان میسرہ کا کماندار تھا جب کہ سمتوس کے پاس لشکر کا میمنہ تھا۔

آخر جب نرسس اور بہرام چوبین کے لشکر ایک دوسرے کے آمنے سامنے آئے تو رومی جرنیل نرسس نے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ لشکر کا قلب اس نے اپنے پاس رکھا اور قلب میں ہی اس کے ساتھ خسرو پرویز بھی تھا۔ لابان میسرہ کا کماندار تھا جب کہ سمتوس کے پاس میمنہ تھا۔

دونوں لشکروں میں گھمسان کی جنگ ہوئی۔ آخر رومن کامیاب رہے اور بہرام چوبین شکست کھا کر میدانِ جنگ سے بھاگ نکلا۔ نرسس اور خسرو پرویز نے اس کا تعاقب شروع کر دیا۔ لابان کا ہمسایہ سمتوس بے چارہ اس جنگ میں مارا گیا۔

بہرام چوبین بچ کر کوہستانی علاقے کی طرف نکل گیا۔ نرسس اور خسرو پرویز نے اس کا پیچھا کیا۔ کوہستانی علاقے میں بہرام چوبین نے رومنوں کو زبردست نقصان پہنچایا اور انہیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیا لیکن جب رات کی تاریکی چھائی تو بہرام چوبین اپنی جمعیت کی کمزوری محسوس کرتے ہوئے کردستان کے پہاڑوں کی طرف نکل گیا اور کنزاکا (دشنیہ) کے مشہور قلعے میں پناہ گزین ہو گیا۔ پر خسرو پرویز بہرام چوبین کو اپنے

راستے کا سب سے خطرناک کانٹا سمجھتا تھا۔ لہٰذا اس نے رومن لشکر کے ساتھ اس کا تعاقب جاری رکھا۔

اپنے قلعے سے نکل کر ایک بار پھر بہرام چوبین[1] کھلے میدان میں آیا اور رومنوں سے جنگ کی ابتدا کر دی۔ اس بار اس نے جنگ میں اپنی بہترین شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ اور رومنوں کے بائیں بازو پر اس نے ایسا زوردار حملہ کیا کہ قریب تھا۔ رومنوں کا بایاں بازو پسپا ہو کر میدان جنگ سے بھاگ جاتا اور نتیجے میں بہرام چوبین کو فتح ہو جاتی۔ پر رومن جرنیل نرسس بڑا چالاک اور ہوشیار انسان تھا اس نے فوراً اپنے بائیں بازو کو مدد پہنچا دی اور خود اس نے بہرام چوبین کے قلب پر زوردار حملہ کر دیا۔ جس کے نتیجے میں بہرام چوبین کو پھر شکست ہوئی اور اپنی جان بچانے کی خاطر اس نے شمال کے ترکوں کے ہاں جا کر پناہ لے لی تھی۔ لیکن زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ترکستان میں ہی اسے کسی نے قتل کر دیا۔ اس طرح خسرو پرویز کو ایک بہادر اور خطرناک دشمن سے نجات مل گئی۔

○

بہرام چوبین سے نمٹنے کے بعد اپنے پایہ تخت مدائن کی طرف جاتے ہوئے خسرو پرویز نے رومن لشکر کے ساتھ راستے میں ایک جگہ پڑاؤ کیا۔ جس جگہ خسرو پرویز نے پڑاؤ کیا تھا۔ وہ ایسا خوب صورت اور جاذب نظر علاقہ تھا کہ خسرو پرویز اپنے لشکر کے ساتھ وہاں چند یوم کیلئے

---

[1] بہرام گشنسپ کا بیٹا تھا۔ وہ رَے کا رہنے والا تھا اور قبیلہ مہران کا رئیس تھا۔ اس زمانے میں فارس کے اندر کوئی بھی اس جیسا نڈر، شجاع اور صاحبِ تدبیر نہ تھا۔ وہ سیاہی مائل رنگ کا دراز قد انسان تھا۔ کہتے ہیں ایک مرتبہ جب کہ وہ نوجوان تھا اس کی اپنے کسی دشمن سے لڑائی ہو گئی۔ اس نے اپنے مخالف پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ وہ سر سے لے گھوڑے کی زین تک کٹ کر گر گیا۔ ارد گرد کھڑے لوگ شور کرنے لگے۔ "شوبین آں ضربت (یعنی اس ضرب کو دیکھو) جو رفتہ رفتہ بگڑ کر شوبین سے چوبین بن گیا اور وہ بہرام چوبین کہلانے لگا۔

رُک گیا ۔ وہ اس علاقے کے حُسن و جمال سے متاثر ہوتا رہا اور ساتھ ساتھ وہاں شکار بھی کھیلتا رہا ۔ اسی دوران خسرو پرویز نے حیلے سے کام لے کر اپنے ماموں بندوی اور بسطام کو بھی موت کے گھاٹ اُتروا دیا کیوں کہ یہ دونوں اس کے باپ ہرمز کے قاتل تھے ۔ لہذا ان دونوں کو ٹھکانے لگانے خسرو پرویز نے ایک طرح سے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لے لیا تھا ۔

ایک روز خسرو پرویز اپنے ندیموں اور مصاحبوں کے ساتھ جو شکار کھیلنے کو نکلا تو ایک بستی کے پاس سے گزرتے ہوئے وہ ایک سایہ دار درخت کے نیچے رُک گیا ۔ اچانک اس کی نظر ایک لڑکی پر پڑی جو اس راستہ پر آرہی تھی جو اس درخت کے پاس سے گذرتا تھا جس کے نیچے وہ اپنے گھوڑے پر سوار رکا ہُوا تھا ۔

وہ لڑکی جب خسرو پرویز کے پاس سے بے توجہی کے ساتھ گزرنے لگی تو خسرو پرویز نے دیکھا وہ ایک انتہائی خوب صورت لڑکی تھی ۔ اس کا سراپا ایسے تھا جیسے صحرا ؤں کے اندر کھولتی پیاس میں کوئی صراحی بہ بغل اور جام بکف حسینہ ۔

وہ آواز کی خوشبو، رنگوں کی صدا، گوہر شب تاب، نغمگی کے اُڑتے رنگ اور گنگناتی مہکتی بہاروں کے گیت جیسی پُر ناز جمال تھی ۔ اس لڑکی کے حسن و جمال سے خسرو پرویز ایسا متاثر ہوا کہ اسے آواز دے کر اس نے اپنی طرف بلایا ۔

وہ لڑکی آرزوؤں کی شورش اور ولولوں کے جنون کی طرح چلتی ہوئی خسرو پرویز کے پاس آئی اور ایک نیا اور انوکھا رنگین طلسم بکھیرتی آواز میں پوچھا ۔ ”اے اجنبی تونے مجھے کیوں بلایا ہے “۔

خسرو پرویز نے دیکھا اس کے ہاتھ میں سُرخ گلاب کے پھُول تھے ۔ اس کے ہونٹ گلابی قند، جسم پھول اور چہرہ مہتاب تھا ۔ خسرو پرویز کو اپنے سامنے کھڑی وہ ایسے لگ رہی تھی گویا کسی صحرا میں نرگس کا پھول یا شب کے ماتھے پر چمکتا مہتاب ۔ تھوڑی دیر تک خسرو پرویز اس چاندنی کے طلسم اور ہجر و وصال کے سپنوں جیسی لڑکی کو دیکھتا رہ گیا اور اسے کوئی جواب نہ دے سکا ۔ پھر وہ سنبھلا اور پوچھا ۔

”اے حسینہ ! تیرا نام کیا ہے اور تو کہاں رہتی ہے “۔

اس لڑکی نے بے التفاتی میں کہا ۔ ”اے اجنبی ! پر تو ایسی گفتگو مجھ سے کیوں کرتا ہے ؟ “

خسرو پرویز نے کہا ۔ ”دیکھو لڑکی ! میرا نام خسرو پرویز ہے ۔ میں فارس کا شہنشاہ ہوں اور بہرام چوبین کو شکست دے کر لوٹ رہا ہوں “۔

اس انکشاف پر وہ لڑکی چند ثانیوں تک مبہوت کھڑی رہی پھر وہ سنبھلی اور بڑے شوق سے اس نے خسرو پرویز کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ۔ ”اے بادشاہ ! میرا نام شیریں ہے، میں نصرانی ہوں اور اس سامنے والی بستی میں رہتی ہوں “۔

خسرو پرویز نے کہا ۔ ”اے حسینہ ! اگر میں تجھے اپنی ملکہ بنانا چاہوں پھر “۔

شیریں نے جھٹ کہا ۔ ”یہ میری خوش بختی ہو گی ۔ میں آپ کو خوش اور پُر سکون رکھوں گی “۔

خسرو نے اپنے ایک مصاحب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ۔ ”تم اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ اس لڑکی کے ساتھ اس کے گھر تک جاؤ اور اسے اور اس کے ماں باپ کو پڑاؤ میں لے کر آؤ “۔

شیریں خسرو پرویز کے ساتھیوں کو اپنے ساتھ لے کر چلی گئی خسرو پرویز شکار کرنے نکلا تھا پر خود شکار ہو کر پڑاؤ کی طرف لوٹ گیا ۔ تھوڑی دیر بعد اس کے مصاحب بھی شیریں اور اس کے ماں باپ کو لے کر آگئے ۔ اس کے ماں باپ کی مرضی سے خسرو پرویز نے شیریں سے شادی کر لی اور اسے ساتھ لے کر مدائن کی طرف روانہ ہو گیا ۔

خسرو پرویز نے شیریں کے ماں باپ کو مالا مال کر دیا تھا ۔ قیصرِ روم کی بیٹی اور خسرو پرویز کی پہلی بیوی نے اس شادی پر کوئی اعتراض نہ کیا تھا ۔

O

اپنے لشکر اور دونوں بیویوں شیریں اور مریم کے ساتھ خسرو پرویز اپنے

دار السلطنت مدائن[1] میں داخل ہوا۔ یہ شہر دو حصوں میں تقسیم تھا اور درمیان میں دریائے دجلہ بہتا تھا۔ بائیں اور مشرقی کنارے کے حصّے کا نام طیسیفون اور مغربی کنارے کے حصّے کا نام دیہہ اردشیر[2] تھا۔

شاہی محلات دریائے دجلہ کے دونوں کناروں پر تھے۔ شہر کے دونوں حصوں کے گرد مضبوط فصیلیں تھیں اور شہر کے ایک حصّے سے دوسرے حصّے کی طرف جانے کے لیے دریائے دجلہ پر دو[3] پُل بنے ہوئے تھے۔

کبھی یہ شہر سات شہروں کا ایک مجموعہ تھا لیکن بعد میں دیگر شہر تباہ ہو گئے صرف دو رہ گئے اور ان دو شہروں کی نسبت سے عرب اسے طیسیفون کی بجائے مدائن[4] کہہ کر پکارنے لگے۔

خسرو پرویز نے اپنے دار السلطنت میں داخل ہونے کے بعد جب دربار لگایا تو اس کے اُمراء اور اشراف نے شیرین سے خسرو کی شادی پر اعتراض کیا اور کہا کہ ایک ادنیٰ گھرانے کی عیسائی لڑکی کا شاہی حرم میں جگہ پانا انتہائی ناروا ہے۔

ان کی ناپسندیدگی کا سُن کر خسرو پرویز نے حکم دیا کہ ایک طلائی جام خون سے بھر کر لایا جائے۔ جب وہ جام اس کے سامنے لایا گیا تو اس نے حکم دیا کہ اس جام میں مَیل کچیل بھرا جائے۔ اس کے حکم کی فوراً تعمیل کی گئی۔ خسرو پرویز نے خون اور آلائش سے بھرا جام اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے امراء اور اشراف کو دکھاتے ہوئے پوچھا۔ "یہ جام کیسا ہے؟"

سب امراء یک زبان ہو کر بولے۔ "یہ جام انتہائی غلیظ اور ناپاک ہے۔"

---

[1] اس کا پرانا اور قدیم نام طیسیفون تھا۔

[2] اس کا پہلا نام سلیوکیا تھا۔

[3] ایک پُل ساسانی دَور کا پُرانا پُل تھا۔ دوسرا شاہ بہرردم نے تعمیر کرایا تھا۔

[4] مدینہ کی جمع مدائن کہ یہ دو شہروں کا مجموعہ تھا۔

پھر بادشاہ کے حکم پر اس سنہری جام کو خاکستر اور مٹی سے صاف کیا گیا اور اسے مشک وعنبر کی دھونی دی گئی۔ پھر اس جام میں چشمِ خروس کی مانند شراب گلگوں ڈال دی گئی۔ پھر وہی جام اپنے ہاتھ میں لے کر خسرو پرویز نے اپنے امراء سے پوچھا۔ "اب یہ جام کیسا ہے؟"

سب نے بلند آواز میں جواب دیا۔ "بہت صاف اور گوارا ہے۔"

تب خسرو پرویز نے کہا۔ "تو سنو! شیریں کی حالت بھی ایسی ہی ہے۔ جب وہ ہمارے پاس نہ تھی جام کی پہلی صورت میں تھی اب جب کہ وہ ہمارے پاس ہے تو وہ دوسرے جام جیسی ہو گئی ہے۔" خسرو پرویز کی اس دلیل کو سُن کر سب اُمرا اور درباری خاموش اور مطمئن ہو گئے۔

اپنے امراء کو اپنی طرف سے مطمئن کرنے کے بعد خسرو پرویز اپنی سلطنت کے استحکام میں لگ گیا۔ رومن جرنیل نرسس کو اس کے لشکر سمیت اپنے پاس ہی رکھا۔ تاہم لابان اور کچھ دیگر رومن جرنیل قسطنطنیہ واپس جا چکے تھے۔

رومی لشکر کے علاوہ خسرو پرویز نے ایک اپنا جرار لشکر بھی تیار کیا۔ جس میں پچاس ہزار گھوڑے، بارہ ہزار شتر اور ایک ہزار ہاتھی بھی شامل تھے۔ اپنے لیے خسرو پرویز نے ایک نہایت اصیل اور خوب صورت گھوڑے کا انتخاب کیا

اور اس گھوڑے کا نام اس نے شبدیز رکھا تھا۔ یہ گھوڑا خسرو پرویز کو اس قدر عزیز تھا کہ اس نے اعلان کر دیا تھا کہ جو بھی اس گھوڑے کی موت کی خبر دے گا۔ اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔

شیریں اور مریم کے ساتھ یہ دن امن اور سکون سے گزارنے کے لیے خسرو پرویز نے ایک مشہور گویّے اور موسیقار سرگس کو اپنے ہاں ملازم رکھا اور اس کے راگوں اور موسیقی سے لطف اندوز ہوتا تھا۔

شیریں[1] اور مریم کے علاوہ خسرو پرویز کے پاس حسین و جمیل بارہ ہزار کنیزیں بھی

---

[1] شیریں اپنے حسن و جمال کے باعث فارسی اور اردو ادب کے سرمائے میں اضافے کا باعث بنی

تھیں - ان میں وہ چند ہزار لونڈیاں بھی شامل تھیں جو رقص و سرود کے فن میں ماہر تھیں -

اس کے علاوہ خسرو پرویز نے اپنے لیے ایک عجوبۂ روزگار تخت بنوایا اور اس کا نام اس نے تختِ طاقدیس رکھا - گنبد کی شکل کا یہ شاہی تخت ہاتھی دانت اور ساگوان کا بنا ہُوا تھا - اس کے کٹہرے سونے اور چاندی کے تھے - اس کی لمبائی ایک سو اسّی ہاتھ، چوڑائی ایک سو تیس ہاتھ اور اونچائی پندرہ ہاتھ تھی - سیڑھیاں آبنوس کی تھیں سیڑھیوں کے اوپر سونے کا گنبد تھا -

تخت کا طاق سونے اور لاجورد کا تھا جس میں آسمان، ستاروں، برجوں اور ہفت اقلیم کی شکلیں بنائی گئی تھیں - بادشاہ کی تصویر اور رزم و بزم کے مناظر بھی دکھائے گئے تھے - تخت پر بچھانے کے لیے دیبا اور زربفت کے چار قسم کے قالین تھے - جو چار موسموں کو ظاہر کرتے تھے - یہ قالین یاقوتوں اور مروارید سے مُرصّع تھے -

بادشاہ کا تاج سونے کا تھا جس میں چڑیا کے انڈے کے برابر مروارید اور انار کے رنگ کے یاقوت جڑے تھے جو رات کے وقت صبح کا سماں پیدا کر دیتے تھے -

غرضیکہ خسرو پرویز اپنے عجائبات اور اپنے حرم کے ساتھ پُرسکون دن گزار رہا تھا کہ وقت کے سنگدل ہاتھوں نے اس سکون اور امن میں جنگ اور رزم کا تیر مارا - اور حالات یکدم تبدیل ہو کر رہ گئے -

ہوا یوں کہ جب تک خسرو پرویز کا خسر اور مریم کا باپ قیصرِ روم رہا ایران اور روم کے تعلقات پرامن رہے لیکن ۶۰۲ عیسوی میں قسطنطنیہ کے بعض طالع آزماؤں نے مارس کو قتل کر دیا اور اس کی جگہ ایک شخص فوکاس کو قیصرِ روم بنا دیا - حالانکہ فوکاس کو نہ کوئی سیاست کا تجربہ تھا اور نہ وہ ایسی جنگی ممارست رکھتا تھا کہ ایران اگر اس کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷) شیریں فرہاد کی عشقیہ داستان، نظامی کی مثنوی 'شیریں خسرو' اور امیر خسرو کی مثنوی 'خسرو شیریں' شیریں کے حسن و جمال کے باعث ہی ہے - شیریں کی یادگار اب قصرِ شیریں کے وہ کھنڈرات ہیں جو مدائن سے ہمدان جانے والی شاہراہ پر ہیں -

خلاف یلغار کرے تو وہ اسے روک سکے -

خسرو پرویز کو مارس کے قتل کا سخت صدمہ ہُوا کیوں کہ مارس اس کا خسر ہونے کے علاوہ اس کا محسن بھی تھا - ایران کا تاج تخت مارس کی وجہ سے ہی اسے ملا تھا اور پھر مارس کی بیٹی اور خسرو کی بیوی مریم خسرو پرویز کو برانگیختہ کر رہی تھی - لہٰذا خسرو پرویز نے اہلِ روم کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا -

○

رومن جرنیل نرسس بھی چوں کہ قیصرِ روم مارس کو ذاتی طور پر پسند کرتا تھا اور اس کی نرسس پر نوازشات بھی تھیں - لہٰذا اس نے اس لشکر کو جس کے ساتھ وہ ابھی تک ایران میں مقیم تھا اپنا ہم خیال بنا لیا - اس نے قیصر روم فوکاس کی حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اس کے خلاف بغاوت کر دی -

اب نرسس اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آیا - ایران سے نکل کر وہ روم کی سلطنت میں داخل ہُوا اور جنگ کی ابتدا کر دی - جو رومی لشکر اس کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا گیا اسے ناکامی ہوئی اور نرسس نے آگے بڑھتے ہوئے عدلیسا شہر پر قبضہ کر لیا اور وہاں اپنی علیحدہ حکومت قائم کر لی - نرسس نے یہ سب کچھ خسرو پرویز اور اس کی بیوی مریم کے کہنے پر کیا تھا -

اب خسرو پرویز بھی اپنا لشکر لے کر نکلا اور روم کی حدود میں داخل ہوا سب سے پہلے اس نے قلعہ دارا پر نزول کیا - یہ قلعہ کبھی ایرانیوں کا ہُوا کرتا تھا لیکن رومیوں نے اس پر قبضہ کر لیا تھا - لہٰذا خسرو پرویز نے اس قلعے کا محاصرہ کر لیا - نو ماہ تک برابر اس قلعے کا محاصرہ جاری رہا -

رومی قلعے کے دفاع کے لیے برابر کمک پہنچاتے رہے اور قلعے کا محافظ رومی لشکر نو ماہ تک گھمسان کی جنگ کرتے ہوئے قلعے کا دفاع کرتے رہے - اس دوران انہوں نے ایرانیوں کو قلعے کے نزدیک نہ آنے دیا - تاہم نو ماہ کے طویل محاصرے کے بعد ان کی ہمت اس وقت جواب دے گئی جب ان کی کمک اور رسد کا سلسلہ منقطع ہو گیا جس کے نتیجے میں

ایرانی ان پر غالب آگئے اور خسرو پرویز ایک فاتح کی حیثیت سے قلعے میں داخل ہوگیا۔

اس قلعے میں اپنے لشکر کو کچھ عرصہ آرام کرنے کا موقع دے کر خسرو پرویز نے پھر کوچ کیا۔ اب اس کا رُخ رومی سلطنت کے شمال مشرقی حصے کی طرف تھا اور ایک طوفانی کرتے ہوئے خسرو پرویز نے آمدہ شہر کا محاصرہ کیا اور چند یوم کی گھمسان کی جنگ کے بعد اس نے شہر فتح کر لیا اور اس پر اپنا قبضہ مضبوط کرنے کے بعد اس نے بین النہرین کے اکثر رومی قلعوں پر قبضہ کر لیا۔

ان لگاتار فتوحات سے خسرو پرویز کا حوصلہ بڑھا اور اس کے دل میں ایسا غرور پیدا ہوگیا کہ وہ اپنے محسن و مربّی نرسیس کو بھی فراموش کر گیا۔ نرسیس ہی وہ رومی جرنیل تھا جس نے اپنی طوفانی یلغاروں سے خسرو پرویز کو اس کا تخت دوبارہ حاصل کرنے میں مدد دی۔

اب خسرو پرویز چونکہ طاقت اور قوت پکڑ چکا تھا لہٰذا اس نے اس مہربانی اور احسان کو فراموش کر دیا اور اپنے لشکر کے ساتھ لگاتار کوچ کرتے ہوئے اس نے آگے بڑھ کر شہر پر حملہ کر دیا۔ یہ وہی شہر تھا جس میں نرسیس نے قیصر روم سے بغاوت کرنے کے بعد اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ خسرو نے نرسیس کو وہاں سے بھگا دیا اور عدلیسا شہر پر اس نے قبضہ کر لیا۔

اس کے بعد خسرو پرویز نے دریائے فرات کو پار کیا اور ہیرو پولس (حلب) پر بھی وہ قابض ہوگیا۔ اس قدر کامیابیوں کے بعد خسرو پرویز اپنے لشکر کی از سرِ نو تنظیم کرنے اور اپنی قوت میں مزید اضافہ کر کے رومنوں پر آخری اور کاری ضرب لگانے کی خاطر اپنے دارالسلطنت مدائن کی طرف چلا گیا تھا۔

مدائن واپس جاتے جاتے خسرو پرویز آرمینیا کے شہروں فرگیا اور تھینیا کو تباہ و برباد کرتا چلا گیا۔ روم کی بدنصیبی کہ فوکاس جیسا کمزور انسان قیصرِ روم بنا ہوا تھا۔ وہ خسرو پرویز کی ترکتاز اور پیش قدمی کو دیکھتا رہا اور اسے روکنے کے لیے اس نے کوئی عملی قدم نہ اٹھایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رومنوں پر خسرو کا خوف طاری ہونے کے علاوہ ان

کے دلوں میں قیصر روم فوکاس سے نفرت بھی پیدا ہوگئی۔

یہ حالات و واقعات ۶۰۹ عیسوی تک رونما ہوئے۔ اس وقت تک لابان اور نیا بوث کے ہاں ایک لڑکی اور تین لڑکے پیدا ہوئے۔ سب سے بڑی لڑکی تھی جس کا نام عذیقہ تھا۔ اس سے چھوٹے بھائی کا نام یوعام، دوسرے بھائی کا نام ترمید اور سب سے چھوٹے بھائی کا نام عدیم تھا۔

خسرو پرویز کے ان حملوں سے ہی لابان نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اب قیصر و کسریٰ کے درمیان جنگوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ لہٰذا احتیاط کو مدِّنظر رکھتے ہوئے اس نے اپنی بیوی نیا بوث کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ وہ نیا بوث کو اپنے بچوں کے ساتھ قبیلہ بنو سُلیم میں اپنے دونوں بھائیوں کے پاس چھوڑ آئے تاکہ جب تک قیصر و کسریٰ کے درمیان جنگ کی حالت رہے وہ وہیں امن اور سکون سے رہیں اور جنگ کے اختتام پر جب امن کی حالت ہو جائے گی تو انہیں واپس اپنے پاس لے آئے گا۔

لابان کی خوش قسمتی کہ ان دنوں عرب کی طرف جانے کے لیے دیارِ بکر کی طرف سے عربوں کا ایک تجارتی قافلہ آیا جس میں لابان کے اپنے قبیلے کے لوگ بھی شامل تھے۔ لہٰذا لابان نیا بوث اور بچوں سمیت عربوں کے اس تجارتی قافلے کے ساتھ اپنے قبیلے کی طرف روانہ

ہو گیا۔

جب عربوں کا یہ تجارتی قافلہ ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ سفر کرتا اور تجارتی مال کا لین دین کرتا صیدا شہر کے ۲۰ میل شمال میں پہنچا تو قافلے پر یہودی لٹیروں نے حملہ کر دیا اور قافلے کے اکثر لوگوں کو تہ تیغ کر کے انہوں نے کل مال و اسباب لوٹ لیا۔ کچھ لوگ جان بچا کر بھاگے اور جوان کے ہاتھ لگ گئے انہیں غلام بنا لیا گیا۔ پھر ان غلاموں کو انہوں نے جگہ جگہ فروخت کر دیا۔

نیابوت کو ایک مصری تاجر کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا۔ جس کے سمندر میں تجارتی جہاز چلتے تھے اور نیابوت کو جہاز کے اندر چپو چلانے والے غلاموں کا کھانا پکانے کے لیے ملازم رکھ لیا گیا۔ لابان بے چارہ لٹیروں کے ہاتھوں مارا گیا۔

لابان کے سب سے بڑے بیٹے یوعام کو انہوں نے بعلبک شہر کے رئیس کے پاس فروخت کر دیا جس نے یوعام کو اپنے ریوڑ چرانے پر لگا دیا۔ حذیفہ کو حیرہ کی عرب ریاست کے حکمران نعمان کے پاس فروخت کر دیا گیا جس کی کوئی اولاد نہ تھی لہٰذا اس نے حذیفہ کو اپنی بیٹی بنا کر رکھ لیا۔ ترمید کو ایک عرب اپنے ساتھ بھگا کر اور اس کی جان بچا کر لے گیا۔ سب سے چھوٹے بیٹے عدیم کو مصر کے ایک ایسے عرب کے ہاتھ بیچ دیا گیا۔ جو اسکندریہ شہر میں ہونے والے شاہی تیغ زنوں کی تربیت کا کام کرتا تھا۔ اس نے عدیم کی بہترین پرورش شروع کر دی اور اسے تلوار کا فن سکھانے لگا تاکہ وہ اسے ایک روز بہترین تیغ زن بنا کر مقابلے میں اتارے اور مصر کے حاکم سے داد و انعام حاصل کر سکے۔ یوں لابان کی بیوی اور بچے خشک پتوں کی طرح ایک دوسرے سے بچھڑ گئے تھے۔

○

ایک روز جب کہ سورج غروب ہونے کو تھا ایک عرب اپنے گھوڑے پر سوار قبیلہ بنو سلیم کی بستی میں داخل ہوا۔ وہ اپنے پیچھے لابان کے بیٹے ترمید کو بٹھائے ہوئے تھا۔ یہ وہی عرب تھا جو ترمید کو یہودی ڈاکوؤں سے بچا کر لے بھاگا تھا۔

ایک حویلی کے سامنے وہ گھوڑے سے اترا اور ترمید کو بھی اس نے نیچے اتار لیا۔

پھر اس نے آگے بڑھ کر اس حویلی کے دروازے پر دستک دی۔ تھوڑی دیر بعد ڈھلتی عمر کے ایک شخص نے دروازہ کھولا اور اس عرب نے ترمید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس دروازہ کھولنے والے شخص کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”اے ناحور بن ابدون! یہ سامنے جو بچہ کھڑا ہے اس سے مل، یہ تیرے بھائی لابان کا بیٹا ہے اس کا نام ترمید ہے۔“

ناحور تیزی سے آگے بڑھا اور ترمید کو اپنے ساتھ لپٹا کر پیار کرنے لگا۔ اتنی دیر تک حویلی کے دروازے پر ایک اور مرد، دو عورتیں، ایک لڑکا اور ایک لڑکی نمودار ہوئیں اور وہ سب ناحور کو اس حالت میں حیرت اور پریشانی کے عالم میں کھڑے دیکھ رہے تھے کہ وہ ترمید کو لپٹا کر اسے بری طرح چومے جا رہا تھا۔

پھر ناحور نے ترمید کو علیحدہ کیا اور حویلی کے دروازے پر کھڑے مرد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”یعرب! یعرب! میرے بھائی! اس بچے سے ملو۔ یہ ہم دونوں کے چھوٹے بھائی لابان کا بیٹا ہے۔ اس کا نام ترمید ہے۔“

یعرب بھی بھاگ کر آگے بڑھا اور ترمید کو اپنے ساتھ لپٹا کر پیار کرنے لگا۔ اس کے بعد دروازے پر کھڑی دونوں عورتیں بھی ترمید کو چومنے اور پیار کرنے لگی تھیں۔ پھر یعرب نے ترمید کو لپٹاتے ہوئے کہا۔ ”ترمید! ترمید! میرے بیٹے! میں تمہارا عم اور تمہارے ابا کا بڑا بھائی ہوں میرا نام یعرب ہے۔“

پھر یعرب نے اپنے بڑے بھائی ناحور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اور یہ تمہارے سب سے بڑے عم ہیں۔ ان کا نام ناحور ہے۔ پھر یعرب نے دونوں عورتوں کی طرف باری باری اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”وہ میری اور تمہاری چچی مازر ہے اور دوسری تمہارے عم ناحور کی بیوی زعران ہے یہ دونوں سگی بہنیں ہیں۔ دروازے پر جو لڑکی کھڑی ہے اس کا نام عشطانہ ہے اور ان دونوں کے ساتھ جو لڑکا ہے اس کا نام جرام ہے۔ عشطانہ میری بیٹی ہے جب کہ جرام تمہارے عم اور میرے بھائی ناحور کا بیٹا ہے۔

یعرب فدا رکا پھر اس نے ترمید سے کہا۔ ”میں نے اس گھر کے سب افراد سے تمہارا تعارف کرا دیا ہے۔ اب تم کہو تمہارے ماں باپ کہاں ہیں۔ میں نے ایک تاجر سے

سنا تھا کہ تم تین بھائی اور ایک بہن ہو ۔ بتاؤ تمہارے دوسرے بہن بھائی کہاں ہیں ؟"

جواب دینے کے بجائے ترمید تھوڑی دیر تک ہونٹ کاٹتا اور منہ بسورتا رہا، پھر وہ سسک سسک کر رونے لگا ۔

ناحور اور یعرب دونوں بھائی سوالیہ انداز میں ترمید کو اپنے ساتھ لانے والے اپنے قبیلے کے اس جوان کو دیکھنے لگے تھے جس نے اِن دونوں کی جواب طلب نگاہوں کے جواب میں لابان کے اپنے بچوں کے ساتھ ان کی طرف آنے اور راستے میں ڈاکوؤں کے حملہ آور ہونے اور سب کے بچھڑ جانے کے حالات تفصیل سے سُنا ڈالے تھے ۔

ناحور، یعرب اور ان کے بیوی بچے اُداس ہوگئے ۔ وہ عرب جوان جو ترمید کو اپنے ساتھ لایا تھا وہاں سے اپنے گھر کی طرف چلا گیا ۔ جب کہ ناحور، یعرب اور ان کے اہلِ خانہ ترمید کو پیار کرتے ہوئے اپنی حویلی کے اندر لے جا رہے تھے ۔

○

لابان کا بڑا بیٹا یوعام جو بعلبک[1] شہر کے ایک رئیس ناتان کے ہاتھ بکا تھا، اب جوان ہوگیا تھا ۔ وہ بے چارہ ہر روز ناتان کا ریوڑ لے کر نکلتا ۔ صبح سے شام تک وہ ریوڑ کو بعلبک شہر کے قدیم کھنڈرات کے ارد گرد چراتا رہتا ۔ شام کو ریوڑ لے کر لوٹتا ۔ اپنے مالک کے لیے ریوڑ کی بھیڑ بکریوں کا دودھ نکالتا اور کھانا کھا کر ریوڑ کے باڑے کے قریب ہی اپنے کمرے میں پڑ کر سو رہتا ۔

جس وقت وہ اپنے بھائیوں، ماں اور بہن سے بچھڑا اُس وقت وہ سیانا تھا ۔ اس نے ان کے بچھڑنے کا زیادہ اثر قبول کیا تھا ۔ وہ خاموش اور گم صم رہنے لگا تھا ۔ چراتے ہوئے وہ اکثر ان جوانوں کے ساتھ تیغ زنی کی مشق کرتا رہتا جو بعلبک کے قدیم شہر کے کھنڈرات کے قریب کھلے میدان میں تلوار زنی کی تربیت حاصل کرتے تھے اور جو

[1] اس دوسرا اور قدیم نام آفتاب نگر بھی ہے ۔ اس لیے کہ قدیم دور میں یہ شہر سورج دیوتا (بعل) کی پرستش کے لیے آباد کیا گیا تھا ۔ کبھی یہ شہر شام کے دیگر سب شہروں سے

ایستادہ تھا ۔ آگ روشن کرنے کے بعد یوعام پھر اپنے خیالات میں کھو گیا ۔ ماں، بہن اور بھائیوں کی یاد اس پر غالب آگئی تھی اور اس کا ذہن تصورات کے جزیروں میں بہت دُور چلا گیا تھا تصورات میں یوعام نے دیکھا عشتروت دیوی کا حسین مجسمہ دھوئیں کی پھیلتی باریک چادر میں ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے سارے زندہ رنگوں کے ساتھ اس کے اندر کوئی سرمدی روح حلول کر گئی ہو اور عشتروت کے مجسمے میں جان پڑ گئی ہو ۔

پھر تصور ہی تصور میں یوعام کو ایسے لگا جیسے بعلبک کے وہ قدیم اور اساطیری کھنڈرات ایک زندہ شہر کی صورت میں پھر آباد ہوگئے ہوں اور شہر میں رونق آگئی ہو ۔ گویا اپنے معطر محلوں میں شہزادیاں انتظار کرنے لگی ہوں ۔ بیاہتا عورتیں اپنے اپنے قفس میں شاداں ہوں ۔ فاحشہ عورتیں اپنی رسوائیوں کی گلیوں میں مصروفِ کار ہوں ۔ راہب اپنے راہب خانوں کو، کاہن اپنے معبدوں کو اور بے اولاد گورستانوں کو رواں دواں ہوگئے ہوں ۔ پھیلتے خیالات کی دھند میں اسے یوں لگا جیسے انطاکیہ کے گوشہ نشین، بیروت کے دانشور، یونان کے فلسفی اور مصر کے دیوتا سب وہاں آ جمع ہوئے ہوں ۔

پھر گویا بعلبک کے کھنڈرات میں پرانی قربان گاہ طلائی سلوں سے مزین ہوگئی ہو ۔ چراغ روشن اور خوشبوئیں سُلگ گئی ہوں ۔ فضاؤں میں عود و لوبان معطر ہو کر ماحول کو طلسم کے سکوت میں لے ڈوبے ہوں ۔

ایسے تصوراتی ماحول میں یوعام کو یوں لگا جیسے زندگی کے شعلہ کو بھڑکانے والی اور جوانی کی نگران عشتروت دیوی کے سامنے طرح طرح کے لوگ گھٹنوں کے بل گر کر دعائیں مانگ رہے ہوں ۔ ان کی مختلف آوازیں یوعام کے لاشعور میں ٹکرا کر صدائیں پیدا کرنے لگیں ۔ کوئی کہہ رہا تھا ۔ "اے جلیل القدر عشتروت ! رحم کر مجھ پر ترس کھا، مجھ سے میری محبوبہ کو ملا دے ۔"

کوئی دوسرا کہہ رہا تھا ۔ "اے مقدس عشتروت ! میری زندگی کی تاریکیوں کو اجالے میں بدل ۔"

کسی تیسرے کی آواز تھی ۔ "اے معجزات کی دیوی ۔ میں تیری حمد کے گیت گاؤں گا

دن وہ جوان نہ آتے وہ بعلبک شہر کے کھنڈرات میں گھومتا رہتا ۔

جاڑے کے موسم میں ایک روز جب کہ تیز یخ بستہ ہواؤں کے باعث سردی اپنے عروج پر تھی اور آسمان پر بادل بھی منڈلا رہے تھے ۔ یوعام اپنے مالک ناثان کی حویلی سے اس کا ریوڑ لے کر نکلا ۔ اس وقت اور وہ بچارہ بڑا اُداس تھا ۔ شاید ماں باپ اور بہن بھائیوں کی محبّت نے اس کے ذہن کے اندر پُرانی یادوں کا ایک طوفان کھڑا کردیا تھا اور اس کی حالت ایسی ہوگئی تھی ۔

ریوڑ اس نے چرنے کو کھلا چھوڑ دیا اور خود وہ سردی اور ہوا کی تیز مار سے بچنے کی خاطر بعلبک شہر کے قدیم کھنڈرات میں آکر بیٹھ گیا ۔ اتنی دیر تک اس کے ساتھی چرواہے بھی آگئے اور اپنے ریوڑوں کو چرنے کے لیے پھیلا کر وہ اس کے پاس آکر بیٹھ گئے ۔ ایک گڈریے نے اُداس بیٹھے یوعام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ۔

" یہ آج کچھ زیادہ ہی اُداس ہے آؤ ہم سب مل کر لکڑیاں اور گھاس پھوس جمع کریں اور یہاں یوعام کے پاس آگ کا الاؤ روشن کریں ۔ آج سردی بہت زیادہ ہے "

یوعام نے فوراً سنبھلتے ہوئے کہا ۔ " تم سب لکڑیاں چُن کر لاؤ ' میں گھاس پھوس جمع کر کے آگ روشن کرتا ہوں " ۔

وہ سب گڈریے وہاں سے چلے گئے ۔ تب یوعام اُٹھ کر خشک گھاس کھنڈرات کے اندر سے اکٹھی کر کے ایک جگہ ڈھیر کرنے لگا ۔

دوسرے چرواہے ابھی تک لوٹے نہ تھے جب کہ یوعام نے کافی خشک گھاس جمع کر لی تھی ۔ پھر اس نے اس جگہ آگ روشن کی جہاں سامنے عشتروت[ا] دیوی کا بوسیدہ مجسمہ بھی تک

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۴) حسین وجمیل ' آباد اور پُر رونق ہُوا کرتا تھا ۔

[ا] یہ قدیم فنیقی قوم کی دیوی تھی ۔ احترام وعزّت میں بعل (سورج دیوتا) کے بعد اس کا نمبر تھا ۔ یہ حُسن وپیدائش کی دیوی تھی ۔ فونیقی اس دیوی کی بڑی عزّت اور قدر کرتے تھے ۔ اس کی پرستش فونیقیوں سے یونانیوں میں داخل ہوئی اور انہوں نے حسن ومحبّت کی اس دیوی کا نام وینس رکھ لیا ۔

مجھے میرے جسمانی روگ سے نجات دے " ۔ غرضیکہ ان گنت آوازیں تھیں جو یوعام کے لاشعور میں ایک شور برپا کرنے لگی تھیں ۔

پھر تصوّرات کے چمکیلے پروں پر سوار یوعام نے دیکھا وہ خود بھی عشتروت دیوی کے حضور گھٹنوں کے بل گرا ہُوا تھا اور گڑگڑا کر کہہ رہا تھا ۔ " اے دیوی ! میرے دل کی پامالی جذبات کی شکستگی کا خیال کر ۔ مجھے المناک گھٹن ' بدنصیبیوں کے سائے سے بچا اور مجھے میرے اپنوں سے ملا ۔

اے عشتروت ! اے حسین مقدّس دیوی ! میں ایک راہ گم کردہ مسافر ہوں ' میری تلخی کو خوش گوار ' ہلاکت خیزی کو لطافت ' یادوں کی گرسنگی کو شیرینی عطا کر میں اپنے قافلے سے الگ ہوگیا ہوں ۔ قطع معاشرت کا شکار ہوں ۔ مجھ غریب الوطن اجنبی کو روگ سے نجات دے یا مجھے میرے ماں باپ اور بہن بھائیوں سے ملا کر مجھے میری رُوح کی چمک اور زندگی کی آخری رمق لوٹا اور مجھے لاوارث وبے گور وکفن مرنے سے بچا ۔ یا مجھے اپنے مادی لباس میں چھپا کر عناصر کی قید سے آزاد کردے ۔

یوعام نہ جانے کب تک افسانوی سطوت وجبروت ' اندھیری رُتوں کے غمگین سموں ' بجھی نگاہوں کے جلال اور لوحِ ذہن کے نقوش کا شکار رہتا کہ ایک دم دھندلی فطرت کی ان رعنائیوں ' دل کشیوں ' لذّتوں ' نکہتوں اور مستیوں کے سرور کا بے کراں سلسلہ ٹوٹ گیا ۔ کیوں کہ اس کے ساتھی چرواہے لوٹ آئے تھے اور لکڑیوں کے گٹھے انہوں نے اس کے پاس آ گرائے تھے جس کے باعث یوعام کا جلال آگیں جمال ۔ بولتی خاموش آنکھوں ' جوانی اور مسرت کے گیت گاتے تصوراتی لوگوں سے تسلسل ٹوٹ گیا ۔ بس اس کی ذہن کی منڈیر پر ایک طلسمی جھنکار اور لبوں پر زہریلے تبسم کی صورت ماورائے فطرت حقیقتیں تڑپ کر رہ گئی تھیں ۔

ایک چرواہا کندھے پر اٹھایا ہُوا لکڑیوں کا گٹھا زمین پر پھینک کر یوعام کے پاس آیا اور اس سے ہمدردی جتانے اور اُسے تسلّی دینے کے انداز میں اس نے بڑے پیار کے ساتھ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا ۔ " یوعام ! یوعام ! ہم سب جانتے

ہیں، تم اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں سے بچھڑے ہوئے ہو، پر صبر کرو ایک روز ضرور آئے گا کہ تم ان سے ملو گے۔"

اس ہمدردی کے الفاظ پر یوعام بے چارہ اور زیادہ پگھل کر رہ گیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور اس نے دکھ سے کہا۔ "آہ! میرا باپ مارا گیا، میری ماں اور بہن نہ جانے ان ظالموں کے ہاتھوں بک کر کہاں پہنچ گئی ہوں گی۔ میرے دو چھوٹے بھائی خبر نہیں کس حال میں ہوں گے۔ میرا سب سے چھوٹا بھائی ابھی صرف اڑھائی سال کا تھا۔ بچھڑ جانے سے صرف چند ماہ قبل ہی اس بے چارے کا دودھ چھڑایا گیا تھا اور اس نے کھانا شروع کیا تھا آہ وہ بہت خوب صورت اور صحت مند تھا۔ سارے بھائیوں میں وہ مجھے زیادہ پیارا لگتا تھا۔ وہ معصوم نہ جانے کہاں ہوگا۔ اس کا نام عدیم ہے۔ اس سے بڑا ترمید ہے۔ وہ بے چارے ابھی کم سن ہی ہیں۔ آہ ہماری بدقسمتی وہ نہ جانے کہاں کس حال میں ہوں گے"

یوعام نے روتے اور آنسو بہاتے ہوئے کہا۔ "آہ! ہم ظالموں کی آرزوؤں کی تور گناہگاروں کی حرص اور وحشیوں کے توہمات کا شکار ہوگئے ہیں۔ کاش ہم یوں بچھڑ نہ گئے ہوتے کاش یہ حقیقت میرے ذہن میں داخل نہ ہوتی کہ میرا عزیز باپ مر چکا ہے اور ہم اب یتیم ہیں۔ آہ کیسی تلخ حقیقت، کیسی زہر بھری خبر ہے۔

ہماری معصوم تمناؤں کی تعبیریں ایسی دیمک کا شکار ہوگئی ہیں جو روح اور بدن دونوں ہی کو چاٹ جاتی ہیں۔ میری کھلتے پھولوں کی طرح ہنسنے والی بہن، میرے عزیز بھائی اور میری شفیق و مہربان ماں نہ جانے یہ کہاں کہاں دھکے کھا رہے ہوں گے"۔ یوعام کی آنکھوں سے بے بسی اور بے چارگی کے آنسو بہتے رہے۔

ایک اور گڈریا آگے بڑھا اور یوعام کے پاس بیٹھتے ہوئے اس نے کہا۔ "تمہارا گھر کہاں ہے تم وہاں چلے گئے ہوتے۔ ہو سکتا ہے تمہاری ماں، بہن اور بھائی بھی وہیں جا چکے ہوں۔ تم اپنے آقا سے بات کرو۔ ہو سکتا ہے وہ کچھ رقم لے کر تمہیں آزاد کر دے"۔

یوعام نے کہا۔ "اول تو میں یہ رقم ہی کہاں سے حاصل کروں گا۔ دوم ہمارا کوئی گھر ہی نہیں جس کی طرف میں رخ کروں۔ مصر میں جو میرے باپ کے گھر تھے وہ انہوں نے بیچ دیئے تھے۔ عربوں کے کسی قبیلے میں میرے دو چچا ہیں۔ ان ہی کے پاس میرا باپ ہمیں لے کر جا رہے تھے کہ ہم تنکوں کی طرح بکھر گئے۔ مجھے، میری بہن اور بھائیوں کو تو یہ بھی علم نہیں۔ اس قبیلے کا نام کیا ہے، وہ کہاں اور کس جانب ہیں"۔

اس گڈریے نے پھر پوچھا۔ "تمہارے ساتھ تمہارے آقا اور اس کے گھر والوں کا کیسا سلوک ہے"۔

یوعام نے کہا۔ "میرے آقا کا نام ناثان ہے۔ وہ یہودی ہے۔ نہایت مہربان انسان ہے۔ میرے ساتھ اس کا سلوک ایک آقا کے بجائے مہربان و شفیق باپ جیسا ہے۔ وہ گھر کے صرف دو ہی فرد ہیں ایک وہ اور ایک اس کی بیٹی جس کا نام نباط ہے۔ جو اپنے باپ سے بھی بڑھ کر نرم دل اور مہربان ہے مجھے اپنے آقا اور اس کی بیٹی کی طرف سے کوئی تکلیف نہیں ہے۔ جو وہ خود کھاتے ہیں وہی مجھے دیتے ہیں۔ پہننے کے لیے جو کپڑے اپنے لیے خریدتے ہیں، ایسے ہی میرے لیے بھی لاتے ہیں"۔

یوعام خاموش ہو گیا کیوں کہ دائیں طرف میدان میں بعلبک کے وہ جوان نمودار ہوئے تھے جو وہاں تیغ زنی کی مشق کیا کرتے تھے۔ یوعام بھی تیغ زنی کی مشق کرنے اس میدان[1] کی طرف چلا گیا۔ اس کے ساتھی گڈریے آگ کا الاؤ روشن کرنا بھول گئے اور اس کے ساتھ چل دیئے۔

دن بھر ریوڑ چرانے اور تیغ زنی کی مشق کرنے کے بعد شام کو یوعام لوٹا اور ریوڑ کو لے کر وہ بعلبک شہر کی ایک وسیع حویلی میں داخل ہوا۔ اس وقت سورج غروب ہو رہا تھا اور فضاؤں کے اندر اندھیرا پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔

جس وقت وہ ریوڑ کو باڑے کی طرف ہانک رہا تھا حویلی کے اندر سے اس کے آقا ناثان کی بیٹی نباط بھاگتی ہوئی نکلی۔ اس کے ہاتھ میں دو برتن تھے۔ یوعام نے اس سے پوچھا

---

[1] یہ میدان کبھی تماشا گاہ تھے جنہیں ملعبین کہا جاتا تھا، لوگوں کی تفریح کے لیے حضرت سلیمانؑ نے تعمیر کرائے تھے۔ یہ دو میدان ہیں جن کے گرد بڑا قیمتی پتھر استعمال کیا گیا ہے۔

"اے میرے آقا کی بیٹی! کیا تمہارے ابّی ابھی تک اپنی دکان سے نہیں لوٹے؟"

نباط نے کہا۔ "نہیں وہ ابھی تک نہیں آئے۔ شاید آج گاہک زیادہ آگئے ہونگے"

یوعام نے پھر پوچھا۔ "اے آقازادی! تمہارے باپ کی کاہے کی دکان ہے"۔

نباط نے کہا۔ "کپڑے کی"۔

یوعام خاموش رہا پھر دونوں مِل کر بکریوں کا دُودھ نکالنے لگے تھے۔ تھوڑی دیر تک نباط کا باپ ناتان بھی آگیا۔ وہ ڈھلتی عمر کا ایک خوش شکل یہودی تھا۔ اس کے چہرے پر یوعام اور نباط کو کام کرتے دیکھ کر ہلکی ہلکی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ پھر وہ خود بھی یوعام اور نباط کے ساتھ مِل کر بکریوں کا دُودھ نکالنے لگا تھا

دودھ نکالنے کے بعد وہ تینوں اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھانے لگے تھے۔ یوعام کو ان دونوں باپ بیٹی نے یوں اپنے ساتھ بٹھایا تھا جیسے وہ ان کا غلام نہیں، اس گھر کا فرد ہو۔

خسرو پرویز اور اس کے جرنیلوں کے ہاتھوں رومی افواج کی پے درپے شکستوں سے اہل روم کے اندر اپنے حکمران قیصرِ روم فوکاس کے خلاف نفرت کی ایک شدید لہر دوڑ گئی۔ اور لوگ مطالبہ کرنے لگے کہ فوکاس کو زبردستی تخت سے اُتار کر کسی اور بہتر، قابل اور جرأت مند رئیس کو قیصرِ روم بنایا جائے۔

لوگوں کے دباؤ سے مجبور ہو کر قسطنطنیہ کی سینٹ نے ایک متفقہ فیصلہ کیا۔ جس کے تحت شمالی افریقہ کے رومن حاکم کے بیٹے ہرقل (ہرکولیس) کو طلب کیا گیا کہ وہ اپنا بحری بیڑا لے کر آئے اور فوکاس سے رومنوں کو نجات دلائے۔

یہاں سینٹ سے یہ غلطی ہوئی کہ اس نے فوکاس کو دست بردار ہونے کو نہ کہا۔ اگر وہ ایسا کرتے تو فوکاس خود ہی تاج و تخت سے دست بردار ہوجاتا کیوں کہ وہ طبعاً ایک نیک خو اور صلح پسند انسان تھا اور خون خرابے کے خلاف تھا۔ تاہم وہ بہادر اور جرأتمندوں کی قدر کرنے والا بھی تھا۔

ہرقل اپنا بحری بیڑہ لے کر افریقہ سے روانہ ہوا۔ اس کا ارادہ تھا کہ اگر جنگ کرنے کی نوبت آئی تو وہ اپنے بحری بیڑے سے کام لے کر فوکاس کی حامی فوجوں پہ غالب آجائے

گا۔ اس طرح وہ فوکاس کو قسطنطنیہ کے تاج و تخت سے محروم کر کے خود قیصرِ روم بن ج[ائے] گا لیکن یہاں لڑائی اور جنگ کی کوئی نوبت ہی نہ آئی۔ کیوں کہ قیصرِ روم فوکاس کو جب خبر ہوئی کہ اسے تاج و تخت سے محروم کرنے کے لیے ہرقل اپنے بحری بیڑے کے ساتھ افریقہ سے روانہ ہو گیا ہے تو وہ خود ہی تاج و تخت سے دستبردار ہو کر گوشہ نشین ہو گیا اور جب ہرقل اپنے بحری بیڑے کے ساتھ قسطنطنیہ پہنچا تو اسے قیصرِ روم بنا دیا گیا۔

ہرقل نے ایرانیوں کی فتوحات اور ان کی پیش قدمی روکنے کی خاطر جنگی تیاریاں [شروع] کر دی تھیں۔ یوں رومیوں کے اندر ایک زبردست تبدیلی رونما ہو گئی تھی۔ رومیوں [نے] جس طرح ماریس اور اس کے اہلِ خانہ کو قتل کیا تھا۔ اسی طرح انہوں نے فوکاس اور اس [کے] خاندان والوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

○

حیرہ کی عرب ریاست کا حکمران نعمان جس نے لابان کی بیٹی حذیفہ کو اپنی بیٹی کر کے اپنے پاس رکھ لیا تھا انتہائی شفیق اور نیک دل انسان تھا۔ یہاں نعمان کے پاس [حذیفہ] پلتی بڑھتی رہی حتیٰ کہ وہ پندرہ برس کی ہو گئی۔

اس دوران عدی نام کا ایک عرب شاعر جو ایران کی پہلوی زبان میں بڑ[ی] مہارت رکھتا تھا۔ حیرہ کا رہنے والا تھا اور خسرو پرویز کے ہاں مترجم تھا چند یوم کی رخصت لے کر اپنے اہل و عیال سے ملنے مدائن سے حیرہ شہر آیا۔

یہ نہایت متکبر اور تفاخر پسند انسان تھا۔ اپنے اسی فخر و غرور اور برتری کے احساس کے تحت اس نے حیرہ شہر میں اپنے ایک دشمن کو قتل کر دیا۔ اس کا خیال تھا چونکہ خسرو پرویز کا ترجمان ہے لہٰذا اس قتل کی اس سے کوئی باز پرس نہ کرے گا۔

لیکن عدی کے یہ سارے گمان اور زعم ریت کی دیوار ثابت ہوئے کیوں کہ حیرہ کے عرب حکمران نے قتل کے انتقام میں عدی کو گرفتار کر لیا اور سزا کے طور پر اسے بھی قتل کرا دیا گیا۔

عدی کا بیٹا جس کا نام زید تھا، جو اپنے باپ عدی کی طرح ایک عمدہ شاعر تھا

پہلوی زبان پر خوب دسترس رکھتا تھا۔ حیرہ سے ایران بھاگ گیا تاکہ اپنے باپ عدی کے قتل کی اطلاع خسرو پرویز کو کرے اور خسرو پرویز جوابی کارروائی کرتے ہوئے حیرہ شہر پر حملہ کر دے۔ اس طرح وہ چاہتا تھا کسریٰ کو اکسا کر اسے حیرہ پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دے اور نعمان سے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لے لیکن حالات کسی اور طرف پلٹا کھا رہے تھے اور مہربان و بیدار قدرت کچھ اور ہی فیصلے کر چکی تھی۔

○

خسرو پرویز ایک روز طاقِ کسریٰ[1] میں اپنے عجوبۂ روزگار تخت طاقدیس[2] پر بیٹھا اپنے اراکینِ سلطنت کے ساتھ اہم امور پر فیصلے دے رہا تھا۔ اس کا تخت طاقدیس گنبد کی شکل کا تھا اور یہ ہاتھی دانت اور ساگوان کا بنا ہوا تھا۔ اس کے پترے اور کٹہرے سونے چاندی کے تھے۔ اسی دوران خسرو پرویز کا دربان طاقِ کسریٰ میں داخل ہوا اور خسرو کے سامنے اپنی کمر کو خوب خم دے کر اور خوب جھکتے ہوئے اس نے کہا۔ "اے مہربان آقا! حیرہ شہر سے ہمارے شاہی مترجم عدی کا بیٹا زید آیا ہے۔ وہ اپنے باپ سے متعلق آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔"

خسرو پرویز نے فوراً کہا۔ "اسے اندر بھیج دو۔"

وہ دربان باہر نکل گیا اور تھوڑی دیر بعد طاقِ کسریٰ میں زید داخل ہوا اور اس نے بھی اپنے آپ کو خوب جھکا کر خسرو پرویز کی تعظیم دی۔

خسرو پرویز نے بڑی ہمدردی سے پوچھا۔ "اے عدی کے بیٹے! تو کیا کہنا چاہتا ہے۔ تیرا باپ کہاں ہے اور وہ کیوں لوٹ کر ہمارے پاس نہیں آیا۔"

---

[1] مدائن کے سرکاری محل کا وہ درباری ہال جسے نوشیرواں نے تعمیر کیا تھا۔ اس کا رقبہ ۳۰۰×۴۰۰ میٹر تھا۔

[2] اس تخت کی لمبائی ۱۸۰ ہاتھ چوڑائی ۱۳۰ ہاتھ اور اونچائی ۱۵ ہاتھ تھی۔ سیڑھیوں کے اوپر سونے کا گنبد تھا۔ جس میں آسمان، ستاروں اور ہفت اقلیم کی شکلیں بنی ہوئی تھیں۔

اس موقع پر زید نے اپنے باپ کی موت کے اصل حقائق کو چھپا دیا۔ اس نے خسرو پرویز سے یہ نہ کہا کہ اس کے باپ نے حیرہ شہر میں ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا جس کی پاداش میں وہاں کے حاکم نعمان نے اسے قتل کرا دیا بلکہ زید نے جھوٹ اور دروغ سے کام لیتے ہوئے کہا۔" اے بادشاہ! حیرہ کے بادشاہ نعمان کی ایک بیٹی ہے جس کا نام حذیفہ ہے۔ اے بادشاہ! یہ لڑکی ابھی نوعمر ہے اور زندگی کے اس حصے میں ہے جہاں بچپن اور جوانی ایک دوسرے سے گلے ملتے ہیں۔ پھر بھی اے بادشاہ! وہ لڑکی جنسی کشش میں بے مثال اور اپنی خوب صورتی میں یکتا ہے۔ ایران اور عرب میں اس جیسی کوئی حسین اور پرکشش لڑکی نہ ہو گی۔

زید چونکہ اپنے باپ کی طرح خود بھی ایک اچھا شاعر اور پہلوی زبان پر بڑا عبور رکھتا تھا۔ لہذا اس نے خوب لفاظی سے کام لیتے ہوئے کہا۔" اے بادشاہ! حیرہ کے حاکم نعمان کی بیٹی جس کا نام حذیفہ ہے وہ ایک سراپا تشنگی ندی ہے۔ امیدوں کی رس بھری ایک کان ہے۔ اس کے حسن کی حرمت لازوال اور اس کا جسم حسن کا عبادت خانہ ہے۔ وہ بادِ نسیم کے لطیف و خوشگوار جھونکے، پُراسرار داستان، مشروبِ حیات کے پہلے گھونٹ اور نغمہ حیات کے پہلے سُر جیسی ہے۔

اے بادشاہ! وہ لڑکی جس کا نام میں نے حذیفہ بتایا ہے اسے میں نے خود دیکھا ہے۔ قسم زرتشت[1] و مزدک[2] اور مانی[3] کی اس کی چال میں کرنوں کی لپلپاہٹ

---

[1] ایران کا ایک پیغمبر اور مصلح ۶۶۰ ق م میں پیدا ہوا اور ۵۸۳ ق م میں فوت ہوا۔ اس کی تبلیغ کا بنیادی عقیدہ یہ تھا کہ دُنیا میں فائدہ پہنچانے والی چیزوں کا خالق آہورامزدا (خدا) اور نقصان پہنچانے والی اشیاء کا خالق اہرمن (شیطان) ہے۔

[2] مزدک ایک مذہبی تحریک کا بانی تھا اور معاشرے کی اصلاح کا خواہش مند تھا۔ اپنے دنیاوی نصب العین کی خاطر اس نے انقلابی اور اشتراکیت قسم کے قوانین بنائے۔ یہ تحریک بڑی تیزی سے پھیلی۔ بعد میں اس تحریک میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے

اس کی جنسی کشش میں گناہوں کا عکس، جسموں کی کسمساہٹ اور شبستانوں کی چپچپاہٹ ہے۔ اپنے حسن اپنے خوب صورتی میں وہ شفق کو چیرتی صبح، اک چشمِ مخمور، نگاہوں کی کھنک رنگ و بُو کا رقص، توہمات کا رنگین طلسم ہے۔

اے بادشاہ! وہ محبوبہ کی سانسوں جیسی مہک آفریں اور بادِ نسیم جیسی لطیف اور شوخ و شنگ ہے۔ کوئی اسے اگر ایک نظر دیکھ لے تو اسے یوں لگے جیسے وہ خوابوں کے پَروں پہ پرواز کرتا ہُوا نغمگی کے اُڑتے رنگوں میں کھو گیا ہو۔

خسرو پرویز نے ذومعنی نگاہوں سے زید کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔" میں نے تو تمہارے باپ سے متعلق پوچھا تھا۔ جس لڑکی کی تم نے تعریف کی ہے اس کا میرے سوال سے کیا تعلق ہے اور کس بنا پر تم نے اس حسین لڑکی کی میرے سامنے تعریف کی ہے"۔

زید نے گفتگو میں اور زیادہ رس پیدا کرتے ہوئے کہا۔" اے بادشاہ! وہ لڑکی ہے ہی ایسی خوب صورت کہ اس کی تعریف کی جائے۔ میرے باپ نے جب اس حسین لڑکی کو دیکھا تو وہ فوراً اس کے باپ نعمان کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ تمہاری لڑکی حذیفہ حسن و کشش میں ایسی ہے کہ اسے کسریٰ کے حرم میں داخل کیا جائے۔ اس پر نعمان برانگیختہ ہو گیا اور طیش میں آکر میرے باپ کو قتل کر دیا"۔

خسرو پرویز نے چونک کر پوچھا۔" قتل کر دیا، مگر کیوں؟"

زید نے خسرو پرویز کو اور زیادہ غصہ دلانے کی خاطر کہا۔" اس لیے اس نے میرے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۴): شرافت و ناموس کو ترک کر کے شرارتیں اور بے حیائی شروع کر دی جس کی وجہ سے یہ تحریک بدنام ہوئی اور قباد کے ہاتھوں ان کا قتلِ عام ہوا۔ نوشیرواں نے بھی ان کے خلاف جد و جہد کی۔

[3] مانی ایران کا ایک مصلح تھا۔ اس نے یہ عقیدہ پیش کیا کہ جوہر دو ہیں۔ ایک روشنی دوسرا تاریکی۔ اور ان دو جوہروں کے ملنے سے کائنات پیدا ہوئی۔ ہمیں ایسے اسباب کو اپنانا چاہیے جن کی مدد سے ہم روشنی تک پہنچ سکیں۔

باپ کو قتل کر دیا کہ میرے باپ نے اسے اپنی بیٹی حذیفہ آپ کے حرم میں داخل کرنے کو کہا تھا۔ پر نعمان نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ کیوں کہ عرب رئیس اپنی بیٹیوں کا رشتہ ایرانیوں کو دینا پسند نہیں کرتے۔"

غصّے میں خسرو پرویز کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ اس کا رنگ لال سرخ ہو گیا اور اس نے اسی وقت ایک ایلچی کو یہ پیغام دے کر حیرہ کے عرب حکمران نعمان کی طرف روانہ کیا کہ وہ اپنی بیٹی حذیفہ کے ساتھ اس کے سامنے حاضر ہو اور اپنی بیٹی کو اس کے حرم میں داخل کرے۔"

اپنے ایلچی کو حیرہ کے عرب حکمران نعمان کی طرف روانہ کرنے کے بعد خسرو پرویز نے زید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے تم سے ہمدردی ہے کہ تمہارا باپ مارا گیا ہے۔ میں نے حیرہ کے حاکم نعمان کو بلایا ہے۔ اس سے میں تمہارے باپ کا انتقام لوں گا۔ اب تم یہیں مدائن میں ہمارے پاس رہو گے۔ تمہارا باپ تمہاری بہت تعریف کیا کرتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا۔ تم اس سے بھی زیادہ زبانوں میں مہارت رکھتے ہو اور اس سے بہتر شاعر ہو، کیا یہ درست ہے؟"

زید نے ایک فخر کے ساتھ کہا۔ "میرے باپ کا کہنا سچ تھا۔"

خسرو نے اپنا فیصلہ دیتے ہوئے کہا۔ "تو پھر میں اب تمہارے باپ کی جگہ تمہیں اپنا شاہی ترجمان مقرر کرتا ہوں۔ سنو کل شاہی محل میں ایک جشن ہے۔ تم اس میں شامل ہو۔ اس طرح اپنی شاعری سے تمہیں موقع مل جائے گا کہ تم مدائن کے لوگوں سے اپنے آپ کو متعارف کرا سکو۔"

پھر خسرو پرویز نے اپنے ایک درباری کو مخاطب کر کے کہا۔ "یہ ہمارے ترجمان عدی کا بیٹا زید ہے۔ عدی چونکہ مارا جا چکا ہے۔ لہٰذا اب یہ ہمارے پاس ترجمان کے فرائض انجام دے گا۔ اسے وہ رہائش گاہ دکھا دو جس میں اس کا باپ رہتا تھا، اب اس جگہ یہ رہے گا۔"

خسرو پرویز کا وہ درباری زید کو لے کر طاق کسریٰ سے نکلا اور دریائے دجلہ کے

کنارے زید کو اس کے رہنے کی جگہ دکھا کر واپس لوٹ گیا۔ زید ابھی اس عمارت کا جائزہ ہی لے رہا تھا کہ ایک شخص اسی کمرے میں داخل ہوا جس کے اندر اس وقت زید کھڑا کمرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کی آمد پر زید چونکا اور پوچھا۔ "تو کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔"

اس اجنبی نے کہا۔ "میرا نام باربد ہے۔ میں مرو شہر کا رہنے والا ہوں۔ جہاں میں رہتا تھا وہاں کے اطراف و اکناف میں میرا بڑا چرچا تھا اور میں ایک بے مثل گانے والا اور عود نوازی میں یکتا جانا جاتا تھا۔ میں نے بادشاہ خسرو پرویز کی فن شناسی کا تذکرہ سنا تو ادھر کا رخ کیا کہ بادشاہ کے سامنے اپنا فن پیش کروں پر شاہی موسیقار سرگس کو خبر ہو گئی کہ میں بادشاہ سے ملنے مرو سے مدائن آیا ہوں۔

اسے یہ بھی پتہ چل گیا کہ میں ایک بہترین موسیقار ہونے کے علاوہ گانے میں بھی ایسی ہی مہارت رکھتا ہوں۔ لہٰذا اس نے حسد کیا کہ کہیں میرے سامنے اس کا فن ماند نہ پڑ جائے۔ اس لیے اس نے درباریوں پر خوب دولت صرف کی اور انہیں تنبیہہ کی کہ مجھے کسی بھی صورت بادشاہ سے نہ ملنے دیا جائے۔ لہٰذا میں ایک عرصہ سے مدائن شہر میں دھکے کھا رہا ہوں، لیکن کوئی مجھے خسرو پرویز سے ملنے نہیں دیتا۔ آج آپ کو دربار سے نکلتے دیکھا تو آپ کے پیچھے ادھر چلا آیا کہ شاید آپ کے ذریعے ہی بادشاہ تک رسائی حاصل ہو جائے۔

زید نے اس سے ہمدردی کا اظہار کیا۔ پہلے اسے وہاں ایک نشست پر بٹھایا۔ پھر اس نے کہا۔ "میں بادشاہ سے مل کر ضرور آیا ہوں اور اس کا ترجمان مقرر ہوا ہوں پر میں بھی اس شہر میں اجنبی ہوں کہ آج ہی وارد ہوا ہوں اور یہ مدائن میں میرا پہلا روز ہے تاہم میں تمہیں ایسی ترکیب بتاتا ہوں جس سے کام لے کر تم بادشاہ تک رسائی حاصل کر سکتے ہو۔ سنو! کل بادشاہ کے محل میں ایک جشن کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ تم ایسا کرو کہ شاہی محل کے باغبان سے بات کر کے کل محل سے ملحقہ ایک درخت پر چڑھ جاؤ اور جب تم دیکھو کہ بادشاہ آ گیا ہے تو تم اپنا عود بجانا اور گانا شروع کر دینا۔ اگر تم اچھا عود بجانے والے اور گانے والے ہوئے تو بادشاہ خود ہی متاثر ہو کر تمہیں طلب کر لے گا۔"

باربد خوشی میں اپنی جگہ سے اچھل کھڑا ہوا اور کہا۔ "یہ ایک ایسی ترکیب ہے جس

پرعمل کیا جاسکتا ہے۔ مَیں ابھی باغبان سے بات کرتا ہوں"۔ پھر اس نے زید کا شکریہ ادا کیا اور باہر نکل گیا۔

باربد بادشاہ کے باغبان کے پاس آیا اور اسے اپنے حالِ زار سے آگاہ کیا اور کچھ نذرانہ دے کر استدعا کی کہ جشن شروع ہونے سے قبل وہ اسے ایک درخت پر چڑھ جانے کی اجازت دے دے۔ باغبان اس پر رضامند ہو گیا۔

دوسرے روز جشن شروع ہونے سے پہلے سبز ریشمی لباس پہن کر ایک درخت پر چڑھ گیا اور درخت کے ہرے پتّوں میں اپنے آپ کو اس نے چھُپا لیا۔

خسرو پرویز کے آنے پر جب باغ میں جشن شروع ہُوا اور خسرو پرویز نے شراب کا پہلا جام پینا شروع کیا تو درخت پر بیٹھے باربد نے اپنا عود بجاتے ہوئے ایک راگنی "دستان یزداں آفرید" گانی شروع کی۔

خسرو پرویز، اس کی بیوی اور مریم اور دیگر معززین بھی باربد کی دِل نشین آواز سے متاثر ہوئے۔ آخر خسرو پرویز نے بلند آواز میں پوچھا" کون گا رہا ہے"؟

سب نے اِدھر اُدھر دیکھا لیکن یہ پتہ نہ چل سکا کہ گانے والا کون ہے اور کہاں ہے۔

خسرو پرویز نے جب دوسرا جام ہاتھ میں لیا تو باربد نے ایک اور راگنی "دستان پَرتو فرحار" گانی شروع کی۔ خسرو پرویز کی حیرانی کی انتہا نہ رہی اور پکار اُٹھا۔" کتنا دِل نشین نغمہ ہے۔ دِل چاہتا ہے تمام جسم سراپا گوش ہو جائے"۔

اس نے اپنے ندیموں سے کہا" جس طرف سے یہ سہانی صدا آ رہی ہے ادھر کچھ دُور جا کر دیکھیں شاید وہ نظر آئے جس کے گانے کی آواز آ رہی ہے"۔

ندیموں نے کچھ دُور جا کر دیکھا لیکن سبز ریشمی لباس پہن کر درخت کے پتّوں میں چھپا ہوا باربد انہیں نظر نہ آیا اور وہ واپس لوٹ آئے۔

دوسرا جام ختم کرنے کے بعد خسرو پرویز نے شراب کا جب تیسرا جام لیا تو باربد نے ایک اور راگنی "سبز اندر سبز" گانی شروع کی۔ کسریٰ یہ سُن کر اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا

ہُوا۔ وہ تڑپ اُٹھا تھا اور کہا" شاید کوئی فرشتہ ہے جسے خدا نے بھیجا ہے تاکہ ہم اس کے نغموں سے بہرہ مند ہوں۔

پھر خسرو پرویز نے بلند آواز میں کہا۔" اے نیک کار آزاد مرد! تُو نے ہمیں اپنے نغموں سے لذّت بخشی۔ کیا ہی اچھا ہو کہ تُو اپنے دیدار سے ہماری آنکھوں کو روشنی دے"۔

یہ سُن کر باربد درخت سے نیچے اترا۔ بادشاہ کے سامنے زمیں بوس ہوا اور اس سے مِلنے کے لیے جو جو جتن اس نے کیے تھے سنا ڈالے۔

اس کے حالات و واقعات سُن کر خسرو پرویز نے اس کی عزّت افزائی کی۔ اپنے دربار کے سارے گوّیوں کا اسے رئیس مقرر کر دیا۔ جب تک باربد[1] زندہ رہا خسرو پرویز نے اسے اپنے ساتھ رکھا اور ہمیشہ اس کے فن سے لطف اندوز ہوتا رہا۔

⊙

حیرہ شہر کا عرب حکمران نعمان اپنے صحرائی محل کے دیوان خانے میں بیٹھا ہُوا تھا۔ کہ لابان کی بیٹی حذیفہ جسے نعمان نے بچپن میں خرید کر اپنی بیٹی بنا لیا تھا کمرے میں داخل ہوئی وہ اب بچپن سے نکل کر پندرہ برس کی ایک حسین و نوجوان لڑکی ہو چکی تھی۔

وہ راگوں کی آہٹ جیسی پُرکشش، زیرِ لب مسکراہٹ کی طرح دِل پذیر، نرم جالوں کی سرسراہٹ کی مانند خوب صورت اور سیال کوندوں کی تلملاہٹ کی طرح رنگین جمال تھی۔ اس کا حُسن شہد جیسا رس ٹپکاتا تھا۔

دیوان خانے میں داخل ہو کر حسین حذیفہ نے نعمان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اے میرے باپ! شام ہو رہی ہے۔ کیا مَیں آپ کے لیے کھانا لے کر نہ آؤں"۔

نعمان نے حذیفہ کو ایسا پیار اور ایسی شفقت دی تھی کہ وہ اسے اپنے حقیقی باپ جیسا سمجھنے لگی تھی اور باپ کہہ کر ہی اسے مخاطب کرتی تھی۔

---

[1] مشہور مؤرخ ثعالبی اپنی کتاب شاہنامہ ثعالبی صفحہ ۳۲۹ میں لکھا ہے کہ گویّوں کا پہلا رئیس سرگس، باربد سے حسد کرنے لگا۔ آخر زہر دے کر اس نے باربد کو ہلاک کر ڈالا۔

نعمان جواب میں کچھ کہنے والا تھا کہ محل کا ایک محافظ اندر آیا اور نعمان کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا۔ "اے مالک! شیبانی قبائل کا رئیس ہانی آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ اس کے ساتھ اس کے دس بارہ ساتھی بھی ہیں۔ میں نے ان سب کے گھوڑوں کو اصطبل میں بندھوا دیا ہے۔"

نعمان نے فوراً اس محافظ کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "ہانی میرے عزیز ترین دوستوں کی طرح نہیں بلکہ وہ میرے لیے ایک عزیز بیٹے جیسا ہے۔ تم نے اسے باہر کیوں روکا۔ اس کے ساتھیوں کو مہمان خانے میں ٹھہرا کر ان کے کھانے کا انتظام کرو اور ہانی کو یہاں میرے پاس دیوان خانے میں بھیجو"۔

حذیفہ بھی آگے بڑھ کر نعمان کے پاس بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد ایک دراز قد، خوب صورت اور کڑیل جسم کا جوان دیوان خانے میں داخل ہوا۔ نعمان نے اٹھ کر اسے گلے لگایا اور پھر اسے اپنے ساتھ ہی بٹھا لیا۔ وہ شیبانی قبائل کا سردار ہانی تھا۔

ہانی نے ایک نگاہ اپنے سامنے بیٹھی حسین حذیفہ پر ڈالی پھر اس نے کہا۔ "کیا یہ لڑکی حذیفہ ہے جسے آپ نے خرید کر بیٹی بنایا تھا"۔

"نعمان نے کہا۔ "ہاں! یہ میری بیٹی حذیفہ ہے"۔

ہانی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میں نے اسے تین سال قبل دیکھا تھا۔ اس وقت یہ بچی سی لگتی تھی۔ اب تو جوان ہو گئی ہے"۔ حذیفہ بے چاری گردن جھکا کر شرمانے لگی تھی۔

نعمان نے پوچھا۔ "میرا ایک محافظ بتا رہا تھا کہ تمہارے ساتھ تمہارے دس بارہ محافظ بھی ہیں۔ تم کہاں سے آ رہے ہو"؟

ہانی نے کہا۔ "میں کعبہ کا طواف کرنے مکّہ گیا ہوا تھا۔ وہیں سے لوٹ رہا تھا، سوچا گھر جاتے ہوئے آپ سے بھی ملتا چلوں"۔

نعمان نے اس بار رازداری کے سے انداز میں پوچھا۔ "مکّہ شہر میں احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نام کے جس شخص نے نبی ہونے کا دعویٰ کر رکھا ہے کیا مکّہ میں رہتے ہوئے تم نے اس سے متعلق بھی کچھ سنا"۔

ہانی نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "اے میرے بزرگ! میں نے اس سے متعلق سنا ہی نہیں بلکہ اسے اور اس کے بعض پیروکاروں کو دیکھ کر بھی آیا ہوں"۔

نعمان نے ہانی کے اور قریب ہوتے ہوئے ایک تجسّس، ٹوہ، کاوش اور تفحص کے انداز میں پوچھا۔ "کیا تم مجھ سے ان کا احوال اور حلیہ کہو گے"۔

ہانی نے کہا۔ "کیوں نہیں۔ میں نے انہیں اپنی آنکھوں سے حج اور طواف کے لیے مکّہ میں جمع ہونے والے لوگوں کو واعظ اور تبلیغ کرتے کئی بار دیکھا اور سنا ہے۔ سنو میرے بزرگ! اُن کا قد نہ دراز نہ کوتاہ ہے۔ سر اور چہرہ بڑا ہے۔ ہاتھ اور پاؤں کی انگلیاں بڑی بڑی ہیں۔ پنڈلیاں موٹی اور رنگ نہایت سُرخ ہے۔ آنکھیں سیاہ، بال اور رخسار نرم، داڑھی خوب گھنی ہے، گردن چاندی کی صراحی جیسی، ہنسلی سے لے کر ناف تک بال، چال ایسی عمدہ جیسے بانس کا درخت ہوا میں جھومتا ہے۔ جب چلتے ہیں تو یوں لگتا ہے جیسے اتار پر سے اُتر رہے ہوں ——

حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حُلیہ ہانی کی زبان سے سُن کر نعمان چلّا اُٹھا اور کہا "قسم ابراہیمؑ کے رب کی یہ وہی حُلیہ ہے جو کاہن زید[1] بن عمرو نے میرے باپ سے بیان کیا تھا"۔

ہانی نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔ "یہ کاہن زید بن عمرو کون تھا"۔

نعمان نے کہا۔ "یہ بہت برس پیچھے کی بات ہے۔ میں اس وقت بچہ تھا مکّہ شہر کا ایک کاہن زید بن عمرو میرے باپ کے پاس آیا کرتا تھا۔ وہ میرے باپ سے کہا کرتا تھا کہ وہ اولادِ اسمٰعیلؑ میں سے ایک نبی کے مبعوث ہونے کا منتظر ہے جو عبدالمطلب

---

[1] زید بن عمرو کی اس پیش گوئی کے واقعہ کو حضرت عامرؓ بن ربیعہ نے بھی بیان کیا ہے۔ جریر طبری نے اپنی کتاب سیرت النبیؐ کے صفحہ ۷۰ پر، ابن خلدون نے اپنی تاریخ کی جلد اوّل کے صفحہ ۳۰ پر اور ابن سعد نے اخبار النبیؐ کے صفحہ ۲۲۷ پر بھی اس پیش گوئی اور زید بن عمرو بن نفیل کا ذکر کیا ہے۔ جریر طبری نے اس واقعہ کو اوروں کی نسبت زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

کی اولاد سے ہوگا۔ اپنے بیے وہ کہتا تھا کہ میں نہیں سمجھتا کہ میں اس وقت تک زندہ رہوں گا اور ان پر ایمان لاکر ان کی نبوت کی شہادت دوں اور تصدیق کر سکوں لیکن میری طرف اشارہ کرکے کہتا تھا کہ یہ بچہ ضرور اس نبیؐ کا زمانہ دیکھے گا۔ اس نے اس نبیؐ کا بالکل وہی حلیہ بیان کیا تھا جو ابھی ابھی تم نے کہا ہے۔

اس کے علاوہ زید بن عمرو میرے باپ سے یہ بھی کہا کرتا تھا۔ اس کا نام احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوگا، مکہ میں پیدا ہوگا اور مبعوث ہوگا۔ ان کی قوم ان کو نکال دے گی یثرب کی طرف ہجرت کر جائیں گے اور وہاں بات بن جائے گی۔"

ذرا رک کر نعمان پھر کہہ رہا تھا۔ زید بن عمرو بن نفیل میرے باپ سے مزید کہا کرتا تھا کہ اس آنے والے پیغمبرؐ سے متعلق دھوکہ نہ کھا جانا۔ میں دین ابراہیمیؑ کی تلاش میں دنیا بھر میں پھرا ہوں۔ جس یہودی، عیسائی، صابی اور مجوسی سے میں نے دینِ ابراہیمیؑ کا پوچھا تو انھوں نے مجھ سے یہی کہا کہ وہ تو تمہارے اپنے وطن میں ہے۔ انھوں نے ہونے والے نبیؐ کی وہی صفات بیان کیں جو میں نے تم سے کہہ دی ہیں۔" وہ یہودی عیسائی صابی اور مجوسی مجھ سے یہ بھی کہا کرتے تھے کہ اب صرف وہی نبی ہیں جو مبعوث ہوں گے۔"

ایک لمبا اور ٹھنڈا سانس لیتے ہوئے نعمان نے کہا "یہ ہے وہ گفتگو جو زید بن عمرو بن نفیل نے میرے باپ سے کی۔"

نعمان جب خاموش ہوا تو حذیفہ نے انتہائی جرأت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔" اگر یہ بات ہے تو پھر میں اس نبیؐ پر ایمان لاتی ہوں جس سے متعلق ایسی پیش گوئیاں کی گئی ہیں اور جس نے مکہ شہر میں نبی ہونے کا اعلان کیا ہے۔"

نعمان نے ایک بار حذیفہ کی طرف دیکھا پھر اس نے ہانی کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔" ہانی بیٹے! تم تو مکہ شہر میں چند یوم رہ کر آ رہے ہو، تم نے اس نبیؐ کو دیکھا ہے اور یہ بھی سنا ہوگا کہ اس کی تبلیغ کیا ہے پھر تم مجھے اس کے اور اس کے پیروکار دل کا احوال تو کہو۔"

ہانی بڑے ذوق و شوق میں کہہ رہا تھا۔" وہ نبیؐ ایک خوشمند واعظ، ایک مخلص

مبلغ، ایک دانش ور مبشر، ایک رحمدل منذر، ایک درخشاں بدر منیر، ایک پیکر مہر و صدق و صفا، ایک مقدس کرن، نور کی قندیل چہرہ اور اندھیروں میں ایستادہ مینارہ نور ہیں ان کے پیروکار بھی، نجات دہندہ بنی نوع انسان، محبت کے پیغامبر، روشنی کے سفیہ فکر و احساس کے نقاش اور نقشِ حسنِ ازل کا آخری مظہر ہیں۔ وہ باطل کے خلاف سرکش اور مظلوم کی حمایت میں جابر ہیں۔ وہ عجز و صبر کی معراج اور اجالوں کے صحیفوں کے قاری ہیں۔"

اے حیرہ کے مہربان حکمران! اس نبیؐ کی تبلیغ میں صرف خدائے واحد کی عبادت کے پردے میں دوستی، آشتی، روشنی، زندگی، صلح، امن اور محبت کا پیغام ہے۔ لگتا ہے صحرائے عرب کے تپتے صحراؤں میں فکر و احساس کے زاویے اب بدل جائیں گے اور منزلیں خود کاروانوں کی طرف رواں دواں ہوں گی۔ صداقت اور حقیقت کی راہیں مستقیم ہوں گی۔ عقل و شعور کا عصا حرکت میں آئے گا۔ عقل جو اندھیرے میں قندیل ہے ان صحراؤں کے باسیوں کو اسرارِ ہستی کا عرفان دے گی اور غصہ جو جہالت کا پیغامبر ہے مٹا دیا جائے گا۔

موسیٰ علیہ السلام کے دور کی طرح کوئی نوائے سماوی پھر بھٹکی روحوں کی غذا بنے گی۔ مقدس عہد کی زنجیریں پھر استوار ہوں گی اور ذہنوں کو تاقیامت شگفتہ و تر و تازہ رکھنے والے پیغام کا نزول ہوگا۔

اے حیرہ کے مہربان اور دردمند حاکم! لگتا ہے اسی رسولؐ کے طفیل ان صحراؤں کے سروں پر عالم کے تاج رکھے جائیں گے اور خالقِ حرفِ اوّل کا پیغام نقشِ گر صورت جمیل کی طرح بے جان مناظر کو مہکتے گلاب اور شاخِ دل افسردہ کو معطر سموں میں بدل دے گا۔ میں اس نبیؐ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اور اس کے پیغام کو اپنے کانوں سے سن کر آیا ہوں۔ یہ پیغام یقیناً آرزوؤں، جستجو، ذوق، منزل، سفر، چاند، ستارے، سورج اور خلا و روشنی سب کو حیرت کے دوراہے پر لا کھڑا کرے گا۔

یہ نبیؐ اور اس کے ماننے والے نئی سحر کو بیدار کریں گے۔ خزاؤں میں گم بہار کو

کو نئے پیراہن عطا کریں گے۔ کلی کلی کو سلیقہ تبسّم اور تنہا واداس لمحوں کو آبگینہ بدن جیسی
و رونق عطا کریں گے۔"

ہانی ذرا رکا پھر اس نے غور سے نعمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا" اگر آپ بُرا
مانیں اور کسی اور سے اس کا ذکر نہ کریں تو میں ایک راز کی بات آپ سے کہوں"۔

نعمان نے مُسکراتے ہوئے کہا۔" تم بلا جھجک کہو تمہارا راز یقیناً میرا راز ہے"

ہانی نے ایک فیصلہ کن انداز میں کہا۔" تو پھر سنو! میں اس نبیؐ پر ایمان لا چکا
ہوں۔ میں مُسلمان ہو چکا ہوں اور اپنے نبی کے پیغام کو اپنی رُوح کی غذا بنا چکا ہوں یہ
اس فیصلے کا علم ابھی تک میرے محافظوں کو بھی نہیں ہے۔ میں اپنے اس اسلام لانے
اور مسلمان ہونے کو خفیہ اور صیغہ راز میں رکھنا چاہتا ہوں۔

اِس بار حذیفہ نے حیرت اور تعجب میں پوچھا۔" اے بنی شیبان کے سردار
تم اپنے مُسلمان ہونے کو خفیہ کیوں رکھنا چاہتے ہو۔ برملا اسلام قبول کرنے کا اعلان کیوں
نہیں کرتے۔"

ہانی نے کہا۔" حذیفہ! حذیفہ! تمہارا کہنا درست ہے لیکن فی الوقت میری
کچھ مجبوریاں ہیں۔ میرے قبائل کے لوگ بتوّں کی پوجا اور پرستش میں اس قدر سختی کے ساتھ
کار بند ہیں کہ ان کو میرا اسلام لانا قطعاً پسند نہ ہوگا۔ اس صورت میں اوّل تو
میرے کسی دشمن قبیلے سے ساز باز کر کے میرے خلاف بغاوت کر دیں گے یا پھر مجھے قتل
کر دیں گے۔

میرے ماں باپ مر چکے ہیں۔ کوئی بہن بھائی نہیں میں اکیلا ہوں اور قبیلے والوں
کے ہاتھوں مر کر میں اپنے باپ اور دادا کی نسل ختم نہیں کرنا چاہتا۔ حذیفہ! حذیفہ
ابھی تم بھی اپنے اسلام لانے کو خفیہ رکھنا۔ وگرنہ یہ حیرہ شہر کے لوگ نعمان کے احترام
کو پسِ پشت ڈال کر تمہیں شہر کے کسی چوک پر علی الاعلان مصلوب کر کے رکھ دینگے"

نعمان نے خوشی اور اطمینان میں کہا۔" حذیفہ! حذیفہ! میری بیٹی! ہانی
ٹھیک کہتا ہے سنو! تم دونوں کی طرح میں بھی اسلام قبول کرتا ہوں۔ ہم اپنی

اس تبدیلی مذہب کو راز میں ہی رکھیں گے۔ پھر کوئی مناسب موقع جان کر اس کا ——

نعمان کہتے کہتے خاموش ہو گیا کیوں کہ اس کا وہی محافظ اندر آیا۔ جس نے
اسے ہانی کے آنے کی اطلاع کی تھی۔ اس بار اس نے نعمان سے کہا۔" اے آقا! ایران
کے بادشاہ خسرو پرویز کا ایک ایلچی آیا ہے۔ وہ فی الفور آپ سے ملاقات کا خواہشمند
ہے۔"

نعمان نے ہانی کی طرف دیکھتے ہوئے فکرمندی سے کہا۔" ایران کے بادشاہ خسرو پرویز
کا ایلچی کس غرض سے میرے پاس آیا ہے۔ ہانی! ہانی! اس کے ایلچی کا آنا میرے لیے کسی خطرے
کی جرس لگتی ہے"۔

ہانی نے نعمان کی ہمت بندھاتے ہوئے کہا۔" فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔
آپ اسے اندر بُلا کر اس سے گفتگو کریں۔ پھر جو حالات درپیش ہوں ان سے نمٹ لیا جائیگا"۔

نعمان نے محافظ سے کہا۔" ایران کے اس ایلچی کو میرے پاس بھیجو"۔

اس محافظ کے جانے کے بعد خسرو پرویز کا ایلچی نعمان کے اس دیوان خانے میں
داخل ہُوا۔ نعمان نے اسے عزت و احترام سے ایک نشست پر بٹھایا پھر اس سے اس کے
آنے کی وجہ پوچھی۔

خسرو پرویز کے ایلچی نے پوچھا۔" کیا حذیفہ نام کی تمہاری کوئی بیٹی بھی ہے"۔

نعمان نے سامنے بیٹھی حذیفہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یہ سامنے میری بیٹی
بیٹھی ہے اسی کا نام حذیفہ ہے"۔

ایلچی نے ایک بار غور سے حسین حذیفہ کی طرف دیکھا پھر اس نے نعمان سے کہا۔
"کسریٰ نے تم دونوں باپ بیٹی کو اپنے دارالحکومت مدائن میں طلب کیا ہے۔ شاید یہ
فیصلہ تمہارے لیے خوش کُن ہو کہ خسرو پرویز تمہاری بیٹی حذیفہ کو اپنے حرم میں داخل کرنا چاہتا
ہے۔"

نعمان چند ثانیوں کی خاموشی اور تفکّر کے بعد بولا۔" تم پہلے آتے تو شاید کچھ بات
بنتی، اب میری بیٹی حذیفہ کیوں کر خسرو پرویز کے حرم میں داخل ہو سکتی ہے۔ پھر نعمان نے

ہانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔" اس جوان کی طرف دیکھ اس کا نام ہانی ہے اور تیرہ کا سردار ہے۔ میں اپنی بیٹی حذیفہ کو اس سے منسوب کر چکا ہوں لہٰذا حذیفہ کی شادی کسریٰ کے ساتھ کرنے سے میں قاصر ہوں"۔

ایلچی نے کہا۔" تمہارے انکار کی صورت میں خسرو پرویز کے حکم کے مطابق مجھے طے قبائل کے رئیس ایاس کے پاس جانا ہوگا اور اسے خسرو پرویز کا یہ پیغام پہنچانا ہوگا کہ وہ حیرہ شہر پر حملہ آور ہو کر یہاں کے رہنے والوں کو تہس نہس اور شہر کو تباہ و برباد کر کے رکھ دے"۔

نعمان نے بڑے صبر و تحمل اور بُردباری و خوش مزاجی میں کہا۔" ایسی کوئی نوبت پیش نہ آئے گی۔ میں کل خود تمہارے ساتھ خسرو پرویز کے پاس جاؤں گا اور اس معاملہ پر اس سے گفتگو کروں گا مجھے اُمید ہے وہ میرے عذر کو تسلیم کر لے گا۔ اب تم کھانا کھا کر آرام کرو کل یہاں سے کُوچ کریں گے"۔

نعمان نے اپنے محافظ کو آواز دی۔ جب وہ آیا تو نعمان نے ایلچی کی طرف اشارہ کر کے محافظ سے کہا۔" اسے اپنے ساتھ مہمان خانے میں لے جاؤ۔ اسے کھانا کھلاؤ اور اس کے آرام کا انتظام کرو"۔ وہ محافظ ایلچی کو اپنے ساتھ لے گیا۔

دیوان خانے میں کچھ دیر تک خاموشی چھائی رہی۔ پھر نعمان نے کہا۔" لگتا ہے خسرو پرویز کی طرف سے ہم پر کوئی مصیبت اور عتاب نازل ہونے والا ہے۔ بہر حال میں نے اس کے ایلچی سے جھوٹ نہیں کہا۔ قسم ہے مجھے کعبہ کے رب اور نئے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی میں ایلچی کے آنے سے قبل ہی اپنے دل میں تم دونوں کو ایک دوسرے کا ساتھی بنانے کا عہد کر چکا تھا۔ اب ہم تینوں مسلمان ہیں۔ حذیفہ بیٹی! کیا میں نے تمہارے حق میں غلط فیصلہ تو نہیں کیا"۔

حذیفہ نے شرماتے شرماتے کہا۔" اے میرے باپ! اب جب کہ آپ مجھے سردار ہانی سے منسوب کر چکے ہیں تو میں آپ کے اس فیصلے کا احترام کروں گی اور اپنے دل و جان سے سردار ہانی کی عزت اور خدمت کروں گی۔ مسلمان ہو جانے کے بعد میں خوش قسمت ہوں

کہ مجھے میری زندگی کا ساتھی بھی مسلمان مِل رہا ہے۔ اے میرے باپ! کاش میں اپنی ماں اور بھائیوں سے بچھڑ کر آپ کے لیے بوجھ اور مصیبت کا باعث نہ بنی ہوتی۔ نہ میں ہوتی نہ خسرو پرویز آپ کو مدائن طلب کرتا۔ میرا باپ مارا گیا۔ ماں اور بھائی بچھڑ گئے۔ وہ بے چارے نہ جانے کہاں اور کس حال میں ہوں گے۔ میں ان کے لیے پریشان ہوں۔ ان کی جُدائی میں راتوں کو روتی ہوں اور دن کے اجالوں میں آہیں بھرتی ہوں"۔

نعمان نے پیار سے کہا۔" تم میرے لیے مصیبت کا باعث نہیں ہو بیٹی! تمہارے آنے سے مجھے نیا حوصلہ اور ولولہ مِلا ہے۔ اب تم اُٹھ کر کھانا لاؤ۔ بھوک لگ گئی ہے"۔

حذیفہ اُٹھ کر باہر نکل گئی۔ نعمان نے ہانی سے کہا۔" ہانی بیٹے! میں نے حذیفہ کی تربیت بیٹی سمجھ کر کی ہے۔ وہ تیغ زنی، نیزہ بازی، گھڑ سواری اور دیگر جنگی فنون میں انتہائی ماہر اور مشاق ہے۔ حذیفہ ایک رحم دل اور نیک خُو لڑکی ہے۔ وہ تمہیں خوش رکھے گی۔ تم بھی اس کا خیال رکھنا"۔

ہانی نے کہا۔" آپ فکر نہ کریں، میں حذیفہ کو اپنی جان اور روح بنا کر رکھوں گا"۔

حذیفہ کھانے کے برتن لے کر آئی اور ان دونوں کے سامنے رکھ دیئے۔ نعمان نے پھر کہا۔" آج رات ہی میں تم دونوں کی شادی کر دوں گا اور کل صبح مدائن روانہ ہو جاؤں گا۔ ہانی! ہانی! مجھے خسرو پرویز کی طرف سے خطرہ ہے۔ لگتا ہے وہ مجھ سے حیرہ شہر اور میری حاکمیت چھین لے گا۔ تم دونوں کل احتیاطاً حیرہ شہر کے سارے خزانے خچروں پر لاد کر روانہ ہو جانا پھر اس کے بعد جو حالات ہوں گے دیکھ لیں گے"۔

تینوں نے مِل کر کھانا کھایا پھر نعمان نے ہانی اور حذیفہ کی شادی کر دی۔ دوسرے سعد ہانی حیرہ کے سارے خزانوں اور حذیفہ کو لے کر اپنے قبائل کی طرف کُوچ کر گیا۔ جب کہ نعمان خسرو پرویز کے ایلچی کے ساتھ مدائن کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

O

خسرو پرویز طاقِ کسریٰ میں بیٹھا ہُوا تھا۔ اس کے سامنے اس کے نامور جرنیل شاہین شہر براز، راز اور اس کی مجلس کے دیگر جرنیل، اُمراء وزراء بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ رومیوں

کے خلاف نئی جنگوں کا ایک سلسلہ شروع کرنے سے متعلق گفتگو کر رہا تھا کہ نعمان کو اس کے سامنے پیش کیا گیا۔

چند ثانیوں تک خسرو پرویز جلادانہ انداز میں نعمان کی طرف دیکھتا رہا پھر اس نے پوچھا۔ "کیا تم بتا سکتے ہو کہ تم نے میرے ترجمان عدی کو کیوں قتل کیا جو تمہارے شہر حیرہ کا رہنے والا تھا۔"

نعمان نے کہا "اے بادشاہ! عدی بنیادی طور پہ ایک مجرم ذہن کا مالک تھا۔ آپ کا ترجمان بن کر وہ اور زیادہ فخر پسند اور مغرور ہو گیا اور اس گمان کے تحت کہ شاہی ترجمان ہونے کے ناطے سے کوئی بھی اس سے کوئی باز پُرس نہیں کر سکتا۔ اس نے حیرہ کے ایک غریب نوجوان کا خون کر دیا۔ میں نے اپنی مقامی روایات کو قائم رکھا اور اس کے قتل کے بدلے عدی کو قتل کرا دیا۔ وہ مجرم تھا اور مجرم کسی بڑے عہدے پہ فائز ہونے کے باوجود مجرم ہی رہتا ہے اور سزا کا مستحق ہوتا ہے۔"

خسرو پرویز نے چند لمحوں تک نعمان کی طرف خشمگین نگاہوں سے دیکھا پھر اس نے بھوکے بھیڑیے کی طرح غراتے ہوئے کہا۔ "تم جھوٹے ہو، عدی کا بیٹا زید میرے پاس آ چکا ہے اور اس نے مجھے اصل حالات سے آگاہ کر دیا ہے۔ زید کو میں نے اس کے باپ عدی کی جگہ اپنا ترجمان مقرر کر لیا ہے۔

زید نے ہی مجھے بتایا تھا کہ تمہاری ایک بے حد حسین اور نوخیز لڑکی ہے جس کا نام حذیفہ ہے جسے تم نے عدی کے کہنے پہ میرے حرم میں داخل کرنے سے نہ صرف انکار کیا بلکہ ایسا مشورہ دینے پہ عدی کو بھی قتل کر دیا اور پھر اب جو میرا ایلچی تمہاری طرف گیا تھا وہ میری طرف سے تمہارے لیے صاف حکم لے کر گیا تھا کہ تم اپنی بیٹی حذیفہ کو ساتھ لے کر آؤ کہ وہ میرے حرم میں داخل ہو لیکن میرا ایلچی بتا چکا ہے کہ تم اکیلے آئے ہو۔ حذیفہ کو ساتھ نہیں لائے ہو۔

نعمان نے کہا۔ "اے بادشاہ! مجھے علم نہیں کہ زید بن عدی آپ سے کیا کہتا رہا پر اصل واقعات یہی ہیں کہ عدی قاتل تھا سو قتل کر دیا گیا۔ اس نے میری بیٹی آپ کے حرم میں داخل کرنے کا مجھے کوئی مشورہ نہ دیا تھا اور پھر رہا آپ کا یہ اعتراض کہ میں اپنی

حذیفہ کو اپنے ساتھ کیوں نہیں لایا تو میں یہ کہوں گا کہ میری بیٹی حذیفہ شادی شدہ ہے۔ وہ شیبانی قبائل کے سردار ہانی کی بیوی ہے۔ پھر اے بادشاہ! جب کہ وہ شادی شدہ ہے ایک عرب سردار کی بیوی ہے پھر کیوں کر میں اسے اپنے ساتھ لا سکتا ہوں اور کیسے وہ آپ کے حرم میں داخل ہو سکتی ہے"۔

خسرو پرویز نے اپنا اندھا فیصلہ سُناتے ہوئے کہا۔ "تم حذیفہ کو اپنے ساتھ نہ لانے کے لیے مناسب جواز پیش کرنے میں ناکام رہے ہو۔ تم نے میرے ساتھ دھوکہ اور فریب دہی سے کام لیا ہے اور اس کی بنا پر میں تمہارے لیے موت کی سزا تجویز کرتا ہوں"۔

نعمان کو پکڑ کر زندان میں ڈال دیا گیا اور خسرو پرویز نے ایک اور ایلچی ہانی کی طرف روانہ کیا کہ وہ نعمان کی بیٹی اور اس کے سارے خزانوں کے ساتھ اس کی خدمت میں حاضر ہو۔ تین دن بعد جب ایلچی خسرو پرویز کے پاس یہ خبر لایا کہ ہانی نے آنے سے انکار کر دیا ہے تو خسرو پرویز نے نعمان کو ہاتھی کے پاؤں تلے روندوا کر نعمان کو مروا دیا اور ہانی کی سرکوبی کے لیے اور حیرہ کا حاکم بنا کر اپنے نامور جرنیل کو روانہ کر دیا۔

○

ظلمتِ شب کا طلسم ختم ہو گیا تھا۔ رخِ عروسِ وطن کی طرح سورج مشرق سے طلوع ہُوا تھا اور رات کے اجنبی کرب کے بے کراں سلسلے کی جگہ اب ہر سمت روشنیاں بکھر گئی تھیں۔ ایسے میں ایک سوار ایک نخلستان میں داخل ہُوا اور ایک حویلی کے دروازے پہ اس نے دستک دی۔

یہ سوار اُن محافظوں میں سے ایک تھا جو حیرہ کے حاکم نعمان کے ساتھ خسرو پرویز کے پاس مدائن گئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد اس حویلی کا دروازہ کھُلا اور دروازہ کھولنے والا شیبانی قبائل کا سردار ہانی تھا۔

ہانی نے پوچھا۔ "تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو"۔

اس سوار نے کہا۔ "میں ان محافظوں میں سے ایک ہوں جو اپنے آقا نعمان کے ساتھ مدائن گئے تھے"۔ ہانی نے کہا۔ "ذرا رکو میں دیوان خانے کا دروازہ کھلواتا ہوں پھر

بیٹھ کر تم سے گفتگو کروں گا۔"

اس سوار نے کہا۔ "آپ زحمت نہ کریں، میں رکوں گا نہیں جو کچھ میں آپ سے کہنے آیا ہوں، وہ سننے کے بعد شاید آپ بھی میرے ساتھ گفتگو میں وقت ضائع پسند نہ کریں۔"

ہانی وہیں رک کر غور سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ سوار کہہ رہا تھا۔ "خسرو نے آقا نعمان کو مروا دیا ہے۔ اس نے اپنے ایک جرنیل ران کو حیرہ کا حاکم مقرر کیا ہے اس کے ساتھ ایک جرار لشکر بھی روانہ کیا ہے تاکہ وہ آپ کی سرکوبی کرے۔ ران اپنے لشکر کے ساتھ مدائن سے روانہ ہو چکا ہے۔ اگر آپ نے اپنا آپ بچانا ہو تو کہیں روپوش ہو جائیں اور اگر خسرو پرویز کے جرنیل ران سے ٹکرانا چاہیں تو اس کے لیے آپ تیاری کریں۔"

اس کے ساتھ ہی اس سوار نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور جانے لگا۔

ہانی نے کہا۔ "کیا تم رکو گے نہیں؟"

سوار نے کہا۔ "میں جلدی میں ہوں، اب اپنے گھر جاؤں گا۔"

وہ سوار چلا گیا۔ ہانی تھوڑی دیر تک دروازے پر کھڑا ہو کر گہری سوچوں میں کھویا رہا پھر جب وہ مڑا تو اس نے دیکھا اس کی بیوی حذیفہ اس کے قریب ہی دیوار سے لگی رو رہی تھی۔ شاید اس بچاری نے اس سوار سے نعمان کی موت کی خبر سن لی تھی۔ ہانی جب اس کے قریب آیا تو حذیفہ نے اپنے آنسو پونچھ لیے اور ہانی کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔ "آہ! میرا دوسرا باپ بھی مارا گیا۔ اس کے بعد میں آپ کے لیے بھی مصیبت اور دکھوں کا باعث بن گئی ہوں۔ خدا کے لیے آپ مجھے اپنی تلوار مار کر قتل کر دیجیے اور خسرو پرویز کو پیغام بھجوا دیجیے کہ جس حذیفہ کو تو اپنے حرم میں داخل کرنا چاہتا ہے وہ مر گئی ہے لہٰذا تو عربوں کے خلاف دنگا فساد اور جنگ و جدل سے باز رہ۔"

ہانی آگے بڑھا اور حذیفہ کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے کہا۔ "تم میرے لیے کسی دکھ اور مصیبت کا باعث نہیں ہو۔ تم میری بیوی ہو۔ تم میرے قلب و نظر کی معلمہ مہر و محبت کا آئینہ ہو۔ میرے لیے تم بحرِ محبت ہو، گلِ نشاط و انبساط ہو، دریائے شفقت ہو اور دخترِ بدوحِ محبت ہو۔ حذیفہ! حذیفہ! میرے لیے تم خالقِ اکبر کا ایک عطیہ، دربارِ فطرت کا حسین سرمدی نغمہ ہو۔"

ہانی کے الفاظ نے حذیفہ کی ڈھارس بندھائی اور اس نے سنبھلتے ہوئے کہا۔ "اب جب کہ خسرو پرویز کا جرنیل ران ایک جرار لشکر کے ساتھ ہماری طرف بڑھ رہا ہے۔ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

ہانی نے چھاتی تانتے ہوئے کہا۔ "میں صحراؤں کے اندر پھیلے عربوں کے سارے نخلستانوں اور بستیوں میں جاؤں گا اور خسرو پرویز کے خلاف ان سے مدد کی درخواست کروں گا۔ اگر انہوں نے میرا ساتھ دیا تو ٹھیک اور اگر کسی نے بھی میری پکار پر لبیک نہ کہا تو میرے پاس اپنے قبائل کا اس قدر لشکر ہے کہ میں ایک مدافعانہ جنگ کی ابتدا کر کے خسرو پرویز کے جرنیل ران سے اپنا اور اپنے قبائل کی بستیوں کا دفاع کر سکوں گا لیکن مجھے امید ہے کہ میں ان عجمیوں کے خلاف اپنے عرب بھائیوں میں عزتِ نفس کی ایک آگ بھڑکانے میں ضرور کامیاب ہو جاؤں گا۔"

حذیفہ! حذیفہ! سنو! میں ابھی اور اسی وقت یہاں سے کوچ کروں گا اور اپنے قبائل کے علاوہ عربوں کے دوسرے قبائل کا رخ کروں گا اور ان کے سرداروں، رؤسا اور شیوخ سے استدعا کروں گا کہ وہ خسرو پرویز کے خلاف میری مدد کریں۔ میرا دل کہتا ہے وہ میری پکار پر لبیک کہیں گے اور ہم سب مل کر خسرو پرویز کے گھناؤنے اور گناہگار ارادوں کو خاک و خون میں ملا دیں گے۔

میری یہ خواہش ہے کہ عرب کے ان صحراؤں کے اندر خسرو پرویز کا لشکر شکست کھا کر بھاگے اور میں اس کے تعاقب میں رہوں۔ اور میرے ذہن کے نہاں خانوں اور میرے ضمیر کے حساس طبقوں کی یہ آواز ہے کہ ایسا ضرور ہو گا۔"

حذیفہ نے پرمسرت لہجے میں کہا۔ "اس موقع پر میری آپ سے ایک التجا ہے۔"

ہانی نے کہا۔ "تم کہو کیا کہنا چاہتی ہو۔ میں تمہارا کہا کیوں کر رد کر سکوں گا۔"

حذیفہ نے کہا۔ "آپ کو یاد ہو گا، میرے باپ نعمان نے آپ سے کہا تھا کہ اس نے

میری تربیت بیٹی نہیں بیٹا سمجھ کر کی ہے۔ اس نے مجھے حرب و ضرب کا ہر فن سکھایا ہے اور جنگی امور میں اس نے میری تربیت مجھے اپنا ولی عہد جان کر کی ہے۔ جنگ کے دوران کسی موقع پر بھی اپنی کارگزاری سے میں آپ کو مایوس نہ کروں گی۔ میری آپ سے التجا ہے کہ عرب سرداروں سے مدد کی درخواست کرنے، لشکر جمع کرنے اور خسرو پرویز کے جرنیل رازان کے خلاف جنگ تک کے سارے عمل کے دوران میں آپ کے پہلو بہ پہلو کام کروں"۔

ہانی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "حذیفہ! میں تمہاری اس پیش کش کو بخوشی قبول کرتا ہوں۔ بخدا اپنی بیوی کے علاوہ میں تمہیں یہ بھی سمجھوں گا کہ تم جنگی معاملات میں میرا ایک مضبوط اور آزمودہ کار ساتھی بھی ہو۔ ہم ابھی اور اسی وقت اپنے کچھ محافظوں کے ساتھ دوسرے عرب قبائل کی طرف روانہ ہوں گے تاکہ رازان کی یہاں آمد سے قبل مقابلے کے لیے ہم اپنے لشکر کی تنظیم کر سکیں"۔

حذیفہ نے ہانی کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔ "تو پھر دیر کا ہے کی آیئے تیاری کریں اور چلیں"۔

دونوں میاں بیوی نے جنگی لباس پہنا۔ اپنے کچھ محافظوں کو ساتھ لیا اور عرب قبائل کی طرف وہ کوچ کر گئے تھے۔

○

مدائن سے کوچ کرنے کے بعد خسرو پرویز کا جرنیل رازان اپنے لشکر کے ساتھ پہلے حیرہ شہر آیا۔ لشکر کا پڑاؤ اس نے شہر سے باہر کیا۔ پہلے اس نے شہر کے سرکردہ لوگوں سے مل کر انہیں اپنے آپ سے مانوس کرنے کی کوشش کی اور اس کام میں اسے کم از کم دو ہفتے لگ گئے۔ اس دوران ہانی اور حذیفہ نے مختلف عرب قبائل کے سرداروں سے مل کر ایک مضبوط لشکر تیار کر لیا تھا۔

ایرانیوں کے مقابلے میں عرب قبائل کے سرداروں نے ہانی اور حذیفہ کی پکار پر پُرجوش انداز میں لبیک کہا تھا۔ اور ہر لحاظ سے ان کی مدد کی تھی۔ اس طرح رازان سے مقابلہ کرنے کے لیے ہانی اور حذیفہ نے اپنے آپ کو خوب مضبوط کر لیا تھا۔

دوسری طرف حیرہ شہر کے حالات اپنے حق میں درست کرنے کے بعد ران نے اپنے لشکر کے دو حصے کیے۔ لشکر کے ایک حصے کے ساتھ وہ خود ایک حاکم کی حیثیت سے حیرہ شہر میں ہی رہا اور لشکر کا دوسرا حصہ جس کی تعداد چالیس ہزار تھی اس نے اپنے ایک ماتحت جرنیل کی سرکردگی میں ہانی کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔

ایرانی جرنیل اپنے چالیس ہزار آزمودہ کار لشکریوں کے ساتھ دریائے فرات کے دائیں کنارے ذوقار کے میدانوں میں خیمہ زن ہوا۔

ہانی نے حیرہ شہر سے لے کر عرب قبائل کی بستیوں تک اپنے جاسوس بدوؤں کا صحرا کے اندر ایک جال بچھا رکھا تھا اور وہ اسے ایرانی لشکر کی نقل و حرکت کی پوری خبریں پہنچا رہے تھے۔ ہانی کو جب علم ہوا کہ ایرانی لشکر ذوقار کے میدان میں خیمہ زن ہوا ہے تو اس نے بھی عرب قبائل کے متحدہ لشکر کے ساتھ ادھر کا رُخ کیا اور ایرانی لشکر کے سامنے خیمہ زن ہوا۔

ہانی کے لشکر میں ایرانیوں کے حامی قبائل بنی نمر، تغلب اور بنی ایاد کے علاوہ رومیوں کے حامی قبائل غسان بھی شامل تھے۔ لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ایک حصہ ہانی اور حذیفہ کے تحت تھا اور دوسرا ایک غسانی سردار کی کمانداری میں تھا۔

ایرانی لشکر کی طرف سے ایک پہلوان میدان میں نکلا اور عربوں کی طرف منہ کر کے اس نے مقابلے کے لیے للکارا۔ مقابلے کے لیے ہانی خود نکلا اور اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر آگے بڑھایا لیکن آدھا فاصلہ طے کرنے کے بعد اس نے اپنے گھوڑے کو روک لیا پھر وہ قبلہ رُخ ہو کر اپنے گھوڑے پر ہی سجدے کے انداز میں جھک گیا۔ پھر وہ انتہائی انکساری اور عاجزی سے دُعا مانگ رہا تھا۔

"اے خدائے واحد و لم یزل! اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل زیست کی تلخی اور حیاتِ ارضی کے رنج و غم مجھ سے دُور رکھ۔ تو زمان و مکان کی حدود سے ماورا ہے۔ تو روحوں کی تسکین و طمانیت ہے۔ تو آفتاب کی شعاعوں میں محوِ پرواز ہے تو خاموش اور چمکتے چاند میں ہے۔

اے اللہ لاشریک! تیرا ایک مسلمان اور عاجز بندہ ہونے کے ناطے سے مجھے دشمن کی درد کی تحریروں اور کرب کی تفسیروں سے دُور رکھ۔

میرے مولیٰ! یہ حیات و ممات، یہ حسن و جمال تجھ سے ہے۔ یہ امن و سلامتی، یہ مسرت وانبساط تجھ سے ہے۔ روحوں کی توانائی تیری وجہ سے، بہادروں کا حوصلہ اور عزم تیری ذات سے ہے۔ عدم کی سرگوشیوں میں باطن کے زورِ تخیّل میں تُو ہے، اپنی ذات کی لامحدود بے کراں قوتوں سے میری مدد فرما"۔

اپنی دُعا ختم کرنے کے بعد ہانی نے تلوار اور ڈھال سنبھالی اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر آگے بڑھایا۔ مقابلہ کے میدان میں اُترنے والے ایرانی پہلوان نے اس موقع پر عیاری اور دھوکہ دہی سے کام لیا۔ وہ اپنے گھوڑے کو گھما کر ایسے انداز میں لایا جہاں ہانی اپنے لشکر کی نگاہوں سے اوجھل رہا کیوں کہ وہ اس کی اوٹ میں آ گیا تھا۔ پھر اس ایرانی نے اپنی ٹانگ کے قریب لٹکتی کمان سنبھالی، تیر چڑھایا اور ہانی پر چلا دیا۔

ہانی چونکہ اس ایرانی کی اوٹ میں تھا۔ لہٰذا اس کے لشکر والے یہ تیر چلتا نہ دیکھ سکے۔ تاہم ایرانی اس سارے منظر کو دیکھ رہے تھے۔ ایرانی پہلوان کا چلایا ہُوا تیر ہانی کے ہاتھ میں لگا اور اس سے اس کی تلوار چھُوٹ کر زمین پر گر گئی۔ اس کے ساتھ ہی اس ایرانی نے ہانی پر اپنی کمند پھینک دی جو ہانی کے گلے میں پھنس گئی۔ پھر اس ایرانی نے ایک سخت جھٹکا دے کر ہانی کو اس کے گھوڑے سے نیچے گرا دیا۔ پھر اس تیزی سے اس نے ہانی کو اپنی طرف کھینچا کہ ہانی اس کے گھوڑے کی ٹانگوں سے آ لگا۔ پھر وہ ایرانی جھکا اور اپنی تلوار ہانی پر برسا دی۔

اپنے لشکر کے سامنے اپنے گھوڑے پر سوار حذیفہ ہانی کی بے بسی کے اس منظر کو برداشت نہ کر سکی۔ اور اپنی دونوں آنکھیں اس نے اپنے ہاتھوں سے ڈھانپ لی تھیں۔

ا

جس وقت اس ایرانی پہلوان نے ہانی پر اپنی تلوار برسائی اس کی حیرت اور پریشانی کی کوئی انتہا نہ رہی تھی۔ ہانی کے ہاتھ میں تیر لگنے، اس کے گلے میں کمند ڈال کر گھوڑے سے گرانے اور پھر تیزی سے اپنی طرف کھینچنے کے اس عمل سے وہ ایرانی یہی اندازہ لگا رہا تھا کہ اس وقت تک ہانی بے سُدھ ہو چکا ہو گا۔ یا اگر یہ نہیں تو اس پر ایسی درماندگی ضرور طاری ہو چکی ہو گی کہ وہ کسی ردِ عمل کا اظہار نہ کر سکے گا لیکن قبل اس کے اس ایرانی کی تلوار ہانی پر برس کر اسے نقصان پہنچاتی، ہانی فوراً حرکت میں آیا۔ اس کا بایاں ہاتھ جس میں اس کی ڈھال تھی وہ چونکہ نچلی طرف تھا لہٰذا ہانی نے فوراً کروٹ بدل کر ڈھال سنبھالی اور ایرانی کا وار اس نے اپنی ڈھال پر روک کر اس ایرانی کو حیرت و تعجب میں ڈال کر رکھ دیا تھا۔

جس وقت اس ایرانی کی تلوار ہانی کی ڈھال سے ٹکرائی اسی وقت ہانی نے ایک دوسرے عمل کی ابتدا کر دی۔ اس نے فوراً ایک ہاتھ سے ایرانی کی ٹانگ پکڑ کر اسے اس کے گھوڑے سے نیچے گرا دیا۔

ایرانی کا نیچے گرنا تھا کہ اس پر ایک عتاب نازل ہونا شروع ہو گیا۔ ہانی نے اس کے سر اور چہرے پر اپنی ڈھال سے سخت ضربیں لگانی شروع کر دی تھیں۔

اپنے لشکر کے سامنے کھڑی حذیفہ نے جب اپنی آنکھوں سے اپنے ہاتھ ہٹائے تو اس وقت ہانی اس ایرانی پہ اپنی ڈھال کی سخت اور تیز ضربیں لگا رہا تھا۔ ایرانی بے سُدھ ہو گیا تھا۔ پھر حذیفہ کے دیکھتے ہی دیکھتے ہانی اٹھا۔ اپنے گلے میں پھنسی کمند اس نے اتار کر پھینکی، اپنی تلوار سنبھال کر وہ دوبارہ ایرانی کی طرف آیا اور اس پہ ایک سخت وار کر کے اسے دو حصّوں میں کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ حذیفہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی جب کہ ہانی اپنے گھوڑے پر سوار اپنے لشکر کی طرف جا رہا تھا۔

ایرانی لشکر کے سامنے نصب درفش کاویانی اکھاڑ لیا گیا جس کا مطلب تھا عام جنگ کی ابتدا ہونے والی ہے۔ پھر ایرانیوں نے جن کی تعداد عربوں سے زیادہ تھی ایک ساتھ عربوں پر ہلّہ بول دیا تھا۔

جنگ کا عجیب منظر تھا۔ اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار عرب کے تپتے صحراؤں کے بدّو کسی عفریت اور مافوق الفطرت کی طرح حرکت میں آئے تھے۔ ہانی، حذیفہ اور ایک غسانی سردار کی سرکردگی میں وہ ایک انقلابِ نو کی علامت، قدرت کے موجزن عمل کی طرح حرکت میں آئے تھے۔

بھیانک آندھیوں کی طرح وہ ایرانی لشکر میں داخل ہو کر ان پر جور و جبر اور جفا و تشدّد کرنے لگے تھے۔ بحر و بر کے زلزلوں کی مانند انہوں نے اپنے دشمنوں کو مفلوج و بے بس کر کے ان کے مقدر میں زہرِ ظلمت ثبت کرنا شروع کر دیا تھا۔

جنگ کے دوران عربوں کے ماتھوں پہ انتقام کی سلوٹیں تھیں۔ وہ پھنکار کر ڈسنے والے اژدھوں کی طرح بڑھتے ہوئے ایرانیوں کے لیے حیات و موت کے اجزا کو باہم ملانے لگے تھے۔ ایرانی جو ایک گھمنڈ میں اپنی فتح کے مینار کھڑے کرنے کو آگے بڑھے تھے عربوں نے اپنے تیز حملوں سے ان کے ذہنوں میں سوچوں کی کہر اور ان کی ملگجی نظروں میں خاموش رات کا سناٹا اور ہولناکی بھر دی تھیں۔

عربوں نے ایرانیوں کے اس لشکر کو مکمّل طور پر تباہ کر رکھ دیا۔ ایک ایک ایرانی کو موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا اور کسی کو بھی بچ کر بھاگ نکلنے کا موقع نہ ملا۔ یہ ایک ذلت آمیز شکست تھی

جو ہانی نے ایرانیوں کو دی تھی۔

حیرہ کے نئے ایرانی حاکم زان کے پاس جنگ میں کام آنے والے لشکر سے زیادہ بڑا لشکر تھا لیکن اسے ہمّت اور جرأت نہ ہوئی کہ وہ حیرہ شہر سے نکل کر ہانی پر حملہ آور ہو۔

اس نے خسرو پرویز کو تاریخ کی اس بدترین شکست کی اطلاع دینے کے علاوہ خسرو پرویز کو یہ بھی کہلا بھیجا کہ اسے ایک اور جرار لشکر کمک کے طور پہ بھیجا جائے تاکہ ہانی کے عزائم کی بیخ کنی کی جا سکے۔

خسرو پرویز کو اس شکست اور اپنے چالیس ہزار لشکریوں کے مارے جانے کا انتہائی دُکھ اور ملال ہُوا لیکن یہاں اس نے اس طرح سے دانش مندی کا ثبوت دیا اور وہ یہ سوچتے ہوئے خاموش رہا کہ اگر اس نے عربوں کے خلاف کوئی بڑے پیمانے پر کارروائی کرنے کی کوشش کی تو حجاز و عراق کے علاوہ اس کی اپنی سرزمین اور شام و فلسطین تک آباد عرب اس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں گے اور ان خانہ بدوش بدوؤں کی صورت میں ایک نئی عفریت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لہٰذا زان کو کمک فراہم کرنے کے بجائے اسے کہلا بھیجا کہ ذوقار کی اس شکست کو فراموش کر دے اور یوں سمجھ لے گویا کچھ ہُوا ہی نہیں ہے۔

عربوں کے ہاتھوں اس شکست[1] کا غصّہ خسرو پرویز نے رومنوں پر نکالا۔ ایک عظیم لشکر لے کر وہ مدائن سے نکلا اور قیصرِ روم کی مملکت میں داخل ہُوا۔ پہلے انطاکیہ پر قبضہ کیا پھر فلسطین میں داخل ہو کر اس نے بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجا کر اس پر قبضہ کر لیا اور نصرانیوں سے وہ صلیب چھین کر اس نے مدائن پہنچا دی جس کے متعلق ان کا ایمان تھا کہ اس صلیب[2] پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کیا گیا تھا۔ بیت المقدس میں اپنے

---

[1] عربوں کے ہاتھوں خسرو پرویز کی اس بدترین شکست اور ہانی کے ہاتھوں چھبیس ہزار ایرانیوں کے قتل کو مشہور ایرانی مورخ مقبول بیگ بدخشانی بھی تسلیم کر کے تفصیل سے لکھتا ہے۔

[2] یہ صلیب اور اس کے ساتھ گرفتار ہونے والا لاٹ پادری ذکریا، خسرو پرویز نے اپنی بیوی مریم کے حوالے کر دیے تھے۔ اس جنگ میں خسرو نے نوّے ہزار نصرانیوں کا قتلِ عام کیا۔

قیام کے دوران خسرو پرویز نے قیصرِ روم ہرقل کو ایک خط لکھا جس کا متن یوں ہے۔

"دیوتاؤں کے دیوتا اور کرۂ ارض کے بادشاہ خسرو پرویز کی طرف سے اس کے بے حیا اور پاجی غلام ہرقل کی طرف۔

تم کہتے ہو تمہارا یقین خدا پر ہے تو پھر تمہارے خدا نے بیت المقدس کو میرے ہاتھ سے کیوں نہ بچایا۔ تم مسیحؑ سے بے فائدہ اُمید لگا کر اپنے آپ کو فریب میں مبتلا نہ رکھو جو خود بھی یہودیوں کے ہاتھوں سے بچ نہ سکا اور صلیب پر لٹکا کر اس کے جسم میں کیل ٹھونک کر اسے مار دیا گیا تھا۔"

ہرقل کی طرف یہ غرور اور نخوت بھرا خط لکھنے کے بعد خسرو پرویز نے ہرقل کے ماتحت صوبے مصر کی طرف توجہ کی اور اپنے نامور جرنیل شہر براز کو ایک جرار لشکر کے ساتھ مصر کی طرف روانہ کیا۔ شہر براز نے مصر کو فتح کرنے کے بعد مصر کے دارالحکومت اسکندریہ میں ایران کا قومی پرچم درفش کاویانی[1] جا نصب کیا۔

اپنے دوسرے جرنیل شاہین کو خسرو پرویز نے رومنوں کے دارالحکومت قسطنطنیہ فتح کرنے کو روانہ کیا اور خود وہ بیت المقدس سے واپس مدائن چلا گیا۔

شاہین نے پے درپے کئی رومن لشکروں کو روندتے ہوئے قسطنطنیہ کے ایک قریبی شہر کانسیڈونین کا جا محاصرہ کیا۔ قیصرِ روم ہرقل نے اپنے حق میں حالات کو اس قدر بگڑتے

[1] ایران کے قدیم اور ابتدائی دور میں ضحاک بادشاہ کے خلاف ایک تحریک چلی۔ اس تحریک کا محرک کاوہ نام کا ایک لوہار تھا جس نے اپنی دھونکنی کے چمڑے سے جھنڈا بنا کر علمِ بغاوت بلند کیا۔ یہ بغاوت کامیاب رہی۔ ضحاک بادشاہ کو شکست ہوئی اور فریدوں تخت نشین ہوا اور کاوہ کی نسبت سے یہ جھنڈا درفش کاویانی کے نام سے موسوم ہوا۔ یہ جھنڈا چیتے کی کھال کا تھا۔ اس کی لمبائی بارہ ہاتھ اور چوڑائی آٹھ ہاتھ تھی۔ ایرانیوں کا عقیدہ تھا کہ اس جھنڈے کی برکت سے انہیں ہر جگہ فتح ہوتی ہے لیکن مسلمانوں کے ساتھ جنگوں کے دوران یہی جھنڈا

دیکھ کر شاہین سے ملاقات کی اور اس کے مشورہ پر اپنا ایک سفیر خسرو پرویز کے پاس مدائن روانہ کیا تاکہ صلح اور امن کی گفتگو کی جائے لیکن خسرو پرویز فتوحات کے نشے میں چور تھا اس صلح کی سفارت کو اس نے کوئی اہمیت نہ دی اور ہرقل کے سفیر کو اس نے زنداں میں ڈال دیا اور اپنے سپہ سالار شاہین کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں اسے سخت الفاظ میں تنبیہہ کی کہ تم نے ہرقل کو بیڑیاں پہنا کر میری طرف کیوں نہیں بھیجا"۔

یہ خط ملنے کے بعد شاہین نے کانسیڈونین شہر پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا اس طرح وہ ممالک جو کبھی ہخامنشی دور میں ایران کے تسلط میں تھے، ایک بار پھر نو سو سال بعد ایران کے تحت آ گئے لیکن خسرو پرویز نے ان مفتوحہ ممالک پر اپنی حکومت قائم نہ کی بلکہ صرف خراج وصول کرنے پر اکتفا کیا۔

خسرو پرویز نے اسی پر بس نہ کی بلکہ قیصرِ روم ہرقل کو اس کی سلطنت کے ایک وسیع حصے سے محروم کرنے کے بعد اس نے ہندوستان کا رُخ کیا اور ایران کی مشرقی سرحدوں کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں کوشانیوں کے حکمران کے خلاف لشکر کشی کی۔

اس جنگ میں کوشانی حکمران مارا گیا اور خسرو پرویز نے ہندوستان کے شمال مغربی علاقے کے وسیع حصوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس طرح خسرو پرویز نے ایشیا کے وسیع علاقوں پر اپنا تسلط جما لیا تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۸) ان کی پے درپے شکستوں کا باعث بن گیا۔

لابان کی بیوی نیا بوث کو ایک ایسے تاجر نے خرید لیا تھا جس کے بڑے بڑے بحری
جہاز اسکندریہ اور قسطنطنیہ کے درمیان چلتے تھے۔ یہ جہاز مصر سے قسطنطنیہ کو غلّہ لے کر
جاتے اور واپسی پر ایشیائے کوچک، لبنان اور فلسطین کے میوہ جات مصر میں لاتے۔

ایک روز جب اس تاجر کے جہاز اسکندریہ کے ساحل پر لنگر انداز ہوئے تو
جہاز میں کام کرنے والی دوسری عورتوں کے ساتھ نیا بوث بھی بندرگاہ سے نکل کر اسکندریہ
شہر کے بازار میں آئی اور سب عورتیں اپنی اپنی ضرورت کے مطابق خریداری کرنے لگیں۔

نیا بوث نے بھی اپنے لیے کچھ کپڑے خریدے اور جس وقت وہ ایک بزاز کی دکان سے
دوسری عورتوں کے ساتھ نکل رہی تو ایک رومن سپاہی اس کے پاس سے گزرا اور اس کی کمر
سے بندھی نقدی کی تھیلی اس نے اس سے چھین لی۔

نیا بوث بے چاری شور و غوغا کرنے لگی اور بازار کے دکانداروں کے علاوہ وہاں
سے گزرتے لوگوں کو مدد کے لیے پکارنے لگی لیکن کوئی بھی اس کی مدد کو آگے نہ بڑھا اور
وہ رومن سپاہی بدمعاشوں کی طرح ڈھیٹ بن کر وہاں کھڑا ہو کر مسکراتا رہا۔

اتنے میں ایک مسلح جوان ہجوم کے اندر سے نکلا۔ وہ ابھی کم عمر اور نوجوان تھا

عمر کے اس حصے میں تھا۔ جہاں بچپن رُوٹھتا ہے اور جوانی گلے ملتی ہے۔

یہ جوان نیا بوث اور لابان کا سب سے چھوٹا بیٹا عدیم تھا جسے مصر کے ایک ایسے
شخص کے پاس فروخت کیا گیا تھا جو عرب تھا اور مصر میں گلیڈی ایٹرز کو تیغ زنی اور دوسرے
فنونِ حرب کی تربیت دیا کرتا تھا۔ عدیم کو بھی اسی نے تربیت دے کر خاک سے کندن بنا کر رکھ
دیا تھا۔

عدیم اپنی ماں نیا بوث کے پاس آرکا۔ ہائے حیف! نہ عدیم جان سکا کہ وہ میری ماں
ہے اور نہ ہی نیا بوث پہچان سکی کہ عدیم اس کا چھوٹا بیٹا ہے۔

نیا بوث کے قریب آکر عدیم نے پوچھا۔ "اے خاتون کیا بات ہے کس وجہ سے تم
لوگوں کو مدد کے لیے پکار رہی تھیں۔"

نیا بوث نے اس رومن سپاہی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اے نیک دل مہربان
نوجوان! وہ جو سامنے رومی سپاہی کھڑا ہے اس نے زبردستی مجھ سے میری نقدی کی تھیلی لے لی
ہے اور واپس نہیں کرتا۔ اسی لیے میں نے مدد کے لیے پکارا ہے"۔

عدیم نے دیکھا وہ رومن ایک طنز و استہزا کے انداز میں کھڑا مسکرا رہا تھا اور اس کے
دائیں طرف پانچ چھ اور رومن سپاہی بھی کھڑے تھے جو شاید اس کے ساتھی ہوں گے۔ عدیم
اس رومن کے پاس آیا اور ایک مصمم ارادے کے ساتھ اس نے اپنی تلوار کے دستے پہ ہاتھ رکھتے
ہوئے کہا۔ "تم نے اس بڑھیا کی جو نقدی کی تھیلی چھینی ہے وہ اسے واپس لوٹا دو"۔

اس رومن نے سیخ پا ہوتے ہوئے کہا۔ "اپنی گفتگو سے اس بڑھیا کی طرح تم بھی مجھے
عرب لگتے ہو اور غیر رومنوں سے ایسا سلوک کرنے کے ہم حق دار ہیں"۔

عدیم نے پھر بھی نرمی سے کہا۔ "اس خاتون سے نقدی کی تھیلی چھین کر تم نے کیا معرکہ
سر کیا۔ کسی جوان کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے تو وہ تمہیں سبق بھی دیتا"۔

اس رومن نے عدیم کی کمر سے بندھی نقدی کی تھیلی کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے
کہا۔ "لو پھر تمہاری نقدی کی تھیلی چھینتا ہوں"۔ دیکھتا ہوں تم کیا طوفان کھڑا کرتے ہو۔ کوئی
حرکت کرنے سے قبل جان رکھنا کہ وہ دائیں جانب کھڑے چھ رومن سپاہی بھی میرے ساتھ ہیں"۔

ایک غلط اور ٹیبڑھی سی نگاہ عدیم نے دائیں جانب کھڑے رومنوں پر ڈالی۔ پھر بجلی کے کوندے کی طرح وہ حرکت میں آیا۔ رومن کا وہ ہاتھ جو اس کی ہتھیلی کی طرف بڑھ رہا تھا اس نے پیچھے جھٹک دیا، ساتھ ہی اس نے اپنے دونوں ہاتھ اس رومن کی بغلوں میں ڈالے اور اسے اُٹھا کر دُور پٹخ دیا۔

وہ رومن انتہائی بے بسی کی حالت میں پیٹھ کے بَل زمین پر گِر گیا تھا۔ اس موقع پر بے چاری نیابوث عدیم کی طرف دیکھتے ہی کچھ پریشان ہوگئی۔ دائیں طرف کھڑے چھ رومن اسی طرح اپنی جگہوں پر ایستادہ تھے۔ تاہم وہ بڑے غور اور انہماک سے عدیم اور اپنے ساتھی رومن کی طرف دیکھ رہے تھے۔

زمین پر گرنے والا رومن فوراً اُٹھ کھڑا ہوا۔ اپنے کپڑے اس نے جھاڑے اور تلوار ڈھال سنبھال کر وہ عدیم کی طرف بڑھا تھا۔

عدیم نے بھی اپنی ڈھال اور تلوار سنبھال لی تھی۔ رومن نے جب اس پر وار کیا تو اس نے اس کی تلوار کو بڑی مہارت کے ساتھ اپنی ڈھال پر روکا اور جب اس نے جوابی حملہ کیا تو اس کی تلوار اس رومن کو شانے تک چیرتی چلی گئی تھی۔

اپنے ساتھی کی اس قدر جلدی اور بے بسی کی موت پر دائیں طرف کھڑے اس کے پانچ ساتھیوں کے چہروں پر غصّے اور قہرمانیت کے جذبے بکھر گئے تھے۔ ایک دوسرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے اپنی تلواریں کھینچ لیں اور عدیم کی طرف آہستہ آہستہ بڑھے تھے۔

نیابوث بے چاری یہ نہ جانتے ہوئے بھی کہ عدیم اس کا ہی سب سے چھوٹا بیٹا ہے اس تشویشناک لمحات میں افسردہ اور غمگین ہوگئی تھی۔ اس کی ساتھی عورتیں جو اس کے ساتھ میں کام کرتی تھیں اس کے قریب آ گئی تھیں۔

اچانک نیابوث نے کوئی فیصلہ کیا بھاگ کر وہ بے چاری آگے بڑھی۔ مرنے والے رومن کی تلوار اور ڈھال اس نے سنبھال لی اور کسی ماہر جنگجو کی طرح عدیم کے پہلو میں آ کر کھڑے ہوئے اس نے کہا۔

"اے نیک دِل فرزند! مجھے معلوم نہیں تم کون ہو۔ تم نے میری خاطر اس رومن کو

قتل کیا۔ لہٰذا میں تمہیں اپنے سامنے بے بسی اور گمنامی کی موت مرتے نہیں دیکھ سکتی۔ میں تمہارا ساتھ دوں گی۔ اے اجنبی نوجوان! میں بھی بنتِ نیل ہوں۔ گو حالات و حادثات نے مجھے بحری جہازوں کے ایک مالک کی ملازمہ بنا کر رکھ دیا ہے پھر بھی میرے اندر آزادی کے جذبے ہیں۔ ان رومنوں کے مقابلے میں تمہارا ساتھ دوں گی۔ تم میری طرف سے فکرمند نہ ہونا۔ میں تلوار چلانا خوب جانتی ہوں اور یہ فن مجھے میرا باپ اور شوہر سکھاتے رہے ہیں۔ تم کیسے عزیز و عجیب اجنبی ہو کہ تمہاری شکل کے کچھ نقوش میرے شوہر سے ملتے جلتے ہیں"۔

نیابوث خاموش ہوگئی کیوں کہ رومن قریب آگئے تھے۔ عدیم نے جلدی میں کہا۔

"تم ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو جاؤ خاتون! اس جنگ میں حصّہ نہ لینا۔ ورنہ تم ان رومنوں کے ہاتھوں ماری جاؤ گی"۔

اچانک عدیم ایک غضب ناک جست کے ساتھ آگے بڑھا اور سان رومنوں پر حملہ آور ہونے میں اس نے پہل کر دی تھی۔ عدیم کے حملہ آور ہونے کا انداز خوب تھا جیسے کوئی بھوکا شاہین پرندوں کے غول پر حملہ آور ہُوا ہو۔ وہ کسی بخت آزما اور اجل کے راز دان کی طرح حملہ آور ہوا اور اپنے پہلے ہی حملے میں اس نے دو رومنوں کو موت کی نیند سلا کر رکھ دیا تھا۔ اس موقع پر نیابوث نے آگے بڑھ کر اس کی مدد کرنے کی خاطر ان رومنوں پر حملہ آور ہونا چاہا تھا لیکن عدیم کی اس پر نظر تھی لہٰذا وہ لڑتے لڑتے اس کے آگے آ گیا اور اس کو اس لڑائی میں حصہ لینے سے باز رکھا۔

عدیم ان چاروں رومنوں کے ساتھ اب جم کر لڑ رہا تھا۔ اس کے حملوں، اس کے جذبوں اور اس کی جنگی مہارت میں بگولوں کا خروش، صرصر کا جوش اور ہنگامۂ بے شور ستر تھا اس کے حملوں میں اضطراب طاری کر دینے والے جذبے، جوش زن وحشتوں کی طرح نہاں تھے۔ لگتا تھا ہر نفس موج میں ایک حشر برپا کر دینے والا سمندر لہریں مارنے لگا ہو۔

اچانک عدیم نے لڑتے لڑتے تیسرے اور پھر چوتھے رومن کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ باقی دو شاید اسے ایک انتہائی خطرناک اور مہلک دشمن جانتے ہوئے ایک دوسرے کو اشارہ کرنے کے بعد عدیم کے سامنے سے بھاگ گئے۔

اِس موقع پر عدیم نیابوث سے کچھ کہنا چاہتا تھا کہ ایک طرف سے ڈھلتی ہوئی عمر کا ایک شخص بھاگتا ہوا آیا۔ یہ وہی اندریاس نام کا عرب تھا جس نے عدیم کو پال کر جوان کیا تھا اور جو اسکندریہ میں شاہی تیغ زنوں کو تربیت دینے کا کام کرتا تھا۔

اندریاس نے عدیم کے پاس آتے ہی اس کا بازو پکڑ لیا اور اسے ایک طرف کھینچتے ہوئے اس نے کہا: "جلدی جلدی میرے ساتھ آؤ بیٹے! ان رومنوں کو قتل کر کے تم نے اپنی قیمتی جان داؤ پر لگا دی ہے۔ تمہاری زندگی خطرے میں ہے۔ میرے ساتھ آؤ، یہ قدم اٹھانے سے قبل تم نے کم از کم میرا تو انتظار کیا ہوتا۔"

اندریاس عدیم کو کھینچتا ہوا اس جگہ لے گیا۔ جہاں اس کا گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ پھر اس نے عدیم کا گھوڑا کھولتے ہوئے کہا۔ "عدیم! عدیم! میرے بیٹے! اپنے گھوڑے پر سوار ہو اور فی الفور اسکندریہ سے بھاگ جاؤ۔ اس وقت تمہاری جان بچانے کا یہی ایک طریقہ ہے سمندر کے کنارے کنارے سیدھے شمال کی طرف جاؤ صیدا شہر کے جنوب میں تمہیں ایک خانقاہ ملے گی اس میں سمعان نام کا ایک عرب رہتا ہے جو مذہب کا یہودی ہے۔ وہ میرا خوب جاننے والا ہے۔ تم اس کے پاس چلے جاؤ اور وہیں رہو۔ اس سے میرا ذکر کرنا۔ وہ تمہاری دیکھ بھال اور حفاظت کرے گا۔"

اس موقع پر عدیم نے اندریاس سے کچھ کہنا چاہا، پر اندریاس نے فوراً اس کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "میری باتوں کے جواب میں کچھ کہہ کر وقت ضائع اور برباد نہ کرنا، بس گھوڑے پر سوار ہو اور یہاں سے بھاگ جاؤ۔ اسی خانقاہ میں رک کر میرا انتظار کرنا۔ یہاں حالات درست کرنے کے بعد میرے بیٹے! میں خود تمہیں لینے آؤں گا۔"

عدیم نے ایک احتجاجی نگاہ اندریاس پر ڈالی پھر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے ایڑ لگا کر سرپٹ دوڑا دیا تھا۔ تھوڑی بعد اسکندریا شہر سے نکل کر سمندر کے کنارے کنارے وہ شمال کی طرف اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑا رہا تھا۔

○

ایک روز شام سے تھوڑی دیر قبل جب کہ سائے خوب لمبے ہو گئے تھے۔ عدیم صیدا شہر کے جنوب میں سمعان کی خانقاہ کے قریب جا پہنچا تھا۔ اچانک اس نے اپنے گھوڑے کو روک لیا۔ اس کے کانوں میں ایک آواز پڑی تھی۔

ایسی آواز جیسے طلسماتی جھنکار، جیسے روحوں کی سرگوشی، جیسے سبزہ زاروں کا تبسم، عدیم نے غور سے سنا کوئی بلند آواز میں مقدس کلام کی تلاوت کر رہا تھا۔ عدیم ہمہ تن گوش ہو کر غور سے سننے لگا۔

"الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّومُ ○ فِیٓ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ وَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ
رومی قریب کی سرزمین میں مغلوب ہو گئے اور اس مغلوبیت کے
غَلَبِهِمۡ سَیَغۡلِبُوۡنَ ○ فِیۡ بِضۡعِ سِنِیۡنَ ؕ لِلّٰهِ الۡاَمۡرُ مِنۡ
چند سال کے اندر اندر غالب ہو جائیں گے اللہ ہی کا اختیار ہے
قَبۡلُ وَ مِنۡۢ بَعۡدُ ؕ وَ یَوۡمَئِذٍ یَّفۡرَحُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ○ بِنَصۡرِ
پہلے بھی اور بعد میں بھی جب اللہ کی بخشی ہوئی فتح پر مسلمان خوشیاں
اللّٰهِ ؕ یَنۡصُرُ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ هُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ۔
منائیں گے اللہ نصرت فرماتا ہے جسے چاہتا ہے وہ زبردست رحیم ہے
وَعۡدَ اللّٰهِ ؕ لَا یُخۡلِفُ اللّٰهُ وَعۡدَهٗ وَ لٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ
یہ وعدہ اللہ نے کیا ہے اللہ کبھی اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا
لَا یَعۡلَمُوۡنَ ○ یَعۡلَمُوۡنَ ظَاهِرًا مِّنَ الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا ۚ وَ
مگر اکثر لوگ جانتے نہیں لوگ دنیا کی زندگی کا بس ظاہری پہلو جانتے ہیں
هُمۡ عَنِ الۡاٰخِرَةِ هُمۡ غٰفِلُوۡنَ ○
اور آخرت سے وہ خود ہی غافل ہیں

یہاں تک پڑھنے کے بعد کلام مقدس کی تلاوت کرنے والا ذرا رکا۔ وہ کلام مقدس سننے کے بعد عدیم کو یوں لگا جیسے گھمبیر سمندروں میں طوفان اٹھ کھڑا ہوا ہو۔ یا کُن فیکون کا فسوں وقت کے بیکراں سمندر میں غوطہ زن ہوا ہو۔ اس کلام میں فطرت کا جلال، بے چین روحوں کا سکون، ملکوتی پھبن، زندگی کے اسرار، تخلیق کا اعجاز، کامل معرفت اور غیر فانی حکمت

تھی۔ عدیم پر نہ جانے کیا کیفیت طاری ہوئی کہ اپنے گھوڑے پر سوار وہ اپنا ہاتھ نعرہ مارنے کے انداز میں ہوا کے اندر بلند کر کے زور زور سے چلانے لگا۔ مَاهٰذَا كَلَامُ اللّٰهِ (یہ کسی بشر کا کلام تو نہیں ہے) مَاهٰذَا كَلَامُ الْبَشَرِ (یہ کسی بشر کا کلام تو نہیں ہے) جلد ہی عدیم کے سارے خیالات کا تانا بانا بکھر گیا کیوں کہ کسی نے پھر کلام مقدس شروع کر دی تھی۔ عدیم پھر متوجہ ہو گیا۔

اس بار پڑھنے والے کی آواز یوں واضح اور بلند ہو کر سنائی دی تھی جیسے سمندروں کی تہوں میں لرزہ طاری ہو گیا ہو، جیسے نوحؑ کی کشتی بہہ نکلی ہو یا خشک صحراؤں کے اندر پھولوں کے گلشن اُٹھ کھڑے ہوئے ہوں۔

الوہیت کی سرمدی بلندیوں سے بھرپور وہ کلام عدیم کی سماعت سے ایسے ٹکرایا جیسے آتش فشاں پھٹ پڑے ہوں یا سمندر کی گہرائی اور فلک کی بلندی گلے ملنے لگے ہوں

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ

کیا انہوں نے کبھی اپنے آپ میں غور نہیں کیا اللہ نے آسمانوں

وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ط وَاِنَّ كَثِيْرًا

اور زمین اور ان ساری چیزوں کو جو ان کے درمیان ہیں برحق اور ایک مقرر

مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ؁

وقت کیلئے پیدا کیا ہے مگر بہت سے لوگ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں

عدیم اپنے گھوڑے کو آواز کی سمت آگے بڑھاتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے دیکھا اس کے سامنے مدھم ہوتی دھوپ میں ایک چرواہا ایک چٹان سے ٹیک لگائے اس مقدس کلام کی تلاوت کر رہا ہے اور قریب ہی اس کا ریوڑ چر رہا ہے۔

اس چرواہے نے بھی عدیم کو دیکھ لیا تھا لہٰذا وہ خاموش ہو گیا تھا۔ عدیم آگے بڑھا اس نے یہ بھی دیکھا دائیں طرف نیچے وادی میں ایک خانقاہ کی عمارت بھی دکھائی دے رہی تھی اس چرواہے کے پاس آکر عدیم اپنے گھوڑے سے اُترا اور اس چرواہے کے سامنے آتے ہوئے اس نے ایک شوق ایک جستجو میں پوچھا۔

”اے مہربان گڈریئے! یہ کیا مقدس کلام تھا جو ابھی تم پڑھ رہے تھے۔ اس کلام کی شان انسانی کلام سے بدرجہا بلند ہے۔ یہ کسی شاعر، کاہن، ادیب و خطیب کا کلام بھی نہیں کہ اس کی بے مثل فصاحت و بلاغت، اس کی وجد آفریں خطابت، اس کے بلند مضامین اور دلوں کو گرما دینے والے اندازِ بیان کسی انسان کے کلام سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے۔ یہ توریت، زبور، انجیل، تلمود اور دیگر صحائف سے کوئی بلند تر پیغامِ وحدانیت ہے۔ بتاؤ تو سہی یہ کیسا کلام ہے“۔

وہ گڈریا اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا۔ ”اے اجنبی! یہ تو خدا کا کلام ہے اور اس نبیؐ پر نازل ہوا جس پر میں ایمان رکھتا ہوں“۔

عدیم نے پوچھا۔ ”وہ نبی کہاں ہیں اور یہ کلام تُو نے ان سے کہاں اور کس جگہ سیکھا“۔

چرواہے نے کہا۔ ”وہ رسول تو صحرائے عرب کے شہر مکہ میں مبعوث ہوئے، اور اب اپنی قوم کی سختیوں سے تنگ آکر اپنے ماننے والوں کے ساتھ ہجرت کر کے ایک دوسرے شہر یثرب چلے گئے ہیں۔ یہ نیچے تم وادی میں جو خانقاہ نما عمارت دیکھتے ہو، اس میں کبھی میں اپنے چچا سمعان کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ اس کی بیٹی جس کا نام زمیل ہے۔

میرا چچا سمعان توریت، زبور، انجیل، تلمود اور دیگر صحائف کا ایک بے مثل عالم تھا اور اسے اس نبی کا اس وقت سے انتظار تھا جب سے اس نے الہامی کتب اور صحائف کا علم حاصل کیا تھا۔

جب یمن کے حاکم ابو مکیوم الاشرۃ ابرہہ نے مکہ شہر پر حملہ کیا۔ جب ایران کے بادشاہ نوشیروان کے محل کے کنگرے ٹوٹ کر گرے تھے جب مجوسیوں کے مقدس دریا سارا کا پانی خشک ہو گیا تو میرے چچا نے ان حادثات کو اس نبی کی علامات اور نشانیاں قرار دیا۔ پھر دیکھو اجنبی! ایسا ہوا کہ چند سال پیشتر مکہ شہر سے اس نبی کا ظہور ہوا۔ اس کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

کئی لوگ اس کی امانت داری اور صداقت کو دیکھ کر اس پر ایمان لے آئے لیکن اس کی قوم نے اس پر اور اس کے ساتھیوں پر ظلم کرنا شروع کر دیا اور اس کے کچھ ساتھی

قوم کے مظالم سے بچنے کی خاطر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے ۔

ان دنوں میں، میرا چچا اور میری بیوی بھی اپنے ایک جاننے والے کاہن کے
گئے ہوئے تھے ۔ وہیں ہماری ملاقات اس نبیؐ کے ماننے والے مسلمانوں سے ہوئی ۔ ہم نے
کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ۔ چند ماہ ان کے اندر رہ کر ان سے اپنے اس نئے مذہب کی تع
حاصل کی ۔ یہ کلام جو تھوڑی دیر قبل میں پڑھ رہا تھا ان سے ہی سیکھا ۔ اس کے علاوہ ہم
میں نے ان سے بہت کچھ حاصل کیا ۔

میرے چچا سمعان کا ارادہ تھا کہ وہ اپنے رسولؐ سے ملنے مکہ جائے گا ۔ انؐ کی خدم
میں حاضر ہو کر ان کی قدم بوسی کرے گا لیکن شاید خدا کو ایسا منظور نہ تھا کیوں کہ اسلام قبو
کرنے کے چند ماہ بعد میرا چچا وہاں مر گیا اور وہاں حبشہ میں ہی اسے دفن کر دیا گیا ۔

ہم اپنا ریوڑ اور اس خانقاہ سے وابستہ اپنی زمین کسی کی دیکھ بھال میں چھو
کر گئے ہوئے تھے ۔ لہٰذا میں اپنی بیوی کے ساتھ یہاں لوٹ آیا ۔ اب ہمارے دو لڑ
ہیں اور ہم چاروں اسلام قبول کرنے کے بعد پُرامن زندگی بسر کر رہے ہیں ۔ اے
اجنبی ! میں نے تم سے اپنے حالات کہہ دیئے، اب تم اپنی بات کہو ۔ کہاں سے آئے ہو
کدھر جاؤ گے اور کیا نام ہے تمہارا ۔"

عدیم نے کہا ۔" تم نے اپنے متعلق اس قدر کہنے کے باوجود اپنا نام تو بتایا ہی نہیں"

گڈریے نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہا ۔" میرا نام قدوم ہے ۔ اب تم اپنی کہو"

عدیم کہہ رہا تھا ۔" سنو قدوم ! میرا نام رمنیس ہے اور باپ کا نام اندریاس"

قدوم نے چونک کر پوچھا ۔" کیا وہی اندریاس جو اسکندریا شہر میں شاہی تیغ زن
کو تربیت دینے کا کام کرتا ہے ۔"

عدیم نے کہا ۔" ہاں، وہی اندریاس"

قدوم نے آگے بڑھ کر عدیم کو گلے لگاتے ہوئے کہا ۔" پھر تم میرے لیے اجنبی
نہیں ہو ۔ میرے بیٹے کی جگہ ہو ۔ اندریاس تو ہمارے اپنے قبیلے کا آدمی ہے اور میرے
سمعان کا ماموں زاد بھی ۔ تم اپنی بات مکمل کرو ۔ تمہیں یہاں دیکھ کر بخدا میں بہت خو

ہوا ہوں ۔

عدیم نے کہا ۔" میرا باپ اندریاس شروع سے ہی تیغ زنی اور دیگر جنگی فنون میں
میری ایسی تربیت کرتا رہا ہے کہ میں اس کی خواہش کے مطابق مصر کی سرزمین کا سب سے
بہترین گلیڈی ایٹر ثابت ہوا ہوں ۔ ایک روز میں اپنے معمول کی جنگی تربیت کر کے لوٹ رہا تھا کہ
میں نے بازار میں دیکھا ایک رومن سپاہی نے ایک بوڑھی عورت سے اس کی نقدی کی تھیلی چھین
لی تھی ۔ اس عورت کا جرم یہ تھا کہ وہ عرب تھی ۔

میں نے اس رومن سپاہی سے اس خاتون کی تھیلی واپس کرنے کو کہا جس پر اس سے
میری تکرار ہو گئی اور وہ میرے ہاتھوں مارا گیا ۔ قریب ہی اس کے چھ اور رومن ساتھی کھڑے
تھے ۔ انہوں نے مجھ پر حملہ کر دیا ۔ میں نے ان میں سے چار کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور
دو جان بچا کر بھاگ گئے ۔

اتنی دیر تک میرا باپ اندریاس جو میرے پیچھے پیچھے تربیت کے میدان سے
لوٹ رہا تھا اس نے فوراً مجھے سمعان کی اس خانقاہ کی طرف بھگا دیا اور یہ فیصلہ کیا کہ میں اس
کے آنے تک وہیں ٹھہروں ۔

آہ ! میرا باپ مصر کے حاکم مقوقس کے سامنے مجھے ایک بہترین تیغ زن ثابت
کرنے کے بعد مجھے ہرقل کے پاس قسطنطنیہ لے جانا چاہتا تھا تاکہ وہ میرا مقابلہ کرا کر ہرقل
سے بھاری انعام حاصل کر سکے ۔ ہائے حیف میں اپنے باپ کی خواہش پوری نہ کر سکا ۔"

قدوم نے بڑی فراخدلی سے عدیم کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا ۔" میں تمہیں
یہاں خوش آمدید کہتا ہوں بیٹے ! میری بیوی اور بچے بھی تمہیں دیکھ کر خوش ہوں گے تم
یہیں رکو، میں اپنے ریوڑ کو اکٹھا کر کے ہانکتا ہوں ۔ پھر اپنی خانقاہ کی طرف چلتے ہیں ۔"

عدیم وہیں کھڑا رہا جب کہ قدوم نے اپنا ریوڑ اکٹھا کیا پھر وہ آہستہ آہستہ خانقاہ
کی طرف جا رہے تھے ۔

راستے میں عدیم نے پوچھا ۔" اے میرے محترم ! میرے بزرگ ! تھوڑی دیر پہلے جو
تم مقدس کلام پڑھ رہے تھے اس میں بیان ہے کہ قریب کی سرزمین رومی ہار گئے اور

عنقریب وہ غالب ہوں گے ۔ میرے بزرگ! کیا ایسا ہونا ممکن ہے "۔

قدوم نے کہا " یہ پیش گوئی تو اس کلام من اللہ ہونے کا بہترین ثبوت ہے ، آیت ۶۱۵ عیسوی کو نازل ہوئی تھی اور بِضعَ سنین کا مطلب ہے نو سال۔ گویا سال کے اندر اندر یہ پیش گوئی مکمّل ہوگی ۔ اس وقت ۶۲۳ عیسوی جارہا ہے ۔ اس کا مطلب ہے اس پیش گوئی کے پورا ہونے میں سال یا ڈیڑھ سال کی مدت رہ گئی ہے "

عدیم نے خدشہ ظاہر کرتے ہوئے کہا ۔ اگر اس مدت میں یہ پیش گوئی پوری نہ ہو تب ؛ جب کہ تم دیکھتے ہو ایران کا بادشاہ خسرو پرویز رومیوں کے اکثر علاقے ان سے چھین چکا ہے اور ان کے پاس صرف قسطنطنیہ رہ گیا ہے اور اگر خسرو پرویز نے اپنی پوری قوت بروئے کار لاکر پھر حملہ کیا تو بعید نہیں قسطنطنیہ میں سقوط ہوجائے پھر ان حالات میں رومیوں کی کامیابیوں کی یہ پیش گوئی کیسے درست ثابت ہوگی "۔

قدوم نے ایک عزم اور وثوق سے کہا " یہ کلام اللہ کی طرف سے ہے اس کی پیش گوئی اپنے وقت پر ہر صورت میں پوری اُترے گی ۔ اس میں صرف رومیوں کے غالب ہونے کی پیش گوئی نہیں کی گئی بلکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے مسلمانوں کو بھی ایک فتح کی خوشخبری سُنائی گئی ہے اور تم دیکھنا اس سال ڈیڑھ سال کی مدت میں قرآن مقدّس کی یہ دونوں پیش گوئیاں[1] درست ثابت ہوں گی "۔

عدیم چند ثانیوں تک ایک گہری مسکراہٹ میں قدوم کی طرف دیکھتا رہا تھا پھر قدوم کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے کہا ۔" میرے بزرگ! تم گواہ رہنا ، مَیں اس محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہوں ۔ اس کلام کو من اللہ جان کر تسلیم کرتا ہوں ۔ اسلام

[1] دُنیا نے دیکھا کہ قرآن کی یہ دونوں پیش گوئیاں درست ثابت ہوئیں ۔ ہرقل نے ۶۲۳ء میں ارمینیا سے اپنے حملے کی ابتدا کی ۔ ۶۲۴ء میں اس نے آذربائیجان میں گھس کر زرتشت کے مقام پیدائش ارمیاہ کو تباہ کر دیا اور ایرانیوں کے سب سے بڑے آتش کدے کو مسمار کر دیا اسی سال بدر کے میدان میں مسلمانوں کو کفّار مکّہ کے خلاف شاندار فتح نصیب ہوئی ۔

قبول کرتا ہوں اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتا ہوں ۔ شاید میرا مہربان خدا اسی بہانے مجھے اس خانقاہ کی طرف لاکر اسلام کی دولت سے مالامال کرنا چاہتا تھا ۔ میری کیسی خوش نصیبی ہے کہ یہاں آکر مَیں فکر و احساس کے نئے زاویوں اور تسلیم و رضا کی نئی روایات سے بہرہ مند ہو رہا ہوں "۔

خوشی اور حیرت کے ملے جلے جذبات میں قدوم نے عدیم کو اپنے ساتھ لپٹا لیا اور اس کی پیشانی چومتے ہوئے اس نے کہا " اے نیک دِل فرزند! میں اسلام قبول کرنے پر تمہیں مبارک باد دیتا ہوں "۔

سنو عدیم! گو میرا عم مر چکا ہے لیکن وہ کہا کرتا تھا کہ ہمارے رسول محمّد صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں کے سامنے کسریٰ کی عظمت ، ہرقل کا جلال ، مقوقس کی سطوت ، بابل کے محل ۔ تدمر کی عظیم عمارتیں ، بعلبک کے پُراسرار ہیکل ، یروشلم کے معبد ، اشور کے کاہنوں کا علم یونان کے فلسفیوں کی حکمت ، فلسطین کے پیغمبروں کا پیغام ، طائر کا وقار و تمکنت اور روما کے کا شرف و شان سرنگوں و مطیع ہوں گے "۔

عدیم کچھ کہنا چاہتا تھا کہ ایک طرف سے قدوم کی بیوی زمیل اور اس کے دونوں بیٹے مدّان اور ربّاح آگئے ۔ قدوم نے ان تینوں سے عدیم کا تعارف کرایا ۔

زمیل ، مدان اور رباح کی مدد سے ریوڑ کو ہانکتی ہوئی باڑے میں لے گئی پھر وہ تینوں بکریوں کا دودھ نکالنے لگے تھے جب کہ قدوم ، عدیم کا ہاتھ تھام کر اسے خانقاہ کے اندر لے جارہا تھا ۔

نیا یوث کا بیٹا ترمید جو عدیم سے بڑا تھا اپنے بیبے بنو سُلیم میں اپنے چچا یعرب بن ابدون اور ناخور بن ابدون کے پاس رہ کر جوان ہوگیا تھا ۔ ناحور اور یعرب نے اپنے بھائی کی یاد تازہ رکھنے کے لیے ترمید کا نام لابان رکھ دیا تھا اور اب یہی نام اس کی ذات سے چسپاں ہو کر رہ گیا تھا ۔

یعرب اور ناحور نے ترمید کو بڑی محبّت ، شفقت اور پیار سے پالا تھا اور ان

دونوں نے اپنی اولاد جرام اور عشطانہ سے بڑھ کر اسے چاہت دی تھی ۔ دونوں ا
گھر کا کوئی کام بھی نہ لیتے تھے ۔ ترمید دن کا زیادہ حصّہ بنو سُلیم کے جوانوں کے ساتھ تیغ
اور گھوڑ سواری میں گزارتا تھا ۔

ایک روز ترمید بنو سُلیم کے جوانوں کے ساتھ گھڑ دوڑ کے بعد شام سے تھوڑ
پہلے اپنے گھر کو لوٹ رہا تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں سے آگے نکل کر ایک چوراہے کے پاس
کی طرف جانے کے بجائے اپنے گھوڑے کو بائیں طرف موڑ کر کوہستانی سلسلے کے اندر اوجھل
اس کے ساتھی جب اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے اس چوراہے پر آئے جو بنو سلیم کی بستی کے
ہی تھا تو وہ رک گئے ۔ پھر ان میں سے ایک نے بلند آواز میں پکارتے ہوئے کہا ۔ " یہ ا
ترمید ہم سے آگے نکل کر اس چوراہے سے کہاں غائب ہو جاتا ہے ۔ آؤ اسے آج تلا
کریں " ۔ اس کے سارے ساتھی اس کی تائید میں ادھر ادھر دیکھنے لگے تھے ۔

تھوڑی دیر تک وہ اس چوراہے پر کھڑے ہو کر ادھر اُدھر دیکھتے رہے ۔ اس چ
سے ایک شاہراہ خیبر، فدک، وادی القریٰ اور تیماء سے ہوتی ہوئی جذام کی طرف چلی گ
دوسری دائیں جانب مدینۃ النبیؐ کی طرف جاتی تھی ۔ تیسری بائیں ہاتھ نجد اور قبائل کلا
بکر، اسد، طے اور تمیم کی طرف جارہی تھی اور چوتھی شاہراہ سیدھی آگے بنو سُلیم کی بستیوں
بیچوں بیچ خزینہ، غطفان، ہوازن، ثقیف اور نجران کی طرف نکل گئی تھی ۔

چوک پر کھڑے کھڑے اچانک ان کی نظر کچھ لوگوں پر پڑی جو اس طرف جا
تھے جہاں کوہستانی سلسلے کے اندر لات کا بُت نصب تھا ۔ ان لوگوں میں دو لڑکیاں
تھیں جنہوں نے اپنے آپ کو خوب ڈھانک چھپا رکھا تھا ۔

انہیں کچھ شک ہوا لہٰذا وہ چاروں آنکھوں ہی آنکھوں میں کوئی صلاح مشو
کرتے ہوئے اپنے گھوڑوں کو ہانک کر اس طرف بڑھنے لگے جہاں ایک کوہستانی غار
لات کا بُت نصب تھا ۔ انہوں نے اپنے گھوڑوں کو دُور ہی باندھ دیا اور دبے پا
آگے بڑھے ۔

غار کے مُنہ کے قریب کھڑے ہو کر انہوں نے سُنا ۔ غار میں پہلے کوئی بڑی خو

الحانی سے قرآن مقدّس کی تلاوت کرتا رہا اور دوسرے لوگ ہمہ تن گوش ہو کر سنتے رہے ۔
اس کے بعد بنو سُلیم کا وہ شخص جس کا نام یعرب تھا اور جو لات کے بُت کی حفاظت اور دیکھ
بھال پر مامور تھا ۔ اس کی انہیں آواز سنائی دی ۔ وہ وہاں غار کے اندر جمع لوگوں کو بتوں سے
نفرت اور صرف ایک خدا کی عبادت پر نہایت عمدہ، واضح اور متاثر الفاظ میں خطاب کرنے
لگا ۔ جب وہ خاموش ہوا تو غار میں جمع وہ لوگ نفرت کے اظہار کے طور پر مٹی اُٹھا اُٹھا کر
لات کے مُنہ پر مارنے اور اس سے بیزاری کا اظہار کرنے لگے ۔

ان باہر کھڑے چاروں میں سے ایک نے کہا ۔ " یہ سب لوگ تو اسلام قبول کر چکے ہیں
مُسلمان ہو گئے ہیں اور لات سے نفرت اور بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں، آؤ ان سب کو غار
سے باہر نکالیں اور انہیں قتل کر دیں ۔ انہوں نے لات کے منہ پر نفرت کے طور پر مٹی ماری
ہے ہم ان پر اپنی تلواریں برسائیں ۔ یہ ہمارے آبائی مذہب کے باغی ہیں ان میں سے کسی
کو بھی زندہ رہنے کا حق نہیں ۔

جب ہمارے قبیلے والوں کو خبر ہو گی کہ یہ مُسلمان ہو گئے تھے جس کی پاداش میں انہیں
ہم نے قتل کر دیا ہے تو وہ ہماری اس کارگزاری پر فخر کریں گے اور ہو سکتا ہے ہمارے قبیلے
کا سردار عباس بن مرداس ہمیں اس کام کے صلے میں بھاری انعام بھی دے ۔ "

ایک دوسرے ساتھی نے کہا ۔ " اگر ایسا ہے تو پھر دیر کاہے کی ۔ انہیں باہر نکال کر
ان کا کام تمام کرنا شروع کر دیں ۔ "

اپنی تلواریں سونت کر وہ چاروں غار کے مُنہ پر آئے اور ان میں سے ایک نے
تحکمانہ انداز میں بلند آواز میں چلّاتے ہوئے کہا ۔ " ہمیں خود اندر آ کر تم سب کو کاٹ کر تمہاری
لاشوں کو لات کے قدموں میں ڈالنا ہوگا ۔

غار کے اندر سب لوگ باہر آ گئے ۔ وہ چار مرد اور دو لڑکیاں تھیں جنہوں نے اپنے
چہرے ڈھانپ رکھے تھے ۔ ان چاروں میں سے ایک نے لڑکیوں کی طرف اپنی تلوار لہراتے
ہوئے کہا ۔ " تم دونوں اپنے چہروں سے اپنے نقاب ہٹا دو تاکہ ہمیں پتہ چلے کہ تم کون ہو "
دونوں لڑکیوں نے جب اپنے چہروں سے نقاب ہٹا دیئے تو ان میں سے ایک لڑکی

جوابھی بمشکل پندرہ سولہ برس کی ہوگی، اللہ کی پناہ! وہ کھلے گلاب کی سوندھی باس جیسی لرزتی موجوں کے گیت، بارش کے سنگیت، حسنِ نغمہ اور سعادت کے زمزموں جیسی حسین تھی، اس کا رنگ آتشی حروف کی طرح چمکدار تھا اور تن میں تڑپتی تمناؤں کی طرح وہ پُرکشش تھی اس غزالِ رعنا، چنبیلی اور جوہی کے پھول اور ندیوں کے نغمہ آگین روانی جیسی دِل کش لڑ نے جب اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دیا تو وہ چاروں اسے حیرت سے دیکھتے کے دیکھتے گئے کیوں کہ وہ بنوسُلیم کے سردار عباس بن مرداس کی بیٹی رمیتا بنت عباس تھی۔

ان چاروں میں سے ایک نے چونک جانے کے انداز میں پوچھا۔ "اے بنت کیا تم بھی اسلام قبول کرچکی ہو جب کہ تم جانتی ہو کہ مسلمان اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ساتھ مکّہ سے بھاگ کر یثرب آگئے ہیں اور اب اہلِ مکّہ اور قریش ہی نہیں بلکہ عرب کے سر قبائل ان کے درپے ہیں اور عنقریب وہ اُنہیں اور ان کی اس تحریک کو ختم کر دیں گے

توس قزح کی لہروں جیسی حسین رمیتا نے نورِ قمر کی لطافت اور صبر کی سی شیرینی کہا۔ "اب جب کہ تم لوگ جان ہی چکے ہو کہ مَیں مسلمان ہوچکی ہوں تو مَیں کیوں چھپاؤں بحمدُ اللہ مَیں مسلمان ہو، اسلام قبول کرچکی ہوں اور اس سے منحرف نہ ہوں گی، چاہے جان ہی چلی جائے۔"

ان چاروں میں سے ایک اور نے کہا۔ "کیا دیکھتے ہو، ان سب کو موت کے گھ اتار دو، تم جانتے ہو ہمارے قبیلے کے رئیس عباس بن مرداس اور اس رمیتا کے باپ اعلان کر رکھا ہے کہ جو بھی مسلمان ہمارے قبیلے کی حدود میں داخل ہوا اسے قتل کر دیا رمیتا بے شک اس کی بیٹی ہے پر واجب القتل ہے اس لیے کہ اس نے اسلام قبول ہے۔ اگر تم انہیں قتل کرنے سے ڈرتے ہو تو چلو ان سب کو بھیڑوں کے گلے کی طرح کر اپنی بستی میں لے چلو۔ پھر قبیلے کے سرکردہ لوگ مِل کر ان کی قسمت کا فیصلہ کریں

ایک اور نے بھی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "ہاں انہیں بستی لے چلو وہیں ان کا فیصلہ ہو

وہ ان سب کو جانوروں کی طرح ہانک کرلے جانے لگے تھے (غار کے) اد چٹان کی اوٹ سے اچانک ترمید نمودار ہُوا۔ اس کے ہاتھ میں اس کی تلوار اور ڈھا

پھر وہ چٹان سے نیچے آیا اور اپنے چاروں ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے گونجدار مگر بے انت قہرمانیت اور غصّے سے بھرپور آواز میں کہا۔

"تم چاروں پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو جاؤ اور تم میں سے کسی نے بھی ان اسلام قبول کرنے والوں کو نقصان پہنچانے یا بستی کی طرف لے جانے کی کوشش کی تو مَیں اسے یہیں لات کی اس غار کے سامنے موت کی گہری خاموشی میں ڈال دوں گا۔"

ترمید کی آمد سے پہلے رمیتا کی حالت ایسی تھی جیسے پوس کی اکیلی دھوپ، جیسے گیت کے بکھرے پتّے، جیسے راکھ کے اُڑتے ذرّے، جیسے ویران و بے کیف تنہائیوں کی گہری پیاس لیکن جب ترمید غار کی اوپری چٹان سے نکل کر اُن کی حمایت میں بولا تو اس کے چہرے پہ رونق آگئی تھی۔ ایسی رونق ایسی خوشی ایسا اطمینان جیسے سیب اور شفتالو کے درخت اور انگور کی بیلیں بوقتِ سحر جاگ اُٹھی ہوں۔

رمیتا فوراً اپنے ساتھیوں کے ساتھ ترمید کے قریب جا کر کھڑی ہوگئی تھی۔ ان چاروں میں سے ایک نے ویرانوں کے خواب سے چونک جانے والے انداز میں پوچھا۔ "تو کیا ہم یہ سمجھ لیں کہ ان چھ کی طرح تم بھی اپنا آبائی دین چھوڑ کر اسلام قبول کر چکے ہو۔"

ترمید نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہا۔ "واللہ! تمہارا اندازہ درست ہے مَیں پچھلے کئی ماہ سے اسلام قبول کرچکا ہوں اور اپنے اس نئے دین کو مَیں نے زندگی کے اندھیروں میں روشنی کے ستون کی مانند پایا ہے۔ مَیں نے اپنے اس نئے مذہب کے پیغام کو جرس کی پکار جیسا دل کش، لحنِ سماوی جیسا دِل نشین اور الوہی قوتوں جیسا با برکت پایا ہے۔"

ان چاروں کے ساتھی نے پھر کہا۔ "اگر ایسی بات ہے تو پھر ان کے ساتھ تم بھی مرنے کو تیار ہو جاؤ۔" وہ چاروں اپنی تلواریں لہراتے ہوئے آگے بڑھے۔

ترمید نے بھی اپنی تلوار اور ڈھال اپنے سامنے کرتے ہوئے کہا۔ "زندگی اور موت تو میرے رب کے ہاتھ میں ہے۔ اس نے اگر میرے مقدر میں جینا لکھ رکھا ہے تو تم ابلیسوں کے ادراک کا ہر پیچ میرے لیے حرفِ راز کی طرح بے حقیقت اور کچے دھاگوں کی طرح کمزور

ہوگا۔

ترمید نے ایک بار چوٹ کھائی ہوئی سی مسکراہٹ میں ان کی طرف دیکھا۔ اس نے گویا اضطراب برق اور رگ رگ میں چنگاریاں بھر دینے والے کیف و مستی آگے بڑھ کر ان پر حملہ کر دیا تھا۔

اس نے شروع میں ہی چاروں پر ایسے تیز حملے کرنے شروع کر دیئے تھے کہ لگتا تھا وہ آتش سیال کی طغیانی کر اپنی کرشمہ طرازی سے ان چاروں کو وہاں پہنچا دے گا جہاں تقدیریں سو جاتی ہیں۔

ان چاروں کے پاس اپنی ڈھالیں نہ تھیں کیوں کہ وہ اپنے گھوڑوں کو دُور کر آئے تھے جب کہ ترمید اپنی ڈھال پر ان کے حملوں کو بآسانی روک رہا ہے۔

اچانک ازلی گہرائیوں اور ابدی پنہائیوں میں پھلانگ جانے کے انداز میں ترمید اپنے حملوں میں تیزی پیدا کی اور ان میں سے دو ایک ساتھ کٹ کر زمین پر گر گئے تھے۔ باقی بچنے والے دو اپنے آپ کو آغوشِ اجل کی طرف بڑھتے دیکھ کر لرز کانپ تھے۔ ان پر ترمید کے حملے اب اور زیادہ تیز ہو گئے تھے۔ ترمید کے پے در پے خطر[ناک] وار کرنے سے یوں لگتا تھا گویا وہ بے انت بھنوروں کے رقص اور برفیلی گیلی سفاک ہواؤں طرح ان دونوں پر نزول کرنے لگے گا۔

تھوڑی دیر بعد ایک اور ترمید کی تلوار کا شکار ہو گیا۔ آخر میں بچنے والا ا[کیلا] ساتھیوں کی مرگ پر ایسا گھبرایا کہ بوکھلاہٹ میں وہ جارحیت تو ایک طرف اپنا دفاع کرنا بھول گیا۔ خوف سے اس پر کپکپاہٹ طاری ہو گئی تھی اور ترمید کی کوندے ک[ی] تلوار اسے بھی کاٹتی ہوئی نکل گئی تھی۔

ترمید جب اپنی تلوار پونچھ کر پیچھے ہٹا تو رمیتا آگے بڑھی۔ اس سے ا[س کے] چہرے پر ایسی مسکراہٹ تھی جیسے آفتاب کی کرنوں کے بوسہ کی پذیرائی کے وقت پھ[ول] کی پتیوں پر ہوتی ہے۔ ایک شوق ایک شگفتگی میں وہ آگے بڑھی اور ترمید کی طر[ف] دیکھتے ہوئے اس نے موسیقی کی جھنکار سے کہیں زیادہ اپنی شیریں آواز میں کہا۔

"خدائے لم یزل کی قسم! آپ نے ہمارے دین کے دشمنوں کو رُوئی کے گالوں کی طرح دھنک کر رکھ دیا ہے۔ ہم سب پر آپ کا یہ بہت بڑا احسان ہے۔ ورنہ یہ لوگ ہمیں بستی لے جاتے اور وہاں جب قبیلے والوں کو خبر ہوتی کہ ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے تو وہ ہم سب کو مصلوب کر دیتے۔ گو میرا باپ بنو سلیم کا سردار ہے لیکن اس جرم میں وہ مجھے سب سے کڑی اور بدترین سزا دیتا۔ آپ نے ہمیں ایک خونی اور خوفناک گرفت سے بچا لیا ہے۔ میں بنت عباس بن مرداس زندگی بھر آپ کا یہ احسان بھول نہ سکوں گی۔"

ذرا توقف کے بعد رمیتا نے ترمید کو مخاطب کرتے ہوئے پھر خوشی کا راگ گاتی ہواؤں کے سے انداز میں کہا۔ "آپ نے شروع میں کہا تھا کہ آپ اسلام قبول کر چکے ہیں اور مسلمان ہو چکے ہیں، کیا یہ درست ہے یا آپ نے یوں ہی ہماری طرفداری کی خاطر ان مرنے والے چاروں سے کہہ دیا تھا۔"

ترمید نے کہا۔ "یہ حقیقت ہے کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ سنو! لات کی یہ غار جس کے اندر تم لوگ کلام مقدس کی تلاوت کرتے ہو، نماز پڑھتے ہو اور اپنے دین کے دیگر احکامات سنتے ہو۔ اس کے اوپر ایک چھوٹا سا روشن دان بھی ہے۔ میں پچھلے کئی ماہ سے اس روشن دان کے پاس آ کر بیٹھا رہتا ہوں اور تم لوگوں کو سنتا رہا ہوں اور قرآن مقدس کے جو حصے تم لوگ اس غار میں پڑھتے رہے ہو وہ اکثر مجھے زبانی یاد ہو گئے ہیں۔ میں کسی کو بتائے بغیر اپنے رب کو گواہ بنا کر مسلمان ہو گیا تھا۔ اب میں چوری چھپے اپنی مقدس کتاب کی تلاوت بھی کرتا ہوں اور نماز بھی ادا کرتا ہوں۔"

رمیتا نے شکوہ کرنے کے انداز میں کہا۔ "اگر آپ اتنے ماہ سے مسلمان ہو چکے ہیں تو پھر آپ غار کے اندر ہمارے پاس کیوں نہیں آتے رہے۔"

ترمید نے کہا۔ "میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ تم لوگوں نے اپنی حفاظت کا کوئی بندوبست نہیں کر رکھا تھا۔ لہٰذا میں وہیں روشن دان کے پاس بیٹھ کر تم لوگوں کو سنتا بھی تھا اور تم سب کی حفاظت کا فرض بھی ادا کرتا تھا۔ اگر تم لوگوں نے اپنی حفاظت کا کوئی انتظام کیا ہوتا تو یہ چاروں آج یوں تم لوگوں کو اچانک نہ آ لیتے۔"

رمیتا نے توصیفی انداز میں ترمید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ”آپ کے اسلام قبو کر لینے سے بخدا میں یہ محسوس کرنے لگی ہوں کہ اب ہم محفوظ ہیں اور پہلے کی نسبت زیا بہتر طور پر اپنے مذہبی فرائض انجام دے سکیں گے“

رمیتا جب خاموش ہوئی تو ان میں سے ڈھلتی عمر کے اس آدمی نے جولات ک اس غار کا مجاور رہا تھا کہا۔ ”ترمید! ترمید! آج سے دو سال قبل میں مکّہ گیا تھا۔ وہاں مُسلمان ہو گیا تھا اور جب یہاں اپنے قبیلے میں آیا تو مجھے خدشہ تھا کہ اگر میرے قبیلے والوں میری اس تبدیلیٔ مذہب کی خبر ہو گئی تو مجھے گھوڑوں تلے روند ڈالیں گے۔ پر خُدا کا شکر سب سے پہلے میں رمیتا کو متاثر کرنے میں کامیاب ہُوا اور اس کے بعد یہ دیگر ساتھ بھی ایمان لے آئے۔

یاد رکھو! ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سب ساتھیوں کے ساتھ ہجرت کر اب یثرب آ چکے ہیں اور میرا دل کہتا ہے، عنقریب ہماری یہ حالت نہ رہے گی کہ ہم اپ قبیلے میں چھُپ چھُپ کر نماز ادا کریں اور اپنے مذہب کو ایک راز بنا کر رکھیں“۔

ان کے ایک اور ساتھی نے کہا۔ ”آؤ پہلے ان مرنے والوں کی لاشوں کو ٹھکا لگا دیں۔ اگر قبیلے میں یہ خبر پہنچ گئی کہ ہم نے اِن چاروں کو مار ڈالا ہے تو ہم بھی زندہ نہ گے۔“

ترمید نے چونک جانے کے انداز میں کہا۔ ”نہیں، نہیں انہیں دفن نہیں کرنا۔ اگ ہم نے ایسا کیا تو ہم سب ہی قاتل گردانے جائیں گے۔ آؤ سب مِل کر اپنی بستی کی طرف چلتے ہیں اور اپنے قبیلے والوں کو خبر کرتے ہیں کہ یہ چاروں لات کی غار سے باہر نہ جا کِس بنا پر آپس میں لڑتے ہوئے مارے گئے ہیں۔

سب متفقہ طور پر یہ کہیں گے کہ ہم لات کی غار کے اندر تھے کہ یہ چاروں کہیں آئے، کچھ دیر وہاں آپس میں تلخ کلامی کرتے رہے پھر ایک دوسرے کے خلاف انہوں تلواریں نکال لیں، لڑ پڑے اور خود ہی چاروں مارے گئے۔ ہم نے انہیں لڑنے سے رہنے کو کہا لیکن ہماری بات انہوں نے نہ مانی۔ اس طرح ہم پر کوئی حرف نہ آئے گا اور

کے وارث خود ہی ان کی لاشیں اُٹھا کر لے جائیں گے“۔ سب نے ترمید کی اس تجویز کو پسند کیا پھر وہ سارے مطمئن سے ہو کر اپنی بستی کی طرف جا رہے تھے۔

○

عدیم کئی ماہ تک صیدا شہر کی اس خانقاہ میں قدوم کے ہاں پڑا رہا۔ یہاں وہ قدوم کے دونوں چھوٹے بچّوں کو تلوار زنی کی مشق کراتا۔ خود قدوم سے اسلام کے ارکان سیکھتا، یا دن کا زیادہ حصّہ وہ قدوم کے ساتھ ریوڑ چراتے ہوئے خانقاہ کے نواحی کوہستانی سلسلے میں گھومتا رہتا۔

ایک روز دوپہر سے تھوڑی دیر قبل عدیم اور قدوم ایک کوہستانی چوٹی پر بیٹھے ہوئے تھے اور نیچے وادی میں ان کا ریوڑ چر رہا تھا۔ اچانک انہوں نے دیکھا نیچے وادی میں ریوڑ کے قریب کچھ مسلح سوار نمودار ہوئے۔ انہیں دیکھ کر عدیم اور قدوم نیچے اُتر آئے۔ جب وہ سوار قریب آئے تو انہوں نے دیکھا ان سواروں سے آگے آگے اندریاس تھا۔ عدیم بھاگ کر آگے بڑھا، اندریاس بھی گھوڑے سے اُتر گیا پھر وہ دونوں بڑی گرمجوشی سے گلے مل رہے تھے۔ اس کے بعد اندریاس اسی گرم جوشی کے ساتھ قدوم کو گلے لگا کر ملا۔ پھر اندریاس نے عدیم سے کہا۔

”اے فرزندِ خوبرو! اسکندریہ سے تیرے بھاگ آنے کے کچھ عرصہ بعد تک میں روپوش رہا۔ اس دوران مقوقس کے کارندے میری تلاش میں رہے۔ میں وہاں سے بھاگ بھی نہ سکتا تھا۔ اگر ایسا کرتا تو پکڑا جاتا اور مصلوب کر دیا جاتا کیوں کہ اسکندریہ کے سب دروازوں کے محافظوں کو میرے متعلق تاکید کر دی گئی تھی۔

میں اپنے ایک بہی خواہ کے ہاں اس کے تہہ خانے میں دِن گزارتا رہا۔ جب میں نے محسوس کیا کہ اب شہر میں رومنوں کے قتل سے متعلق ان کے ہم نواؤں کا غصّہ ٹھنڈا پڑ گیا ہے تو میں مصر کے حاکم مقوقس کے سامنے پیش ہوا اور اس کے سامنے تمہارے ایک عمدہ اور بے مثل گلیڈی ایٹر ہونے کی تعریف کی اور اسے یہ بھی چیلنج کیا کہ مصر میں ہی نہیں قسطنطنیہ تک کا کوئی گلیڈی ایٹر تیغ زنی میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ساتھ ہی نرم

اور منّت کرنے والے الفاظ میں تمہاری طرف سے یہ بھی وکالت کی کہ تم نے جن رومنوں کو قتل کیا ان سے تمہاری کوئی ذاتی دشمنی اور مخاصمت نہ تھی بلکہ رومنوں نے ایک معمر خاتون سے ناروا سلوک کیا اور تم نے اس خاتون کی طرف داری کی جس پر بات بڑھ گئی اور ان رومنوں کے قتل کی نوبت آگئی ۔

اندریاس ذرا رُک کر پھر کہہ رہا تھا۔ ”رمینس ! رمینس ! میرے بیٹے ! اس انکشاف پر کہ تم ایک لاجواب گلیڈی ایٹر ہو، مقوقس نے ایک شرط پر میری اور تمہاری جان بخشی کر دی ہے کہ اسکندریہ کے میدان میں تمہارا مقابلہ مصر کے سب سے بڑے اور طاقتور گلیڈی ایٹر سے ہوگا ۔ اگر تم اسے مات دینے میں کامیاب ہو گئے تو میرے اور تمہارے سب گناہ معاف اور ان رومنوں کے قتل کی ہم دونوں سے کوئی باز پرس نہ کی جائے گی اور اگر تم ہار گئے تو اے میرے بیٹے ! مقوقس کو اختیار ہو گا ۔ وہ ہم دونوں باپ بیٹے سے جو چاہے سلوک کرے ۔

مقوقس نے یہ اپنے لشکری میرے ساتھ روانہ کیے ہیں ۔ اس احتیاط کے ساتھ کہ کہیں تمہیں اسکندریہ لانے کے بجائے میں اپنی جان بچانے کی خاطر بھاگ ہی نہ جاؤں اے میرے بیٹے ! اب بول تیرا کیا خیال ہے ۔

عدیم نے چھاتی تانتے ہوئے کہا۔ ”اے میرے باپ ! تو دیکھے گا ۔ تیری خاطر میں کوہستانوں سے بھی ٹکراؤں گا اور سرخرو ہو کر نکلوں گا ۔ میں تیرے ساتھ ضرور مقوقس کے پاس جاؤں گا اور مصر کے اس گلیڈی ایٹر سے مقابلہ کروں گا ۔“

اندریاس اس موقع پر عدیم سے کچھ کہنے والا تھا کہ قدوم نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”اے اندریاس عم ! ذرا علیحدہ ہو کر میری ایک بات تو سنو ۔“

اندریاس قدوم کے قریب آیا ۔ قدوم نے اندریاس کا ہاتھ پکڑا اور اسے ایک طرف لے جانے کے بعد انتہائی رازداری اور سرگوشی میں اس نے پوچھا۔ ”اے عم ! تو نے تو زندگی میں شادی ہی نہ کی تھی پھر یہ رمینس نام کا تمہارا بیٹا کہاں سے آگیا ۔“

اندریاس نے ڈانٹنے کے انداز میں کہا۔ ”آہستہ بول احمق ! کہیں تمہاری یہ

گفتگو رمینس نہ سُن لے ۔ مجھے غور سے سُن ——— ! اس کا نام رمینس نہیں ، اسے میں نے اس وقت خریدا تھا جب یہ چھوٹا سا تھا اور ابھی بمشکل باتیں کرتا تھا ۔ یہ کسی عرب کا بیٹا تھا کیوں کہ جب بچہ تھا اس وقت عربی ہی بولتا تھا ۔ میری کوئی اولاد نہ تھی لہٰذا اسے میں نے اپنا بیٹا بنا لیا اور شروع سے ہی اس کی تربیت ایک گلیڈی ایٹر کی طرح کی ۔ میں نہیں جانتا جنہوں نے اسے میرے ہاتھ بیچا تھا وہ کون تھے ۔ اسے کہاں سے اُٹھا لائے تھے اس کا کیا نام ہے اور یہ کس کا بیٹا ہے ۔ کیوں کہ جب میں نے اسے خریدا تو اسے اپنے ماں باپ کے نام نہ آتے تھے ۔

تم ان باتوں کا اس سے ذکر نہ کرنا ۔ میں اسے یہ احساس نہیں ہونے دینا چاہتا کہ وہ میرا بیٹا نہیں اور یہ کہ میں نے اُسے خرید رکھا ہے ۔ میں اسے اپنے بیٹے کی طرح چاہتا ہوں ۔ قسم موسیٰ علیہ السلام کے رب کی ! اگر میرا کوئی اپنا بیٹا ہوتا تو اسے بھی میں رمینس سے بڑھ کر پیار اور شفقت نہ دے سکتا ۔

قدوم نے تعجب سے اندریاس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”اے عم ! حیرت ہے جب تم چچا سمعان کی موت پر یہاں افسوس کرنے آئے تھے اس وقت تو تم نے اس کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا ۔“

اندریاس نے کہا۔ ”یہ کوئی ایسا اہم واقعہ بھی نہ تھا کہ میں تم سے اس کا ذکر کرتا ۔ میں یہاں تمہارے پاس قیام نہ کروں گا ۔ اب میں رمینس کو لے کر ان سپاہیوں کے ساتھ یہاں سے کوچ کرتا ہوں “۔

اندریاس کے کہنے پر ریوڑ میں چرتا عدیم نے اپنا گھوڑا پکڑا ۔ عدیم، قدوم اور اندریاس مقوقس کے لشکریوں کے ساتھ خانقاہ کی طرف آئے ۔ وہاں عدیم نے اپنے گھوڑے پر زین ڈالی ۔ اتنی دیر اندریاس نے قدوم کی بیوی زمیل اور اس کے بچوں سے مل لیا پھر عدیم اور اندریاس مصر کے ان سپاہیوں کے ساتھ اسکندریہ کی طرف کوچ کر رہے تھے ۔

○

اسکندریہ شہر کا وہ میدان جہاں گلیڈی ایٹر کے مقابلے ہوا کرتے تھے جہاں گھڑ دوڑ ہوتی تھی اور جہاں اَن گنت تماشائیوں کی موجودگی میں مجرموں کو درندوں کے آگے پھینکا جاتا تھا۔ آج مردوں، عورتوں، بوڑھوں اور بچوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ میں ہر طرف شور برپا تھا۔ لوگ بڑی بے تابی اور بے چینی کا اظہار کر رہے تھے کہ یکایک میدان میں خاموشی طاری ہو گئی کیوں کہ مصر کا حاکم مقوقس اپنے اہل و عیال کے ساتھ میدان میں داخل ہُوا اور سب کے ساتھ وہ شہ نشین پر ان نشستوں کی طرف بڑھا، ان کے لیے مخصوص تھیں، مقوقس اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ وہاں جا کر بیٹھ گیا تھا۔

مقوقس کے آنے اور بیٹھ جانے کے بعد میدان میں ایک گلیڈی ایٹر اُترا، اس نے اپنے جسم پر زِرہ، سَر پر منہ تک کو ڈھانک دینے والا خود، کندھوں اور ٹانگوں پر لوہے کے خول اور بازوؤں پر اس نے آہنی جوشن ڈال رکھے تھے۔ اس کے پاس سیدھی تلوار اور وہی رومنوں والی مستطیل ڈھال تھی۔

وہ میدان کے وسط میں آکر کھڑا ہو گیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اسکندریہ کے اس میدان میں عدیم اُترا۔ وہ بھی اس گلیڈی ایٹر کی طرح اپنے جسم پر زِرہ، لوہے کے خول اور آہنی جوشن لگائے ہوئے تھا لیکن عربوں کی روایات کے مطابق اس کی تلوار خمدار اور ڈھال گول اور مضبوط تھی، تیز تیز چلتا ہُوا عدیم اس طرف بڑھا جہاں اس سے مقابلہ کرنے والا گلیڈی ایٹر اس کا منتظر کھڑا تھا۔

عدیم جب گلیڈی ایٹر کے سامنے آیا تو اس نے اپنے سَر سے اپنا خود ہٹایا، چہرہ ننگا کرتے ہوئے اس نے کہا۔ "اے اجنبی! تم بھی اپنے چہرے سے نقاب ہٹاؤ میں دیکھوں تم کون ہو مجھے بتایا گیا ہے کہ کچھ رومنوں کے قتل کے جرم میں تمہیں موت کے میدان میں لایا گیا ہے"۔

عدیم نے اپنے چہرے اور سَر سے جب خود ہٹایا تو اس گلیڈی ایٹر نے اس سے اور ہمدردی میں کہا۔ "تم تو ابھی نو عمر ہو، تمہاری تو داڑھی بھی پوری طرح ابھی نہیں آئی۔ پھر اتنا بڑا جُرم تم نے کیسے کر لیا"۔

پھر اس نے تاسف اور افسوس سے کہا۔ "کاش! تمہارے بجائے میرے سامنے کسی اور کو لایا جاتا۔ موت کے اس میدان میں میں نے اپنی اس تلوار سے اَن گنت جوانوں، مجرموں اور مقابلے کے لیے للکارنے والوں کو کاٹا لیکن قسم مجھے یسوع مسیح کی! تمہارے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے مجھے دُکھ اور تکلیف ہو رہی ہے۔ تم نے ابھی اس دُنیا کا کچھ نہیں دیکھا۔

آہ! وہ سماں کیسا بھیانک ہو گا جب اس میدان میں تمہاری لاش میرے سامنے خون میں لت پت پڑی ہو گی۔ کاش تم یہاں نہ آتے۔ زندان کی سزا قبول کر لی ہوتی، یا جلاد کے ہاتھوں مر جانے کو ترجیح دی ہوتی۔ یہاں اس میدان میں میرے ہاتھوں مرنے کیوں آگئے ہو۔ جلاّد اور زنداں کی موت تو آسان اور کسی قدر گمنام بھی ہے۔ یہاں اس میدان میں تو سب لوگوں کی موجودگی میں مرنا ذِلّت اور رسوائی کی موت ہے"۔

عدیم نے اپنے سَر پر خَود رکھ کر جماتے ہوئے کہا۔ "کاش! تو بھی میرے سامنے نہ آیا ہوتا۔ جب میری تلوار اور ڈھال حرکت میں آئے گی، جب میری تلوار چکا چوند کرے گی تو تم جانو گے مجھے اس میدان میں صرف تم پر حاوی ہونے کو اتارا گیا ہے"۔

اس گلیڈی ایٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مجھے بتایا گیا ہے کہ تم عرب ہو۔ میں نے آج تک کسی عرب کو ایک گلیڈی ایٹر کی حیثیت سے مَیدان میں اُترتے نہیں دیکھا۔ کیا تم کبھی پہلے بھی اس میدان میں مقابلے کے لیے اُترے ہو"۔

عدیم نے کہا۔ "نہیں، میں پہلی بار مقابلے کے لیے اس میدان میں اترا ہوں، اس نیّت اور ارادے سے اُترا ہوں کہ یہاں سے سرخرو اور فوزمند ہو کر نکلوں گا"۔

اس گلیڈی ایٹر نے اپنے سَر پر خَود جماتے ہوئے کہا۔ "تو پھر دیکھتے ہیں تمہاری نوعمری غالب آتی ہے کہ میری قوت اور تجربہ"۔

دونوں نے اپنی تلواریں اور ڈھالیں سنبھالیں۔ ایک دوسرے کے ارد گرد چند چکّر لگائے۔ پھر انتہائی خوفناک انداز میں انہوں نے ایک دوسرے پر حملہ کر دیا تھا۔ دونوں نے شروع میں ہی اپنے حملوں میں تیزی اور بھیانک پن پیدا کر لیا تھا۔

گلیڈی ایٹر جو کہ پرانا اور آزمودہ کار جنگ جو تھا۔ مصر کے اس پرانے در
ہوئے گلیڈی ایٹر کا خیال تھا کہ وہ لمحوں کے اندر عدیم کو اپنے ساتھ ڈھیر کر
دے گا۔ اس لیے شروع میں اس نے عدیم کو کوئی اتنی اہمیت نہ دی تھی لیکن اب
عدیم نے اس پر فنا کے گھاٹ اُتار دینے والے حملے شروع کیے تو وہ سنبھل گیا
وہ گلیڈی ایٹر ایک طرح سے بوکھلا گیا تھا۔ عدیم اس پر فضاؤں کو دہشت
کر دینے والے آندھیوں کے غضبناک جھکڑوں کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔ وہ ز
کے رموز و آثار کو تلپٹ کر دینے والے طوفان اور ہولناک طاقتور موت کی طر
پر وارد ہونے لگا تھا۔

گلیڈی ایٹر شاید عدیم کے حملوں سے بوکھلا گیا تھا۔ اسی لیے جب ایک
دونوں کی تلواریں اور ڈھالیں آپس میں ٹکرائیں تو گلیڈی ایٹر نے اپنی تلوار اور ڈھال
نہ کی بلکہ اس نے نصیحت کرنے کے انداز میں عدیم سے کہا۔

"اے نوجوان! اب بھی وقت ہے میرے سامنے اپنی شکست تسلیم کر لے
طرح تو میرے ہاتھوں مرنے سے اور اس رسوائی سے بچ جائے گا۔ یہاں کی نا
کے بعد یہ زیادہ سے زیادہ تمہیں زنداں میں ہی ڈال دیں گے۔ یاد رکھ زنداں کی
وہ زندگی اس میدان کی موت سے کہیں بہتر ہے"

عدیم نے کہا۔ "گو اس میدان میں یہ میرا پہلا مقابلہ ہے لیکن جان چکا
کہ میں بآسانی تم پر غالب آ جاؤں گا۔ اے رومن! تم لوگ تاریک راہوں میں ٹھو
کھانے والے ہو۔ بدبختی کے پیچھے دوڑنے والے، باطل کے حق میں فیصلے کرنے وا
موت کے سایوں میں آرام کرنے والے ہو۔

تم لوگ تمدن کی گمراہی و پستی اور کفر الحاد کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے
کبھی میں بھی تم لوگوں جیسا ہی تھا، پر میرے رب نے میری راہنمائی کی اور میں سُ
گیا۔ اب میرے پاس دو قوتیں ہیں۔

ہاں رومن! اب میرے پاس دو قوتیں ہیں۔ ایک اپنی قوت دمار

اپنے رب کی اعانت اور نصرت۔ دیکھ میں زندگی کے چشموں کو شہد کر دینے والا
راز پا چکا ہوں۔ اب جہاں میرے بازوؤں کی قوت، میری انگلیوں کی صناعی اور
میرے ولولوں کی بے باکی میرے رفیق و ندیم ہیں وہاں میرے رب کی مدد و نصرت بھی
میری ہم دم و مونس ہے۔

مجھے مشورہ دینے کے بجائے تو خود میرے ہاتھوں اپنی شکست تسلیم کر لے
اور موت کے اس میدان سے نکل جا۔ ورنہ قسم مجھے اپنے اس رب کی جس نے اُم الکتاب
میں کائنات کے سارے فیصلے پہلے سے لکھ رکھے ہیں۔ میں تجھے ریت کا ڈھیر سمجھ کر گرا دونگا
تجھے زندگی کی بلندیوں سے موت کی وسعت اور گہرائیوں میں پھینک دونگا۔ تیرے سارے
اعمال، تیری اس ساری کوشش و سعی کو تلخی و تاریکی میں گھیر کر بے کیف و غیر منفعت بناؤنگا۔
تیرے تکبّر و تفاخر کی اسیری کو کاٹ کر اے رومن میں تجھے تسلیم و رضا کی زنجیروں میں جکڑ
دوں گا۔

دیکھ رومن! تیری سیدھی تلوار صرف گھونپی جا سکتی ہے اور تیری چھجہ دار ڈھال
صرف ضرب کو روکتی ہے۔ میری ترچھی بھاری لمبی تلوار گھونپنے کے علاوہ بلند ہو کر گرتی بھی
ہے اور میری گول وزنی ڈھال ضرب روکنے کے علاوہ ضرب لگاتی بھی ہے۔

وہ گلیڈی ایٹر پہلی بار عدیم کی گفتگو کے باعث بدحواسی اور پریشانی کا شکار ہوا تھا۔
اس نے عدیم سے مقابلہ کرتے ہوئے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ ایسے نوجوان کو موت کے اس میدان
میں زیر کر لینا اس کے بس کی بات نہیں ہے۔ دونوں نے پھر اپنی اپنی تلوار اور ڈھال
علیحدہ کی اور ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے۔

عدیم اب پہلے سے کہیں زیادہ بپھر کر اور خوفناک انداز میں حملہ آور ہوا تھا اس
کے حملوں میں محبت کی گرمی اور جُدائی کی تلخی جیسی انقلاب تحریک تھی۔ سمندر کے سینے
سے اُٹھتے حباب اور قہرمانی کے پیکرِ آتشیں کی طرح وہ بڑھ چڑھ کر حملہ آور ہو رہا تھا۔
پھر اس نے شعروں کے وجدان اور نغمہ سازوں کی اُمنگ جیسی آواز میں اللہ اکبر کا نعرہ
مارا اور اپنی تلوار بلند کر کے گلیڈی ایٹر پر گرائی۔ گلیڈی ایٹر عدیم کے اس نعرے کو سمجھ نہ

پایا اور گھبرا گیا۔ وہ عدیم کے سامنے اپنے دفاع کو مکمل نہ کر سکا۔ عدیم کی تلوار اس کے ہاتھ گردن اور اس رومن گلیڈی ایٹر کو اس کے لوہے سمیت کاٹتی چلی گئی تھی۔

وہ گلیڈی ایٹر زمین پر گرا اور دم توڑ گیا۔ اتنے میں دو مسلح سپاہی میدان میں اُترے عدیم کو اپنے ساتھ مصر کے حاکم مقوقس کے پاس لے گئے۔ عدیم جب قریب گیا تو اس نے وہاں مقوقس کے سامنے اندریاس بھی کھڑا تھا۔

جب عدیم اندریاس کے ساتھ جا کر مقوقس کے سامنے کھڑا ہوا تو مقوقس ثانیوں تک فخریہ انداز میں عدیم کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اندریاس کو مخاطب کرتے کہا۔ "تم دونوں باپ بیٹے نے وہ وعدہ پورا کر دیا ہے جو تم نے میرے ساتھ کیا تھا۔ تم دونوں آزاد ہو۔ کوئی تم سے اب ان رومن سپاہیوں کے قتل کی بازپرس نہیں کر سکتا۔ اندریاس! اندریاس! تم اپنے بیٹے کو تیار رکھو۔ آنے والے اتوار کو اس کا مقابلہ ایک اور گلیڈی ایٹر سے ہو گا۔"

مقوقس اُٹھا اور اپنے خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ وہ اپنی بگھی میں بیٹھ کر چلا گیا۔

عدیم اور اندریاس بھی وہاں سے ہٹنے لگے تھے کہ ایک طرف سے نیا بوث آ گئی اور انتہائی شفیقانہ انداز میں اس نے اپنا ہاتھ عدیم کے کندھے پر رکھتے ہوئے لحن سماوی اور مادرانہ شفقت میں کہا۔ "اے شیر دل جوان! آج تُو نے مصر کے اس رومن گلیڈی ایٹر کو اپنے حملوں کی لگن اور تڑپ کے سامنے چپ گاڑے اندھیرے جیسا کر دیا تو اس پر موت کی ایک غضب ناک انگڑائی بن کر نازل ہوا۔ اس کی رُوح کو تُو نے عدم رکیا۔ اس کے جھوٹے اقتدار پر غم و اندوہ کے آثار طاری کیے اور اپنے حسن و جمال کے رنگ اور اپنی وحدت فکر سے اے جوان تُو نے اس کی ساری عظمت کو نینوا یا میرا بابل کے کھنڈرات جیسا کر دیا ہے۔

تجھے ازلیس کی دعا ہو اور تو اُسی طرح شاداں رہے، تیری خوشیاں فکر و خرد کی ندیوں کی طرح بہتی رہیں، تیرا آفتابِ خودی چمکتا رہے اور تُو بافندہ و دہقان کی طرح

ریاضت اور محنت کا پھل کاٹتا رہے۔ میرا نام نیا بوث ہے بیٹے! میں ہمیشہ تیری نیکی یاد رکھوں گی۔"

نیا بوث رُکی پھر دوبارہ اس نے کہا اس طرح کہ شفقت اس کے الفاظ سے ٹپکتی تھی۔ "اے نیک بخت جوان! تُو جہاں بھی رہے اپنی تمنّاؤں کو وقت کی خوشیوں میں ناپتا رہے۔ تو نے میری خاطر ان رومنوں سے عداوت لی۔ ازلیس دیوتا تجھے خلش کی اسیری، پہیلیوں کے راز اور جراحت کار مصیبتوں سے دُور رکھے۔"

اتنا کہہ کر نیا بوث وہاں سے چلی گئی اور عدیم اُسے ہمدردی اور عقیدت سے ملے جُلے جذبات میں دیکھتا رہ گیا تھا۔

عدیم اور اندریاس دونوں خاموش اور چُپ چُپ میدان سے باہر آئے۔ میدان سے تھوڑی دُور جا کر عدیم نے اندریاس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اے میرے باپ! کیا میرا یہ مقابلہ جیتنے سے ہم دونوں مصر کے اندر پھر پہلے کی طرح آزاد اور محفوظ نہیں ہو گئے۔"

اندریاس نے بڑی رازداری سے کہا۔ "نہیں بیٹے! ایسا نہیں ہے۔ تیری سوچیں غلط ہیں۔ تو ابھی تو عمر ہے۔ تیری نسبت میں ان رومنوں کی سرشت خوب جانتا ہوں۔ گو مقوقس نے ہمیں معاف کر دیا ہے اور وقتی طور پر یہ معاملہ بظاہر دب گیا ہے لیکن میرے بیٹے! سن رکھ، ایک روز یہ رومن عیاری اور دھوکہ دہی سے کام لے کر ہم دونوں سے انتقام ضرور لیں گے اور اپنے ساتھیوں کی پاداش میں یہ ہم دونوں کو قتل کر دیں گے۔ سنو! یہ رومن اپنے مقابلے میں اوروں کو حقیر جانتے ہیں اور مصر کے اندر تو انہیں عربوں سے خاص عداوت ہے۔

ذرا رک کر اندریاس پھر رازداری سے کہہ رہا تھا۔ رمینس! رمینس! میرے بیٹے! سنو! سنو! مجھے غور سے سنو! اب ہم دونوں کا مصر میں رہنا انتہائی خطرناک اور مہلک ہے۔ سنو میرے بیٹے! آج رات، ہاں آج ہی آنے والی رات ہم دونوں یہاں سے نکل بھاگیں گے۔ تم قسطنطنیہ جا کر نام پیدا کرنے کی کوشش کرنا اور میں صیدا شہر سے باہر قدوم کی خانقاہ

میں اب گوشہ گیری اور گمنامی کی زندگی بسر کروں گا۔

سنو! آج رات ہی ہم دونوں یہاں سے کوچ کر جائیں گے۔ بشان شہر تک د اکٹھے جائیں گے۔ وہاں سے میں بائیں طرف صیدا شہر کی طرف نکل جاؤں گا اور تم سیدھا بعلبک شہر کے راستے قسطنطنیہ کی طرف چلے جانا۔ وہاں بھی گلیڈی ایٹر کے مقابلے ہوتے تم اُن میں حصّہ لینا، مجھے اُمید ہے تم ضرور اپنے لیے قسطنطنیہ میں کوئی اچھا مقام پیدا میں کامیاب ہو جاؤ گے۔" اندریاس خاموش ہو گیا کیوں کہ اب بازار آ گیا تھا۔ لہٰذا دونوں سے اپنے گھر کی طرف جا رہے تھے۔

○

اسکندریہ اور قسطنطنیہ کے درمیان اناج اور دیگر اشیاء لانے لے جانے وا جہازوں کا مالک جس نے نیا بوث کو خریدا تھا اور جس کے جہازوں میں وہ ملّاحوں کے لیے تیار کرتی تھی، مر گیا اور اس کے بیٹے نے اس کے کاروبار کو سنبھالا۔

ایک روز جب کہ یہ جہاز اسکندریہ کی بندرگاہ پر کھڑے تھے اور مرنے وا تاجر کا بیٹا اور نیا بوث کا نیا مالک ایک جہاز کے عرشے پر بیٹھا ہُوا تھا کہ نیا بوث اس کے آئی۔ اس وقت وہ اپنے جسم پر زرہ پہنے ہوئے تھی اور اس کے پاس ڈھال اور تلوار تھی۔ وہ نیا مالک جس کا نام قدلفیس تھا نیا بوث کو یوں مسلح دیکھ کر گھبرایا خوفزدہ ہو گیا۔ قبل اس کے وہ کسی ردِعمل کا اظہار کرتا، نیا بوث اس کے قریب آئی کرنے کے انداز میں اس نے کہا۔

"اے میرے آقا! آج سے کئی برس پیچھے میں اپنے شوہر اور چار بچّوں کے بحیرہ روم کے کنارے کنارے قسطنطنیہ سے ایک تجارتی قافلے کے ساتھ جنوب کی طرف کر رہے تھے۔ ہماری منزل عربوں کا ایک قبیلہ بنوسُلیم تھا کہ میرے شوہر کا تعلق اسی قبیلے تھا۔ پر ہائے جب راستے میں ڈاکوؤں اور رہزنوں نے اس قافلے پر حملہ کیا اور لُوٹ کر اکثر کو قتل کر دیا۔ جو بچے انہیں مختلف ہاتھوں میں فروخت کر دیا۔ میرا بھی اس حادثے میں مارا گیا۔ میرے بچّے نہ جانے کہاں کہاں بِکتے اور دھکّے کھاتے

ہوں گے جب کہ میں آپ کے باپ کے ہاتھ بِک گئی۔ مجھ پر ترس کھا کر جہازوں میں سفر کرنے والے ازراہِ ہمدردی جو کچھ مجھے دیتے رہے وہ میں خرچ کرنے کے بجائے جمع کرتی رہی اور آج میرے پاس اس رقم سے پانچ گنا زیادہ ہے جس رقم سے آپ کے باپ نے مجھے جہازوں میں کام کرنے کو خریدا تھا۔ میں نے آپ کے باپ سے کئی مرتبہ التجا کی کہ وہ یہ رقم لے کر مجھے آزاد کر دے لیکن وہ نہ مانا۔ میں نے سُنا ہے آپ انتہائی رحم دل اور اپنے باپ کا اُلٹ ہیں لہٰذا وہی التجا لے کر آپ کے پاس آئی ہوں۔"

قدلفیس غور سے نیا بوث کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ مُنہ سے تو کچھ نہ بولا تاہم نیا بوث نے دیکھا اس کی آنکھوں میں ترس و مہربانی کی روشنی اور ہمدردی و نوازش کے پیغامات تھے۔ اس سے نیا بوث کا حوصلہ بڑھا اور وہ اسے مخاطب کر کے یادِ رفتہ اور التجا کے جذبات سے معمور آواز میں پھر کہہ رہی تھی۔

"آہ! دکھ اور فراق کی گھڑیوں اور زمین کے تخریبی عناصر نے ہم پر غلبہ پا لیا ہائے میں اپنے بچّوں کے بچپن کی نرمی اور جوانی کا سجیلہ پن نہ دیکھ سکی اور وہ بے چارے اپنے باپ کی پختہ عمری کی قوت اور بڑھاپے کی دانائی سے محروم ہو گئے۔ میرا پیاسا نفس ان کی یادوں کی خوشبو کا متلاشی ہے۔

آہ! میرا دل اب بھی ان کی یادوں سے لبریز ہے۔ میری سانس اب بھی ان کی خوشبو سے معمور ہے۔ وہ میرے گمشدہ خوابوں کا گیت اور میرے ہونٹوں کی چُھپی ہوئی مسکراہٹ ہیں۔ ان کے بغیر میں سنگین مورتی اور ننگی بوچی خزاں کی ماری شاخوں جیسی ہوں۔ ان کے بغیر میرے دن نیم جیسے کڑوے اور راتیں کچے انگور جیسی کڑوی ہیں۔ ان کے انتظار میں اپنے دِل کو لوبان اور اپنی رُوح کو میں شمع کی طرح جلاتی رہی ہوں۔ کاش میں انہیں ڈھونڈ سکتی۔ اب تو وہ چاروں جوان اور ہوشمند ہو گئے ہونگے۔

قدلفیس کی آنکھوں میں نیا بوث کی باتیں سُن کر آنسو آ گئے تھے۔ اس نے نیا بوث کی طرف دیکھتے ہوئے نیکی، خلق، مروت و لحاظ اور بھلمنسائی سے بھرپور آواز میں کہا۔ "آپ میری ماں کی جگہ ہیں۔ میرا باپ سنگدل تھا جو اس نے آپ کی ایسی التجا کو ٹھکرا دیا

جو رقم آپ کے پاس ہے، اپنے پاس ہی رکھو۔ اور رقم چاہیے تو مجھ سے لے لیں اور نہیں، مہربان خاتون! آج سے آپ آزاد ہیں۔ آپ جہاں چاہیں جا سکتی ہیں کوئی آپ سے باز نہیں کر سکتا۔"

اپنی آزادی کا سُن کر نیا بوث کے چہرے پر فرحت و مسرت، شادمانی و طرب بشاشت و خرمی کے جذبات بکھر گئے تھے۔ اس نے قدلفیس کا شکریہ ادا کیا اور وہاں چلی گئی۔

○

سورج ڈھل رہا تھا۔ کوہستانوں کے سائے لمبے ہو کر ایک کرب میں سسکنے لگے تھے۔ ہوائیں سنسنانے لگی تھیں۔ ترمید اپنے قبیلے بنو سُلیم کی بستی سے باہر کوہستا کے اندر ایک چشمے پر اپنے گھوڑے کو نہلا رہا تھا کہ اس کا عم زاد بھائی حرام بھاگتا ہُوا آیا۔ اس نے اپنی بغل میں ایک گٹھڑی بھی دبا رکھی تھی۔

ترمید کے قریب آ کر حرام نے بدحواسی میں کہا۔ "ترمید! ترمید! میرے بھا یہاں سے فی الفور کسی محفوظ جگہ بھاگ جاؤ۔ جلدی کرو میرے بھائی تمہاری زندگی خطرے میں ہے۔"

ترمید نے گھوڑے کو چشمے کے پانی سے باہر لاتے ہوئے کہا۔ "یہ تم کیا کہہ رہے میرے بھائی! مجھے کس کی طرف سے جان کا خطرہ ہے۔"

حرام نے کہا۔ "میرے بھائی! ہماری بستی میں کچھ لوگوں نے اسلام قبول کر تھا۔ ان میں سے ایک آج اپنے نئے مذہب کے مطابق عبادت کرتا ہُوا پکڑا گیا ہے۔ اس پر سختی کی گئی اور پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع ہوا تو اس نے کئی اور کے نام بھی بتا دیے ہیں، جو ان کے ساتھی ہیں اور مسلمان ہو چکے ہیں۔ ان میں اے میرے بھائی! آپ کا ابا سردار عباس بن مرداس کی بیٹی رمیتا کا نام بھی شامل ہے۔

قبیلے والوں نے سب کو قتل کر دیا ہے۔ صرف رمیتا بچی ہے اور اسے باپ عباس بن مرداس نے اپنے گھر کے ایک کمرے میں بند کر دیا ہے۔ اس سے بھی

گچھ جاری ہے اور میرا خیال ہے اگر اس نے اس کا اقرار کر لیا تو اسے بھی قتل کر دیا جائے گا۔ اب لوگ اس انتظار میں ہیں کہ تم بستی میں داخل ہو اور وہ تمہیں قتل کر دیں۔

ترمید سوچوں میں کھو گیا۔ اتنی دیر تک حرام حرکت میں آیا اور قریب ہی رکھی ہوئی ترمید کے گھوڑے کی زین اٹھا کر اس نے گھوڑے پر رکھ کر کس دی پھر جو گٹھڑی حرام نے بغل میں دبا رکھی تھی وہ اس نے گھوڑے کی زین سے بندھی ہوئی خرجین میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "اے میرے بھائی! کھانے کی اشیاء کے علاوہ کچھ نقدی بھی ہے۔ کچھ عرصہ کے لیے روپوش ہو جاؤ۔ پھر شاید حالات درست ہو جائیں تو تم دوبارہ یہاں آ سکو۔ دیکھو میرے بھائی! میں جانتا ہوں مُسلمان ہو کر تم نے کوئی جُرم نہیں کیا کہ نیا مذہب راستی اور دیانت داری کا مذہب ہے لیکن ہمارے قبائل ضد اور تعصب سے کام لے کر اس کے خلاف ہیں۔

ترمید! ترمید! میرے بھائی! تم یا تو غسانی قبائل کے حکمرانوں کے پاس جا پناہ لینا۔ یا شیبانی قبائل کے سردار ہانی کی طرف چلے جانا۔ وہ انتہائی نیک دل، پُرخلوص اور ہمدرد انسان ہے۔ وہ ضرور اس غریب الوطنی میں تمہاری مدد کرے گا۔ اس طرح میرے لیے بھی آسانی ہو گی اور جب یہاں حالات درست ہو گئے تو اِن دونوں جگہ جا کر میں تمہیں لے آؤں گا۔"

ذرا رک کر حرام پھر کہہ رہا تھا۔ "اور سنو میرے بھائی! اپنے قبیلے والوں کو یقین ہے کہ اگر تمہیں اپنے ساتھیوں کے قتل کی خبر ہو گئی تو تم ضرور بھاگ کر یثرب کی طرف جاؤ گے۔ لہٰذا انہوں نے یثرب کی طرف جانے والے راستوں پر قبیلے کے مسلح جوان بٹھا دیے ہیں، اس لیے میرے بھائی! یہاں سے نکل کر تم یثرب کی طرف نہ جانا۔ آج میرے بھائی! بابا، ماں، چچا، چچی اور عشطانہ تمہارے لیے پریشان ہیں۔ بابا، چچا اور عشطانہ تو میرے ساتھ آنا چاہتے تھے لیکن میں نے اُنہیں تسلی دی اور انہیں گھر پر روک لیا کیوں کہ ایسی صورت میں آپ کے پکڑے جانے کا اندیشہ تھا۔ ہم سب کو اس طرف آتے دیکھ کر بستی کے لوگ ضرور ہمارا تعاقب کرتے اس لیے میں اکیلا بڑی احتیاط سے اس طرف آیا ہوں۔

لات کی غار کے پاس جو بستی کے جوان مارے گئے تھے وہ بھی تمہارے ذمے لگ جا رہے ہیں اس لیے لوگ آپ کے سخت خلاف ہو رہے ہیں - اب تم جلدی جلدی یہاں سے نکل جاؤ میرے بھائی !"

ترمید نے دُکھ سے کہا - "آہ ! میرے بھائی ! اگلے ماہ تمہاری اور عشطانہ کی شادی تھی - میں کیسا بد قسمت ہوں کہ اپنی بہن اور بھائی کی شادی میں شرکت بھی نہ کر سکوں جرام ! جرام ! میرے بھائی ! اب تم جاؤ ، میں اس کوہتانی سلسلے کے اندر ہی سورج غروب ہونے کا انتظار کروں گا اور اندھیرا پھیلتے ہی میں یہاں سے نکل بھاگنے کی کوشش کروں گا - تم اب گھر جاؤ اور سب کو میری طرف سے مطمئن کر کے تسلی دینا " -

جرام بے چارہ اُداس اور پریشان ہو گیا تھا - آگے بڑھ کر وہ ترمید سے گلے ملا پھر واپس بستی کی طرف جا رہا تھا -

ترمید اپنے گھوڑے کے ساتھ ایک کوہستانی غار میں دُبکا رہا جب سورج غروب ہو گیا اور ہر طرف تاریکیاں پھیل گئیں تو وہ غار سے نکلا اور گھوڑے پر سوار ہو کر وہ اپنی بستی کی طرف آیا - وہاں سے بھاگ جانے کے بجائے وہ اپنے قبیلے کے سردار عمار بن مرداس کی حویلی کا رُخ کر رہا تھا -

ترمید نے حویلی کے قریب درختوں اور جھاڑیوں کے ایک جھنڈ کے اندر اپنے گھوڑے کو باندھ دیا اور اپنی تلوار ڈھال سنبھال کر وہ حویلی کی طرف بڑھا تھا - حویلی کی دیوار کے ساتھ لگ کر تھوڑی دیر ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے اس نے حالات کا جائزہ لیا کوئی بھی نہ تھا - ہر طرف چُپ اور خاموشی تھی - سرما کے باعث لوگ اپنے اپنے گھروں میں دُبک کر گہری نیند سو چکے تھے - کبھی کبھی بستی کے اندر سے کتّوں کے بھونکنے کی آواز سنائی دے جاتی اور دوبارہ خاموشی ہر چیز پر غالب آ جاتی تھی -

ترمید نے حویلی کی دیوار پھاندی اور اندر کود گیا اور بڑی تیزی سے وہ حویلی کے سکونتی حصّے کی طرف بڑھا - اب وہ حویلی کے مختلف کمروں کا جائزہ لینے لگا - شاید اسے رمینا کی تلاش تھی - رمینا جو مسلمان تھی - مصیبت میں اس کی مدد کرنا اس کا فرض تھا -

پھر وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند بھی کرتے تھے -

ایک کمرے کے پاس سے گزرتے ہوئے ترمید رُک گیا کیوں کہ اندر سے اُسے کراہنے کی آوازیں سُنائی دی تھیں - وہ آواز یقیناً رمینا کی تھی اور ایسا لگتا تھا وہ کسی کرب اور تکلیف میں مبتلا ہو -

ترمید اس کمرے کی طرف آیا - اس نے دیکھا کمرے کو باہر سے زنجیر لگی ہوئی تھی اس نے احتیاط کی خاطر اِدھر اُدھر دیکھا کوئی بھی نہ تھا اور ہر طرف خاموشی تھی - بغیر آواز پیدا کیے ترمید نے اس کمرے کی زنجیر باہر سے کھولی اور اندر داخل ہُوا - کمرے کے اندر مٹّی کا ایک بہت بڑا دیا روشن تھا جس کے اندر چربی جل رہی تھی - اس چربی سے جلنے والے دِیے کی مدھم روشنی میں اس نے دیکھا سامنے مسہری پر لحاف کے اندر سے کراہنے کی آوازیں آ رہی تھیں - اس مسہری کے قریب جا کر ترمید نے اپنی تلوار اور ڈھال اپنے سامنے کرتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں پکارا - " رمینا ! رمینا !"

کراہنے کی آواز بند ہو گئی پھر اس لحاف کے اندر سے رمینا کی مدھم آواز سُنائی دی -
" کون ہے ؟"

ترمید نے بالکل مسہری کے قریب جا کر اور اس پر جھکتے ہوئے کہا - " رمینا ! رمینا ! میں ترمید ہوں - اٹھو میں تمہیں یہاں سے نکالنے کے لیے آیا ہوں " -

رمینا کی اس بار پُرسکون سرگوشی سنائی دی - " ترمید ! ترمید ! میں اُٹھ نہیں سکتی نہ ہی اپنے اُوپر سے یہ لحاف ہٹا سکتی ہوں ، میرے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہیں " -

ترمید نے فوراً لحاف اُٹھا کر دیکھا - رمینا بے چاری مسہری پر لیٹی ہوئی تھی اس کے دونوں پاؤں اور ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے - ترمید نے فوراً اپنے لباس کے اندر سے خنجر نکالا اور ان رسیوں کو کاٹ دیا جن سے رمینا کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے -

رمینا اُٹھ کر بیٹھ گئی اور کسی قدر خوشی اور اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا - " ترمید ! ترمید ! میرے متعلق تمہیں کس نے بتایا - بخدا میں بے حد خوش ہوں کہ آپ

بستی والوں کے ہاتھ نہیں چڑھ گئے - ہمارے دیگر سب ساتھیوں کو قتل کر دیا گیا ہے۔ باپ نے میرے ہاتھ پاؤں باندھ کر اس کمرے میں ڈال دیا ہے - اس نے مجھے صبح تک وقت دے رکھا تھا کہ اگر میں واپس اپنے آبائی مذہب میں آگئی تو معاف کر دی جاؤں گی ورنہ میرا سر قلم کر دیا جائے گا - ہمارے سب ساتھیوں نے اسلام ترک کرنے سے انکار کر دیا تھا لہذا وہ سب قتل کر دیئے گئے ہیں -

ترمید نے کہا - "رمیتا! رمیتا! اب اس حویلی میں تمہاری صبح طلوع نہ ہو گی۔ آؤ یہاں سے نکل کر کسی محفوظ مقام پر چلے جائیں اور انتظار کریں - میرا دل کہتا ہے ایک وقت ایسا آئے گا کہ تمہارا باپ عباس بن مرداس ہی نہیں پورا بنو سُلیم اسلام قبول کر لے گا - اس روز ہم دونوں بلا جھجک اپنی بستی میں دوبارہ داخل ہو سکیں گے۔"

رمیتا اُٹھ کھڑی ہوئی اور ترمید سے کہا - "آپ ذرا رکیں، میں اپنے کچھ کپڑے اور دیگر اشیاء لے لوں۔" رمیتا نے جلدی جلدی کچھ چیزیں ایک گٹھڑی کی صورت میں باندھ لیں اور ترمید کے ساتھ ہو لی -

دونوں دبے پاؤں چلتے ہوئے حویلی کی بیرونی دیوار کے پاس آئے - ترمید نے پہلے سہارا دے کر رمیتا کو دیوار کے اُوپر چڑھایا پھر وہ خود دیوار پھاند کر حویلی سے باہر کُودا اور رمیتا کو بھی اس نے دیوار کے اُوپر سے نیچے اُتار لیا پھر ترمید نے رمیتا کا ہاتھ تھاما لیا اور دونوں پنجوں کے بَل چلتے ہوئے درختوں اور جھاڑیوں کے اس جُھنڈ کی طرف جا رہے تھے جس کے اندر ترمید اپنا گھوڑا باندھ آیا تھا -

رمیتا نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی گٹھڑی ترمید کے گھوڑے کی خرجین میں ڈالتے ہوئے کہا - " ترمید! ترمید! یہاں سے نکل کر ہم کہاں جائیں گے ؟"

رات کی تاریکی میں خیالات کی گہرائیوں سے چونکتے ہوئے ترمید نے کہا "تم فکر نہ ہو رمیتا! خدا کی زمین بڑی وسیع ہے ہمیں کہیں نہ کہیں تو چھپانے کو جگہ مل ہی جائے گی - ہم صرف اپنی جانیں بچانے کی خاطر یہاں سے بھاگ رہے ہیں"-

ذرا خاموش رہنے کے بعد ترمید پھر کہہ رہا تھا - " رمیتا! یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہیں بستی سے بھگا کر لے جا رہا ہوں - سنو! تم میرے ساتھ ایک مہمان اور دوست کی حیثیت میں رہوں گی - تمہاری عزت و عفت کی حفاظت میرا فرض ہو گا - میرا دل کہتا ہے اور مجھے بھروسہ نہیں بلکہ مجھے یقین ہے کہ ایک روز ہماری طرح ہمارا قبیلہ بھی اسلام قبول کر لے گا - اس روز میں تمہیں واپس اپنے قبیلے میں لے کر آؤں گا اور تمہارے باپ عباس بن مرداس سے تمہیں اپنے لیے مانگوں گا - اگر وہ ہاں کر گیا تو میری خوش بختی ہو گی اور اگر اس نے انکار کر دیا - تو پھر میں اپنے حالات پر صبر شکر کر جاؤں گا"

رمیتا کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے - اس نے گھُٹی گھُٹی لرزتی آواز میں کہا "ترمید ترمید! آپ ایسی باتیں نہ کریں تب بھی مجھے آپ پر بھروسہ ہے - قسم خداوندِ دو جہاں کی میں دُنیا کے آخری کونے تک بھی آپ کے ساتھ سفر کرنے کو تیار ہوں - میرے دِل میں آپ کے لیے قربت، اُنسیت، مہر و الفت، توقیر و منزلت اور حرمت و فضیلت ہے آپ مجھے جہاں بھی لے جائیں گے میں بخوشی آپ کا ساتھ دوں گی"۔

رمیتا کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے تھے جنہیں اس نے پونچھتے ہوئے کہا "کاش ہمارا قبیلہ ہمارا دشمن نہ ہو گیا ہوتا اور ہم یہاں اپنی بستی میں رہ سکتے - پھر میں اپنی ماں سے کہہ کر اپنے بابا کو اس امر پر رضامند کر لیتی کہ وہ میری شادی آپ سے کر دے - شاید خدا کو ایسا فی الحال منظور نہیں - بہر حال ہمیں اپنے رب پر توکّل اور بھروسہ ہے وہ ہمارے حق میں بہتر ہی فیصلے رقم کرے گا"۔

رمیتا جب خاموش ہوئی تو ترمید نے کہا - " رمیتا! رمیتا! یہاں زیادہ رکنا اب ہمارے لیے خطرناک ہے آؤ یہاں سے کُوچ کر چلیں"۔

رمیتا ہاں میں جواب دیتی ہوئی گھوڑے کی طرف بڑھی - ترمید نے اسے سہارا دے کر پہلے گھوڑے پر بٹھایا پھر وہ خود بھی اس کے آگے بیٹھ گیا - پھر ترمید نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور رات کی تاریکی میں اسے سرپٹ دوڑا دیا تھا -

O

ایک روز شام کی پھیلتی سیاہی میں جب کہ اسکندریا شہر کے دروازے ابھی بند نہ

ہوئے تھے ۔ عدیم اور اندریاس اپنے گھوڑوں پر سوار شہر سے نکل گئے اور شمال کی طرف سفر کرنا شروع کیا ۔

مصر کی حدود سے نکلنے کے بعد وہ ایلہ آئے وہاں سے اذرخ ، وادیٔ موسیٰ اور بیت جبرین سے ہوتے ہوئے وہ حمص شہر میں داخل ہوئے ۔ یہاں انہوں نے دو یوم رُک کر آرام کیا ۔ یہاں سے انہوں نے اپنا رُخ بدلا اور شمال مغرب کی طرف وہ بشان شہر کی طرف جا رہے تھے ۔

ایک روز صبح ہی صبح عدیم اور اندریاس بشان شہر کے جنوب میں بلند کوہستانی سلسلوں سے گھری ہوئی اس وادی میں رُک گئے ۔ جہاں سے مختلف اطراف کو شاہراہیں نکلتی تھیں ۔

عدیم نے اندریاس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ۔ ” اے میرے باپ ! ہمارے پاس کھانے کا سامان ہے ۔ دونوں مشکیزے بھی پانی سے بھرے ہوئے ہیں کیوں نہ اس سامنے والی چٹان پر بیٹھ کر کھانا کھالیں اور میں نماز بھی پڑھ لوں گا “

اندریاس نے کہا ۔ ” تم ٹھیک کہتے ہو بیٹے ! اور سنو ! یہی وہ جگہ ہے ، جہاں سے ہم دونوں کو علیحدہ ہونا ہے ۔ میں یہاں سے سیدھا مغرب کی طرف صیدا شہر کے جنوب میں قدوم کی خانقاہ کی طرف چلا جاؤں گا ۔ تم سیدھا آگے قسطنطنیہ کی طرف نکل جانا ۔

اب جب کہ ہم دونوں یہاں سے علیحدہ ہو جائیں گے مجھے غور سے سنو بیٹے ! تم نے چونکہ اسلام قبول کر لیا ہے ۔ لہٰذا میں بھی اسلام قبول کرتا ہوں اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتا ہوں ، قدوم کے پاس جا کر میں اپنے اس نئے مذہب کی مکمل تعلیم حاصل کروں گا “

عدیم نے بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا ۔ ” اے میرے باپ ! بخدا تم نے اسلام قبول کر کے میرا دل خوش کر دیا ہے ۔ اب تم سے علیحدگی مجھے شاق نہ گزرے گی اور میں پرسکون رہوں گا “

جواب میں کچھ کہنے کے بجائے اندریاس ہلکے ہلکے مسکرا رہا تھا ۔

دونوں اس چٹان کے پاس آ کر رُک گئے جس کی طرف عدیم نے اشارہ کیا تھا ۔ اندریاس نے گھوڑے سے اُترتے ہوئے خوشی کے اظہار میں کہا ۔ ” بیٹے ! بیٹے ! ادھر دیکھو اس کے دائیں طرف ایک چشمہ بھی ہے جس کا پانی صاف اور نتھرا ہوا ہے اور اس کے اردگرد کیسی ہری ہری گھاس ہے ۔ ہمارے گھوڑے یہاں چر کر پیٹ بھی بھر لیں گے ۔ اے میرے بیٹے ! تم اپنی فجر کی نماز پڑھ لو اتنی دیر تک میں دونوں گھوڑوں کی زینیں اور دھانے اُتار کر انہیں چرنے کو کھلا چھوڑتا ہوں تاکہ یہ ہری ہری گھاس چر کر پیٹ بھر لیں ۔

عدیم نے اپنے گھوڑے سے اُتر کر اس چشمے کے پانی سے وضو کیا پھر ایک بلند چٹان پر کھڑے ہو کر اس نے اذان دی اور فجر کی نماز ادا کرنے لگا ۔

اندریاس نے دونوں گھوڑوں کی زینیں اور دھانے اتار کر انہیں چرنے کے لیے کھلا چھوڑ دیا تھا پھر وہ ایک چٹان پر بیٹھ کر سامنے وادی میں اس حصے کا جائزہ لینے لگا جہاں سے مختلف سمتوں کو راستے نکلتے تھے ۔

وہاں سے ایک راستہ سیدھا مغرب کی طرف صیدا شہر کو جا رہا تھا ۔ ایک شاہراہ وہاں سے نکل کر قطنہ شہر سے ہوتی ہوئی مختلف شہروں سے گزر کر قسطنطنیہ کی طرف جا رہی تھی ۔ ایک شاہراہ شمال مغرب کے رُخ پر بشان ، وہاں سے دمشق اور تدمر کی طرف نکل رہی تھی ۔ ایک اور راستہ مغرب اور پھر جنوب مشرق کی سمت قراقیر ، قصر العمرہ ، قصر التوبہ اور پھر دومۃ الجندل کی طرف جاتا تھا ۔ جب کہ ایک شاہراہ سیدھی جنوب کی طرف پیٹرا وہاں سے انباط اور پھر بل کھاتی ہوئی مدینۃ النبی ؐ کی طرف جا رہی تھی ۔

نماز کے بعد دُعا مانگ کر عدیم فارغ ہوا تو اس نے دیکھا پیٹرا کی طرف سے آنے والی شاہراہ پر ایک سوار اپنے گھوڑے کو آہستہ آہستہ چلاتا ہوا ان کی طرف آ رہا تھا ۔

عدیم نے اپنی تلوار کے دستے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا ۔ ” بابا ! بابا ! یہ کون ہماری طرف آ رہا ہے “ ۔

اندریاس چونک پڑا اور اپنی تلوار اس نے نکال لی ۔ عدیم چند ثانیوں تک غور سے اس سوار کو دیکھتا رہا ۔ پھر اس نے ترحم و مہربانی اور شفقت و ہمدردی میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا ۔

"بابا! بابا! اپنی تلوار نیام میں کر لو۔ آنے والا سوار کوئی نوجوان ہے اس کے پیچھے ایک انتہائی خوب صورت اور نوعمر لڑکی بھی بیٹھی ہوئی ہے۔ دونوں مجھے تھکے تھکے اور پریشان بکھرے سے لگتے ہیں جیسے مُردوں کی بستی سے نکل کر یا صدیوں کا سفر طے کر کے اس طرف آنکلے ہوں۔"

اندریاس نے اپنی تلوار نیام میں کر لی۔ اتنی دیر میں وہ گھڑ سوار بھی نزدیک آ گیا۔ وہ ترمید تھا، عدیم کا بڑا بھائی اور اس کے پیچھے رمیتا بیٹھی ہوئی تھی۔ قریب آ کر ترمید نے اپنے گھوڑے کو روکا پھر وہ نیچے اُترا اور چند قدم آگے بڑھ کر اس چٹان کے قریب آیا جس کے اوپر عدیم اور اندریاس کھڑے تھے پھر اس نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہم دونوں اجنبی ہیں۔ پچھلے ایک دن اور ایک رات سے بھٹک رہے ہیں۔ پہلے کبھی اس طرف نہیں آئے۔ ہمارا ارادہ بنو غسان کی طرف جانے کا ہے۔"

اندریاس نے ترمید کو جواب دیتے ہوئے کہا۔ "اے اجنبی نوجوان! تم دونوں غلط سمت نکل آئے ہو۔ بنو غسان کو تو تم پیچھے چھوڑ آئے ہو۔ بہر حال وہ یہاں سے زیادہ دُور بھی نہیں۔ سنو! بنی غسان تو دومتہ الجندل اور تبوک کے درمیان آباد ہیں۔ یہ یہاں سے جو راستہ جنوب مشرق کی طرف جا رہا ہے یہ تمہیں سیدھا دومتہ الجندل لے جائے گا۔"

اس بار عدیم نے ترمید کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اے اجنبی! تمہیں کس سے خطرہ ہے جس کی بنا پر تم بنو غسان کے ہاں پناہ لینے کا ارادہ رکھتے ہو۔"

ترمید نے کہا۔ "اے مہربان نوجوان! میری اور میری اس ساتھی لڑکی کی داستان بڑی طویل ہے۔ تم سنو گے تو تنگ پڑ جاؤ گے۔"

عدیم نے کہا۔ "بخدا ایسی گفتگو کر کے تم نے میرے شوق کو بڑھا دیا ہے۔ تم دونوں مجھے بھوک اور سردی کے مارے ہوئے لگتے ہو۔ اپنے گھوڑے کی زین اور دھانہ اُتار کر وہیں رکھ دو اور گھوڑے کو کھلا چھوڑ دو کہ وہ ہمارے گھوڑوں کے ساتھ

چر کر اپنا پیٹ بھر لے اور تم دونوں اُوپر چٹان پر آ جاؤ۔ ہم یہاں آگ کا الاؤ روشن کرتے ہیں اور تم ہمارے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاؤ۔"

ترمید کچھ پس و پیش کرنے لگا۔ عدیم نے اس کی ہمت بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تم ہچکچاؤ نہیں، اُوپر آ جاؤ، میرا نام عدیم ہے اور یہ میرے باپ اندریاس ہیں۔ ہم دونوں مسلمان ہیں۔ ہمارا مذہب کسی کو دھوکہ دینے کی اجازت نہیں دیتا۔ تم بلا جھجک اُوپر آ جاؤ۔ تم میرے بھائی اور تمہاری ساتھی لڑکی میری بہن کی طرح ہے۔"

عدیم کی گفتگو پر ترمید کے ہونٹوں پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے رمیتا کو سہارا دے کر گھوڑے سے اُتارا اور گھوڑے کا دھانہ اُتار کر اسے چرنے کو کھلا چھوڑ دیا۔ پھر وہ رمیتا کے ساتھ اس چٹان پر چڑھنے لگا۔

جب وہ دونوں اُوپر گئے تو عدیم نے گہری ہمدردی میں کہا۔ "تم دونوں یہاں بیٹھو میں لکڑیاں اور گھاس پھوس جمع کر کے تمہارے لیے آگ کا الاؤ روشن کرتا ہوں۔"

ترمید نے کہا۔ "میں بھی تمہارے ساتھ لکڑیاں اکٹھی کرتا ہوں۔ ہم رات بھر کے سردی اور بھوک کے مارے ہوئے ہیں۔ آگ کا نام لے کر تم نے حرارت کی ضرورت کو ہمارے لیے اور تیز کر دیا ہے اور پھر آگ موسم سرما کا مرغوب تحفہ ہے۔"

اندریاس نے بھی اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "ہاں تم دونوں لکڑیاں چن کر لاؤ اور میں خشک گھاس پھوس جمع کرتا ہوں۔"

عدیم اور ترمید وادی کے اندر خشک لکڑیاں تلاش کر کے ایک جگہ ڈھیر کرنے لگے۔ اندریاس خشک گھاس جمع کرنے لگا۔ ان تینوں کو کام میں لگے دیکھ کر رمیتا بھی اُٹھی اور وہ بھی خشک گھاس اکٹھا کرنے لگی تھی۔

سورج اب مشرق سے طلوع ہو چکا تھا۔ اُبھرتی کرنوں کے عکس رنگ بکھرنے لگے تھے اور دھوپ ہر شے کو اپنی آغوش میں غلطاں و پیچاں کرنے لگی تھی۔ کپکپاتی شفق ختم ہو رہی تھی۔ سورج کی گرم گرم شعاعیں افق تیرہ پر اپنی کرنوں کی کمندیں پھینکتی ہوئیں زمہریر فضاؤں کی طراوت کے اندر حرارت بن کر گھلنے لگی تھیں۔

لکڑیاں اور گھاس ایک جگہ جمع کرنے کے بعد انہوں نے آگ روشن کی۔ پہلے وہ گھاس جلاتے رہے جب چٹان پر کچھ آگ جمع ہو گئی تو انہوں نے اس میں خشک لکڑیاں ڈال دیں۔ جس کے بعد آگ شعلوں کی صورت میں خوب بلند ہونے لگی۔

آگ روشن ہونے کے بعد عدیم نے اپنی خرجین سے کھانے کی اشیاء نکال کر اور آگ کے پاس ایک صاف ستھرا کپڑا بچھا کر اس پر رکھیں اور ترمید کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔ ”میں جانتا ہوں تم دونوں کو سخت بھوک لگی ہو گی۔ آؤ پہلے کھا کھاؤ اس کے بعد پُرسکون ہو کر ہم تم سے تمہارے حالات سنیں گے۔“ چاروں وہاں آگ کے پاس بیٹھ گئے اور کھانا کھانے لگے تھے۔

جب سب پیٹ بھر کر کھا چکے تو عدیم نے بچی ہوئی کھانے کی اشیاء پھر اپنی خرجین میں ڈالنے کے بعد ترمید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اب تم اپنے حالات کہو تم دونوں کے نام کیا ہیں، کہاں سے آئے ہو اور کس کی طرف سے تمہیں خطرہ ہے جو تم غسانی بادشاہ کے ہاں پناہ لینا چاہتے ہو۔“

ترمید نے کہا۔ ”میرا نام ترمید ہے اور میری اس ساتھی لڑکی کا نام رمیتا ہے میں بچپن میں اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں سے بچھڑ گیا تھا۔ میرا باپ قسطنطنیہ میں قیصر روم کا ایک جرنیل تھا۔ اس کا نام لابان تھا۔ ہم تین بھائی اور ایک بہن تھے۔ قسطنطنیہ سے عربوں کے ایک قبیلے بنو سُلیم کی طرف ہم سفر کر رہے تھے کہ راستے میں رہزنوں نے ہم پر حملہ کیا۔ اس حملے میں میرا باپ مارا گیا۔

میں، میری ماں، بہن اور بھائی ایک دوسرے سے بچھڑ گئے۔ ایک رحم دل عرب بنو سلیم میں مجھے میرے چچا کے پاس لے گیا۔ میرے دو چچا ہیں اور اپنے بھائی اور میرے باپ کے مرنے کا سُن کر انہیں بہت دُکھ ہوا اور مجھے ترمید کے بجائے میرے باپ کے نام سے لابان کہہ کر پکارنے لگے لیکن میں اپنا نام ترمید ہی بتاتا ہوں تاکہ میری ماں، بہن، بھائی مجھ سے کہیں ٹکرائیں تو مجھے میرے نام سے پہچان جائیں۔

اپنے آگ پر پھیلے ہاتھ الٹ پلٹ کرتے ہوئے ترمید کہتا رہا۔ ”بنی سلیم

اپنے چچا کے ہاں میں پل کر جوان ہو گیا۔ بنو سلیم کی بستی کے باہر کوہستانی سلسلے میں ایک غار کے سامنے لات نام کا بُت نصب ہے۔ لوگ وہاں منتیں مانگتے ہیں اور نذرانے پیش کرتے ہیں۔ اس بُت کا جو مجاور تھا وہ کہیں مکہ گیا اور وہاں اسلام قبول کر کے مُسلمان ہو گیا۔ آہستہ آہستہ وہ کچھ اور لوگوں پر بھی اثر انداز ہوا اور وہ بھی مسلمان ہو گئے ان میں یہ میری ساتھی رمیتا بھی شامل تھی۔ یہ بنو سُلیم کے سردار عباس بن مرداس کی بیٹی ہے۔

وہ مجاور شام کے وقت اپنے ساتھیوں کو غار کے اندر اسلام کی تبلیغ کیا کرتا تھا اس غار کے پچھواڑے میں ایک سوراخ تھا جس سے میں بھی انہیں دیکھتا اور سُنتا۔ ان کا اثر مجھ پر بھی پڑا اور میں مُسلمان ہو گیا۔

ایک آہ بھرتے ہوئے ترمید نے کہا۔ ”پر ہائے حیف! ہمارا ایک ساتھی نماز پڑھتا ہوا پکڑا گیا۔ پھر کیا تھا قبیلے والوں نے اس پر سختی کی اور اس نے سب کے نام ظاہر کر دیئے سنگدل لوگوں نے سب کو قتل کر دیا۔ میں اس وقت اپنا گھوڑا نہلانے کے لیے ملحقہ کوہستانوں کے اندر گیا ہوا تھا۔ میرا چچازاد بھائی ترام بھاگتا ہوا گیا اور مجھے اس کی اطلاع کر دی۔

رمیتا کو اُس کے باپ اور بنو سلیم کے سردار عباس بن مرداس نے اس شرط پر اپنی حویلی کے ایک کمرے میں بند کر دیا تھا کہ اگر صبح تک وہ اسلام سے پھر کر اپنے پرانے بُت پرستی کے مذہب میں آ گئی تو معاف کر دی جائے گی ورنہ اسلام قبول کرنے کے جُرم میں قتل کر دی جائے گی۔ میں نے اسی رات رمیتا کو اس کی حویلی سے نکال لیا اور ہم دونوں اپنی بستی سے بھاگ گئے۔

میرا ارادہ تھا میں بنو غسان کے ہاں پناہ لوں گا لیکن ہم دونوں ان راستوں سے واقف نہ تھے لہٰذا بھٹک گئے۔ صبح کے وقت ان کوہستانوں کے اندر ہم نے اذان کی آواز سُنی اور وہ آواز تمہاری تھی کیوں کہ ہم جب اس طرف آئے تو تم نماز پڑھ رہے تھے جس وقت تم نے اذان دی تھی اس وقت ہم دونوں ایک کوہستانی غار میں نمازِ فجر ادا کر رہے تھے۔ بس یہ ہے ہم دونوں کی داستان۔“

عدیم نے کچھ سوچنے کے بعد کہا۔ "سنو! ہمارے اور تمہارے درمیان اب مسلمان ہونے کا ایک رشتہ ہے اور یہ رشتہ زبان، نسل، وطن، علاقیت اور دیگر تمام ایسے رشتوں سے بالا وارفع ہے۔ ہم جس رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں وہ باغِ نبوت کے آخری پھول ہیں۔ مَیں اور میرا باپ اکیلے ہیں۔ میرے باپ نے مجھے یہی بتایا تھا کہ میری ماں اس وقت مر گئی جب مَیں اکیلا ہی تھا۔ میرا کوئی بہن بھائی نہیں۔ آج سے تم میرے بھائی اور رمیتا میری بہن ہے۔"

رمیتا نے قدرت کا عکس لیتے شبنم کے قطروں کی پاکیزگی جیسے انداز میں عدیم کی طرف دیکھا پھر اس نے اعتقادات سے لبریز اور ترنم ریز طمانیت سے بھرپور آواز میں کہا۔ "میرا کوئی بھائی نہ تھا۔ مَیں اپنے ماں باپ کی واحد اولاد ہوں، مَیں آپ جیسے بھائی کے جذبوں کو سلام کرتی ہوں۔"

عدیم نے اپنے دونوں ہاتھ دعائیہ انداز میں بلند کرتے ہوئے کہا۔ "خدا تیرا صد احسان کہ اس نے مجھے تم جیسے بھائی بہن عطا کیے۔" جواب میں رمیتا ترمید کھلکھلا کر ہنس دیئے تھے۔

اس بار عدیم نے ترمید کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "بنو غسان کے ہاں جاکر کیا کرو گے؟"

ترمید نے کہا۔ "مَیں ان کے لشکر میں شامل ہو جاؤں گا۔"

عدیم نے پوچھا۔ "اور رمیتا کو کہاں رکھو گے۔"

ترمید نے تفکر کے انداز میں گردن جھکاتے ہوئے کہا۔ "ہاں یہ تو ایک مسئلہ ہے، اس سے متعلق تو پہلے مَیں نے سوچا ہی نہ تھا۔"

عدیم نے کہا۔ "اگر مجھ پر بھروسہ کرو تو مَیں ایک تجویز کہوں۔"

ترمید کے بجائے اس بار رمیتا نے کہا۔ "آپ چونکہ مسلمان ہیں اور اب ہمارے بھائی ہیں لہذا ہم آنکھیں بند کر کے آپ پر بھروسہ کر سکتے ہیں۔ آپ کا ہر مشورہ ہمارے لیے شک سے بالا ہے۔"

عدیم نے کہا۔ "اگر ایسا معاملہ ہے تو سنو! مَیں اور میرا باپ یہاں سے علیحدہ ہوں گے۔ مَیں قسطنطنیہ جاؤں گا اور وہاں ہرقل کے گلیڈی ایٹروں سے مقابلہ کر کے نام اور دولت پیدا کروں گا۔ یہ میرا پیشہ ہے اور میرے باپ نے بچپن سے اب تک مجھے اسی پیشے کی تربیت دی ہے۔

میرا باپ یہاں سے مغرب کی طرف ارضِ فلسطین میں سمندر کے کنارے صیدا شہر کی طرف جائے گا وہاں شہر کے جنوب میں ایک خانقاہ ہے جس میں ہمارے عزیز رہتے ہیں۔ وہ بھی ہماری طرح مسلمان ہیں۔ وہ کل دو میاں بیوی اور دو اُن کے چھوٹے بچے ہیں۔

خانقاہ میں رہنے والے ان چار نفوس کے سربراہ کا نام قدوم ہے۔ وہ ایک نہایت دیانت دار اور مخلص انسان ہے۔ مَیں نے اس کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ وہ جب قرآن مقدس کی تلاوت کرتا ہے تو ایسی خوش الحانی اور ایسے سوز میں پڑھتا ہے گویا بہروں کو بھی قوتِ سماعت عطا ہو جائے گی اور وہ سننے لگ جائیں گے۔

ترمید! ترمید! اگر تمہاری رضامندی ہو تو تم رمیتا کو لے کر میرے باپ کے ساتھ اس خانقاہ کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ وہاں رمیتا کو چھوڑ کر تم جس کے لشکر میں چاہے شامل ہو سکتے ہو۔"

اِس موقع پر اندریاس نے بھی ترمید کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "وہاں اس خانقاہ میں تم رمیتا سے متعلق فکرمند نہ ہونا بیٹے! وہاں تمہاری غیر حاضری میں میری بیٹی کی طرح رہے گی۔ ابھی میرے جسم میں توانائی ہے اور میں حرب و ضرب کے سامان پر اپنی گرفت رکھ سکتا ہوں لہذا ایک باپ کی حیثیت سے مَیں ہر دشمن سے اپنی بیٹی رمیتا کی حفاظت کروں گا۔"

ترمید نے شرمندۂ احسان اور متشکر انداز میں باری باری عدیم اور اندریاس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مَیں تم دونوں کا زیرِ بارِ منت ہوں۔ بخدا تم دونوں نے میرا ایک بہت بڑا بوجھ ہلکا کر دیا ہے۔ میں اور رمیتا صیدا شہر کی اس خانقاہ کی طرف ضرور جائیں گے۔ رمیتا کے لیے مجھے اس خانقاہ سے بہتر اور محفوظ جگہ کہیں اور نہیں مل سکتی

اے عم، اندریاس، میں اور رمیتا ابھی تمہارے ساتھ صیدا شہر کی طرف روانہ ہوں گے۔"

عدیم اٹھ کھڑا ہوا اور کہا۔ "اگر ایسا ہے تو پھر اٹھو اپنی اپنی منزل کی طرف کو
اندریاس، ترمید اور رمیتا بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ آگ کا الاؤ ابھی تک جل رہا تھا، وہ جھو
سے نیچے اترے۔ گھوڑوں کو پکڑ کر پہلے انہوں نے ان پر زینیں کسیں اور دھانے چڑھائے تھے۔
وہ اپنے اپنے گھوڑے پر بیٹھ گئے۔

عدیم کو الوداع کہتے ہوئے ترمید اور رمیتا اندریاس کے ساتھ صیدا کی طرف رو
گئے تھے۔ جبکہ عدیم نے شمال کی طرف جانے والی شاہراہ پر سفر شروع کر دیا تھا۔

○

عدیم کا سب سے بڑا بھائی یوعام اور رنیابوث کا بڑا بیٹا دن بھر قدیم بعلبک
کے کھنڈرات کے اردگرد اپنے آقا ناثان کا ریوڑ چرا کر شام کے وقت اپنے ریوڑ کو
ہوا اپنے آقا کی حویلی میں داخل ہوا۔

ناثان کی بیٹی نباط صحن میں کھڑی شاید اسی کا انتظار کر رہی تھی۔ نباط اب
ہو گئی تھی۔ اس کی گہری جھیل جیسی آنکھوں میں اک برقِ نظر، موجِ نگہت، تاروں کے
کی لے اور لچکتی قوسِ قزح کے رنگ تھے۔ اس کے قندِ گلابی ہونٹوں پر اودی فضاؤں
لہلہاتی شفق اور برق و حسن کے مہکتے شعلوں کا سا سماں تھا۔ اس چاند جیسے چہرے پر
گوں نرمی، شگفتگی، شوخی، معصومیت اور سحر طرازی تھی اور اس کی جھلمل پلکیں طلسمِ
زیر و بم کی طرح زیر و زبر ہو رہی تھیں۔

جب ریوڑ صحن میں داخل ہوا اور اس کے پیچھے پیچھے یوعام بھی حویلی میں آیا تو
کے حسین چہرے پر ہنستی مچلتی ناچتی آنکھوں جیسی شوخی اور سرخوشی آگئی تھی لیکن
کی ساری خوشی، ساری سحر طرازی اس وقت ختم ہو گئی جب اس نے دیکھا آج یوعام
معمول سر جھکائے اپنے ریوڑ کے پیچھے پیچھے حویلی میں داخل ہوا۔ وہ بے چارہ اجڑی
سوچوں کے زہر، آلام کی گرد اور سسکتے المناک سکون جیسا اداس اور احساس کی
کے تشکار، کسی گم گشتہ مسافر جیسا افسردہ تھا۔

نباط آہستہ آہستہ آگے بڑھی۔ وہ یوعام سے اس کی اداسی اور افسردگی کی وجہ پوچھنا
ہی چاہتی تھی کہ اس کا باپ ناثان حویلی میں داخل ہوا لہٰذا وہ یوعام کی طرف بڑھتے بڑھتے
رک گئی تھی۔ پہلے تینوں نے مل کر بکریوں کا دودھ نکالا پھر وہ اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھا رہے
تھے۔ نباط بے چاری کھانے کے دوران بار بار یوعام کی طرف دیکھ لیتی جو رازہائے سربستہ
اور آسمان پر آتشیں حروف جیسے ستاروں کی طرح چپ اور خاموش تھا۔

کھانے کے بعد ناثان جب اٹھنے لگا تو یوعام نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"اے آقا! اگر آپ کی اجازت ہو تو میں اپنی ذات سے متعلق آپ سے ایک عرض کروں"
ناثان نے احتجاج کرنے کے انداز میں کہا۔ "میں تمہیں پہلے بھی کئی بار کہہ چکا
ہوں، مجھے آقا نہیں عم کہہ کر پکار لیا کرو۔ اس گھر میں تمہاری حیثیت ایک غلام کی سی
نہیں گھر کے ایک فرد کی سی ہے۔ یوں جانو کہ اس گھر کے دو نہیں تین افراد ہیں"۔

یوعام نے ذرا خاموشی کے بعد پھر کہا۔ "یہ آپ کی مہربانی ہے کہ آپ مجھے عم
کہہ کر پکارنے کو کہہ رہے ہیں۔ میں آج آپ سے پوچھنا چاہتا تھا کہ آپ کو کس قدر
رقم ادا کر کے میں آزاد ہو سکتا ہوں"۔

ناثان چند ثانیوں تک غصے اور حیرت ملے جلے انداز میں یوعام کی طرف دیکھتا
رہا۔ نباط بھی یوعام کی طرف ایسے انداز میں دیکھ رہی تھی جس میں شکوہ، گلہ، اندوہ اور
غم شامل تھا۔ پھر ناثان نے ڈانٹ دینے والے انداز میں یوعام سے کہا۔ "تمہارے ذہن سے
یہ مفروضہ کب نکلے گا کہ تم ایک غلام ہو۔

یوعام نے کہا۔ یہ ایک مفروضہ نہیں حقیقت ہے کہ آپ نے مجھ پر رقم خرچ کی
تھی اور مجھے خریدا تھا۔ پھر کیوں نہ میں آپ کا زیر بار احسان ہو کر بات کروں۔"

ناثان نے دکھ سے کہا۔ "یوعام! یوعام! کیا اس گھر میں کبھی میں یا میری بیٹی نباط
نے تم سے غلاموں جیسا سلوک کیا ہے؟"

یوعام نے سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے کہا۔ "نہیں ہرگز نہیں۔ اس گھر میں میرے
ساتھ ایک معزز مہمان جیسا سلوک ہوا ہے۔"

ناثان نے اس بار فیصلہ کُن انداز میں پوچھا۔ پھر تم اپنے آپ کو غلام کیوں جانتے ہو اور کیسی اور کس سے آزادی حاصل کرنا چاہتے ہو۔ کیا تم مجھ سے اور نباط سے چھٹکارا چاہتے ہو۔ اگر تم ریوڑ چرانا اپنے لیے بوجھ سمجھتے ہو تو میں آج ہی سارے ریوڑ کو بیچ دیتا ہوں۔ میری جگہ کپڑے کی دُکان پر بیٹھو۔ سارے کام کی دیکھ بھال کرو۔ میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں گھر بیٹھ کر آرام کروں گا۔"

یوعام نے گردن جُھکاتے ہوئے کہا۔ میں آپ دونوں سے چھٹکارا نہیں چاہتا۔ آپ جانتے ہیں میں غول سے بچھڑا ایک پرندہ ہوں۔ کاروان سے جُدا اور تھکا ہوا ایسا مسافر ہوں جسے شامِ الم جیسے اَن گنت بکھرے لمحوں کے اندر اپنی منزل اپنے رُخ کی تلاش ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں میں اس مرجھائے پھُول کی طرح پڑا رہوں جسے کے لیے پانی سے محروم کر دیا گیا ہو۔ اگر آپ کی یہ مرضی ہو کہ میں بعلبک کی قدیم وادیوں کے اندر بھٹک کر اپنی یادوں پر توجہ گری کرتا رہوں۔ اگر آپ کا یہ فیصلہ ہو کہ گمنامی کی گہرے دبیز پردوں میں ذلت و خواری کا شکار رہوں تو میں آپ سے کبھی نہ کہوں گا، اپنے ہونٹ سی لوں گا۔ اپنی ذات کو، اپنی انا اپنے پندار کو کچل مسل کر رکھ دوں گا۔" یوعام کی گفتگو پر نباط کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے تھے اور وہ رونے لگی تھی۔

ناثان نے اس بار ہمدردی اور شفقت میں ڈوبی آواز میں پوچھا۔" یوعام! یوعام! تم چاہتے کیا ہو بیٹا! یوعام نے کہا۔" بنو غسان کا ایک آدمی جس کا نام فردہ بن عمرو ہے اور جو قیصرِ روم ہرقل کے لشکر کے اس حصّے کا جرنیل ہے جو عربوں پر مشتمل ہے۔ وہ جگہ جگہ سے عربوں کا ایک لشکر تیار کر رہا ہے۔

سُنتا ہے ہرقل ان دنوں ایرانیوں کے خلاف فیصلہ کُن جنگ شروع کرنے کے لیے تیاری کر رہا ہے۔ وہ عرب جرنیل جگہ جگہ سے ہرقل کے لیے عرب جوانوں کا انتخاب کر رہا ہے۔ وہ آج بعلبک کے اس میدان میں آیا تھا جس میں ہم تیغ زنی کی مشق کرتے ہیں۔ اس نے یہاں تیغ زنی کے مقابلے کرائے اور ان مقابلوں میں میری حیثیت نمایاں رہی۔ اس جرنیل نے مجھے اپنے لشکر کے لیے بھرتی کر لیا ہے لیکن میں نے جب اُسے بتایا، کہ میں غلام ہوں اور اپنی مرضی سے کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا تو اس نے کہا۔ اپنے آقا سے پوچھو وہ کتنی رقم کے عوض تمہیں آزاد کر دے گا اور وہ رقم مجھ سے آ کر لے جاؤ۔ وہ جرنیل اپنے ساتھیوں کے ساتھ بعلبک کے ایک رئیس کے ہاں ٹھہرا ہُوا ہے اور کل یہاں سے روانہ ہو جائیگا۔

اگر آپ اجازت دیں تو میرا ارادہ ہے میں اس کے لشکر میں شامل ہو جاؤں وہاں میں اپنی قسمت بھی آزماؤں گا اور اپنے بچھڑے بہن بھائیوں اور ماں کو بھی تلاش کروں گا۔ میں آپ دونوں کو بھُولوں گا نہیں۔ اس طرح واپس لوٹ کر یہاں آؤں گا جس طرح کوئی اپنے گھر میں آتا ہے۔ میں بھلا کیسے آپ کی شفقت اور نباط کی ہمدردی کو بھول سکونگا۔

ناثان نے اپنا فیصلہ سُناتے ہوئے کہا۔" یوعام! یوعام! میں تمہاری ہر خواہش کا احترام اور تمہارے ہر فیصلے کا بھرم رکھوں گا۔ میرا کوئی بیٹا نہ تھا میں نے تمہیں بیٹا بنا کر ہی گھر پر رکھا تھا۔ آج سے نہیں بلکہ ابھی سے تم اپنے فیصلوں اور ارادوں میں آزاد ہو۔ بھُول جاؤ کہ میں نے کچھ رقم دے کر تمہیں خریدا تھا۔ تم کل اس عرب جرنیل کے ساتھ یہاں سے روانہ ہو سکتے ہو لیکن یہاں سے کُوچ کر جانے سے قبل مجھے ایک بات ضرور بتا کر جاؤ بیٹا! اور مجھے اُمید ہے جو کچھ میں تم سے پوچھوں گا۔ تم اس کے جواب میں مجھ سے کچھ چھپاؤ گے نہیں کھُل کر سچائی اور حقیقت کے ساتھ اس کا اظہار اور اقرار کرو گے"۔

یوعام نے کہا۔" آپ پوچھیں، میں وعدہ کرتا ہوں آپ سے میں کیوں کوئی بات چھپا کر اور راز بنا کر نہ رکھوں گا۔"

ناثان چند ثانیوں تک گردن جھکائے کچھ سوچتا رہا پھر اس نے مدھم اور بھرائی ہوئی سی آواز میں کہا۔" یوعام! یوعام! مجھے معلوم نہیں بیٹے! نباط سے متعلق تمہارے دل میں کیا ہے لیکن میرا اپنا تجربہ اور مشاہدہ کہتا ہے کہ نباط تمہیں پسند کرتی ہے۔ یہاں بعلبک سے کُوچ کرنے سے قبل میں نباط سے متعلق تمہاری رائے جاننا چاہوں گا۔"

اس موقع پر نباط بے چاری نے اپنا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں چھپا کر اپنی گردن جھکالی تھی۔ یوعام نے بھی اپنی گردن جُھکالی تھی اور فوری طور پر وہ کچھ کہہ نہ پایا تھا۔

ناثان نے پھر اُسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔” یوعام! یوعام! میرے اس سو
جواب خاموشی نہیں ہے بیٹے! میں تمہارے مُنہ سے کچھ سُننا چاہتا ہوں“

یوعام نے کہا۔” میرے محسن! میرے بزرگ! میرے محترم! میں اور نباط
ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن کسی پر اس کا اظہار نہیں کر سکے اور اس اظہار میں
میری کم مائیگی اور نباط کی فطری حیا حائل تھی۔

ناثان نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔” اب جب کہ تم اپنے باطن کا اظہار کر
ہو تو مجھے بھی سنو! میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں نباط کو تم سے بیاہ دوں گا۔ اس طرح
اس گھر کے مالک ہو گے اور تمہارے باطن کا یہ گمان بھی جاتا رہے گا کہ تم ایک غلام
تمہیں خریدا گیا ہے۔ کیا میں اُمید رکھوں بیٹے! کہ تم نباط کی خاطر اس گھر میں لوٹ
آؤ گے“۔

یوعام نے کہا۔” آپ کیسی بے گانگی کی گفتگو کرتے ہیں۔ میں اس گھر کے
اور کہاں جاؤں گا۔ میں جدھر بھی رہا، جہاں بھی گیا لوٹ کر اسی گھر میں آؤں گا۔ میں
پاؤں پر کھڑا ہو کر بہت جلد لوٹوں گا اور نباط کو آپ سے مانگوں گا“

نباط بے چاری شرم کے باعث اور زیادہ دوہری ہو کر رہ گئی۔

ناثان نے پھر کہا۔” یوعام! یوعام! تم بخوشی کل اس عرب جرنیل کے ساتھ
سے روانہ ہو جاؤ۔ اب تمہارا انتظار کرنا میرے اور نباط کے لیے تکلیف دہ نہ ہوگا“

نباط اُٹھ کر برتن سمیٹنے لگی۔ ناثان اور یوعام بھی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ دوسرے
ناثان نے اپنا ریوڑ فروخت کر دیا تھا اور یوعام اس عرب جرنیل کے ساتھ بعلبک
سے کوچ کر گیا تھا۔

O

شام گہری ہو رہی تھی۔ فطرت نے نور کا لباس اُتار کر سیاہ ماتمی لباس پہن
شوقِ حیات سے بھرپور خوابوں کی جل پریاں خوشی کا راگ گاتی ہواؤں کی طرح
و تمنّا سے بھرپور نغمے الاپنے لگی تھیں۔ اخروٹ اور بید مشک کے درخت اداس اونگھنے لگے

ت کے سکوں میں ہر شے گویا اپنی ذات کے حسین نصب العین میں کھوگئی تھی۔
اس بے چاند اور گہری تاریک رات میں اندریاس نے صیدا شہر کے جنوب میں
دوم کی خانقاہ کے دروازے پہ دستک دی۔ تھوڑی دیر بعد خانقاہ کے اندر سے قدوم کی
واز سنائی دی ”کون ہے“۔

اندریاس نے کہا۔” قدوم! قدوم! دروازہ کھولو بیٹے! میں اندریاس ہوں۔ میرے
ساتھ کچھ مہمان بھی ہیں۔

دروازہ کھل گیا اور سامنے قدوم کھڑا تھا۔ اتنی دیر تک قدوم کی بیوی زمیل بھی
ہاں آگئی۔ قدوم سے مصافحہ کرنے کے بعد اندریاس نے پیار اور شفقت سے زمیل
کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔ پھر اس نے قدوم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔” قدوم! میرے بیٹے!
پہلے ہمارے دونوں گھوڑے اپنے باڑے میں باندھ کر ان کے چارے کا انتظام کرو پھر
میں اپنے ان دو ساتھیوں سے متعلق تم دونوں میاں بیوی کو تفصیل سناتا ہوں“۔

قدوم دونوں گھوڑوں کو پکڑ کر باڑے کی طرف لے گیا جب کہ زمیل انہیں خانقاہ
کے ایک بڑے کمرے میں لائی جس کے آتش دان میں آگ روشن تھی۔ زمیل نے فوراً آتش
دان کے پاس گدے بچھا دیئے۔ اتنی دیر تک قدوم بھی آگیا پھر وہ پانچوں آتش دان کے
پاس ان گدوں پر بیٹھ گئے تھے۔

اندریاس نے پہلے اپنے مُسلمان ہونے کی خوشخبری سُنائی۔ پھر اس نے ترمید اور
رمیتا کے حالات پوری تفصیل کے ساتھ سنا دیئے تھے۔

قدوم نے بے انت خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔” بخدا مجھے ایک ساتھ دو
خوشیاں ملی ہیں ایک آپ کا مسلمان ہونا اور دوسرا ترمید اور رمیتا کا یہاں آنا۔ ہمارے
لیے ان کی خدمت میں سعادت ہے۔ خدا کرے اس خانقاہ میں اسلام قبول کرنے والوں
کی تعداد یوں ہی بڑھتی رہے“۔

اندریاس نے زمیل کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔” تمہارے دونوں بچے کہاں ہیں
بیٹی!“

زمیل نے کہا ۔" وہ سو چکے ہیں ۔"

قدوم نے پوچھا ۔" آپ کا کیا خیال ہے رمینس قسطنطنیہ میں گلیڈی ایٹر ساتھ مقابلے جیت جائے گا ۔

اندریاس نے کہا ۔" میرا دل کہتا ہے وہ ہرقل کے پاس خوب نام پیدا کر مَیں نے اسے گلیڈی ایٹر بنانے پر ان تھک محنت کی ہے اور مجھے اُمید ہے میری رائیگاں نہ جائے گی ۔ رمینس گو ابھی نوعمر ہے لیکن خوب مضبوط اور زور آور ہے بڑے بڑے تیغ زنوں کو اپنے سامنے جھکانے کی صلاحیت رکھتا ہے ۔"

زمیل نے اُٹھتے ہوئے کہا ۔" آپ لوگ بیٹھ کر باتیں کریں مَیں کھانے کا ہوں ۔"

اندریاس نے کہا ۔" کھانے کی زحمت نہ کرنا بیٹے! کھانا ہم راستے میں ایک سے کھا کر آئے ہیں ۔ بس تم ہمارے لیے بستر لگا دو کہ ہم آرام کریں ۔ مَیں تو اس سفر تھک گیا ہوں ۔"

زمیل نے وہیں آتش دان کے پاس گدوں پر اندریاس، ترمید اور قدوم لیے بستر لگا دیئے اور وہ وہاں پڑ کر سو رہے ۔ جب کہ رمینا کو زمیل اپنے ساتھ خواب گاہ میں لے گئی تھی ۔

ترمید نے دو دن وہاں قدوم کی اس خانقاہ میں قیام کیا تیسرے روز وہ کی طرف روانہ ہو گیا تھا ۔

O

سرما کی دوپہر اپنے عروج پر آ گئی تھی ۔ بنو سلیم میں ترمید کا چچا ناحور اور ان دونوں کی بیویاں مازرہ و زعران، ناحور کا بیٹا جرام اور یعرب کی بیٹی عشطانہ کے صحن میں کھجور کے پتوں سے بنی چٹائیوں پر دھوپ میں بیٹھے آپس میں گفتگو کر رہے موضوع ترمید کا اسلام قبول کرنا اور پھر جان بچا کر بستی سے نکل جانا تھا ۔

بڑے بھائی ناحور نے ایک لمبی سرد آہ بھرتے ہوئے کہا ۔" کاش ترمید یہاں

تو اس کی موجودگی میں ہم جرام اور عشطانہ کی شادی کرتے، تو یہ امر اس لحاظ سے میرے لیے سکون و اطمینان کا باعث ہوتا کہ اگر میرا چھوٹا بھائی لابان اس شادی میں شامل نہیں تو چلو اس کا بیٹا تو ہے ۔ پر ہائے حیف وہ نہ جانے کہاں کہاں بے چارہ دھکے کھا رہا ہوگا ۔ اب کل جرام اور عشطانہ کی شادی ہے اور میرے بھائی لابان کی طرف سے کوئی بھی اس میں شرکت کرنے والا نہیں ہے ۔ کاش ترمید یہاں ———

ناحور کہتے کہتے خاموش ہو گیا کیوں کہ دروازے پر زور دار دستک ہوئی تھی ۔ جرام چٹائی سے اٹھا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا ۔ اس نے جب حویلی کا بیرونی دروازہ کھولا تو وہاں لابان کی بیوی اور عدیم، ترمید، یوعالم اور حذیفہ کی ماں نیابوث اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے کھڑی تھی ۔ اس نے اپنے جسم پر زرہ، سر پر خود پہن رکھا تھا ۔ کمر سے تلوار لٹک رہی تھی اور ڈھال گھوڑے کی زین سے بندھی ہوئی تھی ۔

جرام نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے نرمی و ہمدردی سے پوچھا ۔" اے خاتون! آپ کون ہیں اور کس سے ملنا چاہتی ہیں ۔"

نیابوث نے کہا کہ یہ حویلی ناحور بن ابدون اور یعرب بن ابدون دونوں بھائیوں کی ہے ۔"

جرام نے کہا ۔" اے خاتون! تمہارا اندازہ درست ہے ۔ یہ حویلی ان ہی کی ہے میرا نام جرام ہے ۔ مَیں ناحور کا بیٹا ہوں یعرب میرے چچا ہیں ۔"

نیابوث نے کہا ۔" کیا اس گھر کے لیے کوئی ایسا شخص شناسا ہے جس کا نام لابان ہو ۔"

جرام نے آہ بھرتے ہوئے کہا ۔" آہ! لابان تو میرے چچا کا نام تھا ۔ ہائے حیف وہ ایک حادثے میں حالات اور وقت کا شکار ہو گئے تھے ۔"

جرام اور نیابوث کی گفتگو سن کر ناحور، یعرب، مازرہ، زعران اور عشطانہ بھی اُٹھ کر دروازے پر آ گئے تھے ۔ جرام جب خاموش ہوا تو ناحور نے بولتے ہوئے کہا ۔

" اے خاتون! مَیں ناحور بن ابدون ہوں اور یہ میرے ساتھ میرا بھائی یعرب بن ابدون ہے ۔ تم نے میرے مرنے والے بھائی لابان کا ذکر کیا ہے ۔ کہو تو تم کون ہو ۔ کہاں

سے آئی ہو اور میرے بھائی لابان سے تمہارا کیا تعلق ہے۔"

نیا بوث بے چاری کی گردن جھک گئی۔ اس کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو گرنے لگے پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ مازر اور زعران دونوں فوراً آگے بڑھیں۔ نیابوث کو سہارا دے کر اندر لائیں اور اسے چٹائی پر لا بٹھایا۔ جرام اس کے گھوڑے کو اپنے اصطبل میں باندھ کر پھر وہیں آگیا تھا۔

چٹائی پر بیٹھ کر نیا بوث کچھ دیر تک روتی اور سسکتی رہی جب کہ ناحور، یعرب، مازر، زعران، جرام اور عشطانہ اس کے گرد بیٹھ کر اسے تسلی دیتے ہوئے چپ کرانے کی کوشش کرتے رہے۔

جب نیا بوث نے رونا بند کیا اور وہ سنبھلی تو ناحور نے کہا۔" اے خاتون! میں پھر تم سے پوچھتا ہوں کہ تم کون ہو، کہاں سے آئی ہو اور ہمارے بھائی لابان سے تمہارا کیا تعلق ہے اس کا نام لے کر اس کی یادوں کو تازہ کر کے تم نے ہمیں ہمارے گزرے ہوئے سالوں میں پھینک کر اداس اور افسردہ کر دیا ہے۔"

نیا بوث نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔" میرا تعلق مصر سے ہے۔"

اس بار ناحور کے بجائے یعرب نے نیا بوث کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔" اگر تمہارا تعلق مصر سے ہے تو پھر یقیناً تمہارا نام نیا بوث ہے اور تم ہمارے بھائی لابان کی بیوی ہو۔"

نیا بوث نے ایک طویل آہ بھرتے ہوئے کہا۔" ہاں میرا نام نیا بوث ہے اور میں تمہارے چھوٹے بھائی لابان کی بیوی ہوں۔"

نیا بوث کے اس انکشاف پر ناحور، یعرب، مازر، زعران، جرام اور عشطانہ کے چہروں پر گہری خوشی اور سکون بکھر گیا تھا۔ ناحور اور یعرب نے آگے بڑھ کر ایک ساتھ اپنے اپنے ہاتھ نیا بوث کے سر پہ رکھ دیئے اور اپنی خوشی سے بے قابو آواز میں ناحور نے کہا۔" ہم اپنی عزیز اور چھوٹی بہن نیا بوث کو اس حویلی میں خوش آمدید کہتے ہیں۔"

یعرب نے کہا۔" تم ہمارے چھوٹے بھائی لابان کی بیوی ہو لہٰذا ہماری چھوٹی بہن ہو۔ قسم لات و عزیٰ کی ہمارے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا خوشی کی وجہ ہو سکتی ہے

کہ تم اپنے گھر میں آگئی ہو۔ اس موقع پہ ہم تمہیں ایک خوشخبری سنائیں کہ تمہارا بیٹا ترمید یہاں پہنچ گیا تھا۔ جس قافلے میں تم سب سفر کر رہے تھے اس میں ہمارے قبیلے کے لوگ بھی شامل تھے۔ اسے ایک ہمارا جاننے والا اٹھا کر یہاں لے آیا تھا۔ ترمید یہیں پلا بڑھا اور جوان ہوا ہے۔

نیا بوث نے بے پناہ خوشی اور طوفانی جلد بازی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔" ترمید کہاں ہے۔ وہ آپ لوگوں میں شامل کیوں نہیں ہے۔ ازریں کے لیے بتائیے وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔ میں اپنے بیٹے سے ملوں اس سے باتیں کروں کہ شاید وہ اپنے دوسرے بھائی بہنوں سے متعلق بھی کچھ جانتا ہو۔ کیا میرا سب سے چھوٹا بیٹا عدیم یہاں نہیں آیا۔ اس سے متعلق میں سب سے زیادہ فکر مند ہوں۔ اس بے چارے کا ابھی دودھ ہی چھڑایا گیا تھا کہ وہ ہم سے بچھڑ گیا۔ آہ! میرے بچوں میں وہ سب سے خوب صورت اور صحت مند تھا۔"

ناحور نے نیا بوث کی توجہ بٹانے کی خاطر کہا۔" اے میری بہن! پہلے تم اپنے حالات کہو کہ تم کہاں اور کن مصائب میں رہی اس کے بعد میں تمہیں ترمید سے متعلق تفصیل سے بتاتا ہوں۔"

نیا بوث نے فوراً قسطنطنیہ سے سفر کرنے، راستے میں رہزنوں کے حملے، ایک مصری تاجر کے ہاتھ بکنے اور پھر اس کے بیٹے سے آزادی حاصل کرنے کے واقعات سنا ڈالے۔ اپنے حالات سنا چکنے کے بعد نیا بوث نے پوچھا۔" اب بتائیں ترمید کہاں ہے وہ میرے سامنے کیوں نہیں آرہا۔ کیا وہ اپنی ماں سے پردہ کرنا چاہتا ہے جس نے اسے جنا۔"

ناحور نے کہا۔" ترمید ان دنوں یہاں نہیں ہے۔" نیا بوث نے اپنی آواز میں زور اور دباؤ پیدا کرتے ہوئے پوچھا۔" کہاں چلا گیا وہ؟"

جواب میں ناحور نے ترمید کے بنو سلیم میں آنے، ان کے ہاں پرورش پانے جوان ہو کر ایک ماہر تیغ زن بننے اور پھر اسلام قبول کرنے کے باعث بنو سلیم سے فرار ہو جانے کے سارے واقعات تفصیل کے ساتھ سنا ڈالے۔

ترمید کے حالات سُن کر نیا بُوث بے چاری پھر مغموم ہوگئی اور اس کی گردن غم واندوہ کے باعث پھر جھک کر رہ گئی تھی۔

ناحور نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "اے میری بہن! تم فکرمند نہ ہو۔ ترمید ہم سے کھو تو نہیں گیا۔ یہاں سے فرار کے وقت میں نے حرام کے ہاتھ اسے کہلوایا تھا کہ بنوغسان یا شیبانی قبائل میں جاکر رہے تاکہ جب یہاں حالات اس کے حق میں ہوجائیں تو وہاں سے ہم اسے واپس لاسکیں۔"

نیا بوث نے ایک طویل آہ بھرتے ہوئے کہا۔ "میری قسمت میں ہوا کی آہوں عناصر کی فریاد اور روحانی تشنگی کے سوا اب کوئی اور تحریر نہیں رہ گئی۔ آہ میرا شوہر جو میری رُوح کا رفیق اور میری تنہائیوں کا مونس تھا ہمیشہ کے لیے مجھ سے روٹھ گیا آہ! وہ اپنی عورت کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کرکے چلا گیا۔ میرے بچے جو میرے لیے ہنستے بستے شہر تھے برباد ہوکر رہ گئے۔ نہ جانے بے چارے بن ماں باپ کے کہاں کہاں دھکے کھاتے پھر رہے ہوں گے۔ ترمید کے تو مل جانے کی اُمید ہوگئی ہے پر حذیقہ کہاں ہو گی۔ یوعام کس حال میں ہوگا اور میرا چاند جیسا بیٹا عدیم کس کے پاس اور کس حال میں ہو گا۔ کیسی زندگی بسر کر رہا ہوگا۔ آہ مجھے میری ہی ہستی کی خاموش گھڑیوں نے لوٹ لیا۔

نیا بوث نے اپنے آنسو پونچھے پھر وہ دوبارہ کہہ رہی تھی۔ "کبھی میں بھی اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ رات کی راحت انگیز خاموشی جیسے ماحول میں بستی تھی پھر نہ جانے دکھوں اور جدائیوں کے یہ بپھرے سمندر کہاں سے نمودار ہوئے کہ سارے ولولوں کو تلاطم اور سارے ارمانوں کو ہیجان میں بدل کر رکھ دیا۔ آہ! جدائی اور مفارقت کی لگی ہوئی پُر پیچ گرہیں کب کھلیں گی۔"

اس بار ناحور کی بیوی زعران آگے بڑھی اور نیا بوث کو اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے اس نے کہا۔ "اے میری بہن! صبر کرو۔ اب تم اکیلی نہیں ہو۔ یہ گھر تمہارا گھر ہے۔ ہم اب خود تمہارے سکون کی خاطر حذیقہ، یوعام، ترمید اور عدیم کو تلاش کریں گے۔"

زعران نے ایک تنگ ترین ہم آغوشی میں نیا بوث کو اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

اپنے سر پہ بندھے رومال سے اس نے اس کی پلکوں پر رقصاں سیال ستاروں کو پونچھا پھر بڑے پیار سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"نیا بوث! اٹھو میری بہن! تم تھکی ہوئی ہو پہلے کھانا کھاؤ، پھر آرام کرو۔"

نیا بوث بے چاری اُٹھ کھڑی ہوئی پھر مازر، زعران اور عشطانہ اُسے اندر لے جاکر اُسے کھانا کھلا رہی تھیں۔

شام سے تھوڑی دیر بعد ایک روز عدیم قسطنطنیہ شہر میں داخل ہوا، اور سینٹ میری کے کلیسا کے پاس ایک سرائے میں داخل ہوا۔ اپنے گھوڑے کو سرائے کے اصطبل میں باندھنے کے بعد عدیم سرائے کے مالک کے پاس آیا جو اس وقت اصطبل سے باہر گھوڑا گاڑیوں سے اپنے اصطبل کے لیے ہرا اور خشک چارہ اتروا رہا تھا۔

عدیم اس کے قریب آیا اور کہا۔ "اگر میں غلطی پہ نہیں تو جس طرح مجھے بتایا گیا ہے اس کے مطابق تمہارا نام ہردوس ہے اور تم اس سرائے کے مالک ہو۔"

اس ادھیڑ عمر شخص نے کہا۔ "اے اجنبی! تمہارا اندازہ درست ہے میرا نام ہردوس ہے اور میں اس سرائے کا مالک بھی ہوں۔"

عدیم نے کہا۔ "مجھے چند روز کے قیام کے لیے سرائے میں ایک کمرہ چاہیے۔"

سرائے کے مالک نے ایک بار سر سے پاؤں تک عدیم کا جائزہ لیا پھر کہا۔

"کیا تم قسطنطنیہ میں ہرقل کی افواج میں شامل ہونے کو آئے ہو۔ تمہاری جسمانی ساخت اور یہ پہنا ہوا جنگی لباس اس امر کے غماز ہیں کہ تم ایک بہترین جنگ جُو ہوگے۔ ہرقل یقیناً تم جیسے جوان کی قدر کرے گا کیوں کہ ان دنوں وہ بُری طرح ایران کے خلاف اپنی جنگی تیاریوں میں مصروف ہے۔ اب رومن محسوس کرنے لگے ہیں کہ پچھلے برسوں میں ایرانیوں نے جو رومنوں کو نقصان پہنچایا ہے۔ ان کی تلافی کا وقت آگیا ہے کیوں کہ ہرقل نے قسطنطنیہ سے بھاگنے کا ارادہ ترک کرکے اپنے آپ کو ایک عزم کے ساتھ جنگی تیاریوں میں مصروف کر لیا ہے۔"

عدیم نے چونک کر پوچھا۔ "کیا ہرقل نے یہاں سے بھاگنے کا ارادہ بھی
سرائے کے مالک ہردوس نے کہا۔ "ہرقل نے بھاگنے کا ارادہ ہی نہیں بھی کی تھی۔ جب ایران کے بادشاہ خسرو پرویز نے آرمینیا' بین النہرین کے اہم قلعوں' ایشیائے کوچک کے تمام ممالک شام' فلسطین' مصر کے علاوہ ایشیا کی چند اہم بندرگاہوں' یونان اور افریقہ کے کچھ حصّے پر قبضہ کر لیا تو قسطنطنیہ میں ابتر ہو گئے۔ یہاں تک کہ تھریس کے رہنے والے قبائل نے بھی رومی سلطنت کے یورش برپا کرنا شروع کر دی تھی۔

ان حالات کے دباؤ میں آ کر ہرقل نے اپنے باپ کے پاس قرطاجنہ کی طرف بھاگ جانے کا ارادہ کر لیا کیوں کا اس کا باپ وہاں کا حاکم تھا۔ ہرقل نے سارا کشتیوں میں لاد کر افریقہ کی طرف روانہ کیا ہی تھا کہ اس کے فرار ہونے کا راز کھل گیا قسطنطنیہ کے بڑے بشپ کی سرکردگی میں لوگوں نے اس فرار کے خلاف سخت احتجاج ہرقل کا چھوٹا بھائی تھیوڈورو بھی ہرقل کے اس فرار کے خلاف تھا۔ لہٰذا ہرقل پشیمان کو رک گیا اور اب وہ طوفانی انداز میں اپنی جنگی تیاریوں میں مصروف ہے۔ اگر تم سے مل کر اپنے کسی جنگی فن کا مظاہرہ کرو تو ان دِنوں تم یقیناً اس کے لشکر میں کوئی جگہ حاصل کر سکتے ہو۔"

عدیم نے ہردوس کی باتوں میں دل چسپی لیتے ہوئے کہا۔ "کیا قسطنطنیہ کے خونی ہپوڈروم میں اِن دِنوں بھی گلیڈی ایٹرز کے مقابلے ہوتے ہیں۔"

ہردوس نے کہا۔ "ہاں یہ مقابلے تو ہر اتوار کو ہپوڈروم میں ہوتے ہیں اور انہیں باقاعدگی سے دیکھنے جاتا ہوں۔ سنو! کیا تم بھی گلیڈی ایٹر ہو اور ان مقابلوں میں حصّہ لینا چاہتے ہو۔"

عدیم نے کہا۔ "ہاں مَیں گلیڈی ایٹر ہوں اور ان مقابلوں میں حصّہ لینے کے لیے ہی تو مصر سے یہاں آیا ہوں۔"

ہردوس نے تنبیہہ کرنے کے انداز میں کہا۔ "سنو جوان! تم ابھی نوعمر اور نا

ہو۔ تمہاری داڑھی بھی ابھی بھرپور طریقے سے نہیں آئی۔ گو تمہارا قد خوب لمبا اور جسمانی ساخت بڑی پختہ لگتی ہے۔ پر اے اجنبی! ان مقابلوں میں حصّہ لینا اپنی جان کو خطرے اور عذاب میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ میری مانو، تو تم ہپوڈروم کے ان مقابلوں سے باز رہو اور ایک عام لشکری کی حیثیت سے ہرقل کے لشکر میں شامل ہو جاؤ۔"

عدیم نے اپنی چھاتی کو اُبھارتے اور اپنے آپ کو خوب نمایاں کرتے ہوئے کہا۔ "مَیں بچپن سے ہی ایک پیشہ ور تیغ زن کی تربیت حاصل کرتا رہا ہوں اور اسکندریہ کے موت کے میدان میں مصر کے سب سے بڑے گلیڈی ایٹر کو مَیں نے اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ سنو ہردوس! قسطنطنیہ میں بھی مَیں ایسا ہی کر دوں گا۔"

ہردوس نے کہا۔ "سنو اجنبی! یہاں قسطنطنیہ میں ایسا ممکن نہیں۔ یہاں پولاطس نام کا ایک گلیڈی ایٹر ہے۔ پچھلے پانچ برس سے کوئی اسے زیر نہیں کر سکا۔ جب کہ وہ بڑے بڑے کوہ پیکر اور دیو ہیکل جوانوں کو ہپوڈروم کے میدان میں لہولہان کر کے موت کے گھاٹ اتار چکا ہے۔ اگر تم میری مانو تو مَیں تمہیں یہی مشورہ دوں گا کہ ان مقابلوں میں حصّہ لے کر اپنی جان کا زیاں نہ کرو۔ پولاطس جہاں درندے کی طرح خونخوار ہے وہاں وہ حملہ آور ہونے اور اپنے مقابلے کو ختم کرنے میں لومڑی جیسا مکار اور عیّار بھی ہے۔ بہتر ہے کہ تم ہرقل کے لشکر میں شامل ہو جاؤ۔ ہو سکتا ہے اپنی بہتر کارکردگی کی بِنا پر ایک روز تم اچھے عہدے پر فائز کر دیئے جاؤ۔"

عدیم نے کہا۔ "نہیں ہپوڈروم میں قسطنطنیہ کے گلیڈی ایٹروں سے مقابلہ کرنا میری آخری خواہش ہے۔ تم یہ کہو یہ مقابلے کب ہوتے ہیں۔"

ہردوس نے کہا۔ "اے اجنبی! ہپوڈروم میں تیغ زنوں کے مقابلے ہر اتوار کو ہوتے ہیں۔ ہاں اگر بادشاہ کہیں مصروف ہو' وہ قسطنطنیہ سے باہر ہو یا اسے کوئی مہم درپیش ہو تو پھر ایک مخصوص مدت کے لیے یہ مقابلے ملتوی رہتے ہیں۔"

عدیم نے کہا۔ "مجھے ایک کمرے کی چابی دے دو۔ تاکہ مَیں آرام کر لوں اور کل مَیں ہرقل سے مل کر آنے والے اتوار کے مقابلوں میں حصّہ لوں گا۔"

ہردوس نے اسے ایک چابی تھماتے ہوئے کہا۔ "یہ چابی لو اور نیچے کے کمروں میں پشت کی جانب سب سے بائیں کمرے میں چلے جاؤ۔"

عدیم وہاں سے جانے ہی والا تھا کہ سرائے کا ایک ملازم بھاگتا ہوا وہاں آیا اور ہردوس کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا۔ "اے مالک! سرائے سے باہر ہرقل کا بھائی تھیوڈورو اپنی بگھی میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے آپ کو بلایا ہے۔"

ہردوس نے چونک کر کہا۔ "ہرقل کے بھائی تھیوڈورو کو مجھ سے کیا کام ہو سکتا ہے۔" پھر ہردوس نے عدیم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم بھی میرے ساتھ آؤ میں تمہیں تھیوڈورو سے ملا دونگا۔ وہ ہپوڈروم میں تمہارے مقابلے کا انتظام آنے والے اتوار کو کر دے گا۔"

عدیم نے فوراً ہردوس کی دی ہوئی چابی جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "چلو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔"

عدیم اور ہردوس جب باہر آئے تو انہوں نے دیکھا ہرقل کا چھوٹا بھائی تھیوڈورو اپنی دو گھوڑوں کی بگھی میں بیٹھا ہوا تھا۔

ہردوس نے قریب جا کر کہا۔ "اے آقا! میں اس سرائے کا مالک ہردوس ہوں، میرے لیے کیا حکم ہے۔"

تھیوڈورو نے کہا۔ "سنو ہردوس! جو کوئی بھی جنگجو جوان ہمارے لشکر میں شامل ہونے کو قسطنطنیہ میں وارد ہو اور تمہاری سرائے میں قیام کرے اس سے کوئی رقم کوئی معاوضہ وصول نہ کرو اپنے ہاں اسے مفت ٹھہراؤ اور جب تک وہ باقاعدہ ہمارے لشکر میں شامل نہیں ہو جاتا اس وقت تک اسے ٹھہراؤ اور ایسے سارے جوانوں کی فہرست ہفتہ وار مجھے پیش کرو۔ ایسے جوانوں کو ٹھہرانے پر جو تمہارا خرچہ ہوگا اس سے ڈیڑھ گنا زیادہ تمہیں حکومت کی طرف سے ملے گا۔

اور سنو! اگر کوئی بھی مسافر تمہاری سرائے میں کوئی گھوڑا فروخت کرنا چاہے تو خرید لو۔ ایسے سب گھوڑے حکومت تم سے مناسب نفع دے کر خرید لے گی سنو

ہردوس ایسے ہی احکامات شہر کی ساری سراؤں کے مالکوں کو دیئے جا رہے ہیں۔ ان پر سختی سے عمل ہوگا کیوں کہ ایران کے خلاف جنگوں کا طویل سلسلہ شروع کرنے کے لیے حکومت کو جنگجو جوانوں اور گھوڑوں کی سخت ضرورت ہے۔"

ہردوس نے عدیم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اے آقا! یہ جوان جو میرے ساتھ کھڑا ہے، ابھی ابھی میری سرائے میں داخل ہوا ہے، مصر سے آیا ہے۔ میں نے ابھی تک اس کا نام بھی نہیں پوچھا۔ اپنے آپ کو یہ گلیڈی ایٹر کہتا ہے اور پولاطس سے مقابلہ کرنے کا خواہش مند ہے۔ میں اسے آپ کے پاس لے آیا ہوں کہ آپ ہی اس مقابلے کا انتظام کرا سکتے ہیں۔"

ہردوس جب خاموش ہوا تو عدیم نے بولتے ہوئے کہا۔ "میرا نام رمینس ہے تیغ زنی کو میں نے بچپن سے ہی ایک پیشے کے طور پر اپنا رکھا ہے۔ میں یقین دلاتا ہوں پولاطس کے مقابلے کے دوران میں قسطنطنیہ والوں کو مایوس نہیں کروں گا۔"

عدیم کی طرف دیکھتے ہوئے تھیوڈورو نے ہمدردی اور نرمی میں کہا۔ "اے جوان! میں مانتا ہوں تم ایک اچھے تیغ زن ہوگے لیکن تم ابھی نوعمر ہو۔ پولاطس جس سے تم مقابلہ کرنا چاہتے ہو تیغ زنی کے میدان کا وسیع تجربہ رکھتا ہے۔ ہپوڈروم کے مقابلوں میں وہ ان گنت جوانوں کو کاٹ کر ختم کر چکا ہے اور اب کوئی بھی تیغ زن اس سے مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔ میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ پولاطس سے مقابلہ کرنے کے بجائے تم ویسے ہی لشکر میں شامل ہو جاؤ۔ میں اپنے بھائی ہرقل سے کہہ کر تمہیں لشکر میں کوئی اچھا مقام دلا سکتا ہوں۔

سنو! ہر تیغ زن گلیڈی ایٹر نہیں ہوتا جب کہ ہر گلیڈی ایٹر تیغ زن ہوتا ہے ہپوڈروم میں پولاطس سے مقابلہ کرنا اپنے آپ کو خارزاروں کے اندر اتارنے کے مترادف ہے۔ جہاں انسان کا اپنا آپ ہی لیر لیر اور جھیر جھیر ہو جاتا ہے۔

تھیوڈورو جب خاموش ہوا تو عدیم نے کہا۔ "اس قدر تنبیہہ کے باوجود میں آخر تک اپنے اسی ارادے پر اصرار کروں گا کہ میں ہپوڈروم میں پولاطس سے مقابلہ

کروں گا۔"

تھیوڈورو نے اس بار فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "اگر تم ایسے ہی الوالعزم ہو تو سنو۔ پولاطس کو میرے بھائی ہرقل نے اپنے لشکر کے میسرہ کا کماندار مقرر کیا ہے جب کہ میمنہ میرے پاس ہے۔ قلب میرے بھائی ہرقل کے پاس ہوگا۔ ہمارا ہراول لشکر کا تمام عربوں پر مشتمل ہے اور اس ہراول کا کماندار ایک عرب جرنیل فردہ بن عمرو ہوا ہے۔ آنے والے اتوار کو ہپوڈروم میں مقابلے ہو رہے ہیں۔ تم وہاں آؤ۔ میں پولاطس سے تمہارے مقابلے کا انتظام کروں گا۔ اور سن رکھو اگر تم نے اس مقابلے میں پولاطس کو مار دیا تو میں تمہیں میسرہ کا کماندار بنوا دوں گا۔"

عدیم نے پرسکون انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں آنے والے اتوار کو مقابلہ کرنے کے لیے ہپوڈروم میں داخل ہوں گا۔"

تھیوڈورو کے اشارے پر سائیس نے اس کے بگھی کے گھوڑوں کو ہانکا اور وہ آگے بڑھ گیا۔ جب کہ عدیم ہرودس کے ساتھ سرائے کے اندر جا رہا تھا۔

○

اتوار کے روز طلوع ہونے کے تھوڑی دیر بعد قسطنطنیہ کا میدان ہپوڈروم مردوں، بوڑھوں، بچوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور لوگ مقابلے شروع ہونے کے منتظر تھے۔ اتنے میں میدان کے اندر شہ نشین کے پاس آکر چار گھوڑوں کی بگھی رکی اور اس میں سے قسطنطنیہ کا بادشاہ ہرقل اور اس کا بھائی تھیوڈورو اپنی ملکہ کے ساتھ بگھی سے اترے اور شہ نشین پر اپنی نشستوں پر آکر بیٹھ گئے۔ شہ نشین کے بائیں طرف پولاطس اور دائیں طرف عدیم بیٹھا ہوا تھا۔

کافی دیر تک چھوٹے پیمانے پر گلیڈی ایٹروں کے مقابلے ہوتے رہے جن میں سے کئی ایک مارے گئے اور وہ باب الموت کے راستے ہپوڈروم سے باہر پھینک دیئے گئے۔ پھر شہ نشین کے پاس بیٹھے منادی نے اپنی دف پر ضرب لگاتے ہوئے مقابلے کے لیے عدیم اور پولاطس کے نام پکارے اور وہ دونوں اپنے ہتھیار سنبھالے میدان میں اترے۔

میدان کے وسط میں جا کر پولاطس رک گیا اور اپنے قریب کھڑے عدیم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اے اجنبی! تمہارا نام میرے ذہن سے اتر گیا ہے۔ ذرا اپنا نام تو کہو۔"

عدیم نے کہا۔ "میرا نام رمینس ہے اور میں عرب ہوں اور مصر سے یہاں وارد ہوا ہوں۔"

پولاطس نے بڑی ہمدردی اور نرمی میں کہا۔ "اے رمینس! گو تیرا جسم خوب بھر کر ڈیل ہو گیا ہے۔ تیرا قد خوب نکل گیا ہے لیکن ابھی تو نو عمر ہے۔ تیری جوانی ابھی کچی ہے، ابھری نہیں۔ تیری داڑھی بھرپور ہو کر نہیں آئی۔ تیری مونچھوں نے ابھی تک اپنا اصل رنگ نہیں پکڑا۔ شاید تجھے قبل از وقت جوان کرنے کے لیے تیری خوب خاطر و مدارات اور ریاضت و تربیت ہوئی ہے۔ ورنہ تیری عمر کا جوان مقابلے کے لیے مجھے نہیں للکار سکتا۔ تیری عمر میں تم سے دس بارہ سال بڑا ہوں گا اور یہ دس بارہ سال میری جنگی تربیت، میری عسکری ممارست اور میری محنت و سعی کا نچوڑ ہیں۔

میں اس میدان میں تجھے لہولہان نہیں دیکھنا چاہتا۔ جا واپس لوٹ جا شاید کسی کو تیری ضرورت ہو۔ ہپوڈروم کا یہ میدان انتہائی بے رحم اور خونی ہے۔ یہاں سے بڑے بڑے سورماؤں کی لاشیں نکل جاتی ہیں۔ واپس لوٹ جا اے اجنبی! اس میدان میں اترنا اپنے آپ کو موت کے طوفانوں کے سپرد کرنے کے مترادف ہے۔

عدیم نے اپنی تلوار بے نیام کرتے ہوئے کہا۔ "میں تیرا شکر گزار ہوں کہ تو مجھے جان بچانے کی خاطر میدان سے نکل جانے کا مشورہ دیتا ہے۔ پر اس کا کیا ہو کہ میں اس میدان میں تم سے مقابلہ کرنے کا مصمم ارادہ لے کر آیا ہوں۔ اب مجھے میدان چھوڑنے کا مشورہ نہ دے۔ اگر تو مجھ پر غالب رہا تو قسطنطنیہ میں میرا کوئی ایسا ہمدرد نہیں جو تم سے میرا انتقام لے اور اگر تو میرے ہاتھوں مارا جائے تو تیری جان کا بھی مجھ پر کوئی حق نہ ہوگا۔

دیکھ میدان میں بیٹھے ہزاروں مرد و عورتوں کی نظریں ہم پر گڑی ہوئی ہیں۔

اپنی تلوار بے نیام کر، اپنی ڈھال سنبھال کہ مقابلے کی ابتدا کریں کہ لوگ ہم دونوں درمیان فیصلے کے منتظر ہیں۔"

پولاطس نے مایوس انداز میں کہا۔" اے اجنبی نوجوان! شاید تیری زندگی میں کسی پیڑ کا سایہ نہیں ہے۔ شاید موت کی بھیانک آندھیاں تجھے مصر کی سرزمین سے اس خونی میدان کی طرف کھینچ لائی ہیں۔ دیکھ میں تیرے ساتھ مقابلہ کی ابتدا کر رہا ہوں۔

اپنی تلوار اور ڈھال سنبھال کر پولاطس جچے تلے قدموں سے آہستہ آہستہ عدیم کی طرف بڑھا۔ پھر وہ دونوں ہر موج ہر نفس میں حشر برپا کر دینے والے طوفان اور عدم سے اچانک نمودار ہونے والے فطرت کے جلال کی طرح ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے تھے۔

کافی دیر تک دونوں جم کر لڑتے رہے۔ پولاطس عدیم کی جنگی مہارت اور اس کے عسکری فنون پر انگشت بدنداں ہو کر رہ گیا تھا تاہم وہ اس میدان کا قدیم کھلاڑی تھا اور کسی مناسب حربے کی تلاش میں تھا۔

اچانک پولاطس نے اپنی تلوار عدیم کی تلوار پر مارنے کے بعد پوری قوت سے اپنا پاؤں عدیم کے پاؤں پر دے مارا اور ساتھ ہی اپنی ڈھال کی ایک سخت ضرب عدیم کی چھاتی پر لگائی۔ عدیم ڈانواں ڈول سا ہو گیا تھا اور ایک طرح سے وہ اپنا توازن کھو بیٹھا تھا۔

اس موقع سے پولاطس نے پورا پورا فائدہ اُٹھایا اور اپنی تلوار بلند کر کے عدیم کے شانے پر گرائی۔

عدیم نے فوراً اپنی ڈھال سامنے کی لیکن کچھ تاخیر ہو چکی تھی۔ پولاطس کی تلوار کا کچھ حصّہ عدیم کی ڈھال سے ٹکرایا جب کہ تلوار کی نوک کی طرف کا حصّہ عدیم کے شانے پر گرا۔ عدیم کی زرہ کی کڑیاں وہاں سے کٹ گئیں۔ شانے پر زخم آیا اور اس سے خون بہہ نکلا۔

توازن کھو چکنے کے باعث عدیم انتہائی بے بسی کی حالت میں زمین پر گر گیا تھا پولاطس نے قہر برساتی آواز میں پوچھا۔" کیا تم اپنی شکست تسلیم کرتے ہو۔" ساتھ ہی پولاطس نے اپنی تلوار بلند کر کے گرے ہوئے عدیم پر پھر گرائی۔

عدیم نے اس کی تلوار انتہائی مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی ڈھال پر روک لی اور کہا۔" اے پولاطس! تیرا مجھے یوں دھوکہ دے کر گرانا میرے لیے مہمیز ثابت ہو گا۔"

قبل اس کے پولاطس کسی اور زاویے سے دوسری بار عدیم پر اپنی تلوار گراتا عدیم ہواؤں کی سنسناہٹ اور برق کے کوندے کی طرح اُٹھ کھڑا ہوا اور ایک نئے انداز سے پولاطس پر حملہ آور ہوا۔

اس کی تلوار اب برق کی طرح کوندے لپکانے، گھٹاؤں کی طرح امڈتے اور موسلا دھار بارش کی طرح برسنے لگی تھی۔ ایسا لگتا تھا عدیم کے انگ انگ میں زیر و بم کا ایک طوفان اور قدموں کے سامنے سرنگوں کر دینے والا جواں عزم بھر دیا گیا ہو۔ وہ اب ہلکے ہلکے دھیمے بدھم آوازوں میں اللہ اکبر کی آواز لگاتا ہوا حملہ آور ہو رہا تھا۔ لگتا تھا اس کے اندر آتشِ نفسی بھر دی گئی ہو اور اس کی شریانوں کے اندر خون کی آخری بوند بھی بھڑک اُٹھی ہو۔ اک صدائے مستانہ میں، اک رقصِ رندانہ میں پولاطس کے بھروسوں کے سارے محل وہ گرانے لگا تھا۔

عدیم نے ایسے تیز اور تند ٹکراؤ کا مظاہرہ کیا تھا کہ پولاطس نے اپنے جارحانہ حملوں کو فراموش کر کے اب اپنے آپ کو صرف اپنے دفاع تک محدود کر لیا تھا۔

اچانک جب دونوں کی تلواریں ایک بار زور سے آپس میں ٹکرائیں تو عدیم نے اپنی ڈھال اس زور سے پولاطس کی چھاتی پر ماری کہ پولاطس کئی بل کھاتا ہوا زمین پر گر گیا تھا۔ گرے ہوئے پولاطس پر تلوار گرا کر اپنے لیے فائدہ حاصل کرنے کے بجائے عدیم ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا اور پولاطس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

" پولاطس! پولاطس! اُٹھ اور پھر میرا مقابلہ کر اور دیکھ ہیوڈروم کے اس

میدان کے اندر میں کس طرح تیری نگاہوں کی منافقانہ تشنگی صاف کرتا ہوں۔

پولاطس! اُٹھ کہ میں تیری اینٹھی گردن سیدھی کروں، تیری ٹیڑھی تیوریاں ہموار کروں۔ تیری بصیرت کو اندھا کروں۔ تجھے تیرے اوہام کے بھنور سے نکالوں۔ تُونے مجھے دھوکہ دے کر گرانے کے بعد مجھ پر وار کر کے مجھے ختم کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں تجھے گرانے کے بعد پھر اُٹھنے کا موقع دے رہا ہوں۔ اُٹھ اور دیکھ میں کیسے تیری ذات کو جہنم سے زیادہ آتش ناک بناتا ہوں۔ تیرے وہموں کے پے در پے، تیری روح کے شعور و لاشعور پر ضربیں لگاتا ہوں۔"

پولاطس اُٹھ کھڑا ہُوا۔ عدیم نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔" پولاطس! سنبھل میں تم پر حملہ آور ہونے لگا ہوں۔ اب یہ مقابلہ زیادہ طویل نہ ہوگا۔ اب وقت آگیا ہے کہ میں تجھے تیری قسمت کی مار ماروں۔ تیری رگ رگ کو نچوڑوں۔ تیرے دل کی آلائشوں کو دھوؤں، تیری ہستی کو پامال اور تیری رُوح کی عشرت کو برباد کروں۔"

عدیم پھر پولاطس پر حملہ آور ہُوا۔ ایسے انداز میں گویا وہ اپنی ٹھوکر سے وقت کی بساط اُلٹنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ یا اس نے پولاطس کے اعمال کو چھین کر اور اس کے حوصلوں کو لوٹ کر موت کے اس میدان کو پولاطس کے لیے دھواں دھواں کر دینے کا عزم کر لیا ہو۔

پولاطس کی نگاہوں میں عدیم کے تیز حملوں کے سامنے اب اندوہ و غم اور زخمی تمناؤں کا طوفان برپا تھا۔

عدیم کے تیز طوفانی حملوں کو روکتے روکتے پولاطس خواب اور بیداری کی درمیانی حالت میں تھا کہ عدیم شام کی پھیلتی دُھند کی طرح اس پر غالب آیا۔ اس نے پولاطس کو ڈھال مارنا چاہی جو پولاطس نے اپنی ڈھال پر روک دی۔ ڈھال کی آڑ میں عدیم نے اپنی تلوار بھی برسا دی تھی۔

اس خطرناک وار کو پولاطس نے اپنی تلوار پر روکنا چاہا، پر عدیم کا وار ایسا تیز تھا کہ پولاطس اس جیسی تندی اور سرعت کا مظاہرہ نہ کر سکا اور عدیم کی تلوار پولاطس کے

بنت ہیں

پہلو پر گر کر اسے چیرتی چلی گئی تھی۔

پولاطس لہو لہان ہو کر میدان میں گر گیا تھا۔ کچھ جوان بھاگتے ہوئے میدان میں داخل ہوئے اور پولاطس کی لاش اُٹھا کر لے گئے تھے۔

میدان میں دو اور مسلح جوان نمودار ہوئے اور عدیم کو ہرکولیس (ہرقل) کی طرف لے گئے۔ عدیم شہ نشین کے پاس اس جگہ جا کھڑا ہوا جہاں ہرکولیس اور اس کا بھائی تھیوڈورو اپنی بیویوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔

ہرکولیس نے سنہری سِکوں سے بھری ایک تھیلی عدیم کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔" یہ تمہارا انعام ہے"۔

عدیم نے تھیلی اپنی بیٹی سے باندھ لی۔ ہرکولیس نے پھر کہا۔" تم نے تیغ زنی میں کیا خوب تربیت اور ریاضت کی ہے کہ اس نوعمری میں تم نے پولاطس جیسے گمانڈیل گلیڈی ایٹر کو لہو میں نہلا کر رکھ دیا ہے۔ پولاطس کو میں نے اپنے لشکر کے میسرہ کا کماندار مقرر کیا تھا۔ اب اس کی موت کے بعد میسرہ کے کماندار تم ہو گے۔

سنو! امن کی حالت میں تم ہیوڈروم کے اس میدان میں نئے گلیڈی ایٹروں اور میری افواج کے نئے کمانداروں کو عسکری تربیت کرو گے اور جنگ کی حالت میں تم میرے ساتھ میرے میسرہ کے کماندار ہوا کرو گے۔ کیا تم میری اس پیش کش کو قبول کرتے ہو؟"

عدیم نے کہا۔" میں آپ کی اس تقرری پر آپ کا احسانمند ہوں اور یقین دلاتا ہوں کہ امن اور جنگ دونوں حالتوں میں آپ کے اعتماد کو برقرار رکھوں گا۔"

ہرکولیس نے کہا۔" اور سنو! ہیوڈروم کے اس میدان کے اردگرد رہائشی عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔ ان ہی عمارتوں میں سے ایک میں تمہاری رہائش ہو گی۔"

پھر ہرکولیس نے اپنے چھوٹے بھائی تھیوڈورو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔" یہ میرا چھوٹا بھائی تھیوڈورو ہے۔ یہ تمہاری رہائش کے سارے انتظامات مکمل کر دے گا اور سنو! تمہارے لیے کھانا اور ضرورت کی ہر شے سرکاری مہمان خانے سے مہیا کی جائے گی۔

تمہارا کھانا ہر روز تمہاری رہائش گاہ پر پہنچانے کا بندوبست ہوگا۔"

عدیم نے کہا۔ "اے آقا! کیا ایسا ممکن نہیں کہ مَیں اپنے کھانے کا انتظام کردوں، کسی کو اپنے پاس ملازم رکھ لوں اور وہ یہ سارا کام میرے لیے انجام دے

ہرکولیس نے اپنے بھائی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تھیوڈورو! تم رہائش کا بندوبست کرو۔ ضرورت کی ہر شے اس کی رہائش گاہ میں ڈال دو اور لیے ایک خادم کا بھی انتظام کردو جو اس کے کھانے اور دیگر امور کا بھی خیال رکھے۔"

ہرکولیس اپنی بیوی کے ساتھ اُٹھ کھڑا ہوا۔ تھیوڈورو نے اپنی بیوی سے بھی جاؤ، مَیں کچھ کام نمٹا کر آؤں گا۔"

ہرکولیس، اس کی بیوی اور تھیوڈورو کی بیوی اس بگھی میں بیٹھ کر چلے گئے میں وہ آئے تھے۔ تھیوڈورو کے حکم پر ایک طبیب کو بلایا گیا اور اس نے عدیم کے پر جو معمولی سا زخم آیا تھا اس پر مرہم رکھ کر پٹی باندھ دی تھی۔

تھوڑی دیر بعد تھیوڈورو بھی عدیم کو لے کر میدان سے باہر نکلنے لگا۔ دروازہ کے قریب کسی نے تھیوڈورو کو آواز دی۔ تھیوڈورو نے اس کی طرف دیکھا پھر عدیم "تم ذرا رکو، میرے ایک جاننے والے نے آواز دی ہے۔ مَیں اس کی بات سن لوں ہوں۔"

تھیوڈورو کو گئے ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ ایک بوڑھی عورت ہانپتی اور بھاگتی ہوئی عدیم کے پاس آئی اور بڑی عاجزی کے ساتھ اس نے منت کرنے کے میں کہا۔ "رمینس! رمینس! اے مہربان جوان! اے میرے بیٹے! کیا تم میرا ایک کام

عدیم کچھ کہنے والا تھا کہ تھیوڈورو واپس آگیا اور اسے دیکھتے ہی وہ بوڑھی عورت وہاں سے بھاگ گئی۔ عدیم اسے دیکھتا رہ گیا اور وہ ہجوم میں گم ہوگئی تھی۔ تاہم وہ عدیم دل میں ایک جستجو، ایک خلش ڈال گئی تھی کہ وہ اس سے کیا کام لینا چاہتی تھی۔

ہرکولیس کا بھائی تھیوڈورو عدیم کو لے کر ہپوڈروم کے اردگرد بنی عمارتوں میں سے ایک میں داخل ہوا۔ وہ عمارت تین کمروں پر مشتمل تھی اور ایک کھلے صحن کے علاوہ اس میں طہارت خانے اور مطبخ کا علیحدہ انتظام تھا۔

عدیم کو وہ ساری عمارت دکھانے کے بعد تھیوڈورو نے کہا۔ "مَیں اب جاتا ہوں۔ تم یہیں رہو۔ تھوڑی دیر تک مَیں سپاہیوں کے ایک دستے کو یہاں بھیجتا ہوں۔ اپنے ساتھ وہ اس گھر کی ضرورت کے لیے ہر چیز لے کر آئیں گے اور ساری عمارت کی صفائی کر کے اور ہر شے کو قرینے سے لگا کر جائیں گے۔ ان کے ساتھ مَیں کسی ایسے خادم کا انتظام بھی کردوں گا جو یہاں گھر کی دیکھ بھال کے علاوہ تمہارے کھانے کا انتظام بھی کرے گا۔"

تھیوڈورو چلا گیا اور عدیم ایک بار پھر اس عمارت کا جائزہ لینے لگ گیا تھا۔ جو اس کی رہائش گاہ بنائی گئی تھی۔

کافی دیر بعد اس عمارت کے سامنے ایک بگھی آکر رکی۔ عدیم جب اپنی اس حویلی کے دروازے پر آیا تو اس نے دیکھا۔ دو گھوڑوں کی بگھی کے ساتھ دس تنومند جوان اور ایک پختہ وادھیڑ عمر کا شخص تھا۔

عدیم کو دیکھتے ہی وہ شخص اس کی طرف آیا اور کہا: "میرا نام ترسیس ہے۔ یونانی ہوں اور مجھے آپ کی خدمت پر مامور کیا گیا ہے۔ یہ جوان جو میرے ساتھ ہیں اس حویلی کی صفائی کرنے کے علاوہ اس بگھی میں جو سامان آیا ہے وہ سارا اُٹھا کر لگا دیں گے۔"

عدیم نے ترسیس کے ساتھ پُرجوش مصافحہ کرتے ہوئے کہا: "میں تمہیں خوش رکھنے کی کوشش کروں گا۔ یہاں تمہیں اپنے ہی گھر کا سا ماحول ملے گا۔ تم بگھی میں رکھا سامان اٹھوا کر اندر رکھوانے کے علاوہ حویلی کی صفائی کراؤ۔ میرا گھوڑا اور کچھ سامان سرائے میں ہے۔ وہ میں وہاں سے لے کر جلد ہی لوٹتا ہوں۔"

پھر عدیم نے چند سنہری سکے نکال کر ترسیس کو تھماتے ہوئے کہا: "یہ رکھو۔ حویلی کی صفائی کے علاوہ حویلی سے منسلک جو اصطبل ہے اس کی خوب اچھی طرح صفائی کرانا۔ میں نے دیکھا ہے اس میں کوڑے کرکٹ اور خشک لید کے ڈھیر پڑے ہوئے ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھیج کر میرے گھوڑے کے دانے چارے کا انتظام بھی کرا دینا۔"

ترسیس نے کہا: "آپ مطمئن ہو کر جائیں آپ کے آنے تک سارے کام ہو گئے ہوں گے۔" عدیم مطمئن اور پُرسکون سا ہو کر سرائے کی طرف چلا گیا تھا۔

○

اپنے گھوڑے پر سوار عدیم جب اپنی حویلی کے سامنے رکا تو اس نے دیکھا وہاں کھڑی بگھی جا چکی تھی۔ جب وہ اپنے گھوڑے سے اُتر رہا تھا تو اندر سے ترسیس تیز تیز چلتا ہوا آیا اور عدیم کے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے اس نے کہا۔

"اے آقا! ساری حویلی کی صفائی ہو گئی ہے اور وہ جوان واپس چلے گئے ہیں۔ میں نے آپ کے لیے کھانا بھی تیار کر دیا ہے۔ آپ اندر جا کر حویلی کا جائزہ لیں۔ میں آپ کے گھوڑے کو اصطبل میں لے جاتا ہوں۔ وہاں میں نے ہرے اور خشک چارے کے دانے کا انتظام بھی کر رکھا ہے۔ میں بڑی عمر کا ضرور ہوں لیکن آپ کو خوش رکھنے کی کوشش کروں گا۔ تھیوڈورو کی بڑی منت محتاجی کرنے کے بعد آپ کے ہاں یہ

مجھے ملی ہے۔"

عدیم غیر معمولی طور پر سنجیدہ ہو گیا۔ پھر اس نے کہا: "سنو ترسیس! تم عمر میں میرے باپ سے بھی بڑے ہو۔ لہٰذا تم میرے باپ کی جگہ ہو۔ تم مجھے آقا کہہ کر نہ پکارو گے۔ میرا نام عدیم ہے۔ تم میرا نام لے کر یا مجھے بیٹا کہہ کر پکار سکتے ہو۔ آئندہ جب بھی میں آؤں تو تم کبھی یوں حویلی سے باہر نکل کر میرے گھوڑے کو اصطبل لے جانے کے لیے اس کی باگ نہ پکڑنا۔ میں خود گھوڑے کو اصطبل لے کر جایا کروں گا۔ بس تم اس حویلی کی دیکھ بھال کے علاوہ میرا کھانا تیار کر دیا کرنا۔ یہ بھی تمہارا مجھ پر بہت بڑا احسان ہو گا۔ اب یہ کہو تم کہاں رہتے ہو اور تمہارے گھر کے دیگر افراد کتنے ہیں؟"

ترسیس اداس سا ہو گیا اور کہا: "میرا کوئی بہن بھائی نہیں۔ شادی میں نے کی ہی نہیں کہ کوئی بیوی بچے ہوتے۔ زندگی کا بیشتر حصہ میں نے غلامی میں گزارا۔ پھر ایک مہربان نے میرے آقا کو بھاری رقم دے کر مجھے آزاد کرا دیا۔ تاہم اس شہر میں تین ہستیاں ایسی ہیں جو اپنی حفاظت اور دیگر امور میں مجھ سے وابستہ ہیں۔"

عدیم نے ترسیس کی اس رازدارانہ گفتگو پر چونکتے ہوئے پوچھا: "وہ تین ہستیاں کون ہیں جو اپنی حفاظت اور دیگر امور میں تم سے وابستہ ہیں۔ تم انہیں بھی یہاں کیوں نہیں لے آتے۔ میں ان کی حفاظت اور ان کے سب امور کی نگرانی کروں گا۔"

ترسیس نے کہا: "میں سمجھتا ہوں ابھی ایسے امور کے حل کا صحیح وقت نہیں آیا۔ عدیم! تم اندر آ بیٹھیے! اور کھانا کھاؤ۔ میں وعدہ کرتا ہوں کسی مناسب وقت اور سازگار حالات میں اپنے سارے حالات و واقعات میں تفصیل سے کہہ دوں گا۔"

عدیم نے ایک بار تیز نگاہوں سے ترسیس کی طرف دیکھا پھر وہ حویلی میں داخل ہوا۔ پہلے اصطبل میں آیا۔ اس نے دیکھا اصطبل کو خوب صاف کر دیا گیا تھا اور وہاں کھرلی کی ناند کے پاس دو بوریاں پڑی تھیں ایک میں چنوں کا ملا ہوا چارہ اور دوسری میں ایک کترا ہوا بھس تھا۔ قریب ہی کترا ہوا ہرا چارہ بھی رکھا تھا۔

عدیم نے گھوڑے کی زین، دہانہ اتار کر ایک طرف رکھ دیئے اور تینوں چادریں

کو ملا کر اس کے آگے ڈال دیا۔ پھر وہ حویلی کے اندر آیا۔ حویلی کو خوب دھو کر صاف کیا گیا تھا اور کمبھی میں آنے والی ہر چیز قرینے سے لگا دی گئی تھی۔

جس کمرے کو دیوان خانہ بنایا گیا تھا۔ جب عدیم اس میں آیا تو ترسیس کھانا لے آیا اور عدیم سے کہا "تم پہلے کھانا کھاؤ بیٹے! پھر آرام کرو۔ شاید تمہارا زخم بھی تمہارے لیے تکلیف دہ ہوگا۔"

عدیم نے کہا۔ "میرا زخم تو میرے لیے کسی تکلیف کا باعث نہیں۔ یہ معمولی نوعیت کا ہے اور دو ایک روز میں ٹھیک ہو جائے گا۔ تم مجھے کھانا کھانے کو کہتے ہو تم خود نہ کھاؤ گے۔"

ترسیس نے کہا۔ "تم کھا لو بیٹے! میں بعد میں کھا لوں گا۔"

عدیم نے بڑی ہمدردی سے کہا۔ "تمہاری حیثیت اس حویلی میں ایک غلام کی نہیں گھر کے ایک فرد کی سی ہے۔ تم میرے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاؤ گے۔"

احسانمندی کی حالت میں ترسیس بے چارہ کچھ نہ کہہ سکا۔ تاہم اس کی آنکھوں میں عدیم کے لیے گہری محبت اور شفقت کے جذبے تھے۔ پھر وہ دونوں اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔

○

گو ایرانیوں سے جنگ کرتے کرتے رومیوں کے وسائل ایک ایک کر کے تقریباً ختم ہو چکے تھے لیکن بحری طاقت ابھی ان کے پاس تھی۔ اسی بحری قوت کو ہرکولیس نے اپنے آخری حربے کے طور پر استعمال کیا۔

اپنے بحری بیڑے کے ذریعے ہرقل اپنے لشکر کو مشرقی ساحلوں کی طرف لایا۔ خشکی پر ابسوس کے مقام پر اس نے اپنے عساکر کو منظم کیا۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں دارا اور سکندر اعظم ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئے تھے۔

ہرکولیس نے اپنے لشکر کو چار برابر حصوں میں تقسیم کیا۔ لشکر کا قلب اس نے اپنے پاس رکھا۔ عدیم کو میسرہ اور اپنے بھائی تھیوڈورو کو میمنہ کا کماندار بنایا۔ جب کہ ایک عرب جرنیل فردہ بن عمرو الجذامی کو مقدمۃ الجیش کا کماندار بنایا گیا۔ ہرکولیس کا یہ مقدمۃ الجیش سارے کا سارا ان عربوں پر مشتمل تھا جو شام کی سرزمین میں آباد تھے۔

خسرو پرویز کو ہرکولیس کی اس پیش قدمی کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے بہترین جرنیل شہرزاز کو ایک زبردست اور جرار لشکر دے کر مقابلے کے لیے روانہ کیا۔ آرمینیا کی سرحد پہ دونوں لشکروں کا ایک دوسرے سے آمنا سامنا ہوا اور ہولناک جنگ کی ابتدا ہو گئی۔

ایرانی جرنیل شہرزاز کو اس جنگ میں ذلت آمیز شکست ہوئی جب کہ قیصرِ روم ماریس کے بعد رومنوں کو پہلی بار ہرکولیس کی سرکردگی میں ایرانیوں کے خلاف فتح نصیب ہوئی۔ اس فتح پر قیصرِ روم ہرکولیس کی خوشی اور مسرت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ چونکہ برف باری کا موسم شروع ہو گیا۔ لہٰذا دشمن کو شکست دے کر مزید پیش قدمی کرنے کے بجائے اس نے اپنے لشکر کو آرام کرنے کا موقع دیا۔

خسرو پرویز کو جب اس شکست کی اطلاع ہوئی تو وہ بڑا اسٹپٹایا۔ وہ جانتا تھا کہ رومن اپنی فتح کے بعد اس کے علاقوں کی طرف مزید پیش قدمی کریں گے۔ لہٰذا اس نے بڑے پیمانے پر جنگی تیاریوں کا سلسلہ شروع کیا۔ خسرو کی خوش قسمتی کہ ان دنوں اس کے ہاتھ دو بڑے خزانے لگ گئے جن کی وجہ سے اسے جنگی تیاریاں کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔

پہلا خزانہ ہرکولیس کا تھا جو اس کے ہاتھ لگا۔ رومیوں کی پے در پے شکستوں کے بعد ہرکولیس نے جب قسطنطنیہ سے شمالی افریقہ کی طرف بھاگنے کا ارادہ کیا تو اس نے اپنا خزانہ کشتیوں میں بھر کر حبشہ کی طرف بھیجنا چاہا۔ اس خزانے میں سونا، چاندی، جواہرات، مروارید، یاقوت اور رگوناں گوں دیبائیں شامل تھیں۔ اتفاق سے تیز اور تند ہوائیں چلیں، سمندر میں طوفان اُٹھ کھڑے ہوئے اور یہ خزانہ بہتا ہوا خلیج فارس کے ساحل پر آ لگا۔ خسرو نے اس پر قبضہ کر لیا اور اس کا نام اس نے گنج باد آورد رکھا۔

دوسرا خزانہ خسرو پرویز کے ہاتھ اس طرح لگا کہ ایک کسان اپنے کھیت میں

ہل چلا رہا تھا کہ اتفاقاً ہل کی نوک ایک مٹکے کے دستے میں اُلجھ گئی اور مٹکا باہر نکل آیا۔ مٹکا سنہری اشرفیوں سے بھرا ہُوا تھا۔

اس کسان نے خسرو پرویز کے پاس حاضر ہو کر ساری سرگزشت بیان کی۔ خسرو پرویز نے اپنے لشکر کے ایک حصّے کو اس کام پر لگایا اور حکم دیا کہ سارے کھیت کو کھودا جائے اور جو کچھ نکلے اس کے سامنے پیش کیا جائے۔ اس کھیت کے کھودنے سے سونے چاندی اور جواہرات سے بھرے ہوئے سَو مٹکے برآمد ہوئے۔

یہ وہ خزانہ تھا جو سکندرِ اعظم نے زمین میں دفن کر رکھا تھا اور سنہری سکوں پر سکندرِ اعظم کے نام کی مہریں بھی لگی ہوئی تھیں۔ خسرو پرویز نے ایک مٹکا انعام کے طور پر اس کسان کو دیا جس کے کھیت سے خزانہ برآمد ہُوا تھا اور باقی مٹکے گنج گاؤ کے نام سے اپنے پاس محفوظ کر لیے۔

بہر حال ان خزانوں سے مل جانے سے خسرو کو جنگی تیاریاں کرنے میں کوئی دِقّت پیش نہ آئی۔ جنگی تیاریاں مکمّل کرنے کے بعد اس نے اپنے کُل لشکر کے تین حصّے کیے۔ ایک لشکر وہ خود لے کر آذربائیجان میں آ کر تقسیم ہو گیا۔ دوسرا لشکر شہر براز کی سرکردگی میں تھا اور اس نے آرمینیا میں پڑاؤ کیا۔ تیسرا لشکر ایران کے نامور جرنیل شاہین کی کمانداری میں تھا اور اس کے لشکر کو محفوظ حصّے کے طور پر مدائن میں رکھا گیا تاکہ ضرورت کے وقت اسے بھی میدانِ جنگ کی طرف بُلا لیا جائے۔

○

جب برف باری کا دَور گزر گیا اور سردی کا زور کم ہُوا تو ہرکولیس پھر حرکت میں آیا۔ اپنے کُل لشکر کو اس نے بحری جہازوں میں سوار کیا اور لازیکا کے ساحل پر آ کر لنگر انداز ہوا۔ اپنے بحری بیڑے کو ہرکولیس نے وہیں رہنے دیا اور اپنے لشکر کے ساتھ اس نے آرمینیا کی طرف پیش قدمی کی۔

ہرکولیس کی اس ترکتاز کو روکنے کے لیے خسرو پرویز نے دوطرفہ حملے کی تجویز کی۔ آرمینیا کی طرف سے اس نے شہر براز کو آگے بڑھنے کا حکم دیا جب کہ خود خسرو پرویز

چالیس ہزار کے لشکر کو لے کر آذربائیجان سے ہرکولیس کی طرف بڑھا۔ ہرکولیس کو بھی اس کے جاسوس پل پل کی خبریں دے رہے تھے۔ لہٰذا اس نے بھی اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔

ہرکولیس اپنے بھائی تھیوڈورو کے ساتھ خسرو پرویز کی طرف بڑھا جب کہ عدیم کو میسرہ اور عرب جرنیل فروہ بن عَمرہ الجذامی کو ہراول کے ساتھ ایرانی جرنیل شہر براز کی سرکوبی کو روانہ کیا۔

عدیم اور فروہ نے شہر براز کو آرمینیا سے قریب جا لیا۔ شہر براز کے لشکر کی تعداد عدیم اور فروہ سے دُگنی تھی لیکن یہاں ان دونوں عرب جرنیلوں نے اپنی بہترین عسکری مہارت کا مظاہرہ کیا۔ دونوں نے آپس میں صلاح مشورہ کیا اور اپنے اپنے لشکر کو لے کر علیحدہ ہو گئے۔ پھر انہوں نے بیک وقت شہر براز کے لشکر پر دائیں بائیں سے حملہ کر دیا۔

دائیں طرف سے عدیم رات کی خاموشی میں اچانک اُٹھ کھڑے ہونے والے طوفان کی طرح شہر براز پر حملہ آور ہُوا۔ اس کا حملہ ایسا پُراز حدت اور شوریدہ تھا کہ وہ ایرانیوں سے ان کی زندگی کی آخری رمق، روح کی آخری ہچکی، اپنی ذات کی آشنائی اور ماضی کے سارے وقار کو چھیننے لگا تھا۔

شہر براز جیسا جرنیل جو مکاری کو ذہانت، بکواس کو علم، کمزوری کو نرم دِلی، بُزدلی کو بے نیازی جاننے والا جرنیل تھا۔ عدیم کے اس چنگھاڑتے طوفانوں جیسے حملے دیکھ کر اپنے وقت کے انجام کا بدترین نوشتہ دیکھ رہا تھا۔ اس کے لشکر میں عدیم کے حملہ آور ہونے سے تیز آہوں، اَلمناک چیخوں، کربِ مسلسل کا بے پایاں خروش اور تاریک وسوسوں کا ایک طوفان سا اُٹھ کھڑا ہُوا تھا۔

ایرانی اپنے ننگ و ذلّت کے شبستانوں میں سنسان ٹیلوں، بنجر زمین اور سوختہ لاشوں کی طرح ہو گئے تھے۔ دوسری طرف سے فروہ نے بھی خونناب تقدیر کا کھیل ان کے اندر شروع کر دیا تھا۔ فروہ تہور کے ترانے گاتا، ناوک و تیغ و علم سے ایرانیوں کی حالت

ٹوٹے خوابوں کی کرچیوں جیسی کرنے لگا تھا۔

عدیم اور فروہ نے ایرانی لاشوں کے ڈھیر لگا دیے تھے۔ ایرانیوں کی ساری روش کو انہوں نے پامال کر کے رکھ دیا تھا۔ شہر براز زیادہ دیر تک عدیم اور فروہ کا مقابلہ نہ کر سکا اور اپنے کچھ مخصوص ساتھیوں کے ساتھ میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔

دوسری طرف ہرکولیس اور اس کے بھائی تھیوڈورو نے خسرو پرویز کو جا لیا۔ دونوں بھائیوں نے مِل کر خسرو پرویز پر ایسا خوفناک حملہ کیا کہ خسرو پرویز کو بُری طرح شکست ہوئی اور وہ میدان سے اپنے بچے کھچے لشکر کے ساتھ کوہستان زاگروس کے اندر جا چھپا۔

خسرو پرویز اور شہر زاز کی اس شکست سے ہرکولیس کے حوصلے اور بلند ہو گئے اس نے اپنے چاروں ذیلی لشکروں کو متحد کیا اور ایرانی علاقوں کے اندر اس نے تباہی مچا دی متعدد دیہات اور شہروں کو تباہ کرتا ہوا وہ آگے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے زرتشت کے مولد ارومیہ[1] شہر کو لوٹ کر نذرِ آتش کر دیا۔ یہاں تک کہ ہرکولیس نے ایران کے سب سے قدیم اور مقدس آذر گشتاسپ[2] کے آتش کدے کو گرا کر مسمار کر دیا اور وہاں جلتی ان کی مقدس آگ بجھا دی۔

اب پھر سرما کی سردی اور برف باری کا موسم آ گیا تھا۔ لہٰذا ہرکولیس نے اپنے لشکر کو آرام دینے اور برف باری سے بچنے کی خاطر البانیا کی طرف لے آیا اور وہاں وادیٔ کور میں اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن ہو گیا۔

---

[1] اہلِ ایران چونکہ زرتشت کو پیغمبر مانتے تھے اور ان کا سرکاری مذہب بھی زرتشتی تھا۔ لہٰذا ارومیہ کی تباہی ان کے لیے دکھ کا باعث تھی

[2] یہ آتش کدہ آذربائیجان کے شہر گنجک (شیز) میں تھا۔ بقول ولیم جیکسن یہ اس جگہ واقع تھا جہاں تختِ سلیمان کے کھنڈرات تھے (دور ارومیہ اور ہمدان کے درمیان پڑتا تھا۔ ایرانی بادشاہ پر اگر کوئی افتاد پڑتی تو یہیں آ کر چڑھاوے چڑھاتے اور دعائیں مانگتے تھے۔ خسرو پرویز کو بھی جب بہرام چوبین کے خلاف فتح ہوئی تو اس (باقی صفحہ ۱۵۵ پر)

ان جنگوں میں خسرو پرویز کے خلاف لگاتار فتوحات حاصل کرنے سے ہرکولیس نے نے ایک طرح سے روما کا گرتا ہوا وقار پھر بحال کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ ان جنگوں میں ہرکولیس کو سونے چاندی، غلّہ اناج اور دیگر قیمتی اشیاء کے انبار بھی ہاتھ لگے جن کی وجہ سے اس نے اپنی مالی حالت کو بھی خوب استوار کر لیا تھا۔

اپنے لشکریوں کی دل جوئی کی خاطر وادیٔ کور میں قیام کے دوران ہرکولیس نے عدیم فروہ اور تھیوڈورو سے کہا کہ وہ اپنے اپنے لشکر میں دس دس ایسے جوان لائیں جنہوں نے جنگ کے دوران نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہو۔

عدیم، فروہ اور تھیوڈورو اپنے دس دس جوانوں کے ساتھ ہرکولیس کے محل نما خیمے میں آئے۔ فروہ جو جوان اپنے ساتھ لایا تھا ان میں یوعام بھی شامل تھا اور تھیوڈورو جن جوانوں کو اپنے ساتھ لایا تھا ان میں ترمید بھی شامل تھا۔

فروہ جنہیں اپنے ساتھ لایا تھا۔ ان میں سب سے زیادہ اس نے یوعام کی تعریف کی لہٰذا ہرکولیس نے یوعام کو اپنے ہراول کا نائب کمانداز مقرر کر دیا تھا۔ دیگر سب کو ہرکولیس نے نقدی کی ایک ایک تھیلی کے علاوہ انہیں ایک ایک ہزار جوانوں کا کماندار بھی مقرر کیا۔ عدیم، فروہ، تھیوڈورو اور یوعام کو نقدی کی بڑی بڑی اور دو دو تھیلیاں دی گئیں۔

اس موقع پر عدیم اپنی نشست پر کھڑا ہوا اور ہرکولیس سے اس نے کہا۔ "اے آقا! اس موقع پر میری آپ سے ایک التماس ہے۔"

ہرکولیس نے خوش طبعی میں کہا۔ "بلا جھجک کہو دوستو! قسم یسوع مسیح کی، تمہاری اور فروہ کی کارگزاری اس جنگ میں مجھ سے اور تھیوڈورو سے بھی اچھی رہی ہے میں تم دونوں کی کوئی بات رد نہیں کر سکتا۔ تم کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔"

عدیم نے ترمید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تھیوڈورو کے ساتھ کام کرنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۴) نے اس آتش کدے میں سونے چاندی کے تحائف چڑھائے تھے۔

والے اس جوان کو میرے لشکر میں شامل کر دیا جائے۔ یہ میرا پرانا جاننے والا ہے اور میرے ساتھ یہ اپنی کارکردگی کو اور زیادہ نمایاں اور بہتر بنا سکے گا اور پھر میرے اس کے گھریلو تعلق بھی ہیں اور جنگ کے دوران اوروں کی نسبت میں اس سے بہتر طور پہ کام لے سکوں گا۔"

ہرکولیس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اس جوان کو تمہارے لشکر میں شامل کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کہو۔"

عدیم نے پُرسکون ہو کر اپنی نشست پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "بس میں آپ کا ممنون ہوں۔"

ہرکولیس پھر کہا۔ "اب تم سب لوگ اپنے اپنے خیموں میں جاؤ اور اپنے اپنے لشکریوں کو جا کر یہ خوشخبری سناؤ کہ آج شام سے پہلے پہلے ہمارے ہاتھ لگنے والے دشمن کے اموال میں سے ان کا حصّہ ان میں تقسیم کر دیا جائے گا۔" سب اُٹھے اور ہرکولیس کے اس خیمے سے باہر نکل گئے تھے۔

ہرکولیس کے خیمے سے نکل کر ترمید نے عدیم کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔ "رمینس! رمینس! میں تو یہی سمجھا تھا کہ آپ بس قسطنطنیہ میں ہپوڈروم کے مقابلوں میں حصّہ لے کر بس ایک گلیڈی ایٹر ہی کی حیثیت سے نام پیدا کریں گے۔ میرے دل میں تو یہ گمان بھی نہ تھا کہ آپ ایسی عمدہ کارگزاری کا مظاہرہ کریں گے کہ جس سے خوش ہو کر ہرکولیس آپ کو اپنے میسرہ کا جرنیل بنا دے گا۔

میں رمیتا کو صیدا کی خانقاہ میں چھوڑ کر سیدھا ادھر آگیا تھا۔ میرے آنے سے قبل ہی شاید آپ کا میسرہ کے کماندار کی حیثیت سے تقرر ہو چکا تھا۔ میرا خیال تھا کہ میں ہپوڈروم میں گلیڈی ایٹروں کے مقابلوں کے دوران آپ سے مل لوں گا لیکن افسوس میں آپ سے مل نہ سکا۔ آپ کے بابا اندریاس صیدا کی خانقاہ میں بخیریت اور خوش تھے تاہم وہ آپ کو بہت یاد کرتے تھے۔"

عدیم نے کہا۔ "قسطنطنیہ میں داخل ہو کر میں قسطنطنیہ کے سب سے بڑے گلیڈی ایٹر کو زیر کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ لہٰذا مجھے میسرہ کا کماندار بنا دیا گیا۔ ہپوڈروم

کے قریب ہی مجھے رہنے کو ایک بہترین حویلی بھی مل گئی۔ اب تم بھی میرے ساتھ اس حویلی میں رہو گے۔"

ترمید نے فوراً کہا۔ "اے امیر! آپ بُرا نہ مانیے گا۔ آپ میسرہ کے سالار ہیں اور میں ایک عام سپاہی۔ میرا آپ کے ساتھ رہنا معیوب ہے۔ اس طرح لشکر میں نظم اور ضبط اثر انداز ہوتا ہے۔ میں اپنے دیگر لشکریوں کے ساتھ مستقر ہیں ہی رہوں گا۔ ویسے میں آپ سے ملتا رہا کروں گا۔ خدا کی قسم اگر میرا سگا بھائی بھی آپ کی جگہ ہوتا تو میں اس کے ساتھ بھی نہ رہتا۔"

پھر ترمید نے شاید بات کا رُخ بدلنے کی خاطر کہا۔ "میں آپ سے ایک خوش خبری نہ کہوں؟"

عدیم نے کہا۔ "کہو۔"

ترمید نے کہا۔ "بنو غسان کا ایک بدّو ہمارے مقدمۃ الجیش فروہ بن عمرہ کے پاس یہ خبر لایا تھا کہ مسلمانوں نے نبی اکرم حضرت محمّد صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکردگی میں بدر کے مقام پر اہلِ مکّہ کو عبرت ناک شکست دی ہے۔ جب کہ اہل مکّہ تعداد میں مسلمانوں سے تین گنا تھے۔"

کچھ کہنے کے بجائے عدیم وہیں سجدے میں گر گیا۔ پھر وہ سجدۂ شکر بجالانے کے بعد اُٹھا اور ترمید سے اس نے کہا۔ "اے میرے مسلمان بھائی! خدا کی قسم! اللہ بزرگ و برتر کا اپنے رسولؐ سے یہ وعدہ پورا ہوا کہ رومی مغلوبیت کے چند سال کے اندر اندر غالب آئیں گے اور یہ کہ جب اللہ کی بخشی ہوئی فتح پر مسلمان خوشیاں منائیں گے۔ آج اللہ نے اس وعدہ کے مطابق خسرو پرویز کو شکست دے کر رومی غالب آگئے اور اہلِ مکّہ کے خلاف مسلمانوں کو فتح مند کر کے خداوند کریم نے مسلمانوں کو خوش کر دیا۔ واللہ! ان دو واقعات نے میرے ایمان کو اور زیادہ پختہ کر دیا ہے۔"

ترمید نے کہا۔ "اور سنیں امیر! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبِ غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک کافر نے سو اونٹوں کی شرط باندھی تھی۔ کہ

ان آیات میں رومیوں اور مسلمانوں کے لیے کہی جانے والی پیش گوئیاں پوری نہ ہوں گی اب جب کہ اللہ کی طرف سے یہ دونوں پیش گوئیاں پوری ہوگئی ہیں تو بنو غسان کی سے آنے والا وہ بدّو فردہ بن عمرو سے کہہ رہا تھا کہ ابوبکر صدیقؓ نے یہ سو اونٹ لیے اور یہ سو اونٹ اپنے تصرّف میں لانے کے بجائے سارے کے سارے خدا کی راہ میں دے دیئے۔"

عدیم نے تنبیہہ کرنے کے انداز میں کہا۔" ترمید! ترمید! کسی پر ظاہر نہ کرنا کہ ہم مسلمان ہیں۔ میں نے ہرکولیس کے لشکر میں رہ کر اندازہ لگا ہے کہ یہ لوگ مسلمانوں کے سخت خلاف ہیں۔ اور اگر انہیں کبھی خبر ہوگئی کہ میں اور تم مسلمان ہیں تو یہ میری اور تمہاری ساری خدمات کو پس پشت ڈال کر ہم دونوں کو مصلوب کر کے رکھ دیں گے" سامنے کی طرف سے کچھ سپاہی آرہے تھے لہذا عدیم خاموش ہوگیا۔ پھر وہ دونوں وہاں سے اس طرف بڑھ رہے تھے۔ جہاں عدیم کا خیمہ نصب تھا۔

⊙

خسرو پرویز کوہستان زاگروس کی پناہ گاہوں سے نکل کر مدائن واپس آیا۔ ہنگامی طور پر اس نے ایک لشکر تیار کیا اور یہ لشکر شہرِبراز کو دے کر اس نے قسطنطنیہ کی طرف روانہ کیا اور خود وہ اپنے دوسرے جرنیل شاہین کے ساتھ مل کر طوفانی انداز میں اپنی جنگی تیاریوں میں مصروف ہوگیا۔

شہرِبراز اپنے لشکر کو لے کر ابانا کی اس وادی کور کی طرف روانہ ہوا جہاں ہرکولیس نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیے ہوئے تھا۔ ایک مختصر سی جنگ میں شہرِبراز کو شکست ہوئی۔ حالانکہ ایرانی جرنیل شہرِبراز کسی دور میں ایک ناقابلِ تسخیر جرنیل سمجھا جاتا تھا۔ شکست کھانے کے بعد شہرِبراز دریائے فرات کی طرف پیچھے ہٹ گیا۔ اس دوران مدائن سے کمک کے طور پر ایک اور لشکر بھی اس سے آملا اور اس کی قوت میں خاطر خواہ اضافہ ہوگیا۔

ہرکولیس کے حوصلے اب بلند ہوگئے تھے۔ شہرِبراز کو دریائے فرات کی طرف

کرنے کے بعد اس نے بڑی تیزی کے ساتھ اپنی ترکتاز کا آغاز کیا۔ اب اس نے ایرانی سلطنت میں گھس کر ایک طوفان کھڑا کرنے کا عزم کر لیا تھا۔

پہلے وہ ارزنابین شہر کے پاس نمودار ہوا اور کسی مزاحمت کے بغیر اس نے شہر فتح کر لیا۔ اس کے بعد اس نے چھوٹی چھوٹی جھڑپوں میں آمدہ (دیار بکر) اور مٹیروپولس (میافارقین) پر بھی قبضہ کر کے اپنے انتظام میں لے لیا۔

شہرِبراز اس وقت اپنی عسکری قوت مضبوط کرنے کے بعد دریائے فرات کے کنارے خیمہ زن تھا۔ ہرکولیس بھی ایک وسیع علاقے کو اپنے زیرِ تسلّط کرتا ہوا آگے بڑھا اور دریائے فرات کو عبور کرنے کے بعد اس نے کیلیکیا پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس شہر کی مہم سے ہرکولیس فارغ ہوا ہی تھا کہ اسے شہرِبراز کے آنے کی اطلاع ملی لہذا وہ سارس کے میدانوں میں خیمہ زن ہوا۔

شام کے قریب شہرِبراز بھی ان میدانوں میں داخل ہوا اور ہرکولیس کے سامنے اس نے اپنے لشکر کا پڑاؤ کیا۔ شاید دونوں لشکر سارس کے ان میدانوں کو رزم گاہ بنانے کا عزم کر چکے تھے۔

سارس کے میدانوں میں رومیوں اور ایرانیوں کے درمیان خونریز مقابلہ ہوا۔ خسرو پرویز دور رہ کر اس جنگ کے نتائج کا انتظار کرتا رہا۔ ہرکولیس، عدیم، فردہ اور تھیوڈور نے شہرِبراز کے لشکر کو چاروں طرف سے گھیر کر اس کا قتلِ عام شروع کر دیا تھا۔ شہرِبراز نے انتہائی کوشش کی کہ کسی طرح وہ رومیوں پر فتح حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے لیکن اس کی کوئی بھی تدبیر کارگر ثابت نہ ہوئی۔ آخر کار سارس کے ان میدانوں میں شہرِبراز کو ذلت آمیز شکست ہوئی اور وہ بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر بھاگا۔

جب وہ خسرو پرویز کے پاس پہنچا تو اس کی شکست کی وجہ سے خسرو پرویز نے پہلے تو اسے مروا دینا چاہا لیکن اس کے لشکری چونکہ شہرِبراز کو پسند کرتے تھے لہذا اسے خوف ہوا کہ کہیں وہ بغاوت ہی نہ کر دیں۔ لہذا اسے قتل کرا دینے کے بجائے اسے لشکر سے علیحدہ کر دیا۔

خسرو پرویز کو فتوحات کا پانسہ رومنوں کے حق میں پلٹ جانے کا سخت قلق تھا
وہ اب بھی مایوس نہ تھا۔ اس نے اپنی سلطنت کے تمام ذرائع کو جنگ کی تیاریوں میں جھونک
کر رکھ دیا اور اپنے تمام وسائل سے کام لے کر انتہائی بڑے پیمانے پر رومنوں پر ضرب لگانے
کا فیصلہ کیا۔

اس مقصد کے لیے خسرو پرویز نے دو لشکر تیار کیے۔ ایک لشکر اپنے نامور جرنیل شاہین
کی سرکردگی میں اس نے براہ راست قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کو روانہ کیا اور دوسرے لشکر کے
ساتھ وہ خود اس طرف بڑھا جدھر ہرکولیس اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن تھا۔

ہرکولیس کو بھی خسرو پرویز اور اس کے جرنیل شاہین کی پیش قدمی کی خبر ہو گئی تھی
لہٰذا اس نے بھی بڑی سرعت اور تیزی سے ان کا سدباب کیا۔ ہرکولیس نے اپنے لشکر کے دو
حصے کیے۔ ایک حصہ جس میں میسرہ اور مقدمۃ الجیش تھے عدیم اور فروہ کی سرکردگی میں خسرو
پرویز کا مقابلہ کرنے کو روانہ کیا اور خود ہرکولیس لشکر کے قلب اور میمنہ کو لے کر اپنے بھائی
تھیوڈورس کے ساتھ قسطنطنیہ کی طرف بڑھا تاکہ شاہین سے شہر کا دفاع کر سکے۔ ایسا لگتا
تھا گویا قدرت ایرانیوں سے خفا ہو چکی تھی۔ کیونکہ خسرو پرویز کی کوئی تجویز کوئی تدبیر
اور جنگی مہارت اب ہرکولیس کے مقابلے میں کامیاب نہ ہو رہی تھی۔

آرمینیا کے نواح میں ہرکولیس اور اس کے بھائی تھیوڈورس نے ایرانی جرنیل
شاہین کو ذلت آمیز شکست دی۔ شاہین اپنی ایسی بھیانک شکست کو برداشت نہ
کر سکا اور خودکشی کر لی۔

خسرو پرویز نے اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ قسطنطنیہ شہر کی طرف پیش قدمی
کی لیکن راستے ہی میں اس کی مڈبھیڑ عدیم اور فروہ سے ہوئی اور دونوں نے اپنے میسرہ
اور مقدمۃ الجیش کے ساتھ خسرو پرویز کو شکست دی۔ اس شکست پر خسرو پرویز بڑا
شرمندہ ہوا اور شکست کے بعد اپنے بچے کھچے لشکر کے ساتھ بھاگ کر اپنے دارالسلطنت
مدائن جانے کے بجائے دستگرد کے قلعہ میں جا کر مقیم ہو گیا۔

دستگرد کا یہ قلعہ مدائن سے ستر میل کے فاصلے پر تھا اور مضبوطی کے لحاظ سے

اور تمام قلعوں پر فوقیت رکھتا تھا۔ یہاں خسرو پرویز نے پھر جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔
اپنے سارے منتشر عساکر کو اس نے جمع کیا اور نئے جوانوں کو تربیت دے کر اپنے
لشکر میں شامل کر لیا اور عددی لحاظ سے اس نے اپنی قوت پہلے کی نسبت زیادہ کر لی۔

شاہین کی موت اور شہرزاز کی معطلی کے بعد اس نے اپنے لشکر میں نئے جرنیل
مقرر کیے۔ اس کی اب ایک ہی خواہش تھی کہ کسی نہ کسی طرح وہ رومنوں کو شکست دے کر
ایران کے اندر اپنے پرانے وقار کو بحال کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ دوسری طرف ہرکولیس
کو بھی خبر ہو گئی تھی کہ خسرو پرویز دستگرد میں جنگی تیاریوں میں مصروف ہے لہٰذا اس
نے بھی دستگرد کی طرف پیش قدمی شروع کر دی تھی۔

خسرو پرویز کو جب خبر ہوئی کہ ہرکولیس اس کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے تو
اس نے اپنے ایک جرنیل کو ایک جرار لشکر دے کر ہرکولیس کی اس پیش قدمی کو روکنے
کے لیے روانہ کیا۔

نینوا کے مقام پر دونوں عساکر میں گھمسان کی جنگ ہوئی جس میں ایرانی
سپہ سالار بہادری سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ ایرانیوں کو ایک بار پھر شکست ہوئی اور بچا
کھچا لشکر بھاگ کر خسرو پرویز کے پاس دستگرد آیا۔ جب کہ ہرکولیس نے پھر دستگرد
کی طرف بڑھنا شروع کر دیا تھا۔

ان حالات میں خسرو پرویز نے شاید آخری بار اپنی قسمت آزمانے کی خاطر دستگرد
کے قلعے سے نکل کر برازرود نام کی ایک گہری ندی کے کنارے اپنے لشکر کو آراستہ کیا۔
ہرکولیس بھی اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچ گیا لیکن خسرو پرویز کی بدقسمتی کہ اسے پھر
شکست ہوئی اور وہ اپنے پایۂ تخت کی طرف بھاگ گیا۔

اس جنگ میں ہرکولیس کو بے اندازہ دولت کے علاوہ چاندی کی کثیر مقدار کمخواب
کے فرش اور ریشمی ملبوسات ہاتھ لگے۔ یہاں ہرکولیس نے اپنے لشکریوں میں اس قدر
مال و دولت تقسیم کی کہ انہیں مالا مال کر کے رکھ دیا۔

یہاں سے ہرکولیس ایران کے پایۂ تخت مدائن کی طرف نہ بڑھا بلکہ ایرانیوں

کے خلاف شاید ان ہی فتوحات پر قناعت کرتے ہوئے جو اسے اب تک حاصل ہو
چکی تھیں وہ وہاں سے واپس لوٹ گیا۔

○

رومنوں کے ہاتھوں پے درپے شکستوں کی تلخی کو بھول جانے کی خاطر
پرویز ہر روز اپنے دو شاہی گویوں باربد اور سرکس کو اپنے دربار میں بلاتا۔
ان کے گیت ان کے راگ سنتا، شراب پیتا اور ان جنگوں کے واقعات کو بھول جانے
کوشش کرتا جن میں اسے شکست ہوئی تھی۔

ایک روز خسرو پرویز کا گھوڑا جس کا نام شبدیز تھا اور جس کی خاطر اس نے
دے رکھا تھا کہ جو اس گھوڑے کے مرنے کی اطلاع کرے گا اسے قتل کر دیا جائے
گھوڑا ایک روز اچانک مر گیا تو اصطبل کے داروغہ کو خدشہ ہوا کہ اگر میں نے کسی کو
کے مرنے کی اطلاع کی تو مجھے قتل کر دیا جائے گا۔ لہٰذا اس نے مشہور گویّے کی منت
کی کہ وہ کسی طرح یہ خبر بادشاہ کے کانوں میں ڈال دے کہ شبدیز مر گیا ہے۔"

اس روز باربد جب دربار میں گانے کے لیے آیا تو گانے کے دوران اس نے
کچھ نئے اشعار کا اضافہ کر دیا جن کا مفہوم یہ تھا کہ شبدیز نہ اب دوڑ سکے گا، نہ چر سکے گا
اور نہ سو سکے گا۔

خسرو پرویز نے گانے کے دوران چونک کر کہا۔" بدبخت شبدیز مر گیا۔"
باربد نے کہا۔" حضور ہی کہہ رہے ہیں اور تو کسی کو جرأت نہیں ہو سکتی۔"

پھر جب باربد نے تصدیق کر دی کہ شبدیز مر گیا ہے تو خسرو پرویز بولا۔" باربد
خوب تو نے اپنے آپ کو بھی بچا لیا اور دوسروں کو بھی۔"

ابھی دربار میں یہی گفتگو ہو رہی تھی کہ خسرو پرویز کا حاجب اندر آیا اور ادب
کے انداز میں جھکتے ہوئے کہا۔" عالی حضور! عبداللہؓ بن حذافہ نام کا ایک شخص عرب
کی سرزمین سے آیا ہے۔ وہ اپنے آپ کو ایک ایسے عرب نژاد شخص کا سفیر کہتا ہے جس
کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ جو عرب میں ظاہر ہوا ہے اور نبوت کا دعویٰ کرتا
ہے۔ اس کے پاس آپ کے نام ایک خط ہے۔"

خسرو پرویز نے کہا۔" اس شخص کو اندر لاؤ۔"

تھوڑی دیر بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ بر عبداللہؓ بن حذافہ اندر
داخل ہوئے۔ چوب داروں نے انہیں بادشاہ کو سجدہ کرنے کی ہدایت کی لیکن عبداللہؓ نے
ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر خسرو پرویز نے غضب ناک ہو کر پوچھا۔" اے اجنبی!
تو نے نہ ہمیں سجدہ کیا نہ ہمارے سامنے زمین بوس ہوئے آخر کیوں؟"

عبداللہؓ نے کہا۔" اے بادشاہ! پہلے ہم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے پر خدائے
لم یزل نے ہم پر رحم کیا۔ اس نے ہم میں ایک نبیؐ مبعوث کیا جس نے ہماری سماعت و بصیرت
کے پردے کھول دیئے۔ ہمیں لحن سماوی سے روشناس کیا۔

" اے بادشاہ! ہمارے برے افعال نے ہمیں لبِ گور پہنچا دیا تھا۔ اس نے ہمیں
صبر کی شیرینی دی۔ ہماری اوہام کی زنجیروں کو کاٹا۔ ہمارے دلوں میں محبت و نورِ سعادت
کے سرچشمے اور ذہن کی گہرائیوں میں ایک اُجلی بصیرت عطا کی۔

اس نے ہمیں صرف ایک خدا جو واحد و لاشریک ہے اس کے سامنے جھکنے،
اسے سجدہ کرنے کو کہا۔ اور اے بادشاہ! تم جانو ایسا کرنے سے ہم غمِ دیروز اور فکرِ
فردا سے محفوظ ہو گئے۔ اس نے ہمیں روحوں کی سرگوشی اور سعادت کی ایک اجنبی لذت
روشناس کیا ہے۔

وہ نبیؐ ہمارے لیے مشعلِ حق، شمع ہدایت، جانِ رسالت، روحِ وحدت۔ شمع
برطور اور دشتِ ایمن کا نور ہے اور میں اپنے اسی رسولؐ کی طرف سے تمہارے نام
ایک خط لایا ہوں"۔

خسرو پرویز نے کہا۔" دکھاؤ وہ خط"۔

عبداللہؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط خسرو پرویز کو تھما دیا۔ کسریٰ بادشاہ
فارس کے خط میں لکھا تھا۔

" یہ خط اللہ کے رسول محمدؐ کی طرف سے کسریٰ شاہ فارس کے نام

ہے۔ ہدایت کی پیروی کرنے والوں پر اور اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے والوں پر سلامتی ہو۔ میں اللہ کا رسولؐ ہوں اور تمام دنیا کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں تاکہ ہر زندہ شخص کو ہوشیار کر دوں۔ آپ اسلام لے آئیں سلامتی سے رہیں گے۔ اگر آپ اسلام قبول نہ کریں گے تو آپ پر مجوسیوں کا گناہ ہوگا۔"

خط سن کر خسرو پرویز غضب ناک ہوا اور خط پھاڑ ڈالا اور چلّا کر کہا "اس نے خط لکھا ہے اور میرے نام سے پہلے اپنا نام لکھا ہے۔ یمن کے گورنر باذان کو لکھا جائے کہ فوراً دو آدمی بھیج کر اس حجازی شخص کو (خاکم بدہن) گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دے۔"

ساتھ ہی اس نے تیز نگاہوں سے عبداللہؓ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس جوان جو میرے پاس اس حجازی شخص کا سفیر بن کر آیا ہے۔ اس کے کان اور ناک کاٹ کر یہاں سے نکال دیا جائے۔"

عبداللہؓ کے کان اور ناک کاٹ دی گئی۔ عبداللہؓ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور کسریٰ کے حالات کہے تو آپؐ نے فرمایا۔

"فَرَّقَ اللّٰہُ مُلْکَہٗ (اللہ اس کا ملک پارہ پارہ کر دے)" آپؐ نے عبداللہ کی ناک اور کان سونے کے بنوا کر لگانے کا حکم دے دیا۔

پھر خسرو پرویز نے اپنے یمن کے گورنر باذان کو ایلچی بھجوایا اور اسے حکم دیا کہ تم دو دلاور قسم کے جوان حجاز روانہ کرو تاکہ وہ اس شخص کو گرفتار کر کے میرے پاس لے آئیں جس نے نبوت کا دعویٰ کر رکھا ہے۔"

یمن کے والی باذان نے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گرفتار کرنے کے لیے دو آدمی روانہ کیے۔ ایک ان میں سے بابویہ نام کا تھا۔ جو داروغہ ہونے کے علاوہ کاتب اور ایرانی طریقہ حساب کا ماہر بھی تھا۔ دوسرا ایک جنگجو جوان تھا جس کا نام خرخسرہ تھا۔ یہ دونوں یمن سے چل کر طائف آئے اور مقام نخب میں ان دونوں کو کچھ قریش

ملے۔ ان دونوں نے ان قریش سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ پوچھا تو انہوں نے کہا وہ مدینہ میں ہیں۔ تاہم وہ قریش یہ جان کر خوش بھی ہوئے کہ اب خسرو پرویز نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تاکا ہے دیکھیں اب وہ کیسے بچتے ہیں۔

ہر حال وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بابویہ نے حضورؐ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"بادشاہوں کے بادشاہ شہنشاہ کسریٰ نے اپنے یمن کے والی باذان کو حکم لکھا ہے کہ وہ آپؐ کو گرفتار کر کے اس کی خدمت میں پیش کرے۔ سو اس کام کے لیے باذان نے ہم دونوں کو آپؐ کی طرف روانہ کیا ہے تاکہ آپ ہمارے ساتھ چلیں۔ اگر آپ ہمارے ساتھ ہو لیں تو یمن کا والی باذان خسرو پرویز کو آپ کی سفارش لکھے گا تاکہ وہ آپؐ سے درگزر کر کے معافی دے دے اور اگر آپؐ اس حکم کی سرتابی کریں گے تو آپؐ خود واقف ہیں کہ خسرو پرویز آپؐ اور آپؐ کی قوم کو ہلاک کر دے گا اور آپ کے ملک کو برباد کر کے رکھ دے گا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے کہا۔ "اچھا آج تم دونوں جاؤ اور کل پھر آنا۔" وہ دونوں حضورؐ کی خدمت سے اٹھ کر چلے گئے۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہو گئی کہ خسرو پرویز کو اس کے بیٹے شیرویہ نے فلاں ماہ کی فلاں شب قتل کر دیا ہے۔

دوسرے روز جب بابویہ اور خرخسرہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

"اِنَّ رَبِّیْ عَزَّوَجَلَّ قَدْ قَتَلَ رَبَّکُمَا سَلَّطَ اللّٰہُ عَلَیْہِ اِبْنَہٗ شِیْرَوَیْہِ حَتّٰی قَتَلَہُ الْبَارِحَۃَ (خداوند کریم نے تمہارے بادشاہ کو ہلاک کیا۔ اس کے بیٹے شیرویہ کو مامور کیا جس نے اسے کل رات قتل کر دیا)"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سن کر بابویہ نے کہا۔ "کیا ہم اپنے رئیس سے یہ بات کہہ دیں جو آپؐ نے کہی ہے۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "ہاں یہ اس سے کہہ دو اور یہ بھی کہو کہ میرا دین، میری حکومت بہت جلد کسریٰ کی تمام سلطنت میں پھیل جائے گی اور وہاں تک پہنچے گی جہاں تک اونٹ اور گھوڑے جاتے ہیں اور اپنے رئیس باذان سے جاکر کہو کہ اگر وہ اسلام لے آیا تو جو ریاست اسے حاصل ہے وہ بدستور اس کے پاس رہے گی۔" اس کے بعد آپ نے خرخسرو کو ایک بگلوس عطا فرمایا جس میں سونا چاندی لگا تھا اور یہ کسی رئیس نے آپ کو تحفہ میں روانہ کیا تھا۔

اس کے بعد وہ دونوں باذان کے پاس آئے اور باذان نے ان سے سارے حالات سننے کے بعد کہا۔ "معلوم ہوتا ہے یہ کوئی صاحب دنیاوی بادشاہ نہیں ہیں بلکہ نبی ہیں جیسا کہ ان کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ ہم انتظار کرتے ہیں جو کچھ انہوں نے کہا اگر سچ ہے تو پھر ان کے نبی مرسل ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور اگر یہ بات سچ ثابت نہ ہوئی تو پھر ہم اس معاملے پر مزید غور کریں گے کہ کیا کریں۔

چند ہی یوم بعد باذان کو خسرو پرویز کے بیٹے شیرویہ کا خط ملا جس میں اطلاع دی گئی تھی کہ میں نے کسریٰ کو قتل کر دیا ہے۔ جب تم کو میرا خط وصول ہو تو اپنے یہاں کے لوگوں سے میرے لیے حلفِ اطاعت لو اور جس حجازی شخص کے بارے میں کسریٰ نے تم کو لکھا تھا اس سے سردست کوئی تعرض نہ کرو اور میرے آئندہ حکم کا انتظار کرو۔"

اس خط کو پڑھ کر چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی صداقت ہو جاتی تھی لہذا باذان اس سے سخت متاثر ہوا اور علی الاعلان اس نے کہا۔ "بخدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے رسول ہیں۔"

اب باذان اور جس قدر امرا اس کے ساتھ تھے سب نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس طرح ایران میں ایک انقلاب رونما ہوا۔ خسرو پرویز نے چونکہ اپنے بڑے بیٹے شیرویہ کو نظرانداز کر کے اپنی حسین بیوی شیریں کے بیٹے مردان شاہ کو اپنا ولی عہد بنانے کی کوشش کی تھی۔ لہذا لوگ اس کے خلاف ہو گئے کیونکہ وہ مردان شاہ کے

بجائے شیرویہ کو پسند کرتے تھے۔ آخر خسرو پرویز کے خلاف بغاوت ہوئی اور اس کے بیٹے شیرویہ نے اسے زندان میں ڈال دیا اور زندان میں ہی اسے مروا ڈالا۔

اسی زندان میں شیرویہ[1] کے سوا خسرو پرویز کے متعدد بیٹوں کو اس کے سامنے قتل کر دیا گیا تھا۔ جن میں مردان شاہ بھی شامل تھا۔ اس طرح شیرویہ قباد دوم کے نام سے تخت نشین ہوا۔

قباد دوم (شیرویہ) نے اپنے چھ ماہ کے دورِ حکومت میں نہایت اہم کام یہ کیا کہ اس نے قیصرِ روم ہرکولیس کی طرف اپنا سفیر بھیجا اور دونوں مملکتوں کے درمیان صلح کی درخواست کی۔ ہرکولیس نے بھی اس سے اتفاق کیا۔

آخر دونوں حکومتوں میں ان شرائط پر صلح ہو گئی کہ مصر، فلسطین، شام، ایشیائے کوچک، مغربی بین النہرین اور دیگر رومی مقبوضات رومیوں کو واپس کر دیے جائیں قباد نے ان شرائط کو مان لیا۔ اس کے علاوہ اس نے سارے رومی قیدی آزاد کر دیے اور نصرانیوں کی حقیقی صلیب جو خسرو پرویز بیت المقدس سے اٹھا لایا تھا واپس کر دی گئی۔ اس قدر کام کرنے کے بعد قباد بیمار ہو کر صرف چھ ماہ کی مدت حکومت کے بعد مرگیا اور اس کی جگہ اس کے سات سالہ بچے شہزادہ اردشیر کی تخت نشینی کا اعلان ہوا اور ایک دانشمند انسان مہ حسیس کو اس کا وزیر اور نگران مقرر کیا گیا۔ اسی دوران خسرو پرویز کے پرانے جرنیل شہربراز نے بغاوت کر دی جو کامیاب رہی۔ شہرزاز نے کمسن بادشاہ اردشیر کو قتل کر دیا اور خود ایران کا شہنشاہ بن بیٹھا۔

لیکن شہربراز کو بھی صرف دو ماہ حکومت کرنا نصیب ہوئی۔ ایک روز وہ گھوڑے پر سوار ہو رہا تھا کہ ایک خراسانی سالار فرخ نے اسے نیزہ مار کر موت کے گھاٹ اتار دیا

---

[1] اپنے بھائیوں کو قتل کرانے میں شیرویہ کا اپنا ہاتھ تھا۔ تاکہ وہ محفوظ رہ کر ایران پر حکومت کر سکے۔ ایک محتاط تاریخی روایت کے مطابق شیرویہ نے اپنے سولہ (۱۶) بھائیوں کو قتل کیا۔ لیکن وہ خود بھی زیادہ دیر حکمران نہ رہ سکا صرف چھ ماہ حکومت کرنے کے بعد بیمار ہو کر مرگیا۔

آخر قباد دوم کے ایک اور بیٹے کو خسرو سوم کے نام سے تخت نشین کیا گیا لیکن وہ چھ
ماہ بعد مر گیا اور اس کی جگہ خسرو پرویز کی بیٹی اور قباد دوم (شیرویہ) کی بہن بوران دخت
ایران کی حکمران بنی۔

○

جب رومیوں کو ان کے سارے مقبوضہ جات ایران سے واپس مل گئے اور ان
اصل صلیب بیت المقدس واپس پہنچ گئی تو پورے روم میں کئی روز تک جشن منایا گیا
اور بڑے بڑے بشپ، بطریق اور پادریوں کے علاوہ دوسرے مذہبی لوگ بھی اصل صلیب
کی زیارت اور شکرانہ ادا کرنے کی خاطر بیت المقدس کا رُخ کرنے لگے۔ ایرانی اور رومی
جنگوں کا سلسلہ چونکہ اب ختم ہو چکا تھا لہٰذا صلیب کی زیارت کرنے کے لیے ہرکولیس
نے بھی اپنے لشکر کے ساتھ بیت المقدس کا رُخ کیا۔

صلیب کی زیارت کے بعد ہرکولیس اپنے لشکر کے ساتھ شہر سے باہر خیمہ زن
ہوا۔ ایک روز جب کہ عدیم، فروہ، یوعام اور تھیوڈورو ہرکولیس کے پاس بیٹھے ہوئے
تھے اور وہ بڑا اُداس اور خاموش تھا۔ اس دوران کچھ پادری اور بیت المقدس کے
اعیان و اکابر بھی اس سے ملنے آ گئے۔ ہرکولیس کو رنجیدہ خاطر سا دیکھ کر ایک پادری
نے پوچھا۔ "کیا بات ہے، آپ کچھ اُداس لگتے ہیں؟"

ہرکولیس نے کہا۔ "اے میرے مصاحبو! گذشتہ شب میں نے ایک خواب
دیکھا ہے کہ مختونوں کا کوئی ملک سب پر غالب آنے والا ہے۔"

اس پادری نے کہا۔ "اے بادشاہ! یہودیوں کے علاوہ اور کوئی قوم ایسی ہمیں
معلوم نہیں جو ختنہ کراتی ہو اور یہودی تو آپ کے قبضے میں اور آپ کی رعایا ہیں۔ اگر
ایسی ہی کوئی اندیشہ ہے تو جتنے بھی یہودی ہماری سلطنت میں ہیں سب کو قتل کرا دیں۔"

ہرکولیس جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اس کا حاجب اس کے پاس آیا اور
اس نے کہا۔ "اے بادشاہ بصریٰ کے رئیس کا ایک قاصد آیا ہے۔ اس کے ساتھ عرب کے
صحراؤں کا ایک چرواہا ہے۔ اس چرواہے کو بصریٰ کے رئیس نے پکڑا ہے اور آپ کی طرف

روانہ کیا ہے۔ اس لیے کہ اس کے پاس ایک ایسی خبر ہے جو اہم ہے اور بصریٰ کا رئیس چاہتا
ہے کہ یہ خبر آپ کو بھی پہنچائی جائے۔"

ہرکولیس نے کہا۔ "بصریٰ کے اس سفیر اور عرب چرواہے کو اندر لاؤ۔"

جب بصریٰ کے سفیر اور عرب چرواہا اندر لائے گئے تو اس چرواہے کی طرف
ہرکولیس نے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تم کس سرزمین سے ہو اور کیا کہنا چاہتے ہو؟"

اس چرواہے نے کہا۔ "اے بادشاہ! میں تو ایک چرواہا ہوں، میں تو کچھ بھی
نہ کہنا چاہتا تھا۔ بس ہم تو خانہ بدوش ہیں۔ ریوڑ چراتے ہوئے بصریٰ کی طرف نکل گئے
وہاں کے رئیس نے ہمارے ریوڑ اور میرے اہلِ خانہ اور ساتھیوں کو روک لیا اور مجھے
اپنے ایک سفیر کے ساتھ آپ کی طرف روانہ کر دیا۔"

ہرکولیس نے پوچھا۔ "کیا تُو نے بصریٰ کے رئیس سے کوئی انوکھی اور نئی بات کہی
تھی جو اس نے مجھے سنانے کے لیے تمہیں اس طرف روانہ کر دیا ہے۔"

اس چرواہے نے کہا۔ "مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے دورانِ گفتگو اس سے اپنے
نئے مذہب کی گفتگو لی اور وہی بات اس نے مجھے آپ سے کہنے اِدھر بھیج دیا ہے۔"

ہرکولیس نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔ "تو پھر وہ بات مجھ سے بھی کہو۔"

اس چرواہے نے کہا۔ "اے بادشاہ! عرب کے صحراؤں کے اندر ایک شخص نے
کہ نام اس کا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے، نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ کچھ لوگوں نے اس کی
تصدیق اور پیروی کی اور دوسروں نے اس کی مخالفت۔ بس اے بادشاہ! یہی وہ بات
ہے جو بصریٰ کے حاکم نے مجھے آپ سے کہنے کو یہاں بیت المقدس کی طرف روانہ کر دیا ہے۔"

ہرکولیس نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔ "تم کس گروہ میں شامل ہو، پیروی کرنے
والے یا مخالفت کرنے والوں میں؟"

اس چرواہے نے کہا۔ "اے بادشاہ! میں اس نبیؐ پر ایمان لانے اور اس کی
پیروی کرنے والوں میں سے ہوں۔"

اس چرواہے کے اس بیان پر ہرکولیس نے پاس کھڑے بصریٰ کے سفیر سے

کہا۔ "اس عرب چرواہے کے کپڑے اتار کر اسے برہنہ کر دو۔"

جب اس چرواہے کو برہنہ کیا گیا تو سب نے دیکھا وہ مختون تھا۔ اس عرب چرواہے نے کپڑے پہن لیے اور ہرکولیس سوچتا رہا۔ پھر اپنے درباریوں، سالاروں، پادریوں اور اعیان و اکابر کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا۔ "قسم مجھے خداوند کی ایسے ہی لوگ مجھے خواب میں دکھائے گئے تھے نہ کہ یہودی جن کے متعلق تمہارا گمان ہے" پھر ہرکولیس نے اس عرب چرواہے کو چلے جانے کی اجازت دے دی۔

تھوڑی دیر بعد جب ہرقل کے دربار سے سب اُٹھ کر چلے گئے اور صرف بلاد فروہ، یوعام اور تھیوڈورڈ واس کے پاس بیٹھے رہ گئے تو حاجب ایک بار پھر اندر آیا۔ ہرکولیس کے سامنے سجدے کے انداز میں جھکتے ہوئے اس نے کہا۔ "عرب کی سرزمین پر ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ اس کا ایک سفیر آپ سے ملنے آیا ہے۔ اس سفیر کے پاس اس نبیؐ کا دیا ہُوا ایک خط بھی ہے جو آپ کے نام ہے"۔

ہرکولیس نے ایک جستجو میں کہا۔ "اس شخص کو فوراً اندر بھیجو۔ تھوڑی دیر بعد ایک عرب کہ وہ سادہ کپڑوں میں ملبوس تھا اندر آیا۔ اس کا لباس گرد سے اٹا ہوا تھا۔ ہرکولیس نے اس عرب سے پوچھا۔ "تمہارا کیا نام ہے اور کس غرض سے تم اِدھر آئے ہو"

اس نووارد عرب نے کہا۔ "اے بادشاہ! میرا نام دحیہ بن خلیفہ ہے اور میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خط لے کر آیا ہوں جو آپ کے نام ہے"۔ ساتھ ہی آگے بڑھ کر اس نے خط ہرکولیس کو تھما دیا۔ ہرکولیس نے خط کھول کر دیکھا لکھا تھا۔

"یہ خط محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہرقل قیصر روم کے نام بھیجا جاتا ہے۔ جس نے راہِ راست اختیار کی وہ سلامت رہا۔ اما بعد، اسلام لاؤ۔ سلامت رہوگے۔ اسلام لے آؤ، اللہ تم کو اس کا دو مرتبہ اجر دے گا اور اگر میری اس دعوت سے اعراض کروگے تو تمہاری اس تمام ناواقفیت اور رعایا کی گمراہی کا وبال بھی تم پر ہوگا"۔

حضورؐ کا خط سُننے کے بعد ہرکولیس نے حضورؐ کے سفیر دحیہ کو ایک معزز مہمان کی

حیثیت سے ٹھہرانے کا حکم دیا اور ساتھ ہی اس نے اپنے کوتوال کو حکم دیا کہ ارضِ فلسطین میں جہاں کہیں بھی کوئی عرب ٹھہرا ہوا ہو اسے پکڑ کر میرے پاس لاؤ۔

اتفاق سے اُن ہی دِنوں ابوسفیان اپنے قریش کے ایک گروہ کے ساتھ تجارت کی غرض سے غزہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ہرکولیس کا کوتوال ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں کو پکڑ کر ہرکولیس کے پاس لے گیا۔ ہرکولیس نے حضورؐ کے سفیر دحیہ کو بھی اپنے دربار میں بلا لیا پھر ہرکولیس[1] نے ابوسفیان سے پوچھا۔

"کیا تم اس شخص کے قبیلے سے ہو جس نے عرب کے صحراؤں کے اندر نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟"

ابوسفیان نے کہا۔ "ہاں، ہم ان کے قبیلے سے ہیں"۔

ہرکولیس نے پھر پوچھا۔ "تم میں سے اس کا قریب ترین عزیز کون ہے؟"

ابوسفیان نے کہا۔ "مَیں ہوں"۔

ہرکولیس نے ابوسفیان کو اپنے سامنے بٹھایا اور ان کے دوسرے ساتھیوں کو ان کے عقب میں بٹھاتے ہوئے کہا۔ "دیکھو مَیں اس سے نبیؐ سے متعلق کچھ سوال کرتا ہوں۔ جہاں تم محسوس کرو کہ اس نے جھوٹ بولا ہے۔ فوراً اُٹھ کر اس کی تکذیب کرنا"۔

ابوسفیان نے خود بولتے ہوئے کہا۔ "اے بادشاہ! گو نبوت کا مدعی میرا رشتہ دار ہے اور ہم اس کے سخت مخالف ہیں اس کے باوجود مطمئن رہ کہ مَیں مکّہ شہر کا ایک معزز شخص ہوں جھوٹ نہ بولوں گا۔ جو کچھ تُو پوچھے گا اس کا درست اور سچائی پر مبنی جواب دوں گا۔ اگر اس وقت مَیں جھوٹ بولوں بھی تو میرے ساتھ میری تردید تو نہ کریں گے مگر اس بات کو یاد رکھیں گے پھر دُنیا بھر میں اسے کہتے پھریں گے۔ اس لیے میں کوئی بات جھوٹ نہ کہوں گا"۔

ہرکولیس نے پوچھا۔ "اچھا یہ کہو جس نے نبوت کا دعویٰ کیا اس کا نسب کیا ہے؟"

---

[1] بقول حضرت ابوسفیانؓ ہرکولیس جیسا بدصورت شخص کوئی نہ تھا۔

ابوسفیان نے کہا۔ "وہ نجیب الطرفین ہیں اور شریف ہیں"۔

ہرکولیس نے پوچھا۔ "کیا اس کے خاندان میں کوئی اور بھی نبوت کا مدعی تھا جس کی نقل میں انہوں نے بھی نبوت کا دعوی کر دیا ہو"۔

ابوسفیان نے کہا۔ "ہرگز نہیں"۔

ہرکولیس نے کہا۔ "کیا تم پر اسے حکومت حاصل تھی جو تم لوگوں نے اس سے چھین لی اور اب وہ نبی بن کر پھر اپنی چھنی ہوئی حکومت حاصل کرنا چاہتے ہیں"۔

ابوسفیان نے کہا۔ "نہیں ایسا بھی نہیں ہے"۔

ہرکولیس نے پھر پوچھا۔ "اس کے پیروکار کون ہیں"؟

ابوسفیان نے کہا۔ "کمزور، غریب، نوجوان، بچے اور عورتیں"۔ مگر اس کی قوم کے عمائد اور اشراف میں سے ایک نے بھی اس کا اتباع نہیں کیا"۔

ہرکولیس نے پھر پوچھا۔ "اچھا یہ کہو جو اس کے متبع ہیں کیا وہ ان کو دل سے چاہتے ہیں اور وفادار ہیں یا پھر برا سمجھ کر اسے چھوڑ دیتے ہیں"۔

ابوسفیان نے کہا۔ "اس کے متبعین میں سے آج تک ایک نے بھی اس کو نہیں چھوڑا"۔

ہرکولیس نے پوچھا۔ "اب تمہاری اور ان کی لڑائی کا کیا حال ہے"۔

ابوسفیان نے کہا۔ "کبھی وہ ہم پر غالب ہوتے ہیں اور کبھی ہم اُن پر"۔

ہرکولیس نے کہا۔ "اگر تم نے جو حال مجھ پر بیان کیا ہے وہ سچا ہے تو پھر وہ ضرور میری سلطنت پر جو میرے قدموں میں ہے غالب آجائیں گے۔ کاش میں ان کی خدمت میں ہوتا۔ ان کے پاؤں دھوتا۔ اچھا اب تم جاؤ"۔

ابوسفیان ہرکولیس کے پاس سے نکل آئے اور اپنے ساتھیوں سے انہوں نے کہا۔ "اے اللہ کے بندو! دیکھتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ اثر ہو گیا ہے کہ بادشاہ ملک شام میں بیٹھے ہوئے جو اس کی سلطنت میں شامل ہے اُن سے ڈرتے ہیں"۔

پھر ہرکولیس نے اپنے تمام افراد اور پادریوں کو اپنے دربار میں جمع کیا۔ بیت المقدس کے ایک قصر میں اس نے دربار لگایا تھا۔ اور سب کے جمع ہو جانے کے بعد اس نے قصر کے دروازے بند کر دیئے کیوں کہ ہرکولیس کو اُن کی جانب سے اپنی جان کا خطرہ بھی تھا کہ کہیں حضورؐ کو برحق نبی ماننے پر اس کی قوم اس کے خلاف ہی نہ ہو جائے لہذا وہ بڑی احتیاط برت رہا تھا۔ پھر ہرکولیس نے اس قصر میں بیٹھے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"میرے پاس اس عرب کا خط آیا ہے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ اس خط میں اس نے مجھے اپنے دین کی دعوت دی ہے۔ بے شک وہ وہی برحق نبی ہیں، جن کا ہم کو انتظار تھا اور جن کی پیش گوئی ہماری مذہبی کتابوں میں موجود ہے۔ لہذا آؤ ہم سب ان کا اتباع کریں اور ان پر ایمان لے آئیں تاکہ ہماری دُنیا و آخرت بنی رہے"۔

ہرکولیس کے اس انکشاف پر حاضرین نے انکار کے لیے ایک شور بلند کر دیا[1] اور باہر جانے کے لیے قصر کے دروازوں کی طرف لپکے۔

ہرکولیس نے جب دیکھا کہ معاملہ اس کی اُمیدوں کے خلاف جا رہا ہے اور لوگ باہر جا کر اس کے خلاف شور کریں گے اور اس کی جان کے درپے ہو جائیں گے تو اس نے اپنی جان کے خوف سے فوراً دوسرا رُخ اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"یہ جو گفتگو میں نے ابھی تم لوگوں سے کی ہے اس کا مطلب صرف تم لوگوں کا امتحان لینا تھا تاکہ تم لوگوں کی آزمائش کی جائے کہ اپنے دین پر کون کس مضبوطی سے قائم ہے۔ اس امتحان کی ضرورت اس شخص کے نبوت کا دعویٰ کرنے سے پیش آگئی تھی۔ مگر اب مجھے آپ لوگوں کو راسخ ایمان دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی ہے"۔

ہرکولیس کی اس تقریر پر قصر میں موجود سب لوگ ہرکولیس کے سامنے سجدے

---

[1] جریر طبری اور ابن خلدون نے بھی ان واقعات کو ایسا ہی بیان کیا ہے۔

میں گر گئے۔ اب ہرکولیس نے قصر کے دروازے کھلوا دیئے اور لوگ ہرکولیس کے نعرے بلند کرتے ہوئے قصر سے باہر نکلنے لگے۔

ان واقعات کے بعد ہرکولیس نے پھر سفیرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، وحیہ اور کہا۔ "سنو! میں جانتا ہوں تمہارے نبیؐ برحق ہیں۔ یہی وہ نبیؐ ہیں جن کے تھے اور جن کا ذکر ہماری مذہبی کتابوں میں بھی آیا ہے۔ اگر رومیوں سے مجھے کا خوف نہ ہوتا تو میں ضرور ایمان لا کر ان کا اتباع کرتا۔ اب تم ایسا کرو کہ اسقف کے پاس جاؤ۔ اہلِ روم میں اس کی شان اور عزت مجھ سے زیادہ ہے اور اس کا سب پر مجھ سے کہیں زیادہ اثر ہے۔ اس سے جا کر اپنے نبیؐ کا حال بیان دیکھو وہ اس معاملے میں کیا کہتا ہے۔"

وحیہؓ ضغاطر کے پاس آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس غرض اور جس دعوت کے ساتھ ہرکولیس کے پاس بھیجا تھا اس سے بیان کیں۔

اسقف ضغاطر عبرانی انجیل کو پڑھنے اور سمجھنے والا تھا۔ اس نے جب کے بیان کو سنا تو برملا کہا۔ "بے شک تمہارے نبی برحق ہیں۔ ہم ان کی تعریف گئے۔ اور اُن کا نام بھی ہماری مذہبی کتابوں میں ہے"۔

اس کے بعد ضغاطر نے جو سیاہ لباس اس وقت پہنا ہوا تھا وہ اُتار دیا سفید کپڑے پہن کر اور اپنا عصا ہاتھ میں لے کر وہ گھر سے باہر نکلا اور تمام لوگ اس نے شہر کے کلیسا میں جمع ہونے کا حکم دیا۔

جب لوگ کلیسا میں جمع ہو گئے تو ضغاطر بھی کلیسا میں آیا اور لوگوں مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا۔

"ہمارے پاس احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خط آیا ہے جس میں انہوں ہمیں اللہ عزوجل کی دعوت دی ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور رسول ہیں"۔

ضغاطر سے یہ کلام سنتے ہی رومی طیش میں آ گئے اور ایک ساتھ اس پر

ہو کر اسے شہید کر دیا۔

وحیہؓ پھر ہرکولیس کے پاس آئے اور اس سے یہ واقع بیان کیا۔

ہرکولیس نے کہا۔ "میں نے پہلے ہی تمہیں یہ بات کہہ دی تھی اور تم نے دیکھ لیا۔ کہ رومیوں میں ضغاطر کا مجھ سے کہیں زیادہ اثر و رسوخ ہونے کے باوجود اس کا کیا حشر ہوا اسی وجہ سے مجھے بھی رومیوں کی طرف سے جان کا خوف تھا"۔

ان حالات کے بعد وحیہؓ واپس لوٹ گئے۔

ہرکولیس کو اس بات کا سخت افسوس اور صدمہ تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے باوجود ان پر ایمان نہیں لا سکا۔ وہ رومیوں سے خوفزدہ ضرور تھا لیکن اس کا ضمیر اس معاملے میں اسے مجرم بھی گردانتا تھا کہ اس نے اچھا نہیں کیا۔ لہٰذا چند روز بعد جب وہ بیت المقدس سے قسطنطنیہ کی طرف کوچ کر رہا تھا تو اس نے اپنے ضمیر کا بوجھ ہلکا کرنے کی خاطر لوگوں کو جمع کیا اور کہا۔

"تم لوگ خوب جانتے ہو کہ عرب میں جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ وہ مُرسلِ حق ہے جس کا ذکر خود ہماری کتابوں میں موجود ہے اور جو صفات اس کی ہمارے سامنے بیان کی گئی تھیں ان سے یہ بالکل صاف ہو گیا ہے کہ یہی نبی موعود ہیں۔ لہٰذا آؤ ہم سب مل کر ان کا اتباع کریں۔ تاکہ ہماری دُنیا و آخرت محفوظ رہے۔

لوگوں میں سے کچھ نے کہا۔ "اس کے معنی یہ ہوئے کہ ہم عربوں کے ماتحت ہو جائیں حالانکہ دُنیا میں سب سے بڑی سلطنت ہماری ہے۔ اور سب سے بڑی قوم ہم ہیں اور ہمارا ملک سب سے بہتر ہے"۔

ہرکولیس نے کہا۔ اگر ایسا ہے تو پھر اس بات کو قبول کر لو کہ ہم ہر سال ان کو جزیہ دیا کریں گے تاکہ ہمیں ان کی قوت کا کوئی اندیشہ نہ رہے اور ان سے لڑنا نہ پڑے"۔

لوگوں نے پھر کہا۔ "بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم عربوں کے مقابلے میں یہ ذلت گوارا کر لیں کہ وہ ہم سے خراج وصول کریں۔ ہماری قوم دُنیا میں سب سے بڑی۔ ہماری سلطنت دُنیا میں سب سے بڑی اور ہمارا ملک نہایت ہی محفوظ ہے۔ ہم ہرگز اس بات کو نہ مانیں گے"۔

ہرکولیس نے کہا۔" اگر ایسا ہے تو آؤ پھر ہم ان کو سوریہ[1] کا علاقہ دے کر ان
کرلیں اور شام وہ ہمارے قبضہ میں رہنے دیں۔"

لوگوں نے کہا۔" سوریہ شام کی سرزمین کے لیے بمنزلہ ناف ہے ہم یہ کیوں
انہیں دے دیں۔"

اس طرح جب رومیوں نے ہرکولیس کی ہر بات کو رد کر دیا تو اس نے
" اب تم دیکھ لوگے کہ تم اُن کے مقابلے میں مفتوح ہوگے اور خود اپنے دارالسلطنت
میں محصور ہو کر تم لوگوں کو ان کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔"

یہ کہہ کر وہ سوار ہوا اور بیت المقدس سے قسطنطنیہ کی طرف کوچ کر گیا۔

✿

[1] اہلِ روم فلسطین، اُردن، حمص اور دمشق پر مشتمل علاقے کو سوریہ کہہ کر پکارا کرتے

✿

ایک روز ہردل عزیز فاتح کی حیثیت سے ہرکولیس قسطنطنیہ میں داخل ہوا۔ لوگوں نے پُرجوش انداز میں اس کا اور اس کے لشکر کا استقبال کیا۔ عورتوں نے ان کی بہادری کے گیت گائے۔ جوان، حسین اور نوخیز لڑکیوں نے دفیں بجا بجا کر ان کی پیشوائی کی۔ غرض قسطنطنیہ میں لشکر کی آمد پر ایک میلے کا سا سماں بندھ گیا تھا۔

عدیم اپنے گھوڑے پر سوار اپنی حویلی میں داخل ہوا تو اس کے یونانی ملازم ترسیس نے بھاگ کر اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ عدیم نے محسوس کیا کہ اسے دیکھ کر ترسیس کا رنگ پیلا ہو گیا تھا اور چہرے پر غم و اندوہ بکھر گیا تھا۔ جیسے اس کا کوئی بہت بڑا جرم پکڑے جانے کا اندیشہ پیدا ہو گیا ہو۔ عدیم نے یہ بھی دیکھا کہ خوف سے ترسیس کا بدن بُری طرح لرز کانپ رہا تھا۔ عدیم کچھ سوچتا ہوا گھوڑے سے اُتر گیا اور ترسیس گھوڑے کو اصطبل کی طرف لے گیا تھا۔

عدیم دیوان خانے میں آ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ترسیس بھی وہاں آگیا۔ عدیم نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔" میں ایک عرصے بعد اس حویلی میں داخل ہوا ہوں ایسا لگتا ہے تمہیں میرے آنے کی کوئی خوشی نہیں۔ تم مجھے خوفزدہ اور سہمے سہمے سے لگ

رہے ہو اور میں محسوس کرتا ہوں تم مجھ سے کوئی چیز چھپا رہے ہو۔ حالانکہ تمہیں مجھ پر کرنا چاہیئے کہ میں تمہیں ملازم نہیں اپنے اس گھر کا ایک فرد ہی خیال کرتا ہوں امید کرتا ہوں کہ تم مجھ سے کچھ چھپاؤ گے نہیں۔ بتاؤ کیا بات ہے جس کے باعث تم خوف اور کپکپی طاری ہے۔"

ترسیس نے خوفزدہ سی آواز میں کہا۔ "آپ کا اندازہ درست ہے۔ میرے ایک ایسا راز ہے جس کے افشاں ہو جانے کے خیال نے مجھے غمگین اور خوفزدہ کر رکھا ہے۔ اگر آپ وعدہ کریں کہ میرے راز کو راز ہی رہنے دیں گے۔ تو میں آپ سے کہوں کیونکہ اس راز کے ساتھ ایک حسین اور قیمتی ہستی بھی وابستہ ہے۔ میں اپنی نسبت اس کی طرف سے زیادہ فکر مند ہوں۔"

عدیم نے کہا۔ "تم بلا جھجک کہو۔ میں تمہیں اپنا بزرگ جان کر تمہاری مدد و اعانت کروں گا۔"

ترسیس نے کہا۔ "آپ نے میرا بوجھ ہلکا کر دیا ہے۔ اب میں آپ کو بتاتا ہوں۔"

ترسیس نے فرش پر بیٹھ کر اپنا سلسلہ کلام شروع کرنا چاہا۔ پر عدیم نے اسے پکڑ کر اپنے ساتھ نشست پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ "تم اس گھر کے فرد ہو۔ یہاں میرے پاس بیٹھ کر کہو کیا کہنا ہے۔"

ترسیس نے تشکر آمیز نگاہوں سے عدیم کی طرف دیکھا۔ پھر وہ کہہ رہا تھا۔

"جب مارس کی جگہ فوکاس کو قیصرِ روم بنایا گیا تو فوکاس نے مارس کو اس کے تمام خانہ سمیت قتل کر دیا تھا۔ اسی طرح جب فوکاس کی جگہ ہرکولیس کو قیصرِ روم بنایا گیا ہرکولیس نے بھی فوکاس کے سب گھر والوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا۔ ہاں مگر فوکاس کی ایک بیوی کسی نہ کسی طرح بچ نکلی۔ وہ مصری تھی اور فوکاس نے قیصر بننے کے بعد اس سے شادی کی تھی۔

یہاں اس شاہی محل میں ایک مصری دایہ کام کیا کرتی تھی۔ وہ مصری تھی،

فوکاس کی اس بیوی اور روم کی سابق ملکہ کو کہ جس کا نام رباط تھا مصری اور اپنی ہم قوم جان کر اپنے ہاں لے گئی۔ وہاں فوکاس کے قتل کے چند ماہ بعد رباط کے ہاں ایک لڑکی ہوئی جس کا نام اس نے سیریا رکھا۔

چونکہ رباط فوکاس کی سب سے آخری، نوجوان اور خوب صورت بیوی تھی لہذا فوکاس اسے ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا تھا اس لیے قسطنطنیہ کے سب لوگ اسے جانتے اور پہچانتے تھے اس بنا پر رباط اس مصری دایہ کے گھر میں ایک تہ خانے کے اندر دن گزارتی رہی۔

شاہی محل سے بھاگتے وقت وہ اس قدر نقدی، سونا اور قیمتی جواہرات اپنے ساتھ لے گئی تھی کہ دونوں ماں بیٹی بے فکر ہو کر بہترین زندگی بسر کر سکتی تھیں۔ رباط کی خواہش تھی کہ وہ اپنی بیٹی سیریا کے ساتھ قسطنطنیہ سے نکل کر کسی محفوظ جگہ چلی جائے لیکن کوئی ایسا ہمدرد اور شناسا نہ تھا جس پر بھروسہ کیا جا سکتا۔

شاہی دایہ میری پرانی جاننے والی تھی۔ جب میرے آقا نے مجھے آزاد کر دیا تو اس دایہ نے مجھے خفیہ طور پر ملازم رکھ لیا۔ میرا کام رباط اور سیریا دونوں ماں بیٹی کی خدمت کرنا تھا اور تہ خانے میں ضرورت کی ہر شے انہیں مہیا کرنا تھا لیکن میں نے اس دایہ کے ہاں رہائش نہ رکھی اور رہتا میں وہیں تھا جو چھوٹا سا مکان میرے پہلے آقا نے میرے لیے مہیا کیا تھا۔ قسطنطنیہ کے لوگوں میں یہی مشہور تھا کہ میں بھیک مانگ کر گزارہ کرتا ہوں۔

آپ کو یاد ہو گا کہ جس روز پہلی بار قسطنطنیہ میں گلیڈی ایٹر سے مقابلہ جیت کر آپ تھیوڈورو کے ساتھ باہر نکلے تھے کہ ایک بوڑھی عورت بھاگتی ہوئی آئی تھی کیونکہ تھیوڈورو آپ کو اکیلا چھوڑ کر کسی کام سے علیحدہ ہوا تھا۔ وہ بوڑھی عورت آپ سے کچھ کہنا چاہتی تھی کہ تھیوڈورو واپس آ گیا اور وہ عورت لوگوں کے ہجوم میں گم ہو گئی۔

عدیم نے چونک کر کہا۔ "ہاں ہاں مجھے وہ خاتون یاد ہے کون تھی وہ۔"

ترسیس نے کہا" وہ بڑھیا وہی شاہی دایہ تھی وہ آپ سے یہ التماس کرنے والی تھی کہ آپ کوئی معقول معاوضہ لے کر رباط اور سیریا کو کسی محفوظ جگہ پہنچا دیں۔ وہ آپ پر اس لیے اعتبار کر رہی تھی کہ اسے خبر ہوئی تھی آپ رومن نہیں بلکہ عرب ہیں اور مصر سے آئے ہیں لیکن اس موقع پر وہ آپ سے کچھ نہ کہہ سکی تھی لیکن اس نے مجھے اس کام پر لگا دیا کہ میں کسی طرح آپ سے واقفیت پیدا کروں اور آپ سے رباط اور سیریا کو کسی محفوظ جگہ پہنچانے کی گزارش کروں۔

لیکن آپ کے لشکر کے ساتھ چلے جانے کے بعد ایک انقلاب رونما ہو گیا۔ شہر کے داروغہ کو رباط اور سیریا سے متعلق خبر ہو گئی۔ اس نے فوراً اس شاہی دایہ کے گھر پر چھاپہ مارا۔ شاہی دایہ اور رباط پکڑی گئیں اور دونوں کو وہیں موقع پر ہی ہلاک کر دیا گیا۔ سیریا کی خوش قسمتی کہ وہ اس وقت اپنا آپ چھپا کر اور نقاب ڈال کر بازار کی طرف نکلی ہوئی تھی لہٰذا وہ بچ گئی۔ اگر کوئی بھی اسے زیرِ نقاب دیکھ لیتا تو وہ بھی پکڑی جاتی کیوں کہ شکل و شباہت میں وہ بالکل اپنی ماں جیسی تھی۔

سیریا بے چاری کا ماں اور اس دایہ کے قتل کے بعد کوئی ٹھکانہ نہ رہا تھا لہٰذا وہ بھاگ کر یہاں میرے پاس آ گئی۔ میں نے اسے یہاں مطبخ کے نیچے جو تہ خانہ ہے اس میں رکھا ہوا ہے۔ جس وقت آپ آئے میں یہ سوچ کر پریشان اور خوفزدہ ہو گیا تھا کہ کہیں آپ میرے سیریا کو یہاں پناہ دینے کے اس عمل کو برا محسوس نہ کریں اور اس بے چاری کو یہاں سے نکال نہ دیں۔"

عدیم کچھ سوچتا رہا پھر اس نے کہا" سیریا قسطنطنیہ کی شہزادی ہے۔ گو حکومت کے کاموں میں اس کے خاندان کا کوئی عمل دخل نہیں رہا پھر بھی وہ ہمارے لیے قابلِ احترام ہے۔ تم نے اسے تہ خانے میں کیونکر ڈال دیا ہے۔ تم نے اسے رہنے کو میرا ذاتی کمرہ دے دیا ہوتا۔"

ترسیس نے خوش ہوتے ہوئے کہا" کیسے آپ کے ذاتی کمرے میں رکھ لیتا اس کی تلاش میں شہر کے داروغہ نے گھر گھر کی تلاشی لی تھی اور اب ہرکولیس کے

جانے سے سیریا کی تلاش اور زیادہ سختی کے ساتھ شروع ہو جائے گی۔"

عدیم نے کہا" یقیناً داروغہ کے سپاہیوں نے ادھر میری حویلی کا رخ نہ کیا ہوگا۔"

ترسیس نے کہا" ہاں وہ ادھر تو نہ آئے تھے۔"

عدیم نے کہا" تو پھر اٹھو ایسا کرو، حویلی کا دروازہ اندر سے بند کر آؤ اور سیریا کو تہ خانے سے نکال کر یہاں میرے پاس لے آؤ۔"

ترسیس مسکراتا ہوا خوش خوش اٹھا اور تیز تیز چلتا ہوا وہ دیوان خانے سے باہر نکل گیا تھا۔

ترسیس مطبخ میں آیا۔ وہاں رکھا ہوا مٹی کا چولھا اس نے ہٹایا۔ چولھے کے نیچے اردگرد بکھری راکھ ہٹائی۔ اس راکھ کے نیچے ایک خاصا بڑا اور گول پتھر تھا جس کے وسط میں لوہے کا ایک کنڈا لگا ہوا تھا۔ ترسیس نے وہ کنڈا پکڑ کر پتھر کو ہٹا دیا نیچے دس بارہ سیڑھیاں تھیں جو ایک کمرے میں اترتی تھیں۔ ترسیس اس سوراخ میں داخل ہو کر سیڑھیاں اترنے لگا۔ پھر کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے کے وسط میں ایک سوراخ تھا جس سے روشنی آ رہی تھی جس نے کمرے کو روشن کر رکھا تھا۔ شاید وہ سوراخ اوپر کسی کھلی اور اونچی جگہ تھا جہاں سے کمرے میں تازہ ہوا بھی آ رہی تھی۔

کمرے کے ایک کونے میں کھانے پینے کے برتن پڑے تھے۔ وسط میں ایک مسہری تھی جو خالی پڑی تھی۔ کمرے میں کھڑے ہو کر ترسیس نے پکارا" سیریا! سیریا! تم کہاں ہو بیٹی!"

اس تہ خانے کے اندر ایک اور دروازہ تھا۔ وہاں ایک اور چھوٹا سا کمرہ تھا جسے شاید طہارت خانے کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ اس چھوٹے کمرے سے ایک لڑکی ہاتھ دھو کر بڑے تہ خانے میں نمودار ہوئی۔

وہ لڑکی عمر میں انیس برس کے لگ بھگ ہوگی۔ اس کے حسن کا عبارت خانہ جسم ایسے تھا جیسے پانی میں چراغاں کا سماں، اس کی جوانی جیسے امرت کی چڑھتی اتھاہ ندی

اس کی نرگسی آنکھوں، لالہ گوں ہونٹ، گلابی رخسار اور انگلیاں چٹکتے جوانی کے نکھار میں ایک کشش ایک جاذبیت تھی ۔ اس کے پگھلتی چھلکتی صبح جیسے چہرے پر افشاں برق کی سی تڑپ میں امرت کی پھوار، ہنسی کی سنہری بوچھاڑ ۔ رُوپ کی کھنک اور رس کی جھنکار جیسے خوب صورت حسین جذبے رقص کناں تھے ۔

پھر اس بھیگے بھیگے نور اور چڑھتی ندیوں کے طوفان جیسی لڑکی نے اپنے آگ میں تراوت سے جیسے لب وا کیے اور پچھلی رات میں بجتے ستار جیسی آواز میں اس نے پوچھا ۔
" بابا ! آج آپ مجھے خلافِ معمول خوش اور مطمئن نظر آ رہے ہیں کیا کوئی آپ کو خوش خبری مل گئی ہے ۔"

ترسیس نے کہا ۔" تیرا کہنا سچ ہے بیٹی ! میں بہت خوش اور مطمئن ہوں کہ میرے آقا رمینس طویل جنگوں کے بعد گھر لوٹ کر آئے ہیں ۔"

سیریا مغموم اور اُداس سی ہو گئی اور بکھری بکھری سی آواز میں اس نے کہا ۔
" تو اس کا مطلب ہے میں اب یہاں بھی غیر محفوظ ہو گئی ہوں ۔"

ترسیس نے کہا ۔" نہیں میری بیٹی ! ایسا نہیں ہے ۔ تم اب پہلے سے زیادہ محفوظ ہو ۔ میں نے آقا رمینس سے تمہارا ذکر کیا ہے وہ تمہاری مدد پر آمادہ ہیں ۔ چلو میرے ساتھ انہوں نے تمہیں بلایا ہے ۔"

سیریا نے چونک کر پوچھا ہے ۔" مجھے بلایا ہے ؟ کہیں ایسا نہ ہو وہ مجھے شہر کے داروغہ یا اس کے آدمیوں کے حوالے کر دیں ۔"

ترسیس نے کہا ۔" تمہاری یہ سوچیں بے بنیاد ہیں بیٹی ! میرا آقا رمینس عجب ہے اور انتہا کا رحم دل اور معین و مددگار انسان ہے ۔ تم میرے ساتھ ان کے پاس چلو ۔ انہوں نے تمہیں بُلایا ہے اور وہ دیوان خانے میں تمہارا انتظار کر رہے ہیں ۔"

سیریا نے ہار ماننے کے انداز میں کہا ۔" چلو پھر ۔"

دونوں تہ خانے سے نکلے اور سوراخ پر اسی طرح انہوں نے پتھر رکھ دیا ۔ پھر جب وہ دیوان خانے میں داخل ہوئے تو اندر بیٹھا ہوا عدیم اُٹھ کھڑا ہوا ۔ اس نے ایک

ایک نگاہ سیریا پر ڈالی پھر اس نے نگاہیں جھکاتے ہوئے سامنے کی نشست کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بیٹھنے کو کہا ۔

سیریا چپ چاپ وہاں ترسیس کے پاس بیٹھ گئی پھر عدیم نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا ۔" قسطنطنیہ سے باہر تمہارا کوئی ایسا محفوظ ٹھکانہ ہے جہاں میں تمہیں پہنچا دوں ۔"

سیریا نے مغموم آواز میں کہا ۔" میرا کوئی ٹھکانہ نہیں اور میں کسی کو جانتی بھی نہیں ۔"

عدیم نے کہا ۔ اگر ایسا ہے تو پھر میری طرف سے بھی ایک تجویز ہے ۔ اگر تمہاری رضامندی ہو تو یہاں سے جنوب میں ارضِ فلسطین کے اندر سمندر کے کنارے صیدا نام کا ایک شہر ہے اس کے جنوب میں ایک خانقاہ ہے وہاں میرا باپ اپنے چند دُور کے عزیزوں کے ہاں رہتا ہے ۔ میں تمہیں وہاں چھوڑ سکتا ہوں جہاں تم محفوظ اور پُرسکون زندگی بسر کر سکتی ہو ۔"

سیریا نے کسی قدر سنبھلتے ہوئے پوچھا ۔" پر میں یہاں قسطنطنیہ سے کیسے اور کیوں کر نکل سکوں گی ۔"

عدیم نے کہا ۔" قسطنطنیہ سے تمہیں نکالنا میرا کام ہے ۔ اس سے متعلق تم بالکل بے فکر ہو جاؤ ۔"

اس بار سیریا نے نیچی نگاہوں کی حیا میں اور بکھرے بکھرے بالوں کی برہمی میں اپنی نورس، شبنم کی سی رسیلی جھنکار اور سنگیت کی نرم لَے جیسی اپنی آواز میں کہا ۔
" میں آپ کی اس تجویز سے مکمل طور پر اتفاق کرتی ہوں ۔ میں زندگی بھر آپ کا یہ احسان اتار نہ سکوں گی ۔"

عدیم اپنی جگہ پر اُٹھ کھڑا ہوا اور اس نے کہا ۔" تمہارا ان حالات میں اور اس طرح قسطنطنیہ میں رہنا انتہائی خطرناک ہے ۔ میں ابھی ہرکولیس سے جا کر ملتا ہوں اور اس سے اپنے باپ کے پاس صیدا شہر کی طرف جانے کی اجازت لیتا ہوں اور تمہیں یہاں سے

نکال لے جاتا ہوں"۔

سیریا بھی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ عدیم نے دیکھا اس کی آنکھوں کا جھکاؤ ایسے جیسے بجتی گت کا اتار۔ اس کی قامت کا تناؤ یوں تھا گویا نغمے کا لمبا الاپ۔ اس کی خمار نگاہوں میں اب تکلّم کا ایک طوفان اور ہونٹوں پر لوچ، دھیج اور مسکراہٹ تھی۔

عدیم نے کہا "تم دونوں بیٹھو میں ابھی آتا ہوں۔"

ترسیس نے کہا۔ "میں تو کہتا ہوں، میں کھانا تیار کرتا ہوں آپ کھا کر جائیں"

عدیم نے کہا "تم کھانا تیار کرو میں آ کر کھاتا ہوں۔" عدیم مڑا اور تیز تیز قدم اُٹھاتا ہوا باہر نکل گیا۔

عدیم سیدھا ہرکولیس کے محل پر آیا اور محافظوں سے ہرکولیس سے فی الفور ملنے کو کہا۔ ان محافظوں نے عدیم کو محل کی انتظار گاہ میں بٹھا دیا اور ہرکولیس کو اس کے آنے کی اطلاع کر دی۔ تھوڑی ہی دیر بعد انتظار گاہ میں ہرکولیس داخل ہوا اور عدیم سے کہا۔ "اچھا ہوا تم خود ہی آ گئے۔ ورنہ میں کسی کو بھیج کر تمہیں بلانے والا تھا۔"

عدیم نے کہا۔ "اب جب کہ بظاہر جنگوں کا سلسلہ رُک گیا ہے میں آپ کے پاس یہ گذارش لے کر آیا ہوں کہ مجھے کچھ دنوں کے لیے اپنے باپ کے پاس جانے کی اجازت دی جائے۔"

ہرکولیس نے کہا۔ "تم جب چاہو جا سکتے ہو لیکن اس آنے والے اتوار کے بعد کیونکہ یہاں آتے ہی مجھے اطلاع ملی ہے کہ بلقان کی طرف سے ایک گلیڈی ایٹر آیا ہے اور وہ تم سے مقابلہ کر کے میدان جیتنے کا خواہش مند ہے۔ اس موقع پر میرا تم سے پُرخلوص مشورہ ہے کہ تم مقابلہ کیے بغیر اس نئے گلیڈی ایٹر کہ جس کا نام مجھے قدلفیس بتایا گیا ہے کے حق میں دست بردار ہو جاؤ۔ میں نہیں چاہتا کہ اس مقابلے میں تمہیں کوئی نقصان پہنچے اور میں تم جیسے جرنیل سے محروم ہو جاؤں۔ میں تمہیں اپنے لشکر کے میسرہ کا کماندار دیکھنا چاہتا ہوں۔"

عدیم نے کہا۔ "آپ بے فکر رہیں۔ میں اس نئے گلیڈی ایٹر سے مقابلہ کرنے کے

بعد اپنے باپ کی طرف روانہ ہوں گا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں آپ کے میسرہ کا کماندار بھی رہوں گا اور پہلے کی طرح ہپوڈروم کے میدان سے کامیاب و کامران ہو کر نکلوں گا۔"

ہرکولیس نے کہا۔ "اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو میں تم سے اتفاق کرتا ہوں۔ پرسوں اتوار کے روز اس نئے گلیڈی ایٹر قدلفیس سے تمہارا مقابلہ ہو گا۔ میں تمہاری فتح اور کامیابی کے لیے دعاگو رہوں گا۔" پھر عدیم نے ہرکولیس سے اجازت لی اور اس کے محل سے نکل گیا تھا۔

ترسیس اور سیریا کھانا تیار کرنے کے بعد عدیم کا ہی انتظار کر رہے تھے کہ حویلی کے دروازے پہ زوردار دستک ہوئی۔ ترسیس اور سیریا دونوں اُٹھ کر باہر آئے۔ سیریا نے ترسیس سے کہا۔ "بابا! میں مطبخ میں جا کر کھڑی ہوتی ہوں۔ اگر دستک دینے والا تمہارے آقا رمنیس کے علاوہ کوئی اور ہوا تو میں تہ خانے میں چلی جاؤں گی اور اگر وہ تمہارے آقا رمنیس ہوئے تو میں باہر آ جاؤں گی۔"

سیریا مطبخ کی طرف جانے والی تھی کہ دروازے پر پھر دستک ہوئی، ساتھ ہی دونوں کو عدیم کی آواز سنائی دی "ترسیس! ترسیس! دروازہ کھولو، میں رمنیس ہوں"۔ سیریا کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی اور وہ کمرے کے اندر چلی گئی۔ ترسیس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا تھا۔

عدیم دیوان خانے میں آیا۔ ترسیس بھی اس کے ساتھ تھا جب کہ سیریا پہلے ہی وہاں بیٹھی ہوئی تھی۔ عدیم نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ایک گٹھڑی سیریا کی گود میں رکھتے ہوئے کہا۔ "ہم ترسوں صبح سویرے یہاں قسطنطنیہ سے روانہ ہو جائیں گے۔ میں تمہارے لیے یہ جنگی لباس بازار سے خرید کر لایا ہوں۔ تم یہ پہن کر میرے پیچھے میرے گھوڑے پہ بیٹھ جانا کوئی تمہیں پوچھے گا نہیں۔ ترسیس بھی دوسرے گھوڑے پر سوار ہمارے ساتھ ہو گا۔ شہر سے نکل کر ترسیس کا گھوڑا تمہارے استعمال میں آ جائے گا اور ترسیس یہاں لوٹ آئے گا۔"

سیریانے احتجاج کرنے کے انداز میں پوچھا۔ "جب ہم نے قسطنطنیہ سے
ہے تو ترسوں کیوں کیا کل یہاں سے ہماری روانگی ممکن نہیں ہے"۔

عدیم نے کہا۔ "کل یا پرسوں یہاں سے ہمارا کوچ کرنا ممکن نہیں ہے
تم جانتی ہو گی کہ میں بنیادی طور پہ ایک گلیڈی ایٹر ہوں اور قسطنطنیہ میں پہلی بار
ہونے کے بعد جب میں نے قسطنطنیہ کے گلیڈی ایٹر پولاطس کو شکست دی تھی تو
ہرکولیس نے اپنے میسرہ کا کماندار رکھ لیا تھا۔ اب ایک بلقانی گلیڈی ایٹر قسطنطنیہ میں
داخل ہوا ہے اور میرے ساتھ مقابلہ کرنا چاہتا ہے۔ یہ مقابلہ پرسوں اتوار کے روز
اور ترسوں صبح سویرے ہم یہاں سے صیدا شہر کی طرف کوچ کر جائیں گے"۔

سیریانے جواب میں کچھ بھی نہ کہا۔ تاہم وہ مطمئن اور پُرسکون دکھائی دے رہی
پھر اس نے ترسیس کے ساتھ مل کر وہیں دیوان خانے میں ہی کھانے کے برتن لگا دیئے
تینوں وہاں اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔

○

ہپوڈروم میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ ایک تو روم کے ہاتھوں ایران کی ذلت
آمیز شکستوں کے باعث شہر میں پہلے ہی میلے کا ساسماں تھا۔ دوسرے عدیم اور قدلفیس
کے مقابلے کی منادوں کے ذریعے شہر اور اس کے گرد و نواح میں خوب تشہیر کی گئی تھی۔

ہرکولیس اور اس کا بھائی تھیوڈروس دونوں اپنی نشستوں پہ آ کر بیٹھ چکے تو
پھر عدیم اور قدلفیس میدان میں اُترے اور جب وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے
تو قدلفیس نے ہاتھ آگے بڑھا کر عدیم کے ساتھ مصافحہ کیا اور ایک طرح سے ہمدردی
اظہار کرتے ہوئے اس نے کہا۔

"ہرکولیس نے مجھے بتایا تھا کہ اس نے تمہیں یہ مقابلہ نہ کرنے کا مشورہ
تھا۔ کیوں کہ بحیثیت ایک جرنیل وہ تمہیں پسند کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ تم اس کے میسرہ
کے کماندار رہو۔"

قدلفیس ذرا رکا پھر کہا۔ "کاش! تم نے اس کی بات مان لی ہوتی اور اس

پہلے ہی میرے حق میں دست بردار ہو گئے ہوتے۔ اب بھی وقت ہے۔ اس میدان میں
میرے حق میں اپنی دست برداری کا اعلان کر دو۔ ہم دونوں کا کام ہو جائے گا۔ تم ہرکولیس کے
میسرہ کے کماندار رہ جاؤ گے۔ میں قسطنطنیہ کا ناقابلِ تسخیر گلیڈی ایٹر مان لیا جاؤں گا"۔

عدیم نے گہری مسکراہٹ میں پوچھا۔ "اور اگر میں تمہارے حق میں دست بردار
نہ ہوں تو پھر تمہاری طرف سے کیا ردِ عمل ہو گا"۔

اس بار قدلفیس نے ایک طنز و تمسخر میں کہا۔ "تو پھر میں تیرے خیالات کی
دنیا مسمار کر دوں گا۔ تیری روح تیرے جسم میں پگھلا کر تجھے موت کی تاریکیوں میں اُتار
دوں گا۔ آہ! رمینس! اس وقت سے ڈر اس ساعت سے خوف کھا جب میرے
سامنے تیری بصارت و بصیرت کھو جائیں گے۔ جب میرا دستِ ظلمت تم پہ حاوی
ہو گا۔ جب میں تیری رگوں میں موجزن جوانی کا خون نکال دوں گا اور تیرے اعمال و حرکات
میں انحطاط و زوال، فراق و ہجر اور اداسی مربوط کر دوں گا۔ اور یہاں قسطنطنیہ میں
کوئی تیری تعریفوں کے گیت گانے والا نہ رہے گا۔
دیکھ میں تم سے عمر میں بڑا ہوں اور بلقان میں پچھلے پندرہ سالوں سے میں
ان ہی مقابلوں کے لیے تربیت لیتا رہا ہوں اور تیاری کرتا رہا ہوں"۔ میں ایک بار پھر
تمہیں اس ساعت سے ڈراتا ہوں جب تو اس میدان میں سب لوگوں کے سامنے رنج
و الم کا کھلیان اور ننگ و عار کی ٹوٹی ہوئی کمان کی طرح پڑا ہو گا۔ پھر تیرے نسیان کے پردے
ٹوٹ جائیں گے لیکن اس وقت ایسا لاحاصل ہو گا۔ کیوں کہ اس وقت تاریکی اور بدبختی تیری
ذات کے اندر یک جا ہو کر تجھے زیر کر چکی ہوں گی"۔

عدیم نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔ "میں تیری اس لاف زنی پہ کچھ نہ کہوں گا۔ کہ
اس کا جواب تجھے میری ڈھال اور تلوار ہی دے گی"۔

پھر عدیم نے اپنے دل میں دُعا مانگنے کے انداز میں کہا۔ "اے خداوند نور کے
اے میرے اللہ! اے بیکراں خدا! مجھے اس موت کے میدان میں میرے صحرائی
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل کامیاب و کامران بنا۔ مجھے حوصلہ عطا کر کہ میں اپنے مقابل

کے زندانِ حرص کو توڑ دوں۔ اس کے حیوانی مقاصد اور خواہشوں کی گندگی اُتار دو
رُوح کی ذِلّت اور ذات کے ننگ میں ڈال کر اس کی حالت روندے ہوئے پھُو
ثمر جیسی کر دوں۔ اے خدا! اے میرے واحد و لاشریک خدا! اس موت کے
میں تیرے ہی نام سے مَیں ابتدا کرتا ہوں۔"

پھر عدیم نے اپنی تلوار اور ڈھال سنبھالی اور قدلفیس سے کہا۔ "آ مقابلہ
اور دیکھیں کہ اس میدان میں عظمت و بلندی کی معراج کسے نصیب ہوتی ہے۔"

قدلفیس اپنی تلوار لہراتا ہُوا آگے بڑھا تھا اور عدیم پر حملہ آور ہونے م
پہل کی تھی۔ اس کے وار کو عدیم نے نہایت آسانی کے ساتھ اپنی ڈھال مار کر رد
تھا لیکن اس وقت قدلفیس کی حیرت کی انتہا نہ تھی جب اس نے دیکھا کہ عدیم تو
سے اپنی پُوری سُرعت اور تیز رفتاری کے ساتھ اس پر حملہ آور ہونا شروع ہو گیا
لگتا تھا وہ اس مقابلے کو طول نہ دینا چاہتا ہو اور اسے جلد نمٹا کر فارغ ہو
ہو۔ اس کے تیز حملے اور خوفناک وار لمحہ بہ لمحہ قدلفیس کی قوت کو مرتعش کرتے ہو
سوزش و اضطراب اور بے چارگی و کس مپرسی طاری کرنے لگے تھے۔

اچانک جس وقت قدلفیس نے عدیم کی تلوار کو اپنی ڈھال پر روکا تھا
اپنی ڈھال قدلفیس کے شانے پر دے ماری۔ قدلفیس بُری طرح لڑکھڑایا اور
گر گیا۔ عدیم نے گرے ہوئے قدلفیس پر وار نہ کیا اور اس کے قریب کھڑے ہو کر
کہا۔ "دیکھ حقیقت جو ازل سے ابد تک ہے اسے تم تبدیل نہیں کر سکتے۔
نہیں کرتے کہ مَیں نے تمہارے غرض کے پھندوں کو کاٹ کر اور تمہارے
سیلاب کو روک کر خود تمہاری اپنی ذات کے اندر تمہاری ناکامیوں اور بد بختیو
نہیں کر دیا۔ دیکھ اب بھی وقت ہے اپنی شکست تسلیم کر کے میدان سے
اس وقت سے ڈر اس ساعت سے خوف کھا جب تُو اس میدان میں خون
لخت لخت پڑا ہو گا۔"

ایک جست کے ساتھ قدلفیس اُٹھ کھڑا ہُوا اور اپنی تلوار ڈھال

رفت مضبوط کرتے ہوئے اس نے کہا۔ "مَیں تیرے ہاتھوں شکست تسلیم کر کے اس
میدان میں اتنے لوگوں کے روبرو کیونکر ہار جانے کی ذِلّت گوارہ کروں گا۔ دیکھ اب
بھی مجھے اُمید ہے کہ مَیں تمہیں زیر کر کے تم پر غم دہر طاری کر دوں گا۔"
عدیم نے کہا۔ "دیکھ مجروح شیطان! اگر ایسا ہے تو پھر تیرے دِن گِنے گئے۔
یرے جیسے شیطان، دیوانے اور باؤلے ازل سے ابد تک اپنی شکست اور ہزیمت کے زخم
اٹتے رہے ہیں اور چاٹتے رہیں گے۔"

عدیم کی بات کا جواب دینے کی بجائے قدلفیس نے آگے بڑھ کر اس پر حملہ کر دیا
تھا۔ تاہم عدیم چوکنا تھا۔ اس نے قدلفیس کا وار روکا پھر اس نے پہلے سے بھی زیادہ
ز رفتاری کے ساتھ قدلفیس پر حملے شروع کر دیئے تھے۔

اب قدلفیس نے اپنے آپ کو اپنے دفاع تک محصور کر لیا تھا اور عدیم کے
کے آگے وہ اُلٹے پاؤں اِدھر اُدھر چکر لگا رہا تھا۔ اس کے ہونٹ اب یاس و ناامیدی
ر تلخی و خوف میں بُری طرح پھڑک رہے تھے۔

عدیم اب ہَوا کا واویلا۔ جنگل کے درختوں کی ہولناک سنسناہٹ اور سمندر
کے شور کی طرح قدلفیس پر حملہ آور ہو رہا تھا۔ اُلٹے پاؤں بھاگتے بھاگتے قدلفیس نے
انک ٹھوکر کھائی اور زمین پر گر گیا۔ اس کی آنکھوں میں اس بار ایسے خطرات منڈلا
ہے تھے گویا وہ کوئی ہولناک رویا کوئی انتہائی بھیانک خواب دیکھ رہا ہو۔

قدلفیس نے اس بار بھی عدیم کو جکمہ دے کر اُٹھ جانے کی کوشش کی لیکن اس
عدیم چوکس تھا اور قدلفیس کو کوئی موقع نہ دینا چاہتا تھا۔ لہٰذا عدیم کی تلوار قدلفیس
سینے والے حصّے پر گری اور اسے کاٹتی چلی گئی تھی۔

کچھ سپاہی بھاگتے ہوئے میدان میں داخل ہوئے اور قدلفیس کی لاش اُٹھا کر لے
اپنی تلوار صاف کر کے نیام میں کرنے کے بعد عدیم ہرکولیس کے پاس آیا۔ ہرکولیس
عدیم کو مبارک دیتے ہوئے نقدی کی ایک تھیلی انعام میں دی اور پھر اُٹھتے ہوئے اس
کہا۔ رمینس! رمینس! جس طرح تمہاری خواہش ہے تم چند روز کے لیے اپنے

باپ کے پاس چلے جاؤ لیکن جلد لوٹ آنا کہ ہماری جنوب مشرقی سرحدوں پر مسل
ترکتاز شروع کر دی ہے اور ہو سکتا ہے ان کے ساتھ کسی بڑی جنگ کی نو
عدیم نے کہا۔ " آپ بے فکر رہیں میں زیادہ دن نہ لوں گا"۔
ہرکولیس اپنے بھائی اور اہلِ خانہ کے ساتھ چلا گیا۔ عدیم بھی موتند
میدان سے باہر نکل رہا تھا۔
عدیم اپنی حویلی میں داخل ہوا اور جب ترسیس نے حویلی کا دروازہ اند
سے بند کر دیا تو ایک کمرے سے سیریا بھی نکل آئی اور عدیم کے قریب آکر اس نے
خوابوں جیسی نقرئی آواز میں کہا۔ " میں آپ کو آج کی ہپوڈرم کی فتح پر مبارک
ہوں۔ کچھ لوگ جو میدان میں گئے ہوئے تھے وہ واپسی پر ہماری حویلی کے سامنے
گزرتے ہوئے آپ کی فتح اور تعریف کی باتیں کرتے جا رہے تھے"۔
عدیم نے کہا۔ " سیریا! سیریا! تم آج اپنی تیاری مکمل کر لو۔ کل
صبح ہم یہاں سے کوچ کریں گے۔ میں ابھی بازار جاتا ہوں اور راستے کی ضرور
کے علاوہ تمہارے لیے ایک گھوڑا بھی خرید لاتا ہوں"۔
اس موقع پر ترسیس نے بولتے ہوئے کہا۔ " کیا میں بھی آپ کے سا
تک چلوں کہ میں خریدی ہوئی چیزیں اٹھا لوں گا"۔
عدیم نے کہا۔ " نہیں تم یہیں رہو۔ اس طرح سیریا اکیلی رہ جائے گی
تم جانتے ہو ہم دونوں کی غیر موجودگی میں اگر کسی نے ——
عدیم کہتے کہتے خاموش ہو گیا کیوں کہ حویلی کے بیرونی دروازے پر
دستک ہوئی تھی۔ سیریا کا رنگ خوف اور وحشت میں سرسوں ہو کر رہ گیا
ترسیس فکرمند انداز میں عدیم کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس موقع پر عدیم نے در
کی طرف منہ کر کے بلند آواز میں پوچھا۔ " کون ہے"؟
باہر سے آواز آئی۔ " میں ترمید ہوں، دروازہ کھولیں"۔
عدیم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی اور اس نے سیریا کی طرف دیکھا

کہا۔ " سیریا! فکر کی کوئی بات نہیں، دستک دینے والا میرا دوست ہے اس
کا نام ترمید ہے۔ اس کا بھی اس خانقاہ سے ایک رشتہ ہے۔ جہاں میں نے تمہیں لے
کر جانا ہے۔ اس کی ایک ساتھی لڑکی وہاں رہتی ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کو پسند
کرتے ہیں۔ اچھا ہوا یہ آگیا۔ ورنہ مجھے خود اس کی طرف جانا تھا کہ اس خانقاہ میں رہنے والی
اس کی ساتھی لڑکی کے لیے کوئی پیغام ہو تو لیتا جاؤں۔ اس کی ساتھی لڑکی کا نام رمیتا ہے
تم اپنے کمرے میں چلی جاؤ میں دروازہ کھولتا ہوں۔ اس سے کوئی خطرہ نہیں۔ یہ میرے ایک
بھائی جیسا ہے۔
عدیم نے جب حویلی کا دروازہ کھولا تو ترمید اندر داخل ہوا اور عدیم کے ساتھ
اس نے پُرزور مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ " مقابلے کے بعد آپ ہرکولیس سے ملنے کے
بعد فی الفور ہی میدان سے نکل گئے۔ میرا خیال تھا آپ وہاں رُکیں گے۔ میں وہاں
آپ سے مل ہی نہ سکا۔ اب یہاں آپ کی حویلی میں آپ کو آپ کی اس عظیم کامیابی پر
مبارک باد دینے آیا ہوں"۔
عدیم نے کہا۔ " اگر تم تھوڑی دیر تک نہ آتے تو میں تمہاری طرف ہی جا رہا
تھا۔ میں چند دن کے لیے صیدا کی خانقاہ میں اپنے باپ سے ملنے جا رہا ہوں۔ تم نے
جانا ہو تو چلو میرے ساتھ۔ میں کل صبح یہاں سے کوچ کر رہا ہوں اور ابھی ابھی تم سے
ملنے اور کچھ خریداری کرنے کے لیے بازار جانے ہی والا تھا"۔
ترمید نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ " ان حالات میں ہرکولیس نے آپ
کو جانے کی اجازت کیسے دے دی۔ جب کہ ان دنوں وہ کسی کو رخصت دے ہی
نہیں رہا۔ کیوں کہ جنوب مشرقی سرحدوں پر مسلمان حرکت میں آرہے ہیں اور ہرکولیس
ان کی طرف سے خطرہ محسوس کرتا ہے۔ اگر آپ کو رخصت مل گئی ہے تو آپ ہو
آئیں۔ میرا ابھی وہاں جانے کا کوئی ارادہ نہیں۔ تاہم آپ وہاں رہنے والوں کو میری
سلامتی اور سلام کہیں"۔
عدیم نے ترمید کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔ " آؤ دیوان خانے میں بیٹھتے ہیں"۔

ترمید نے کہا۔ "نہیں! آپ تو خریداری کے لیے بازار جانے والے تھے۔ میں بھی بازار تک آپ کے ساتھ چلتا ہوں"۔

عدیم رضا مند ہو گیا اور دونوں باہر نکل گئے۔ ترسیس نے آگے بڑھ کر گھر کا دروازہ اندر سے بند کر دیا تھا۔

○

دوسرے روز صبح ہی صبح عدیم نے اپنی روانگی کا انتظام کیا۔ ایک گھوڑے پر عدیم سوار ہوا اور دوسرے پر ترسیس۔ سیریا عدیم کے گھوڑے پر اس کے پیچھے بیٹھ گئی تھی۔

سیریا نے مردانہ جنگی لباس پہن رکھا تھا اور اس پر ایک گرم اونی چادر سے اس نے اپنے آپ کو ڈھانپ لیا تھا۔ یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ اس نے سردی سے بچنے کے لیے ایسا کر رکھا ہے۔ ویسے بھی آسمان پر گہرے بادل بنے ہوئے تھے اور ہوا تیز ہو گئی تھی۔ عدیم اور ترسیس نے بھی اپنے اوپر کمبل ڈال رکھے تھے۔

عدیم نے گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے کہا۔ "سیریا! سیریا! ہم شہر کے جنوبی دروازے سے باہر نکلیں گے۔ اپنے چہرے پر خود کا نقاب گرا دو اور اپنا سر اور چہرہ چھپا کر رکھو تاکہ کوئی تمہیں پہچان نہ لے۔ میرے پیچھے بیٹھے ہوئے تمہیں ایسے لگنا چاہیے جیسے ایک سپاہی بیٹھا ہوا ہے"۔

سیریا نے اپنی آواز کے پورے ترنم اور روح کے پورے سرور کے ساتھ کہا۔ "آپ بے فکر رہیں۔ آپ کے پیچھے بیٹھ کر میں اپنے آپ کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دوں گی"۔

پھر عدیم اور ترسیس دونوں نے اپنے اپنے گھوڑے کو مہمیز لگا کر ہانک دیا تھا۔

دونوں اپنے گھوڑوں کو میانہ روی سے ہنکاتے ہوئے شہر کے جنوبی دروازے پر آئے۔ عدیم کو دیکھتے ہی شہر پناہ کے اس دروازے کے محافظ اور ان کا سربراہ احترام میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ عدیم نے ہاتھ ہلا کر ان کا شکریہ ادا کیا۔ کسی نے کچھ نہ پوچھا۔ اور عدیم سیریا اور ترسیس کے ساتھ شہر سے باہر نکل گیا۔

شہر سے دو میل دور جانے کے بعد عدیم نے اپنے گھوڑے کو روک دیا۔ کسی سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ترسیس بھی گھوڑے کو روک کر نیچے اتر گیا اور سیریا عدیم کے پیچھے سے اتر کر اس گھوڑے پر سوار ہو گئی جس پر ترسیس بیٹھا ہوا تھا۔ پھر عدیم نے ترسیس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "ترسیس! ترسیس! اب تم واپس چلے جاؤ۔ شہر پناہ کے مشرقی دروازے سے شہر میں داخل ہونا۔ تم فکر مند نہ ہونا۔ میں بہت جلد لوٹوں گا"۔

ترسیس واپس چلا گیا جب کہ عدیم اور سیریا نے گھوڑوں کو ایڑ لگا کر انہیں جنوب کی سمت سرپٹ دوڑا دیا تھا۔

آدھے دن سے زیادہ وہ دونوں اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے رہے۔ جب سورج کچھ ڈھل گیا تو عدیم نے اپنے گھوڑے کی رفتار سست کر لی۔ اس کی دیکھا دیکھی سیریا نے بھی اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچ کر اسے آہستہ چلنے پر مجبور کر دیا۔

پھر عدیم نے سیریا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا ہمیں تھوڑی دیر یہاں رک کر کھانا نہ کھا لینا چاہیے؟"

سیریا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں آپ سے اتفاق کرتی ہوں۔ مجھے بھی بھوک لگی ہے"۔ اتنے میں سامنے کی طرف سے تین سوار آتے دکھائی دیئے۔ عدیم نے انہیں دیکھا پھر نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "تھوڑا آگے جا کر بیٹھتے ہیں۔ اتنی دیر تک وہ سامنے سے آنے والے سوار بھی گزر جائیں گے۔ بادل اور گہرے ہو کر جھک گئے ہیں۔ سردی بڑھ گئی ہے میرا اندازہ ہے بارش ہو گی یا برف باری شروع ہو جائے گی"۔

جب وہ سامنے سے آنے والے تینوں سوار عدیم اور سیریا کے پاس سے گزرنے لگے تو ان میں سے ایک نے جو ڈھلتی عمر کا تھا عدیم اور سیریا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "ٹھہرو! تم دونوں کون ہو۔ کہاں سے آئے ہو اور کدھر جا رہے ہو"۔

احتیاط کے طور پر عدیم کا ایک ہاتھ فوراً اپنی تلوار کے دستے پر اور دوسرا ڈھال پر جم کر رہ گیا تھا۔ قبل اس کے عدیم کوئی جواب دیتا، اس سوار نے اس بار بے پناہ خوشی اور مسرت کا اظہار کیا ہوئے کہا۔ "اگر میری آنکھیں دھوکہ نہیں کھا رہیں۔ اگر میرے

دماغ نے کام کرنا چھوڑ نہیں دیا۔ یہ لڑکی سابق قیصر روم فوکاس کی بیٹی سیر
اس کی شکل بالکل اپنی ماں جیسی ہے اور یہ وہی تو ہے جس کے لیے قسطنطنیہ میں
بہت بڑی رقم کا اعلان ہو چکا ہے۔ میرے ساتھیو! آؤ اسے پکڑ کر قسطنطنیہ
اور اسے ہرکولیس کے حوالے کر کے ایسا انعام حاصل کریں کہ ہم تینوں کی بقیہ ز
اور بے فکری سے گزر جائے۔"

وہ تینوں رومن تھے۔ ایک بار تینوں نے بڑے غور سے سیریا اور عدیم کی
دیکھا۔ پھر اسی پہلے والے نے عدیم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تم تو وہی گلیڈی
جس نے کچھ عرصہ قبل ہپوڈروم کے میدان میں قسطنطنیہ کے گلیڈی ایٹر پولاطس کو شکس
دی تھی۔ یہ سیریا تمہارے ساتھ کیسے اور تم اسے کہاں لے جا رہے ہو۔ تمہیں تو
نے اپنے لشکر کے میسرہ کا کماندار مقرر کیا تھا۔ تمہیں تو خود اس لڑکی کو ہرکولیس کے
کر دینا چاہیے تھا۔ بہرحال اب یہ لڑکی ہمارے حوالے کر دو کہ اسے ہم ہرکولیس کے
لے جا کر انعام حاصل کریں۔

عدیم نے اپنی ڈھال اپنے سامنے کرنے کے بعد اپنی تلوار لہراتے ہوئے کہا
اب مجھ سے معافی بھی مانگ لو تو بھی میں تم تینوں کو جانے نہ دوں گا۔ تم تینوں کا قسطنطنیہ
پہنچ جانا میرے اور سیریا دونوں کے لیے خطرناک ہے۔"

اس کے ساتھ ہی عدیم برق کے کوندے کی طرح حرکت میں آیا تھا اور ان تینوں
میں سے اسے جس نے سیریا کو پہچانا تھا، موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ باقی دونوں بھو
گدھوں اور کرگسوں کی طرح دائیں بائیں سے عدیم پر ٹوٹ پڑے لیکن عدیم نے انتہا
مہارت اور حوصلے سے ان دونوں کے وار روک کر ان دونوں پر بھی اپنی غضبناک
جارحیت کی ابتدا کر دی تھی۔

اچانک کسی ماہر جنگ جُو کی طرح حسین سیریا نے اپنی تلوار ڈھال سنبھال کر
گھوڑے کو تیزی سے آگے بڑھایا اور عدیم کے ساتھ برسرِپیکار دونوں رومنوں میں سے
کی پشت پر ایسا وار کیا کہ اسے کاٹ کر رکھ دیا۔ دوسرا عدیم کی تلوار کا شکار ہو گیا۔ دو

نے اپنی تلواریں صاف کر کے نیام میں کر لیں۔ پھر عدیم نے غور سے سیریا کی طرف دیکھتے ہوئے
کہا۔ "میں نے تو تمہارے لیے جنگی لباس اور یہ ہتھیار اس نظریے سے خریدے تھے کہ
تم میرے ایک ساتھی کی حیثیت سے مردانہ لباس میں قسطنطنیہ شہر سے باہر نکل سکو۔ بخدا
میں نہ جانتا تھا تم ایک ماہر تیغ زن بھی ہو۔"

سیریا نے مسکراتے ہوئے اپنی رس ساگر میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔ "میری ماں
تیغ زنی میں خوب مہارت رکھتی تھی۔ وہ تہ خانے کی زندگی میں تیغ زنی میں اس نظریے
کے تحت میری تربیت کرتی رہی ہے کہ قسطنطنیہ سے بھاگ کر کہیں اور پناہ لینے کے
لیے ہتھیاروں پر عبور سودمند ثابت ہوگا۔

میں نے اپنی ساری زندگی تہ خانے میں گزاری ہے۔ میں زندگی کے جمال، سورج
کی روشنی، پھولوں کی مہک، ندیوں کے ترنم، بہاروں کی سرمستیوں، گرمی کی شعق انگیزیوں
جاڑوں کی خمار انگیزیوں اور خزاں کی اداسیوں سے پوری طرح واقف نہ تھی۔ آپ کے
ساتھ ان کھلی فضاؤں میں آج میں عجیب سا لطف اور اپنی ذات پر فخر محسوس کر رہی ہوں۔"

اس موقع پر عدیم نے دیکھا سیریا کی سرمگیں پلکوں اور شہد میں ڈوبے گلگوں ہونٹوں
پر گہری خوشی اور اطمینان رقص کر رہا تھا۔ سیریا نے پھر ہنستی مسکراتی آنکھوں میں کہا۔

"شروع میں آپ کے ساتھ تنہا سفر کرنے سے متعلق سوچ کر میں پریشان
اور خوفزدہ ہو جاتی تھی۔ لیکن میں آپ کی احسانمند ہوں کہ آپ نے اپنے حسن سلوک
اور کردار سے میرے اعتماد اور اعتبار کو بحال کیا ہے۔ آپ کے ساتھ ان کھلی اور آزاد
فضاؤں میں اب میں ایسا محسوس کرتی ہوں جیسے زمین کی پستیاں اور آسمان کی رفعتیں
ہماری خاطر یکجا ہونے لگی ہوں۔ ورنہ میں تو خزاں کے سوکھے ڈنٹھل کی طرح اپنی
ذات کے بعد کی اسیر تھی اور شب کی خاموش فضاؤں میں کسی رویا اور خواب دیکھنے والی
کی سی زندگی بسر کرتی تھی"۔

سیریا کی طرف دیکھتے ہوئے عدیم نے گہری طمانیت میں کہا۔ "میں تمہارا ممنون
ہوں کہ مجھ پر تم نے اپنا اعتماد و اعتبار بحال کیا۔ سنو! میری ذات سے ایک ایسا

راز وابستہ ہے جو میرے باپ کے علاوہ چند اور جاننے والوں کے علم میں ہے اگر اس راز کا علم ہرکولیس یا اس کے بھائی کو ہو جائے تو وہ اپنے پادریوں اور راہبوں کے دباؤ میں آ کر مصلوب کر کے رکھ دیں۔"

سنو سیریا! ترسیس نے شاید تمہیں یہی بتایا ہو گا کہ میں ایک نصرانی جوان ہوں، گلیڈی ایٹر ہونے کے علاوہ ہرکولیس کے میسرہ کا کماندار ہوں۔ لیکن میں تم پر اپنی اصلیت واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ سنو! میں نصرانی نہیں مسلمان ہوں۔ اس نبیؐ پر ایمان رکھتا ہوں جس نے عرب کے صحراؤں کے اندر نبوّت کا دعویٰ کر رکھا ہے۔ جس کے ماننے والوں کی تعداد اب روز بروز بڑھتی جا رہی ہے اور ان کے اردگرد کے حکمران اب ان سے خوفزدہ اور ہراساں ہونے لگے ہیں۔"

سیریا نے بڑی معصومیت سے کہا۔ "تہ خانوں کی زندگی نے مجھے مذہب سے متعلق کچھ نہیں دیا۔ میری ماں مصری تھی اور بتوں کی پوجا کرنے والی تھی۔ تاہم میں بتوں کی طرف راغب نہیں ہوئی۔ اب جب کہ آپ نے مجھے اس قابل کیا ہے کہ میں کھلی فضاؤں میں آزادی کی سانس لے سکوں تو جو آپ کا مذہب ہو گا وہی میرا ہو گا۔ ویسے آپ کے اپنا راز کہنے اور اپنی ذات سے متعلق سچ کہنے سے آپ کی وقعت میری نگاہوں میں اور بڑھ گئی ہے۔"

عدیم اپنے گھوڑے سے اُتر گیا اور سیریا سے کہا۔ "ان تینوں کی لاشوں کو یہاں دفن کر دیتے ہیں۔ ایسا نہ ہو ان کی وجہ سے کوئی اور ہمارا تعاقب کر کے ہمارے لیے خطرات کھڑے کر دے۔"

سیریا بھی اپنے گھوڑے سے اُتر گئی۔ دونوں نے مل کر ان تینوں رومنوں کی لاشوں کو وہاں دبا دیا اور اُن کے گھوڑوں کو مار مار کر انہوں نے وہاں سے بھگا دیا۔ اپنے گھوڑے سے قریب آ کر سیریا نے خرجین کے اندر سے ایک بڑی چرمی تھیلی نکال کر کہا۔ "جس طرح آپ نے مجھ پر اپنا راز انکشاف کیا اس طرح میں بھی اپنے آپ کو آپ پر ظاہر کرتی ہوں۔"

اس چرمی تھیلی کا منہ سیریا نے کھولا اور عدیم کو دکھاتے ہوئے کہا۔ "یہ دیکھیں" عدیم نے دیکھا وہ چرمی تھیلی بے حد قیمتی اور نایاب جواہرات کے علاوہ سونے کے ٹکڑوں سے بھری ہوئی تھی۔

سیریا نے کہا۔ "یہ تھیلی ور اس سے ایک چھوٹی خریطی میری ماں اس وقت محل سے لے کر بھاگی تھی۔ جب قسطنطنیہ پر میرے باپ فوکاس کی حکومت ختم ہو گئی اور ہرکولیس حکمران بن گیا۔" پھر وہ تھیلی سیریا نے عدیم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ آپ اپنے پاس رکھ لیں۔ جس خانقاہ میں آپ مجھے لے جا رہے ہیں وہاں کے مکینوں کا نہ جانے میرے ساتھ کیسا سلوک ہو، اس لیے آپ میری نسبت اس کی بہتر حفاظت کر سکتے ہیں۔"

عدیم نے کہا۔ "یہ تم اپنے ہی پاس رکھو کہ تم اس کی مالک ہو۔ سنو! اس خانقاہ کے مکین بہت اچھے لوگ ہیں۔ اگر تم وہاں نہ رہنا چاہو اور اس جگہ کو ناپسند کر کے کہیں اور جانا چاہو تو کوئی تمہیں منع نہ کرے گا اور تمہاری ہر چیز بعینہٖ تمہیں واپس کی جائے گی۔ اس امر کی میں تمہیں ضمانت دیتا ہوں۔"

سیریا نے آگے بڑھ کر وہ تھیلی عدیم کے گھوڑے کی خرجین میں ڈالنے کے بعد کہا "بہر حال یہ تھیلی آپ کے پاس ہی اچھی لگتی ہے اور آپ ہی اس کی حفاظت کر سکتے ہیں خانقاہ کے علاوہ میں نے اگر کہیں جانا ہوا تو آپ کو بتا کر جاؤں گی۔"

عدیم نے پوچھا۔ "کیا یہاں رُک کر کھانا نہ کھا لینا چاہیے؟"

سیریا نے خوفزدہ آواز میں کہا۔ "یہاں اب خطرات ہی خطرات ہیں۔ یہ مرنے والے مجھے بیت المقدس سے لوٹنے والے زائرین لگتے ہیں۔ ان کے پیچھے یقیناً اور لوگ بھی ہوں گے۔ ویسے بھی مرنے والوں کے مجھے پہچان جانے کے باعث خوف کی وجہ سے میری بھوک مر گئی ہے۔ ویسے آپ کو اگر بھوک لگی ہو اور آپ کھانا کھانا چاہیں تو بیٹھ جاتے ہیں۔"

عدیم نے اپنے گھوڑے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "لو پھر چلتے ہیں۔ اب شام ہی کو کھائیں گے۔" سیریا بھی اپنا منہ ڈھانپ کر اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئی اور ایڑ لگا کر

دونوں نے اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑا دیا تھا۔

O

شام سے کچھ پہلے وہ جبل طاروس کے طویل سلسلے میں داخل ہوئے۔ ایک ایسی جگہ جہاں ایک سیاہ رنگ کی چٹان اوپر سے بہت ہموار چوڑی اور صاف ستھری تھی، نیچے تھوڑی ہی دور ایک صاف ستھرا چشمہ بہتا تھا۔

عدیم نے اپنے گھوڑے کو روک لیا اور سیریا سے کہا۔ "جب تک ہم ارضِ فلسطین میں داخل نہیں ہو جاتے اس وقت تک ہمیں محتاط رہنا چاہیے اور آبادیوں سے دور رہ کر اپنے سفر کو جاری رکھنا چاہیے۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ اس سامنے والی چٹان پر بیٹھ کر کھانا بھی کھا لیں اور کچھ دیر سستا بھی لیں۔ اتنی دیر ہمارے گھوڑے بھی چر کر تازہ دم ہو جائیں گے۔ آسمان پر بادل اور زیادہ گہرے ہو کر جھک گئے ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے برف باری شروع ہونے والی ہو۔ اگر ایسا ہوا تو اس کوہستانی سلسلے کے اندر ہمیں سر چھپانے کو جگہ مل جائے گی اور اگر برف باری کسی وادی میں سفر کرتے ہوئے شروع ہو گئی تو ہمارے لیے مشکلات کھڑی ہو جائیں گی"۔

سیریا نے کہا۔ "اگر آپ نہ رکتے تو میں خود ہی آپ سے رکنے کو کہنے والی تھی راستے میں تو خوف کے باعث میں کھانا کھانا بھول گئی تھی لیکن اب میں سخت بھوک محسوس کر رہی ہوں"۔

دونوں اپنے گھوڑوں سے اتر گئے۔ عدیم نے اپنے گھوڑے کی زین سے بندھی خرجین جس میں کھانے کا سامان تھا اتار کر اس سیاہ رنگ کی ہموار چٹان پر رکھتے ہوئے کہا۔ "سیریا! سیریا! تم یہاں بیٹھو! میں گھوڑوں کے دہانے اتار کر یہ بالکل تھوڑی دور نیچے بہنے والے چشمے سے پانی کا مشکیزہ بھر لاتا ہوں"۔

سیریا نے پانی کا مشکیزہ جو تقریباً خالی ہو چکا تھا لیا اور عدیم سے کہا۔ "آپ گھوڑوں کے دہانے اتار کر انہیں چرنے کے لیے کھلا چھوڑیں، اتنی دیر تک میں پانی کا مشکیزہ بھر لاتی ہوں۔

پھر وہ عدیم کے جواب کا انتظار کیے بغیر خطرات سے مطمئن اور بے فکر کسی کوہستانی آہو کی طرح پھلانگتی ہوئی اس چشمے کی طرف بھاگ رہی تھی۔

عدیم نے دیکھا اس سیاہ چٹان کے بائیں طرف کٹی ہوئی گھاس جو خشک ہو چکی تھی دور دور تک پھیلی اور بکھری ہوئی تھی۔ شاید مقامی لوگوں نے اسے بازار میں بیچنے کی خاطر یا برف باری کے موسم میں اپنے جانوروں کے استعمال میں لانے کی خاطر کاٹ کر وہاں پھیلا رکھی تھی۔ عدیم نے جب دونوں گھوڑوں کے دہانے نکال دیئے تو وہ دونوں کٹی اور بکھری ہوئی خشک گھاس تیزی سے چبانے لگے تھے۔

اچانک عدیم چونک پڑا کہ ہلکی ہلکی برف باری شروع ہو گئی تھی۔ کسی احتیاط اور پیش بندی کے تحت عدیم نے بھاگ کر وہ خرجین جس میں کھانے کی اشیاء تھیں گھوڑے کی زین سے باندھ دی۔ اس نے دیکھا اس سیاہ چٹان کے دائیں طرف ایک غار تھا جس کا منہ تو تنگ ہی تھا لیکن اندر سے اس قدر کھلا تھا کہ وہ اپنے گھوڑوں سمیت اس میں پناہ لے سکیں۔ عدیم بڑی تیزی سے حرکت میں آیا اور گھاس اٹھا اٹھا کر اس غار کے اندر ڈھیر کرنے لگا۔

غار کی طرف بھاگ کر جاتے اور لوٹتے ہوئے اس کی نظر اچانک سیاہ چٹان کے بائیں طرف اٹھ گئی۔ وہاں کسی نے لکڑیاں کاٹ کر خشک ہونے کو پھیلا رکھی تھیں۔ غار کے اندر گھاس کا ڈھیر کرنے کے بعد عدیم اب وہ لکڑیاں اٹھا اٹھا کر غار کے اندر پھینکنے لگا تھا۔

جس وقت وہ لکڑیاں اٹھا اٹھا کر اور بھاگ بھاگ کر غار میں رکھ رہا تھا چشمے کی طرف سے سیریا کی ہولناک چیخیں سنائی دیں اور وہ بے چاری واویلا کرتی ہوئی اسے مدد کے لیے پکار رہی تھی۔ برف باری اب تیز ہو گئی تھی۔ عدیم نے جو لکڑیوں کا گٹھا بنا کر اٹھا رکھا تھا۔ وہ اس نے وہیں پھینک دیا اور اس طرف بھاگا جہاں نیچے تھوڑے ہی فاصلے پر چشمے کا پانی بہہ رہا تھا۔

نیچے اترتے ہوئے عدیم اپنی پوری رفتار سے بھاگنے لگا۔ اس نے دیکھا سیریا

کے پیچھے بھورے رنگ کا ایک عظیم الجثہ اور ہولناک ریچھ بھاگ رہا تھا اور سیریا
کندھے سے پانی سے بھرا مشکیزہ لٹکائے شور کرتی اور عدیم کو مدد کے لیے پکارتی
اس ریچھ کے آگے آگے بھاگ رہی تھی۔

بھاگتے بھاگتے عدیم نے کمر سے بندھی ہوئی ڈھال اتار لی تھی اور تلوار بے
نیام کر لی تھی۔ عدیم اور سیریا کے درمیان تھوڑا ہی فاصلہ رہ گیا تھا کہ ریچھ نے
کو آ لیا اور اس کی ٹانگ منہ میں لے کر بھنبھوڑنے ہی لگا تھا کہ سیریا بے چاری ڈر
کے مارے گر گئی اور نیچے کی طرف لڑھکنے لگی۔

اس موقع پر ریچھ نے جب عدیم کو اپنے اس قدر قریب دیکھا تو وہ سیریا
بھول کر عدیم کی طرف بڑھا۔ اتنی دیر تک سیریا بے چاری بھی سنبھل کر اٹھ کھڑی
تھی اور اپنے کپڑے جھاڑ کر اس نے زمین پر پڑا ہوا مشکیزہ اٹھا لیا تھا۔ اس نے
دیکھا کہ ریچھ اب عدیم کی طرف بڑھ رہا ہے تو نہ جانے اس میں اتنی ہمت کہاں سے
عود کر آئی اور اس نے ایک پتھر اٹھا کر ریچھ کے دے مارا۔

پتھر ریچھ کی پیٹھ پر لگا اور جب اس نے مڑ کر سیریا کی طرف دیکھا
وقت عدیم ایک پرجوش جست کے ساتھ آگے بڑھا۔ پھر اس کی چمکتی بھاری تلوار
ہو کر گری اور ریچھ کو کاٹتی چلی گئی تھی۔

ریچھ کے ختم ہونے کے بعد عدیم تیزی سے سیریا کے پاس آیا اور بڑی
میں اس نے پوچھا۔ "تمہارے کہیں چوٹ تو نہیں آئی۔ تمہاری چیخ و پکار سن کر
پریشان ہو گیا تھا۔"

سیریا نے کہا۔ "میں بچ گئی ہوں۔ خوف کے مارے میں گر پڑی تھی
ریچھ میری ٹانگ اپنے منہ میں لے کر چبا جانے والا تھا۔"

عدیم نے اس بار اطمینان میں کہا۔ "شکر ہے تم بچ گئی ہو۔ میں نے تو تمہیں
کہ میں خود پانی لے آتا ہوں۔"

سیریا نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ پانی لینے جاتے تو وہاں بھی

گئی ہی رہتی۔ وہاں بھی کوئی ریچھ مجھ پر حملہ آور ہو سکتا تھا۔ اب برف باری تھی شروع
ہو گئی ہے اور ایک طرح سے ہم اب ان خطرناک کوہستانوں کے اندر محصور ہو کر رہ
گئے ہیں۔ اس تیز اور طوفانی برف باری میں ہمارے لیے سفر جاری رکھنا بھی ممکن
نہ ہوگا اور اگر ہم نے ان چٹانوں کے اندر برف باری سے پناہ لینے کی کوشش کی تو ہم
ان درندوں کا شکار ہو جائیں گے۔ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے کوہستانوں کے اس حصے
میں ریچھ ہی ریچھ رہتے ہوں۔"

ذرا رک کر سیریا بچاری نے رو دینے والی آواز میں کہا۔ "میں موت سے بچ کر
قسطنطنیہ سے بھاگی تھی لیکن ایسا لگتا ہے موت تو یہاں کوہستان کی چٹانوں کے اندر بھی میرا
تعاقب کر رہی ہے۔"

عدیم نے اس کی ہمت بڑھاتے اور تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "سیریا! سیریا! تم فکر مند
نہ ہو۔ میں اس کوہستان طاروس کے اندر چھوٹی سی ایک غار تلاش کر آیا ہوں۔ اس غار کے اندر
ہم دونوں اپنے گھوڑوں سمیت بڑے آرام اور حفاظت سے اس برف باری سے بچ کر رات
گزار سکتے ہیں اور سنو! اس غار کے اندر میں خشک گھاس اور لکڑیوں کا ڈھیر بھی لگا
آیا ہوں اور وہ گھاس اس قدر زیادہ ہے کہ دونوں گھوڑے اپنا پیٹ بھر لیں پھر بھی بچ
جائے۔" عدیم کی گفتگو سے سیریا کے چہرے پر کچھ رونق آ گئی تھی۔

دونوں تیزی سے چلتے ہوئے غار کے اندر آئے۔ عدیم نے پہلے احتیاط کے طور
پر غار کے اندر جس قدر سوراخ تھے وہ اس نے پتھروں سے بھر دیے پھر اس نے سیریا کی
طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"سیریا! سیریا! تم یہاں بیٹھو، تمہاری چیخ و پکار سن کر میں کچھ لکڑیاں پھینک
کر تمہاری طرف بھاگا تھا۔ میں وہ لکڑیاں اٹھا لاؤں، پھر گھوڑوں کو غار کے اندر لاتا ہوں۔
اس طرح ہمارے پاس اس قدر لکڑیاں ہو جائیں گی کہ ہم ساری رات آگ جلا کر اس غار کے
اندر سردی سے بچ سکتے ہیں۔"

سیریا نے اپنی پوری ہمت جمع کرتے ہوئے کہا۔ "آپ لکڑیاں لے آئیں۔ میں

دونوں گھوڑوں کو غار کے اندر لاتی ہوں"۔

دونوں غار سے باہر نکل گئے۔ عدیم لکڑیوں کا گٹھا اُٹھا لایا جب کہ سیریا گھوڑوں کو دھانے چڑھا کر انہیں غار کے اندر لے آئی تھی پھر اس نے دونوں گھوڑوں کے دھانے اُتار کر ان کے آگے گھاس ڈال دی اور دونوں گھوڑے تیزی سے خشک گھاس چبانے لگے تھے۔

عدیم جب خشک گھاس سے آگ روشن کرنے لگا تو سیریا نے خوفزدہ نگاہوں سے غار کے منہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس غار کے اندر ہم محفوظ نہیں رہ سکتے رات کے وقت اگر بھوکے ریچھ اس غار کے اندر داخل ہو جائیں تو ہمارا کیا حشر ہو گا"۔

عدیم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یقیناً تمہارا خوف اور اندیشہ درست ہے"۔ وہ اُٹھ کر باہر گیا اور چند بڑے بڑے پتھر اُٹھا کر اس نے غار کے اندر ڈھیر کر دیئے پھر وہ خود بھی غار کے اندر آیا اور پتھروں کو نیچے اُوپر رکھ کر غار کے منہ پہ ایک دیوار چننے لگا۔ سیریا بھی آگے بڑھ کر اس کام میں اس کی مدد کرنے لگی تھی۔

دونوں نے مل کر پتھروں سے دیوار اس قدر اونچی کر دی کہ باہر سے کوئی جانور اس غار کے اندر داخل نہ ہو سکے۔ باہر اب اندھیرا پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ عدیم نے آگ روشن کر کے پہلے خشک گھاس جلائی پھر لکڑیاں ڈال کر اس نے آگ کو خوب بھڑکا دیا تھا۔ غار کے مُنہ کے پاس آگ کا الاؤ روشن کرنے کے بعد دونوں نے مل کر کھانا کھایا۔ کھانے کی بچی ہوئی اشیاء سمیٹ کر جب وہ دونوں آگ کے الاؤ پر ہاتھ پھیلا کر بیٹھے تھے تو دونوں بری طرح چونک پڑے۔ کیونکہ دونوں گھوڑوں نے گھاس چبانی بند کر دی تھی۔ وہ بُری طرح زمین پہ پاؤں مار کر اور نتھنے پھڑپھڑا کر کسی خطرے اور خوف کا اظہار کرنے لگے تھے۔

عدیم نے فوراً اپنی تلوار کھینچ لی اور ایک جست کے انداز میں اٹھتے ہوئے اس نے سیریا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "سیریا! میں نہیں جانتا اس غار سے باہر ہم دونوں یا ان گھوڑوں کی بو پا کر کون سی عفریت منڈلا رہی ہے۔ تاہم میرا اندازہ ہے غار سے باہر کوئی درندہ ہے جس کی بُو پا کر دونوں گھوڑوں نے گھاس چبانا بند کر کے بدکنا شروع کر دیا ہے۔

عدیم کی گفتگو سُن کر سیریا بے چاری کا رنگ فق ہو گیا تھا اور وہ خوف و دہشت سے لرزنے کانپنے لگی تھی۔ بڑی مشکل سے اس نے الفاظ ادا کرتے ہوئے عدیم سے پوچھا۔ "اب کیا ہو گا"۔

عدیم نے اس کی ہمت بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تم فکر مند نہ ہو۔ میں ہر حال میں تمہاری حفاظت کروں گا۔ سیریا! سیریا! تم اب میرا فرض اور ذمہ داری ہو۔ میں اپنے فرض کو پورا کروں گا اور ذمہ داری کو نبھاؤں گا"۔

عدیم کہتے کہتے خاموش ہو گیا اور کچھ سننے کی کوشش کرنے لگا پھر اس نے سیریا سے کہا۔ "سنو سیریا! غار کے منہ پر رکھے پتھروں پر پنجے مارنے کی آوازیں آ رہی ہیں اور میرا اندازہ ہے کہ یہ ایک سے زیادہ درندے ہیں"۔

سیریا نے اس بار اپنی ہمت مجتمع کرتے ہوئے کہا۔ "میرا دل کہتا ہے۔ کہ ہر خطرے سے مجھے بحفاظت نکالنے والا میرا خدا مجھے اس غار کے اندر موت و حالات کا شکار نہ ہونے دے گا"۔

عدیم نے جلدی جلدی اپنے گھوڑے کی زین سے بندھا ہوا اپنا نیزہ اتار لیا اور غار کے منہ پر پتھروں سے چنی دیوار کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے پتھروں کے درمیانی سوراخوں سے جھانک کر باہر دیکھا۔

باہر دو ریچھ تھے اور وہ پتھروں کی دیوار پر زور زور سے پنجے مار کر اس کو گرانے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن پتھر چونکہ خاصے بڑے اور وزنی تھے لہذا وہ انہیں گرانے میں کامیاب نہ ہو رہے تھے۔ عدیم نے اپنا نیزہ اس سوراخ کے اندر ڈال کر چاہا تھا کہ ان میں سے ایک کے دل میں اُتار دے کہ وہ رُک کر سوچنے لگا۔ پھر کوئی آخری فیصلہ کرتے ہوئے اس نے اپنا نیزہ کھینچ لیا اور غار کے مُنہ پر بنائی ہوئی پتھروں کی دیوار کے سب سے اوپر کا پتھر اتار کر اس نے نیچے رکھ دیا۔

سیریا نے خوفزدہ ہو کر پوچھا۔ "یہ آپ کیا کرنے لگے ہیں"۔

عدیم نے کہا۔ ”تم خاموشی سے دیکھتی جاؤ میں ان کا کیا انتظام کرتا ہوں“
دیوار کے اُوپر سے ایک پتھر ہٹ گیا تو دونوں ریچھ غرانے اور شور کرنے لگے
نے ایک اور پتھر ہٹا دیا۔ سیریا سہم کر ایک طرف کھڑی ہو گئی تھی۔ پھر عدیم نے
چوتھا پتھر بھی ہٹا دیا۔ اب غار کے مُنہ کا اُوپر کا حِصّہ کھُل گیا تھا اور دونوں
ہو کر دیوار کے اُوپر سے غار کے اندر دیکھنے لگے۔ شاید عدیم یہی چاہتا تھا۔

جونہی دونوں ریچھوں نے دیوار کے اُوپر سے اندر جھانکنا شروع کیا
اپنا کام شروع کیا اور اپنی تلوار باری باری ان پہ گرا کر دونوں کی اس نے گردنیں
رکھ دی تھیں۔

خوفزدہ ہرنی کی طرح گھبرائی ہوئی سیریا اب پُرسکون ہو گئی تھی۔ عدیم
پتھر دوبارہ دیوار کے اُوپر خوب جما کر رکھ دیئے اور سیریا کی طرف دیکھتے ہوئے
”مَیں گھوڑے کی زین سے بستر کھول کر یہاں آگ کے پاس تمہیں بچھا
تم نیند کر لو۔ اس طرح تم یہ برفانی رات بغیر کسی خوف اور تکلیف کے گزار سکو گی“

سیریا خُود آگے بڑھی گھوڑے کی زین سے بندھا ہُوا اپنا اور عدیم کا بستر
دونوں اس نے آگ کے پاس بچھا دیئے۔ پھر عدیم سے اس نے کہا۔ ”آپ نے
ہو تو سو جائیں۔ مجھے تو ان حالات میں اس غار کے اندر نیند نہ آئے گی۔ مَیں بیٹھ
رہوں گی اور پہرہ دیتی رہوں گی“۔

عدیم نے کہا۔ ”چلو پھر دونوں ہی آگ کے پاس بیٹھ جاتے ہیں“۔ د
اپنے بستر میں گھُس گئے اور ایک دوسرے کو اپنے اپنے گزرے ہوئے حالات
گزارنے کی کوشش کرنے لگے تھے۔ دونوں گھوڑے اب پُرسکون تھے اور
گھاس چبا رہے تھے۔

رات کے پچھلے حِصّے میں عدیم اپنے بستر میں لیٹ کر سو گیا تھا جب کہ
الاؤ میں لکڑیاں رکھ رکھ کر اسے روشن کرتی رہی اور آگ کے پاس بیٹھ کر خاموش
دہشت ناک رات کے گزر جانے کا انتظار کرتی رہی۔

○

رات کے پچھلے اور آخری حِصّے میں طوفانی انداز میں پڑنے والی برف باری تھم چکی
تھی۔ آسمان کے چہرے پہ بکھرے دبیز بادل پھٹ کر لیر لیر اور جھیر جھیر ہونے لگے تھے۔
پھر جب سُورج کی شعاعیں غار کے مُنہ پر پتھروں کی دیوار کے روزنوں سے ہو کر مختلف
زاویوں سے غار کے اندر داخل ہونے لگی تھی۔

عدیم جاگ رہا تھا تاہم وہ یوں ہی بستر میں لیٹا ہُوا تھا۔ سیریا اپنی جگہ سے
اُٹھی اور عدیم کا بازو پکڑ کر ہلاتے ہوئے اس نے اپنی آواز کے بھرپور ترنم اور رُوح کے
اندر میں کہا۔ ”عدیم! عدیم! اُٹھیئے یہاں سے کُوچ کریں۔ سُورج طلوع ہو گیا ہے“۔
سیریا کے نرم و نازک اور معطر ہاتھ کے لمس نے عدیم پہ ایک حلاوت اور سکون
طاری کر کے رکھ دیا تھا۔ تاہم وہ فوراً اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ سیریا نے دوبارہ ہنستی ہوئی پُرمسرت
آواز میں کہا۔ ”دیکھئے دھُوپ کیسے پتھروں کے سوراخوں سے اندر آ رہی ہے۔ اس کا
مطلب ہے برف باری تھم چکی ہے اور آسمان صاف ہو کر دھوپ نکل آئی ہے۔ اب
اس غار میں زیادہ دیر ٹھہرنا مناسب نہیں۔ ہمیں فوراً اپنی منزل کی طرف کُوچ کر جانا چاہیئے“۔
عدیم فوراً اُٹھ کھڑا ہُوا اور غار کے مُنہ سے پتھر ہٹانے لگا۔ اتنی دیر تک سیریا نے
دونوں بستر لپیٹ کر گھوڑوں کی زینوں سے باندھ دیئے۔ پھر اس نے دونوں گھوڑوں
کو دانے چڑھا کر آگ بجھا دی اور پانی کا مشکیزہ اپنے گھوڑے کی زین سے باندھ دیا اور
کھانے کی اشیاء اس نے خرجین میں ڈال دیں اور عدیم سے کہا۔ ”مَیں نے کھانے کی اشیاء
سمیٹ دی ہیں۔ اب کسی محفوظ جگہ بیٹھ کر ہی کھانا کھائیں گے“۔ اتنی دیر تک عدیم بھی
غار کے مُنہ سے پتھر ہٹا چکا تھا۔ دونوں ریچھ وہاں مرے پڑے تھے۔

عدیم اور سیریا دونوں اپنے گھوڑوں کی باگیں پکڑے غار سے باہر نکلے۔
رات کے اندھیرے اب ختم ہو گئے تھے۔ نیلگوں فلک پر کوئی اِکّا دکّا بادل کے ٹکڑے
آوارہ گردوں کی طرح تیر رہے تھے۔ کوہستانوں کے دامن میں بکھرے کھیتوں اور
نخلستانوں میں رونق آ گئی تھی۔ رات بھر پڑنے والی برف چشموں کی ہم نوا ہو کر وادیوں

کے اندر گیت گانے کے لیے تدریجی ڈھلانوں میں ڈھلک رہی تھی۔ ہر طرف خاموش سکوت تھا جیسے ہر شے کے کان فطرت کے گیت سننے کو ہمہ تن گوش ہوں بھر کے بھُو کے طیور امن اور آزادی کے لیے اپنے رب کے ہدیۂ شکر کے نغمے برفانی وادیوں میں رزق کی تلاش کو اُڑے جا رہے تھے۔

عدیم فطرت کے ان مناظر سے لطف ہونے میں محو تھا کہ سیریا نے اس ہوئے کہا۔ "آپ کہاں کھو گئے ہیں۔ کیا اب یہاں سے کوچ کرنے کا ارادہ نہیں انتظار میں ہیں کہ ان وادیوں کے اندر سے رات بھر کے بھوکے ریچھ غراتے ہوئے اور ہم دونوں کو چیر پھاڑ کر رکھ دیں"۔

عدیم چونک سا پڑا اور کہا۔ "میں چشموں کے سنگ ڈھلانوں کی طرف اُڑتی اس برف کو دیکھنے میں محو ہو گیا تھا"۔

پھر وہ ایک پُرجوش حیت کے ساتھ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور سیریا کہا۔ "آؤ پھر یہاں سے کوچ کریں"۔

سیریا بھی اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ پھر وہ جبلِ طاروس کے بیچوں گزرنے والی شاہراہ پر اپنے گھوڑوں کو دوڑانے لگے تھے۔

عدیم نے کوہستان طاروس سے نکل کر انطاکیہ، لاذقیہ، طرابلس اور بیروت سے ہوتے ہوئے صیدا شہر کی طرف جانا پسند نہ کیا تھا۔ کیوں کہ یہ راستہ رہزنوں سے بالخصوص لاذقیہ اور طرابلس کے درمیان غیر محفوظ تھا۔ اس نے وہ راستہ اختیار کیا تھا جو انطاکیہ سے حمص وہاں سے بعلبک اور پھر دمشق کی طرف جاتے ہوئے طرف مڑ کر صیدا شہر کی طرف چلا گیا تھا۔

جبلِ طاروس سے نکل کر جب عدیم اور سیریا میدانی علاقے میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا ایک ندی کوہستان طاروس سے نکل کر جنوب میں دور تک خرامی سے بہتی چلی گئی تھی۔ انہوں نے دیکھا۔ وہاں اس ندی کے کنارے تین اور دو خچریں کھڑی تھیں اور پانچ آدمی ایک دائرے کی شکل میں بیٹھے شاید کھانا کھا رہے

تھے۔ عدیم اور سیریا ندی کے کنارے بیٹھے ان لوگوں کے پاس آئے اور عدیم نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ "اے صاحبو! ہم دونوں اس علاقے میں اجنبی اور پردیسی ہیں۔ انطاکیہ شہر کی طرف جانے کے لیے ہمیں کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیے"۔

ان میں سے ایک نے کہا۔ "اس ندی کے کنارے کنارے جو راستہ جنوب کی طرف جاتا ہے یہ سیدھا تمہیں انطاکیہ شہر پہنچا دے گا"۔

عدیم سیریا کے ساتھ وہاں سے ہٹ گیا اور ندی کے کنارے کنارے ذرا آگے جا کر اس نے سیریا سے کہا۔ "اب ہم دونوں محفوظ علاقے میں ہیں۔ ان لوگوں کو کھانا کھاتے دیکھ کر میری بھوک بھی بیدار ہو گئی ہے۔ آؤ ہم دونوں بھی اس ندی کے کنارے بیٹھ کر کھانا کھا لیں"۔

سیریا شاید عدیم کے اس فیصلے کا ہی انتظار کر رہی تھی۔ وہ فوراً اپنے گھوڑے سے اُتر گئی اور چادر نکال کر اس نے ندی کے کنارے بچھا دی اور اس پر اس نے کھانے کی اشیاء جما دی تھیں۔ اتنی دیر تک عدیم نے دونوں گھوڑوں کے دہانے نکال اس کوہستانی ندی کے کنارے کنارے دور دور تک پھیلی ہوئی گھاس چرنے کو کھلا چھوڑ دیا تھا۔ پھر وہ سیریا کے ساتھ چادر پر بیٹھ گیا اور دونوں مل کر کھانا کھانے لگے تھے۔

عدیم اور سیریا کے شمال میں ندی کے کنارے بیٹھے ہوئے وہ جوان جب کھانا کھا چکے تو ان میں سے ایک نے اپنا منہ اپنے انگوچھے سے صاف کرتے ہوئے کہا۔ "صاحبو! میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے۔ اگر تم میرے ساتھ مل کر اس پر عمل کرنا پسند کرو تو ہم پانچوں صرف ایک ہی دن میں امیر کبیر بن سکتے ہیں"۔

اس کے ایک ساتھی نے لالچ اور حرص زدہ آواز میں پوچھا۔ "تم کہو، کیا کرنا چاہتے ہو، ہم پوری طرح تمہارا ساتھ دیں گے"۔

پہلے بولنے والے نے کہا۔ "ابھی ابھی جو حسین لڑکی اور اس کا ساتھی ہم سے انطاکیہ کا راستہ پوچھ کر گئے ہیں اور جو وہ سامنے ندی کے کنارے بیٹھے کھانا کھا رہے ہیں وہ لڑکی تو تم لوگوں نے دیکھا کیسی حسین اور دل پسند تھی جیسے گلاب اور صندل ملا دیے گئے

ہوں۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں ایسی سحر آفرینی ہے کہ ظلمت کے فرشتے بھی
کر رہ جائیں۔

آہ! اس کے ریشمی گلابی ہونٹوں پہ کیسا رنگ رنگ کا طلسم تھا۔ اگر
چہرے پہ حسن کی نگینہ کاری۔ اک نور آلود تبسم میں پنہاں اس کے چہرے پہ ایسی
تھی جیسے کوئی بنتِ جیا باں اپنے سیلابِ جمال کے ساتھ بہار مل کے سمن زار
میں درخشندہ و رقصندہ ہو۔

میرے ساتھیو! میرے صاحبو! تم جانتے ہو انطاکیہ کا حاکم اپنے حرم
اور حسین لڑکیوں کو داخل کرنے کا بڑا شوقین ہے اور اس کے لیے وہ بھاری رقوم
کرتا ہے۔ اگر ہم اس پرکشش گیت جیسی لڑکی کو پکڑ کر انطاکیہ کے حاکم کے پاس
جائیں تو یہ لڑکی اس کے ذہن پہ گرم سرابوں اور سرد خوابوں کی طرح سوار ہو
بپھرتی، ٹوٹتی، کڑکتی گرتی برق اور حسن کی نغمگی بکھیرتی، سنگیت کے رنگ
لوٹی لہریں کہ اس کے جذبات اور حواس پہ گرے گی اور اس کے بدلے میں
کا حاکم ہم پانچوں کو مالا مال کر دے گا۔"

ایک اور نے بولتے ہوئے کہا۔ "کیا تم نے یہ نہیں دیکھا کہ وہ لڑکی جنگی
میں تھی جس کا مطلب ہے وہ فنونِ حرب و ضرب سے آگاہ ہوگی۔"

پہلے والے نے پھر کہا۔ "اس سے کیا ہوتا ہے۔ وہ دو اور ہم پانچ۔ لمحوں
اندر ہم ان پہ غالب آجائیں گے۔ اور سنو! اس کا جنگی لباس میں ہونا اسے حاکم
کی نگاہوں میں اور زیادہ ہر دلعزیز اور پسندیدہ بنا دے گا لیکن ایک بات
رہنا، ان دونوں کو بحفاظت اپنے قابو میں کرنا ہے۔ لڑکی کا ساتھی بھی زخمی
ہو۔ اگر وہ ہمارے ہاتھوں مارا گیا تو یہ لڑکی حاکمِ انطاکیہ سے ہمارے اس فعل
کرے گی اور انطاکیہ کا حاکم ہمیں انعام و اکرام سے نوازنے کے بجائے اس
قرب اور ہمدردیاں حاصل کرنے کی خاطر ہم سب کو موت کے گھاٹ اتار دے
ایک اور ساتھی نے بولتے ہوئے کہا۔ "ایسا نہ ہو، ہم اسی گفتگو میں

وہیں اور وہ دونوں وہاں سے اٹھ کر کوچ کر جائیں۔"

پانچوں اٹھ کھڑے ہوئے، اپنی تلواریں اور ڈھالیں انہوں نے سونت لیں، اور ندی کنارے بیٹھے عدیم اور سیریا کی طرف بڑھنے لگے۔

عدیم اور سیریا نے بھی انہیں غلط انداز میں اپنی طرف آتے دیکھ لیا تھا۔ وہ کھانا کھا چکے تھے اور یوں ہی بیٹھے سستا رہے تھے۔ عدیم اپنی تلوار ڈھال سنبھال کر اٹھ کھڑا ہوا۔ سیریا نے بھی کھانے کی بچی ہوئی چیزیں اٹھا کر اپنے گھوڑے کی خرجین میں ڈال دیں اور اس نے بھی اپنی تلوار ڈھال سنبھال لی تھی۔

وہ پانچوں نزدیک آکر بھوکے بھیڑیوں کی طرح عدیم اور سیریا کے گرد ایک حلقہ بنانے کی کوشش کرنے لگے تھے۔

جب وہ پانچوں ایک حلقے کی صورت میں عدیم سے قریب ہوئے تو عدیم نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ "میری تم سے کوئی پہچان کوئی عداوت نہیں ہے، تم کیوں میرے ساتھ لڑنے مرنے کو تُلے ہوئے ہو؟"

ان میں سے ایک نے کہا۔ "اگر تم اپنی ساتھی لڑکی ہمارے حوالے کر دو تو تمہارا کوئی جھگڑا قضیہ نہ ہوگا۔ اس لڑکی کو ہم انطاکیہ کے حاکم کی طرف لے جائیں گے وہ اسے اپنے حرم میں داخل کرے اور اس کے صلے میں ہم سب کو مالا مال کر دے۔ اگر اس کے لیے تیار ہو تو ہم پانچوں اپنی تلواریں نیام میں کر لیتے ہیں اور تم بھی اپنی تلوار نیام میں کر کے اپنے گھوڑے پر سوار ہو اور جدھر جانا چاہتے ہو چلے جاؤ۔ ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ تم دونوں کو ہم کوئی نقصان نہ پہنچائیں گے۔ اپنا فیصلہ کہو کہ ہم کام کو اس کا انجام دیں۔

عدیم نے اپنی تلوار لہراتے ہوئے رقص پہ آئے ہوئے غصیلے سمندر جیسے لہجے میں کہا۔ "تم بکواس کرتے ہو۔ تم بھیڑیوں سے میں اپنی اور اس لڑکی دونوں کی حفاظت کروں گا۔ تم ذرا آگے تو بڑھ کر دیکھو، میں تمہاری قوتوں کو مضمحل کر دوں گا۔ تمہاری

پُر آہنی ہیبت، تمہاری گرسنہ شریانوں میں اندھیروں کا فتور اور آتشی لمحوں کا جور بھر دوں گا۔ ذرا آگے بڑھو اور مجھ سے ٹکرا کر تو دیکھو اور سن رکھو اس کوہستانی ندی کے کنارے تمہارے ناتی کے پُرعظمت گھمنڈ کو میں ریزہ ریزہ، تمہاری ساری ہلچل، بغاوت اور خروش کو ریگ ریگ نہ کر دوں تو میں ——

اپنی بات کہتے کہتے عدیم اچانک رُک گیا۔ پھر وہ ایک وحشی ترنگ اور راہوں کے ایک تیز رو طوفان کی طرح اپنے دائیں طرف مُڑ کر اُن پر حملہ آور ہو گیا اور ان میں سے دو پر گہرے گھنے سیاہ بادلوں کی طرح چھاتے ہوئے اس نے ان پر جان لیوا حملہ کر کے ان دونوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا۔

قبل اس کے باقی تین ایک ساتھ آگے بڑھ کر عدیم کی پشت پر حملہ آور ہوتے۔ عدیم ایک طوفان کی طرح مُڑا۔ سیریا کا بازو اس نے پکڑا اور اسے اپنے ساتھ رکھ کر اور اپنا پینترا بدل کر وہ فوراً دائیں طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ سیریا اس کے اس طوفانی انداز اور بے پناہ ہلچل پر حیرت زدہ ہو کر رہ گئی تھی۔

سیریا نے دیکھا عدیم کی نظروں میں پیچ و تاب۔ اس کے جسم کی نیلی نیلی پیچیدہ رگوں میں ایک طوفان اور اس کے چہرے پہ ٹھہرے وقت کا جلال تھا۔

عدیم صرف ایک لمحہ کو رکا دوبارہ وہ کسی خوفناک اندھی قوت اور آتشیں لاوے کی طرح حرکت میں آیا اور ان تینوں پر اس نے گھنی آندھی کی طرح حملہ کر دیا تھا۔ اس بار سیریا بھی پیچھے نہ رہی اور اس نے بھی آگے بڑھ کر ان پر حملہ کر دیا تھا۔ ان تین میں سے دو عدیم کے ہاتھوں اور ایک سیریا کی تلوار سے مارا گیا اور یوں لمحوں کے اندر میدان ان کے لیے صاف ہو گیا تھا۔

ان سب کے ختم ہو جانے کے بعد سیریا نے اپنی تلوار صاف کر کے میان میں ڈالی اور عدیم کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے اپنے لہجے کی شیرینی اور تبسم کی نرمی میں کہا۔ "یہ پانچوں کیسی بے حسی اور بے پروائی سے ہمیں اپنا شکار بنانے پر تُلے ہوئے تھے۔ آپ نے انہیں اجل کی آغوش میں پھینک کر ان کی روحوں کو کیا خوب شرافت اور نجابت کی

نشاندہی کی ہے۔"

عدیم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں نے تمہارے متعلق جو اندازہ لگا رکھا تھا تم اس سے کہیں زیادہ بہتر اور عمدہ تیغ زن ثابت ہوئی ہو۔ پھر وہ دونوں پُرسکون انداز میں مسکراتے ہوئے اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور وہاں سے کُوچ کر گئے تھے۔

سورج دِن بھر اپنے خالق کی عظمتوں کی داستانیں بکھیرتا ہوا خداوندی احکام ہدایات کی تعمیل میں مغرب کی طرف جُھک رہا تھا، عدیم اور سیریا صیدا شہر کی اس کھنڈر سرائے کے قریب پہنچ گئے تھے۔ بستیوں سے دھواں اُٹھنے لگا تھا۔ ہلکی ہلکی دُھندلے کوہستانوں کے دامن کو تھامنا شروع کر دیا تھا۔ بھیڑوں کے گلے چراتی دیہقانی لڑکیاں اپنے گھروں کو جانے کے لیے اپنے ریوڑوں کو ہانکنے کی تیاریاں کرنے لگی تھیں۔ کائنات کی خالی ویران آنکھوں میں زمانے کی پرچھائیاں طویل ہو رہی تھیں۔

عدیم اور سیریا اپنے گھوڑوں کو آرام آرام سے دلکی چال چلاتے خانقاہ کے قریب پہنچ گئے تھے۔ ایسے مرگِ حیات کے چمن زاروں میں اور غم انگیز سکوت کے اندر ابلیس کی ہوسناکی و بدکاری کے شیاطینی پھندوں کو توڑتی ہوئی ایک آواز خانقاہ کے ان نواحی کوہستانوں کے اندر خوب بلند ہو کر سنائی دی۔

وَالطُّوْرِ ① وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ② فِيْ رَقٍّ
قسم ہے طور کی اور ایک کھلی کتاب کی جو رقیق جلد میں
مَّنْشُوْرٍ ③ وَالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ④ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ
لکھی ہوئی ہے اور آباد گھر کی اور اونچی چھت کی
⑤ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ⑥ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ⑦
اور موجزن سمندر کی کہ تیرے رب کا عذاب ضرور واقع ہونیوالا ہے
مَا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ⑧
جسے کوئی دفع کرنیوالا نہیں

آواز یقیناً قدوم کی تھی اور کوہستانوں کے اندر یوں اُبھر کر سنائی دی تھی جیسے وقت سحر تھکی ماندی رات کی تاریکیوں کے اندر روشنی کی تازہ دم کرنیں اپنی روایات و وقار کے ساتھ گھنے لگی ہوں۔ آواز کا سرور، لحن کی ادائیگی اور الفاظ کا تاثر ایسا تھا جیسے پردگی کی لذت جیسے کھوجنے کی جدت، جیسے تخیّل کی دلآویزی، آہوں کی لذت، آنسوؤں کی نمی، بدن کی ریشمی سنسنی، طلسم کے کیف و نزہت زمزموں کی ساحری، قمقموں کی ضوفشانی گویا کوہستانوں کے اندر گونجنے والے وہ الفاظ نغمہ و آتش کا سنگم اور نور کی چھنکتی چنگاریاں ہوں جو چمکیلے ستاروں کے خرام کی طرح اِدھر اُدھر بکھرنے لگے ہوں۔

ذرا دم لینے کے بعد سنسان ٹیلوں کو خوشبو کا سکون اور راحت کا پیغام دیتی قدوم کی آواز پھر بلند ہو کر اُبھری۔

يَوْمَ تَمُوْرُ السَّمَاۗءُ مَوْرًا ⑨ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ⑩
جب آسمان بُری طرح ڈگمگائے گا اور پہاڑ اڑتے اُڑتے پھریں گے
فَوَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ⑪ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ
تباہی ہے اس روز ان جھٹلانے والوں کے لیے جو کھیل کے طور
خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ⑫ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ
پر اپنی حجت بازیوں میں لگے ہیں جس دن انہیں دھکے
اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ⑬ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ
مار مار کر جہنم کی آگ کیطرف لیجایا جائیگا ⑭ اس وقت ان سے کہا جائیگا
كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ
یہ وہی آگ ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے اب بتاؤ یہ جادو ہے یا تمہیں سوجھ
لَا تُبْصِرُوْنَ
نہ رہا تھا

ان آیات کی ادائیگی میں قدوم کی آواز میں زیادہ جوش اور ولولہ تھا اور الفاظ اس طرح ان چٹانوں اور وادیوں کے اندر بکھرے تھے جیسے ایک مستی ایک سوز میں کوئی

قافلہ نوراپنی پوری لذتِ رفتار کے ساتھ اُجالے کے سمندروں میں اُترا ہو۔ یا یا خورشید و قمر کی ثریانوں سے رحمت کے عطیوں کا خمار اور ــــــــ اور زنگ ماضی کی رگوں میں روشنی حال ۔ لہو کی ایک جوالا اور روحانی تقدس کا ایک حلقہ تنویر بن کر بہہ نکلا ہو۔

ایک چٹان پر بیٹھ کر مقدّس کتاب کی تلاوت کرتے قدوم نے عدیم اور سیریا کو دیکھ لیا تھا۔ لہٰذا وہ خاموش ہو گیا تھا ۔ اس لمحہ عدیم کسی سحر زدہ کی طرح اپنے گھوڑے سے اُتر پڑا اور سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰی پکارتا ہوا وہ ننگی اور پتھریلی زمین پر سر بسجود ہو گیا تھا۔

کافی دیر تک عدیم سجدے میں گرا رہا جب کہ سیریا اپنے گھوڑے سے اُتر کر آوارہ حال پرندوں کی طرح پریشان کھڑی دیکھتی رہی جن کا کوئی آشیانہ نہ رہا ہو۔ یہاں تک کہ عدیم اُٹھ کھڑا ہُوا ۔

سیریا نے دیکھا ۔ اپنے وقت کے مانے ہوئے اس نڈر گلیڈی ایٹر کے جسم پر اس لمحے لرزہ اور آنکھوں کے اندر گہری نمی تھی ۔ سیریا کے ذہن میں مختلف خیالات حبابوں کی طرح ابھر رہے تھے ۔ اس موقع پر وہ کلیلوں، اٹھانوں، خمار جیسی حسین سیریا بے حد سنجیدہ ہو گئی تھی ۔ پھر اس نے عدیم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ۔

" یہ کیسی آواز، کیسی تنبیہہ اور کیسا پُر اثر و زوردار کلام تھا کہ یہ سینے کے تاریک غاروں میں نور و عظمت کی مہریں ثبت کرتا ہے ۔ میری ماں دریائے نیل کے چرواہوں کے قدیم مصری گیت گایا کرتی تھی اور اس کا کہنا تھا کہ ان گیتوں جیسا رس اور کشش اور کسی کلام میں نہیں لیکن قسم خداوند کی یہ کلام جو میں نے اب اور اپنی زندگی میں پہلی بار سُنا ہے ۔ ان قدیم گیتوں سے بہت ارفع اور بلند ہے ۔

اِن گیتوں میں رُوح کی بازی گری ہے ۔ اس کلام میں رُوح کی استواری ہے یہ کلام سُن کر مجھے ایسا لگا ہے ۔ جیسے محبت کا کوئی بحر، شفقت کا کوئی ساگر اور تنبیہہ و انداز کا کوئی سمندر حرکت میں آیا ہو ۔ اس سے نفس نفس پر عمل اور تمنّاؤں کی ایک دو میانی

کیفیت سی طاری ہو جاتی ہے ۔"

سیریا جب خاموش ہوئی تو عدیم نے کہا ۔" نہیں وہ تو الہامی کلام ہے جسے سُن کر میں مسلمان ہو گیا تھا ۔" سیریا اور سنجیدہ ہو گئی ۔ وہ بے چاری بکھری بکھری اور اُدھڑی اُدھڑی سی لگ رہی تھی ۔ پھر وہ دونوں اپنے گھوڑوں کی باگیں پکڑے آگے بڑھنے لگے تھے ۔ جب وہ ایک چٹان پر بیٹھے قدوم سے نزدیک ہوئے تو اچانک قدوم کی پشت پر کوہستان کے دیپ اندریاس نمودار ہوا اور وہ زور زور سے پکارنے لگا ۔" میرا بیٹا آ گیا ۔ میرا رمینس آ گیا ۔"

اندریاس کوہستان سے اُتر کر قدوم کے پاس آیا ۔ اتنی دیر تک قدوم بھی عدیم کو پہچان چکا تھا ۔ دونوں آگے بڑھ کر عدیم کے پاس آئے اور گرم جوشی میں اس سے مصافحہ کرنے کے بعد وہ حیرت و تعجب سے عدیم کے پہلو میں کھڑی سیریا کی طرف دیکھنے لگے تھے ۔

عدیم نے سیریا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ۔" سیریا ! سیریا ! یہ میرے بابا اندریاس اور یہ قدوم ہیں جن کا میں تم سے ذکر کیا کرتا تھا ۔"

پھر عدیم نے اندریاس اور قدوم کو مخاطب کرتے ہوئے سیریا کی ساری داستان شروع سے آخر تک کہہ سُنائی اور آخر میں اس نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ اندریاس اور قدوم سے کہا ۔" میں نے آپ دونوں سے اصل حالات کہہ سنائے ہیں ۔ اب سیریا کے حالات راز ہی ہیں ۔ اگر اس کے حالات کی کسی اور کو بھی خبر ہو گئی تو پھر یہ خبر اُڑتی اُڑتی قسطنطنیہ جا پہنچے گی اور ایسی صورت میں ہرکولیس مجھے اور سیریا دونوں کو صلیب پر چڑھا دے گا یا جلاد کے سپرد کر دے گا ۔"

اندریاس آگے بڑھا اور انتہائی شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے سیریا کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا ۔" اب یہ میری بیٹی ہے اور میں اپنی بیٹی کا راز کیوں افشا ہونے دوں گا ۔"

اس موقع پر قدوم نے سیریا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ۔" اے میری اجنبی بیٹی ! اب جب کہ تم یہیں ہمارے پاس اس خانقاہ میں ہی رہو گی تو میرے اور اندریاس کے

علاوہ خانقاہ کے دیگر افراد پر یہ ظاہر نہ کرنا کہ تم سابق قیصر روم فوکاس کی بیٹی ہو۔ اس لیے یہ کہانی گھڑ لینا کہ تم قسطنطنیہ کے ایسے رئیس کی بیٹی ہو جسے قسطنطنیہ میں بے پھانسی ہو گئی۔ اور یہ کہ تمہارا باپ رمینس کا محسن تھا اور باپ کے بعد بے سہارا ہونے کی وجہ سے تم پناہ کی خاطر اس خانقاہ میں آگئی ہو۔ اب تم تھوڑی دیر یہاں رکو ہم اپنے کو جمع کر لیں پھر ایک ساتھ خانقاہ کی طرف چلتے ہیں۔"

اندریاس اور قدوم کے ساتھ عدیم اور سیریا خانقاہ کی طرف آئے۔ وہاں سے باہر زمیل اس کے دونوں بچے اور رمیتا اُن کو دیکھ کر جمع ہو گئے تھے۔

ان کے قریب آ کر عدیم نے زمیل اور رمیتا سے سلام کہا۔ زمیل کے دونوں بچوں کو جو اب خاصے بڑے ہو گئے تھے گلے لگایا اور آخر میں اس نے زمیل اور رمیتا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرے ساتھ جو یہ لڑکی ہے اس کا نام سیریا ہے۔ یہ کون ہے اور کس غرض کے تحت اس خانقاہ میں آئی ہے یہ خود ہی تم لوگوں کو سب کچھ بتا دے گی۔"

پھر عدیم نے رمیتا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "رمیتا! رمیتا! میری بہن! تمہارے لیے میرے پاس خوش خبری یہ ہے کہ ترمید ٹھیک ہے۔ وہ تمہیں ملنے میرے ساتھ ضرور آتا لیکن ہرکولیس ان دنوں کسی کو رخصت نہیں دے رہا۔ کیونکہ عرب کے صحراؤں کے وہ اب مسلمانوں کی طرف سے اپنے لیے خطرات محسوس کرنے لگا ہے۔ اور ان سے نمٹنے کے لیے وہ اپنے آپ کو ہر وقت تیار رکھنا چاہتا ہے۔"

تھوڑی دیر تک اندریاس اور قدوم بھی بھیڑ بکریوں کو باڑے میں باندھ کر آگئے۔ عدیم، اندریاس، قدوم اور اس کے دونوں بچے دیوان خانے کے اندر چٹائی پر بیٹھ گئے تھے۔ جب کہ زمیل اور رمیتا دونوں سیریا کے ہاتھ پکڑ کر زنان خانے کی طرف لے گئی تھیں۔

کافی دیر تک عدیم، اندریاس، قدوم اور اس کے دونوں بچے دیوان خانے میں بیٹھ کر عرب میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی قوت سے متعلق گفتگو کرتے رہے۔ یہاں تک کہ سیریا، زمیل اور رمیتا دیوان خانے میں داخل ہوئیں۔ وہ تینوں کھانے برتن اُٹھائے ہوئے

تھیں۔ رمیتا اور زمیل کے ساتھ سیریا خوش اور پُرسکون دکھائی دے رہی تھی۔ برتن ان چٹائیوں پر لگا دیے گئے اور سب مل کر کھانا کھانے لگے۔

سیریا کے ساتھ خانقاہ میں عدیم سات دن تک رہا پھر وہ ایک روز وہاں سے قسطنطنیہ کی طرف کُوچ کر گیا تھا۔

○

عدیم نے اپنی حویلی کے دروازے پر دستک دی۔ تھوڑی دیر بعد حویلی کا دروازہ کھُلا اور ترسیس سامنے کھڑا تھا۔ عدیم کو دیکھتے ہی ترسیس بھاگ کر آگے بڑھا اور عدیم کو لپٹاتے ہوئے اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ "تمہارے لوٹ آنے کا مطلب ہے کہ سیریا اپنی منزل پر پہنچ گئی ہے۔"

عدیم نے کہا۔ "ہاں اب وہ محفوظ جگہ پر ہے اور وہاں وہ خوش بھی ہے۔"

ترسیس نے کہا۔ "بیٹے! تمہارے بعد یہاں بھی ایک اہم واقعہ پیش آیا ہے۔"

عدیم نے حیرت سے پوچھا۔ "وہ کیا؟"

ترسیس نے کہا۔ "تم دیوان خانے میں چل کر بیٹھو! میں گھوڑے کو اصطبل میں باندھ کر آتا ہوں اور وہاں تفصیل سے بیٹھ کر بتاتا ہوں۔"

عدیم دیوان خانے میں چلا گیا۔ ترسیس نے بھی گھوڑے کو اصطبل میں باندھ کر اس کے سامنے چارہ ڈال دیا اور دیوان خانے میں آ کر اس نے عدیم کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "رمینس! رمینس! بیٹے! تمہاری غیر موجودگی میں عرب کے صحراؤں کی طرف سے نئے مذہب کے پیروکار مُسلمانوں نے ہلچل کر دی تھی۔ ہرکولیس نے اپنے بھائی تھیوڈورو کو ایک لاکھ کا لشکر دے کر روانہ کیا لیکن جو نتائج سامنے آئے وہ حیرت افزا ہیں۔"

عدیم نے دل چسپی لیتے ہوئے بے تابی سے کہا۔ "یوں نہیں، یہ حالات مجھ کو تفصیل سے کہو کہ ان حالات سے میری ذات کا گہرا تعلق ہے۔"

ترسیس کہہ رہا تھا۔ "مسلمانوں کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے ایک شخص کو جس کا نام حارث رضی اللہ عنہ بن عمیر تھا اسلام کی دعوت کا ایک خط دے کر بصریٰ کے رئیس

شرجیل کی طرف بھیجا تھا۔ شرجیل نے اس قاصد کو قتل کر دیا جس کی وجہ سے مسلمانوں (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صرف تین ہزار کا ایک مختصر سا لشکر شرجیل کی سرکوبی کو روانہ اپنے ایک لاکھ کے لشکر کے ساتھ ان کی طرف بڑھا لیکن ان گنتی کے تین ہزار سرفروشوں موتہ کے مقام پر شرجیل کے ایک لاکھ لشکر کے دانت کھٹے کر دیے اور شرجیل ان پر حاصل نہ کر سکا۔

مسلمانوں کی اس فوقیت کا خاطر خواہ اثر ہوا ہے کہ عرب کے آزاد قبائل کے عراق کے قریب رہنے والے نجدی قبائل اور وہ عرب قبائل جو کسریٰ ایران کے زیر اثر ان سب نے اسلام قبول کر لیا ہے اور مسلمانوں کی قوت میں زبردست اضافہ ہو گیا۔

ہرکولیس اور تھیوڈوڑ و بصریٰ کے حاکم شرجیل کی پسپائی کے بعد مسلمانوں کو اپنے خطرناک تصوّر کرنے لگے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کن جنگ کرنے کے لیے انھوں نے تیاریاں شروع کر دی ہیں"۔

ترسیس ذرا رک کر پھر کہہ رہا تھا" ہرکولیس کئی بار مجھ سے آپ کی واپسی کا پوچھ چکا ہے۔ اس نے کہلوا بھیجا تھا عدیم جب بھی قسطنطنیہ میں داخل ہو اسے میرے پاس بھیج دیا جائے۔ ہرکولیس اور تھیوڈور و مسلمانوں کی طرف سے کچھ زیادہ ہی خوفزدہ لگتے ہیں۔ حالانکہ لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کے پاس جنگی تیاریوں کے لیے وسائل نہ ہونے کے برابر ہیں"۔

عدیم نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔" میں ہرکولیس کے پاس جاتا ہوں تم میرے لوٹنے تک کھانا تیار کرو۔ میں دیکھتا ہوں ہرکولیس اب مجھ سے کیا کام لیتا ہے"۔ عدیم تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا حویلی سے باہر نکل گیا تھا۔

عدیم جس وقت ہرکولیس کے محل میں داخل ہوا اس وقت ہرکولیس اپنے بھائی تھیوڈور اور قسطنطنیہ کے بشپ اور پادریوں کے ساتھ مسلمانوں سے نمٹنے کے لیے بحث کر رہا تھا۔ عدیم اندر داخل ہوا۔ پہلے جھک کر اس نے ہرکولیس کو سلام کیا پھر وہ تھیوڈور سے مصافحہ کر کے اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ اس موقع پر ہرکولیس عدیم کو مخاطب کر کے کچھ کہنے والا تھا کہ اس کا حاجب اندر داخل ہوا اور ہرکولیس کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا۔

"اے آقا! باہر ایک عورت کھڑی ہے۔ وہ آپ سے ملنا چاہتی۔ آپ کے دورِ میں ہمارے لشکر میں ایک جرنیل تھا کہ نام اس کا لابان تھا۔ وہ یہاں سے اپنی بیوی بچوں کے ساتھ عرب کی سرزمین کی طرف گیا تھا پھر اس کا پتہ نہ چلا۔ یہ عورت اپنے آپ کو اس کی بیوی بتاتی ہے اور اپنا نام نیابوث کہتی ہے۔

ہرکولیس نے بے تابی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔" اگر وہ ہمارے ایک جرنیل کی بیوی ہے تو اسے فوراً اندر بھیجو"۔

حاجب باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایوان کے اندر نیابوث داخل ہوئی۔ وہ بہترین جنگی لباس میں تھی اور اپنے آپ کو اس نے ڈھال، تلوار اور خود سے مرصع کر رکھا تھا۔ عدیم اسے پہچان گیا اور اپنی جگہ پر کھڑے ہوتے ہوئے اس نے بے تابی سے پوچھا۔ اے بنتِ نیل! تو یہاں اور اس جنگی لباس میں، تجھے تو میں نے اسکندریہ شہر میں جہازوں کے ایک تاجر کی ملازمہ دیکھا تھا"۔

نیابوث نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہا۔" اے اپنی خوش بخت ماں کے نیک دل فرزند! تجھے یہاں دیکھ کر میں خوش ہوئی۔ یقیناً تیرے جیسے نیک دل فرزند کے لیے یہی مناسب مقام ہے جو تجھے یہاں حاصل ہے"۔

اس بار ہرکولیس نے عدیم کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔" رمینس! رمینس! تم اس خاتون کو جانتے ہو"۔

عدیم کے بجائے نیابوث نے ہی بولتے ہوئے کہا۔" میں نباتی ہوں۔ یہ جوان جس کا نام رمینس ہے مجھے کیسے اور کیوں جانتا ہے۔ اے بادشاہ! میرا نام نیابوث ہے۔ میرا شوہر کہ نام جس کا لابان تھا کبھی قسطنطنیہ کی افواج کا ایک نامور جرنیل تھا"۔

ہرکولیس نے پوچھا۔" مجھے بتایا گیا ہے کہ تیرا شوہر تجھے اور اپنے بچوں کو لے کر یہاں سے عرب کے صحراؤں کی طرف روانہ ہوا تھا۔ پھر وہ لوٹ کر یہاں نہ آیا۔ کہاں گیا وہ"

نیا بوث نے اس بار بَین کرتی آواز اور دکھتے لہجے میں کہا۔ ”اے بادشاہ! ہم دیارِ بکر کی طرف سے آنے والے ایک تجارتی قافلے کے ساتھ روانہ ہوئے تھے۔ تجارتی قافلے میں عربوں کے قبیلہ بنی سُلیم کے لوگ بھی تھے۔ ہم نے بھی اسی قبیلے میں کیوں کہ میرے شوہر کا تعلق اسی قبیلے سے تھا۔ پر ہائے حیف! راستے میں لاذقیہ اور شہروں کے درمیان جو وسیع غیر آباد علاقہ پڑتا ہے وہاں اس تجارتی قافلے پر رہزنوں نے حملہ کر دیا اور اکثر کو انہوں نے قتل کر کے بچنے والوں کو غلام بنا کر فروخت کر دیا اور قافلے کی ہر چیز انہوں نے لُوٹ لی۔ مجھے انہوں نے اسکندریہ کے ایک ایسے سوداگر کے ہاتھ فروخت کر دیا جس کے جہاز اسکندریہ سے قسطنطنیہ کے درمیان چلتے تھے۔

مَیں اس سوداگر کے جہازوں میں ملازمت کرتی رہی اور مسافروں کے علاوہ جہاز کے عملے کے لیے کھانا تیار کرتی تھی۔ میرے کام سے خوش ہو کر جو کچھ میرا مالک مجھے انعام میں رقم دیتے، اُسے مَیں جمع کرتی رہی اور جب میرے پاس اس رقم سے مال جمع ہو گیا جس کے عوض اس سوداگر نے مجھے خریدا تھا تو ان دنوں اچانک وہ مالک مر گیا۔ مَیں نے اس کے بیٹے سے التماس کی کہ وہ رقم لے کر مجھے آزاد کر دے کیونکہ مَیں اپنے بیٹے اور ایک بیٹی کو تلاش کرنا چاہتی تھی جو ان رہزنوں کے حملے کے دوران مجھ سے بچھڑ گئے تھے۔ اس تاجر کا وہ بیٹا انتہائی رحم دِل تھا اور اس نے کچھ لیے بغیر مجھے آزاد کر دیا۔

مَیں کچھ عرصہ عرب کے صحراؤں میں بنو سُلیم کے اندر رہی، اب اس طرف آئی ہوں کہ آپ سے التماس کروں کہ ان رہزنوں کا قلع قمع کیا جائے جنہوں نے لاذقیہ اور طرابلس شہر کے درمیان تجارتی قافلے پر حملہ کر کے [illegible] میرے شوہر کو قتل کر دیا اور مجھے میرے بچوں سے محروم کر کے رکھ دیا تھا۔“

نیا بوث جب اپنے حالات کہہ کر خاموش ہو گئی تو ہرکولیس سر جھکائے کچھ سوچنے لگا۔ اس موقع پر نیا بوث نے پھر بولتے ہوئے کہا۔

”اے بادشاہ! اگر آپ ان رہزنوں کا کوئی سدِّباب نہیں کرنا چاہتے تو کم از کم پانچ ہزار مسلح جوان مہیا کر دیئے جائیں۔ مَیں تلوار کا فن خوب جانتی ہوں۔ ان ہزار مسلح جوانوں کے ساتھ سوداگروں کے بھیس میں ایک تجارتی قافلے کی شکل میں یہاں سے روانہ ہو جاؤں گی اور جب وہ رہزن ہم پر حملہ آور ہوں گے تو مَیں ان کی سرکوبی کر کے ان کے ہاتھوں آج تک مرنے والے ہزاروں بے گناہوں کا انتقام لوں گی۔“

ہرکولیس نے اپنا جُھکا ہُوا سَر اُوپر اُٹھاتے ہوئے کہا۔ ”اے خاتون! گو دو ایک روز تک مَیں یہاں سے اپنے لشکر کے ساتھ مسلمانوں کی سرکوبی کے لیے روانہ ہونا چاہتا ہوں پھر بھی مَیں تیری مدد ضرور کروں گا۔ مَیں تیرے ساتھ پانچ ہزار کا لشکر ضرور روانہ کروں گا اور اس لشکر کا کماندار یہ رمینس ہو گا کیوں کہ تم دونوں ایک دوسرے کے جاننے والے ہو لہٰذا اکٹھے رہ کر زیادہ مفاہمت کے ساتھ کام کر سکو گے۔“ ہرکولیس ذرا رکا پھر اس نے عدیم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”رمینس! رمینس! مَیں اور تھیوڈورو اپنے لشکر کے ساتھ کل یہاں سے عرب کے صحراؤں کی طرف کُوچ کر جائیں گے۔ آج ہی پانچ ہزار جوان تمہارے لیے علیحدہ کر دیئے جائیں گے۔ تم اس خاتون کے ساتھ ان پانچ ہزار مسلح جوانوں کو سوداگروں کے بھیس میں ایک کارواں کی صورت میں لاذقیہ اور طرابلس کی طرف کُوچ کرو اور ان رہزنوں کا خاتمہ کرنے کے بعد تم اپنے لشکر کے ساتھ تبوک کے مقام پر ہم سے آملو تاکہ ان مسلمانوں سے نمٹا جا سکے جنہوں نے مکّہ فتح کرنے کے بعد صرف قریش پر ہی نہیں بلکہ عرب کے تمام قبائل پر عبور حاصل کر کے انہیں مسلمان بنا کر اپنی قوت اور دہشت میں اضافہ کر رہا ہے۔ اگر اس موقع پر ہم نے ان کی سرکوبی نہ کی تو آنے والے دِنوں میں وہ ہمارے لیے ایک خطرناک طوفان ثابت ہوں گے۔“

ہرکولیس رکا پھر اس نے اپنے بھائی تھیوڈورو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”جب تک یہ خاتون رمینس کے ساتھ روانہ نہیں ہوتی اس وقت تک اسے شاہی مہمان خانے میں عزت و احترام سے ٹھہرایا جائے اور آج ہی لشکر کو کُوچ کی خبر دی جائے کہ کل یہاں سے روانگی ہوگی۔“ ہرکولیس اپنی نشست سے اُٹھ گیا۔ اس کے ساتھ ہی دوسرے لوگ بھی اُٹھ کر باہر نکل گئے تھے۔

○

دوسرے روز ہرکولیس اور تھیوڈورو مسلمانوں کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوگئے
عدیم نے نیا بوث اور اپنے پانچ ہزار لشکریوں کے ساتھ سوداگروں کے بھیس میں اور
تجارتی قافلے کی صورت میں دو دن بعد قسطنطنیہ سے کوچ کر گیا۔

وہ لاذقیہ اور طرابلس شہروں کی طرف پیش قدمی بھی سست رفتاری سے کر رہا تھا
در اصل ایک مسلمان کی حیثیت سے وہ اپنی مہم سے جلد فارغ ہو کر ہرکولیس کے
جنگ میں شامل نہ ہونا چاہتا تھا جو مسلمانوں ہی کے خلاف لڑی جانے والی تھی۔
جگہ جگہ پڑاؤ کر کے آہستہ آہستہ اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی اطلاع ہو گئی تھی کہ ہرکولیس لاکھوں کے
لشکر کے ساتھ مسلمانوں کی سرکوبی کے لیے بڑھ رہا ہے تو رجب ۹ھ کو انھوں نے ...
ہزار مجاہدین کے ساتھ شام کی طرف کوچ کیا۔

اس تیس ہزار میں صرف دس ہزار سوار تھے۔ اونٹوں کی اس قدر کمی تھی کہ
ایک اونٹ پر کئی کئی آدمی باری باری سوار ہوتے تھے اور اس پر گرمی کی شدت اور
... کی قلت مستزاد تھی مگر جس عزم صادق کا ثبوت اس نازک موقع پر مسلمانوں نے ...
کا ثمرہ تبوک پہنچ کر انہیں نقد مل گیا۔

ہرکولیس در اصل اس زک کا بدلہ لینا چاہتا تھا جو بصریٰ کے حاکم شرجیل کو
ایک لاکھ کے لشکر کے ساتھ صرف تین ہزار مسلمانوں کے ہاتھوں اٹھانا پڑی تھی۔
ہرکولیس کو جب یہ خبریں پہنچیں کہ تیس ہزار مسلمان پہلے ہی تبوک پہنچ کر اس کا انتظار کر رہے
ہیں تو اسے تعجب ہوا اور جب اسے یہ بتایا گیا کہ مسلمانوں کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم
بنفس نفیس اس لشکر میں شامل ہیں تو ہرکولیس پر ایک دہشت اور خوف طاری ہو گیا۔
یہ سوچا کہ جب صرف تین ہزار مسلمانوں نے شرجیل کے ایک لاکھ لشکر کے دانت کھٹے کر دیے
تھے تو یہاں میرے مقابلے میں تو تیس ہزار مسلمان ہیں اور مستزاد یہ کہ ان کے رسول (صلی
اللہ علیہ وسلم) بھی اُن کے ساتھ ہیں۔ اس انکشاف سے ہرکولیس پر کچھ ایسا غلبہ طاری ہوا کہ

تبوک کی طرف آنے کے بجائے راستے ہی سے اپنے لشکر کے ساتھ لڑے بغیر لوٹ گیا۔

ہرکولیس کی اس بزدلی سے اس کے آس پاس کی باجگزار ریاستوں پر بُرا اثر پڑا۔
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرکولیس کے انتظار میں بیس روز تک تبوک میں قیام
کیا لیکن ہرکولیس نے ادھر کا رُخ نہ کیا۔

ہرکولیس کی اس پسپائی سے دومتہ الجندل کے عیسائی حاکم اکیدر بن عبدالملک
کندی، ایلہ کے نصرانی حاکم یوحنا بن رؤبہ اور اسی طرح مقنا، جرباء اور اذروح کے
رؤسا نے بھی جزیہ ادا کر کے حضورؐ کی تابعیت قبول کر لی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی حدود
اقتدار براہ راست رومی سلطنت کی سرحدوں تک پہنچ گئے اور جن عرب قبائل کو اب
تک ہرکولیس مسلمانوں کے خلاف استعمال کرتا رہا تھا اب ان کا بیشتر حصہ رومیوں کے
مقابلے میں مسلمانوں کا معاون بن گیا تھا۔

پھر اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ بھی ہوا کہ سلطنت روم کے ساتھ ایک طویل
کشمکش میں اُلجھ جانے سے پہلے اسلام کو عرب پر اپنی گرفت مضبوط کر لینے کا موقع مل
گیا تھا۔ تبوک کی اس فتح بلا جنگ نے ان لوگوں کی کمر توڑ دی تھی جو اب تک جاہلیت قدیمہ
کے بحال ہونے کی آس لگائے بیٹھے تھے۔

○

عدیم ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ نیا بوث اور اپنے پانچ ہزار مسلح جوانوں کے
ساتھ کہ جو سوداگروں کے بھیس میں تھے اور جن کا تعلق اس کے میسرہ ہی سے تھا اس
حقیقت سے بے خبر آگے بڑھتا رہا کہ نیا بوث ہی اس کی حقیقی ماں ہے۔

جب وہ لاذقیہ شہر سے دس میل کے قریب آگے بڑھ گئے تو نیا بوث اپنے گھوڑے
کو دوڑاتی ہوئی عدیم کے پاس آئی اور اسے مخاطب کرتے ہوئے اس نے ایک شفقت
اور ہمدردی میں کہا۔ ”اے اسکندریہ کی سرزمین کے بے مثل گلیڈی ایٹر! میں ابھی تک
اپنے ذہن میں یہ فیصلہ نہیں کر پائی کہ میں تجھے کہ میرے بیٹے تجھ سے بھی بڑے ہوں گے کیسے
اور کس طرح مخاطب کروں۔“

عدیم نے کہا ۔" اے بنتِ نیل! تم مجھے بیٹا کہہ کر پکار سکتی ہو۔اگر نہیں تو
میرے نام سے ہی پکار سکتی ہو کہ میرا نام رمینس ہے۔"

نیا بوٹ نے کہا۔" نہیں میں تمہیں بیٹا کہہ کر ہی پکاروں گی۔کاش میرے
میں سے بھی کوئی تم جیسا ہوتا اور میرے ساتھ ہوتا تو میں اپنے آپ کو دنیا کی خوش قسمت
عورت خیال کرتی۔بہر حال اس میں بھی میرا اطمینان اور سکون ہے کہ میں تمہیں
پکاروں۔میں تم سے یہ کہنے والی تھی کہ اب تم اپنے ساتھیوں کو محتاط کر دو۔اس
وہ علاقہ شروع ہو گیا ہے جہاں رہزن اپنی ترکتاز کرتے ہیں۔"

نیا بوٹ کے کہنے پر عدیم نے فوراً اپنے ساتھیوں کو خبردار کر دیا اور آگے
کی رفتار بھی اس نے پہلے کی نسبت کم کر دی۔

دس میل آگے جانے کے بعد طلسم سکوت سے لبریز فضاؤں کے اندر شور
طوفان اُٹھ کھڑا ہوا تھا جیسے سوئی ہوئی فضا کی روحیں اچانک جاگ اٹھی ہوں۔برف
ڈھکی ہوئی ناہموار اور سر جھکائے کھڑی پہاڑیوں کے اوپر سے ہزاروں کی تعداد میں
شور کرتے نعرے بلند کرتے ہوئے اُترے اور عدیم کے لشکر کو سوداگر اور ایک تجارتی
سمجھ کر ان پر حملہ آور ہو گئے۔

لیکن اس وقت جب عدیم کے لشکریوں نے جنہیں وہ تجارتی قافلہ سمجھ کر ان
حملہ آور ہوئے تھے اپنی تلوار سونت کر اور ڈھالیں سنبھال کر جوابی حملہ کیا تو ان رہزنوں
کے سارے ولولے سارا جوش سارے جذبے ریت پر اونٹوں کے ان نقشِ پا کی طرح
ہوئے جنہیں ہوا کے تیز و تند جھونکے لمحوں کے اندر مٹا کر رکھ دیتے ہیں۔

ان رہزنوں کے لیے عدیم ایسی خوفناک اندھی قوت بن گیا تھا جو بقا پر فنا
داستانیں رقم کر دے۔عدیم کے حملوں میں وہ فریفتگی تھی جسے مادی قوت و عظمت اور
کی رفتار زائل نہیں کر سکتی۔حملہ آور ہوتے ہوئے عدیم کی آنکھوں میں زندگی کی شد
تیز ہو گئی تھیں اور وہ منہ زور آندھی کی طرح رہزنوں کے اندر گھس کر ان کے جسموں
کا سد خون نکال کر ان پر ننگ و ذلت کی طیلسان اور اہانت و بربادی کی داستان

کوہستانوں سے گھری ہوئی اس وادی میں عدیم اپنے لشکر کے ساتھ ازلی اسرار ابدی
بھر پور اور خشونت و شوق سے لبریز جذبوں کے ساتھ حملہ آور ہوتا رہا۔
لمحہ بہ لمحہ رہزنوں کا ظلمت و استبداد اور حرص و طمع قدیم بوسیدہ خانقاہوں
طرح ختم کرتا رہا۔ان کے ماضی کے اعمال و افعالِ ظلمت کی خلیج میں ڈوبتے رہے۔برف
ڈھکی وادیوں کے اندر وہ اپنے قتل و غارت سے نجات حاصل نہ کر سکے اور فنا کے عناصر
غالب آتے رہے۔

ان کا قتلِ عام کرتا ہوا عدیم اس طرح ان کے اندر گھس گیا تھا جس طرح شبنم کے
رات کی پلکوں سے صبح کے جگر میں اُتر جاتے ہیں۔تھوڑی دیر بعد تک ان رہزنوں کی
ت بابل و نینوا کے کھنڈرات کی شکل اختیار کر گئی۔عدیم نے ان میں سے ایک ایک کو پکڑ
ل کرا دیا تھا۔

جب سارے رہزنوں کا قتلِ عام تمام ہو چکا تو نیا بوٹ اپنے گھوڑے کو دوڑاتی
ئی عدیم کے پاس آ رکی۔اسے دیکھتے ہی عدیم نے کہا۔" اے بنتِ نیل! قسم مجھے اپنے
پروردگار کی، جو سارے جہانوں کا خالق ہے۔تم نے اس جنگ میں ایک بے مثل جنگ جو
اسا کردار ادا کیا ہے۔میں تمہیں دیکھتا رہا ہوں۔بخدا تمہارے لڑنے کا انداز انتہائی بے
باکانہ اور مجاہدانہ تھا۔اے بنتِ نیل! ان وادیوں کے اندر ان رہزنوں سے تو نے اپنے
شوہر کا کیا خوب انتقام لیا ہے۔"

جواب میں نیا بوٹ نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہا۔" رمینس! میرے
بیٹے! میں نے اب اس عمر میں کیا جنگ کرنی ہے۔بخدا تم نے انہیں آوارہ دہر کر دال
ہوں کر ایک دردناک اضطراب میں ڈال کر مارا ہے۔تم ان رہزنوں کے لیے بحرِ حیات کی
طوفان خیز موجوں کے اندر اندراس کی طرح کٹ وے، تلوار جیسے تیز اور چٹانوں کی طرح بوجھل
ثابت ہوئے ہو۔تو نے اے رمینس! گناہوں کے ایک سر چشمے کو پاٹ دیا ہے۔کاش میں
بھی تیرے کسی کام آ سکتی کہ اب تیرے احسانوں نے مجھے گراں بار کر دیا ہے۔"

عدیم نے گہری خوشی کے اظہار میں کہا۔ "اے بنتِ نبیل! تُو نے مجھے بیٹا ...
پھر بھلا ایک ماں پر بیٹے کا کیا احسان ہو سکتا ہے"۔

نیا بوث جواب میں کچھ کہنے والی تھی کہ ایک سوار اپنا گھوڑا دوڑاتا ہُوا ان کے قریب آیا اور عدیم سے کہا۔ "اے امیر! ابھی ابھی ہرکولیس کی طرف سے ایک قاصد ... اور وہ آپ کے لیے یہ پیغام لایا ہے کہ آپ تبوک کا رُخ کرنے کے بجائے سیدھا قسطنطنیہ کی طرف کُوچ کریں۔

ہرکولیس کے مقابلے کے لیے تیس ہزار صحرائی مسلمان تبوک کی طرف آئے تھے ... کے ساتھ ان کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی تھے۔ لہٰذا ہرکولیس کو نہ جانے کیا ہُوا ... جا کر جنگ کی ابتدا کرنے کے بجائے ہرکولیس اپنا رُخ موڑ کر واپس قسطنطنیہ کی طرف ... گیا ہے۔

ہرکولیس کی اس طرح کی پسپائی سے بڑے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے ہیں اور وہ عرب قبائل جو عیسائیت کی طرف مائل تھے اور قیصر ... کی سلطنت کے زیرِ نگین تھے اب انہوں نے تیزی سے اسلام قبول کر کے مسلمانوں کی قوت میں اضافہ کا باعث بننا شروع کر دیا ہے"۔

عدیم نے اس سوار سے کہا۔ "اس قاصد کو میرے پاس لے کر آؤ، جو ہرکولیس کی طرف سے آیا ہے"۔ وہ سوار مُڑا اور وہاں سے چلا گیا۔

نیا بوث جو اس دوران خاموش رہی تھی، اس نے عدیم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "رمینس! بیٹے! پہلے میرا ارادہ تھا کہ تبوک تک تمہارے ساتھ جاؤں گی اور وہاں سے علیحدہ ہو کر میں اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاؤں گی لیکن اب جب تم قسطنطنیہ کی طرف واپس جا رہے ہو تو میں یہیں تم سے علیحدہ ہوتی ہوں۔ میری منزل ... کے شیبانی قبائل ہیں۔ وہاں میں اپنے بیٹے کو تلاش کروں گی"۔

عدیم نے ہمدردی سے کہا۔ "کیا میں آپ کے ساتھ کچھ قابلِ اعتبار محافظ ... کروں جو آپ کو بحفاظت شیبانی قبائل میں پہنچا آئیں"۔

نیا بوث نے کہا۔ "تمہارا شکریہ بیٹے! میں اکیلی ہی جاؤں گی۔ میں ان راستوں سے خوب واقف ہوں اور پھر عرب کے صحراؤں کے اندر تیزی کے ساتھ پھیلتے اسلام نے راستوں کو محفوظ و مامون کر دیا ہے۔ میں تمہیں اس میدان جنگ میں ہی خدا حافظ کہتی ہوں۔ اگر تمہیں کبھی وقت میسّر ہو تو بیٹے مجھے ملنے ضرور آنا۔ میرا گھر بنو سُلیم میں ہے۔ وہاں تم ناحور بن ابدون کا گھر پوچھ کر مجھ سے مل سکتے ہو"۔ پھر نیا بوث نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور وہاں سے ... ۔

وہ سوار اس قاصد کو لے کر آیا جو ہرکولیس کی طرف سے آیا تھا۔ دونوں عدیم کے قریب آ کر اپنے گھوڑوں سے اُتر گئے۔ اس قاصد نے جو شامی عرب لگتا تھا۔ عدیم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اے امیر! ہرکولیس تبوک میں مسلمانوں سے جنگ کرنے کے بجائے اپنے لشکر کے ساتھ قسطنطنیہ کی طرف لوٹ گیا ہے۔ مسلمانوں کا لشکر تیس ہزار کے قریب تھا۔ ان کے ساتھ ان کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی تھے۔ ہرکولیس پر نہ جانے کیا اثر ہُوا کہ لڑے بغیر منہ پھیر کر لوٹ گیا۔ لیکن اس دوران کچھ انتہائی تکلیف دہ واقعات بھی سامنے آئے جنہوں نے ہرکولیس کے لشکر میں شامل عربوں پر بُرے اثرات مرتب کیے ہیں"۔

عدیم نے چونک کر پُوچھا۔ "تمہارا اشارہ کن واقعات کی طرف ہے"۔

اس قاصد نے کہا۔ "میں آپ پر یہ انکشاف کرتا ہوں کہ ہم عربوں کے بہترین جرنیل فروہ[1] بن عمرو اور اس کے نائب یوعام نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ ہرکولیس شاید ان کے اسلام قبول کرنے کو درگزر کر جاتا اور انہیں معاف کر دیتا۔ پر پادریوں نے ایسا نہ کرنے دیا اور ان دونوں کے اسلام قبول کرنے پر ایک طوفان کھڑا کر دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر آج ان دونوں کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی گئی تو کل کو اور لوگ بھی

---

[1] فروہ بن عمرو کے اسلام لانے سے متعلق مولانا مودودی نے تفہیم القرآن میں سورہ توبہ کی تفسیر کے ضمن میں بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

اسلام قبول کریں گے۔ اس طرح عنقریب قسطنطنیہ پر نصرانیوں کی نہیں مسلمانوں کی حکمرانی ہو گی۔"

پادریوں کے اس طرح شور و غوغا کرنے پر ہرکولیس نے فروہ اور یوعام دونوں کو گرفتار کر لیا ہے۔ ہرکولیس نے ان دونوں کو مہلت دی ہے کہ قسطنطنیہ پہنچنے کے بعد سات دن کے اندر اندر اگر ان دونوں نے اسلام ترک نہ کیا تو ایا صوفیہ کے کلیسا سے باہر ان دونوں کو مصلوب کر دیا جائے گا۔

ہم سب عربوں نے مل کر فروہ بن عمرہ اور یوعام کو خوب سمجھایا کہ وہ دل سے نہ سہی صرف اپنی جانیں بچانے کی خاطر ہی ظاہری طور پر اسلام ترک کر دیں لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔"

فروہ اور یوعام سے متعلق گفتگو سن کر عدیم کچھ پریشان اور اداس ہو گیا تھا۔ اس کی گردن جھک گئی تھی اور وہ گہری سوچوں میں کھو گیا تھا۔ ہرکولیس کی طرف سے آنے والا قاصد ذرا دیر رک کر پھر کہہ رہا تھا۔

"اے امیر! میں آپ پر ایک اور انکشاف بھی کروں۔ آپ کے میسرہ میں ترمید نام کا جو بنی سلیم کا عرب جوان تھا وہ بھی مسلمان نکلا۔ اس نے کہیں پہلے ہی اسلام قبول کر رکھا تھا تاہم اس نے اسے چھپا رکھا تھا۔ فروہ اور یوعام کے ساتھ وہ بھی ظاہر ہو گیا اور گرفتاری سے بچنے کی خاطر وہ بھاگ گیا۔ ہرکولیس نے تلاش کرنے اور پکڑنے کی انتہائی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہوا اور ترمید فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔"

جب وہ قاصد خاموش ہوا تو عدیم نے وہاں کھڑے ہو کر کچھ دیر سوچا۔ پھر اس نے اپنے ساتھیوں کو وہاں سے قسطنطنیہ کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیدیا تھا۔

○

جس روز سہ پہر کے قریب عدیم اپنے ساتھیوں کے ساتھ قسطنطنیہ میں داخل ہوا، وہ اتوار کا دن تھا اور اس وقت ہرکولیس اور اس کا بھائی تھیوڈرو تیغ زنوں کے

مقابلے دیکھ کر ہیپوڈروم کے میدان سے نکلے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی عدیم رک گیا۔ ہرکولیس اور تھیوڈورو نے آگے بڑھ کر عدیم سے مصافحہ کیا اور اسے اس کی کامیابی پر مبارکباد دی۔ پھر ہرکولیس ایک دم سنجیدہ ہو گیا اور عدیم سے کہا۔

"رمنیس! رمنیس! تمہاری غیر موجودگی میں تبوک کی اس مہم کے دوران کچھ ناپسندیدہ اور خلاف توقع واقعات رونما ہو گئے ہیں۔"

عدیم نے فوراً بولتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ کا اشارہ فروہ بن عمرہ اور یوعام کے اسلام قبول کرنے اور مسلمان ہو جانے کی طرف ہے تو آپ نے جو قاصد میری طرف روانہ کیا تھا وہ مجھے پہلے ہی پوری تفصیل سے بتا چکا ہے۔"

ہرکولیس نے کہا۔ "تمہارا اندازہ درست ہے۔ اب فروہ بن عمرو اور یوعام دونوں زنداں میں ہیں۔ بخدا وہ دونوں بہترین جرنیل ہیں اور میں انہیں پسند بھی کرتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا وہ دونوں مصلوب ہو جائیں۔ میں تو ان دونوں کے اسلام قبول کرنے پر خاموش ہی رہنا چاہتا تھا لیکن پادریوں نے ایسا طوفان کھڑا کر دیا کہ ان دونوں کو مجھے زنداں میں ڈالنا پڑا ہے۔

ان دونوں کو ہم نے مہلت دے رکھی ہے کہ اگر وہ دونوں سات یوم کے اندر اسلام ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوئے تو انہیں مصلوب کر دیا جائے گا۔ میں نہیں چاہتا وہ بے گناہ مصلوب ہو جائیں۔ میں چاہتا ہوں وہ کسی طرح بچ کر پھر پہلے کی طرح میرے لشکر میں کام کرنے لگیں۔ میں جانتا ہوں وہ سچائی پر ہیں۔ میں نے اسی لیے تبوک کے مقام پر اس لشکر کا سامنا نہیں کیا۔ جس کے سالار مسلمانوں کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تھے۔ اس لیے کہ میں جانتا ہوں وہ سچے رسول ہیں اور انہی کا سب کو انتظار تھا پر ان پادریوں اور مذہبی جنونیوں کے ہاتھوں میں ایک سچائی کو تسلیم نہ کرنے پر مجبور ہوں۔"

عدیم نے کہا۔ "کیا فروہ بن عمرو اور یوعام کے سلسلے میں آپ کی کوئی مدد میں بھی کر سکتا ہوں۔"

ہرکولیس نے مایوسی میں کہا ”تم ان دونوں کو پادریوں کی سزا سے بچا نہیں سکتے۔ بہرحال تم ان سے ملو، وہ تمہارے اچھے دوست ہیں۔ انہیں سمجھاؤ کم از کم اپنی جان بچانے کی خاطر ہی اسلام ترک کر دیں۔ سنو رمنیس! آج اُن کا آخری دن ہے۔ اگر وہ دونوں اپنی ضد پر قائم رہے اور اسلام انہوں نے ترک نہ کیا تو کل سورج طلوع ہونے سے قبل ہی ان دونوں کو مصلوب کر دیا جائے گا۔

یاد رکھو! ان دونوں کا مصلوب ہونا صرف ان کی اپنی ذات ہی نہیں ہمارے لیے بھی نقصان دہ ہے۔ وہ دونوں تمہارے اچھے جاننے والے ہیں۔ تم آج اُن سے ملو اور سمجھاؤ۔ لیکن یہ ملاقات دن کے وقت نہیں بلکہ رات کی تاریکی میں کرو۔ دن کے وقت کوئی تمہیں ایسا کرتے ہوئے دیکھ بھی سکتا ہے اور اگر پادریوں کو خبر ہو گئی تو وہ پورے شہر میں لوگوں کو اُکسا کر ایک طوفان کھڑا کر دیں گے کہ فروہ بن عمرہ اور یوعام کو بچانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

سنو! سنو! رمنیس! میں زندان کے سب نگرانوں کو احکام جاری کر دوں گا کہ آج رات تمہیں فروہ اور یوعام سے ملنے دیا جائے۔ میرا خیال ہے وہ تمہاری بات مان کر اسلام سے منحرف ہو جائیں گے اور اگر ایسا ہو گیا تو میں ان دونوں کو رات کے وقت ہی زندان سے باہر نکال لوں گا۔

اب تم جاؤ، تھکے ہوئے ہو۔ اپنی حویلی جا کر آرام کرو۔ رات کے کسی بھی وقت جب تم چاہو، ان دونوں سے مل سکتے ہو۔ زنداں کا کوئی بھی نگران تمہارے سامنے رکاوٹ ثابت نہ ہوگا۔

ہرکولیس کے پاس سے پیچھے ہٹ کر عدیم دوبارہ اپنے گھوڑے پر سوار ہونا ہی چاہتا تھا کہ ایک طرف سے تیز تیز قدم اُٹھاتا ہوا ترسیس نمودار ہوا۔

عدیم نے اپنے گھوڑے کی پکڑی لگام چھوڑ دی اور آگے بڑھ کر اس نے ترسیس کو گلے لگا لیا تھا۔ ترسیس نے عدیم کی پیشانی چومنے کے بعد اپنا منہ عدیم کے کان پر رکھتے ہوئے سرگوشی میں پوچھا۔ ”بیٹے! کیا تم سیریا سے بھی مل کر آئے ہو؟“

عدیم نے بھی سرگوشی میں کہا۔ ”نہیں، میں اس کی طرف نہیں گیا۔ میرا ارادہ تھا کہ یہاں سے فارغ ہو کر ضرور اس سے ملوں گا۔ یہاں حالات کچھ خراب ہو گئے ہیں۔ لہٰذا میں نے اس طرف آنے میں جلدی کی ہے۔ میرے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو۔ حویلی جا کر تمہارے ساتھ تفصیل سے گفتگو کروں گا۔“

عدیم نے ترسیس کو اپنے پیچھے گھوڑے پر بٹھا لیا پھر اس نے مہمیز لگا کر گھوڑے کو ہانک دیا تھا۔

ایک روز جب کہ سورج مقدس عہد کی زنجیروں میں جکڑا اور اپنے پیچھے دھانی آنچل اور سوچوں کے رنگ بکھیرتا ہوا غروب ہو گیا تھا۔ سنگین قبروں کی طرح غمزدہ اندھیروں نے ڈیرے ڈالنے شروع کر دیے تھے اس طرح جیسے وہ صدیوں کے نقوش کو بیان کے پردوں کے اندر سے وا کرنے کا اہتمام کرنے لگی ہو۔

صیدا کی خانقاہ کے اندر اندریاس، قدوم، سیریا، رمیتا، قدوم کی بیوی زمیل اور ان کے دونوں بیٹے آتش دان کے پاس بیٹھ کر کھانا کھانے کی تیاری کر رہے تھے کہ خانقاہ کے صدر دروازے پر دستک ہوئے۔ آتش دان کے پاس بیٹھا قدوم چونک اٹھا اور اندریاس کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے تعجب اور پریشانی کے ملے جلے جذبات میں کہا۔ ”اس وقت خانقاہ کے دروازے پر کون دستک دے سکتا ہے؟“

قدوم اندریاس کے جواب کا انتظار کیے بغیر خانقاہ کے بیرونی دروازے کی طرف بڑھا جب کہ سیریا، رمیتا اور زمیل آتش دان کے پاس چٹائیاں بچھا کر ان پر کھانے کے برتن لگانے لگی تھیں۔

قدوم نے جب خانقاہ کا صدر دروازہ کھولا تو سامنے ترمید اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے کھڑا تھا۔ اسے دیکھتے ہی قدوم اس کی طرف لپکا اور اسے گلے لگاتے ہوئے انتہائی شفقت میں پوچھا۔ ”اے فرزند مہربان! اس خانقاہ میں تجھے میں خوش آمدید کہتا ہوں۔“

اتنی دیر تک اندر سے قدوم کے دونوں لڑکے بھی بھاگتے ہوئے باہر
دونوں نے ترمید کے ساتھ مصافحہ کرنے کے بعد ترمید سے اس کا گھوڑا لے
کی طرف لے گئے ۔ قدوم جب ترمید کو لے کر اس کمرے میں گیا جہاں آتش
آگ جل رہی تھی اور چٹائیوں پر کھانے کے برتن لگائے جا چکے تھے ۔

رمیتا نے جب ترمید کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا تو اس کے آنے
اس کے حسین چہرے پر کرنوں کے ہجوم، ریاضت کے خلوص اور تحریک نغمہ ساز
کیفیت طاری ہو گئی تھی ۔

وہاں آگ کے پاس چٹائی پر بیٹھا اندریاس اُٹھ کھڑا ہوا اور ترمید کو گلے
پھر ترمید کو اندریاس اور قدوم نے اپنے پاس چٹائی پر بٹھا لیا ۔ رمیتا بے چارہ
بڑھی اور ترمید کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے پوچھا ۔

"آپ اس وقت کہاں سے آرہے ہیں ؟" رمیتا کی آواز میں موسمِ بہار کے
کی سی دل کشی اور رعنائی تھی ۔

ترمید نے کہا ۔ "میں ایک بھنور سے نکل کر آرہا ہوں ۔ تم میرے پاس بیٹھو
تمہیں تفصیل سے بتاتا ہوں ۔"

رمیتا فوراً ترمید کے سامنے چٹائی پر بیٹھ گئی ۔ اسی وقت کمرے میں سیر
زمیل داخل ہوئیں ۔ ترمید نے ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا ۔ "اے
تم دونوں کیسی ہو ؟"

قبل اس کے سیریا یا زمیل میں سے کوئی جواب دیتا، رمیتا نے پوچھا "کیا
سیریا بہن کو جانتے ہیں ؟"

ترمید نے کہا ۔ "ضرور جانتا ہوں کہ رمنیس نے مجھے ایک بار اس کے متعلق
سے بتایا تھا ۔" سیریا اور زمیل بھی رمیتا کے قریب بیٹھ گئیں ۔ اتنی دیر تک قدوم
دونوں بیٹے بھی اندر آئے اور چٹائی پر بیٹھ گئے ۔

رمیتا نے کہا ۔ "ابھی ابھی آپ بتا رہے تھے کہ آپ ایک بھنور سے نکل کر

ہیں ۔ کیا آپ اس سے متعلق ہمیں تفصیل سے نہ بتائیں گے ۔"

ترمید کہہ رہا تھا ۔ "سنو میں بتاتا ہوں ۔ ہمارا لشکر مسلمانوں کے ساتھ فیصلہ کن جنگ کرنے کی خاطر قسطنطنیہ سے تبوک کی طرف روانہ ہوا تھا لیکن تبوک پہنچنے سے قبل ہی ہرکولیس اور اس کے بھائی تھیوڈورو کو جب یہ خبر ہوئی کہ تیس ہزار مسلمانوں کا جو لشکر ان کے مقابلے کے لیے آرہا ہے اس کے ساتھ مسلمانوں کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں، تو ان دونوں بھائیوں پر نہ جانے اس سے کیا اثر ہوا کہ جنگ کیے بغیر اور تبوک پہنچنے سے قبل ہی انھوں نے واپسی کا ارادہ کر لیا ۔

ہرکولیس اور تھیوڈورو کی اس طرح واپسی کا لشکر پر منفی اثر ہوا اور لوگ مسلمانوں کے حق میں چہ میگوئیاں کرنے لگے ۔ اس دوران ہرکولیس کے مقدمۃ الجیش کے سربراہ ایک عرب جرنیل فروہ بن عمرو اور اس کے نائب یوعام نے اعلانیہ اسلام قبول کر لیا ۔ میں فوراً ان دونوں سے ملنے گیا ۔ میں صرف فروہ سے مل سکا اور اسے میں نے بتایا کہ میں بھی مسلمان ہوں ۔ میں یوعام سے نہ مل سکا ۔ کاش میں اس سے بھی مل سکتا اور اسے بتاتا کہ میرے بچھڑنے والے بھائی کا نام بھی یوعام تھا ۔

آہ پادریوں کے کہنے پر ہرکولیس نے ان دونوں کو گرفتار کر لیا لیکن میں لشکر سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا ۔ ہرکولیس ان دونوں کو اپنے ساتھ قسطنطنیہ لے گیا ہے ۔ اب دیکھیں بے چارے ان دونوں کا اسلام قبول کرنے کے باعث کیا حشر ہوتا ہے ۔

جب میں لشکر سے بھاگ کر تبوک کی طرف گیا تو وہاں مجھے اپنے ایک قبیلے کا جوان بلادہ مسلمانوں کے لشکر میں شامل تھا ۔ اس نے مجھے بتایا کہ ہمارا قبیلہ بنو سلیم سارے کا سارا مسلمان ہو چکا ہے اس لیے میں تمہیں لینے آیا ہوں ۔ اپنے قبیلے میں واپس جانے کے لیے کل ہم یہاں سے روانہ ہوں گے ۔"

سیریا نے پہلی بار ترمید کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ۔ "اے میرے بھائی ! رمنیس کا کیا ہوا ۔ انھوں نے بھی تو اسلام قبول کر لیا تھا کیا وہ بھی ہرکولیس اور قسطنطنیہ کے پادریوں کی نگاہوں میں تو نہیں آگئے ۔

اے میرے بھائی! آپ کی باتوں نے مجھے ان سے متعلق فکرمند کر دیا ہے۔ الٰہ
کہ وہ میرے ایسے محسن ہیں جن پر جان بھی قربان کی جاسکتی ہے۔ قسطنطنیہ میرے لیے
بن گیا تھا۔ انہوں نے تمام خطرات اپنے اُوپر ڈال کر مجھے اس جہنم سے نکالا تھا۔ مَیں
کے احسانوں اور ایثار کو فراموش نہیں کر سکتی۔ کاش کوئی قاصد کوئی مخبر یہ اطلاع کرے
کہ وہ کیسے اور کہاں ہیں"۔

ترمید نے فوراً کہا۔" اے میری بہن تو رمینس سے متعلق فکرمند نہ ہو۔ وہ ایک بہادر
جرنیل اور دانشمند انسان ہے اور پھر وہ تبوک کی مہم کے لیے لشکر میں شامل نہ تھا۔ جب
لشکر قسطنطنیہ سے کوچ کر گیا تو مجھے میرے ایک ساتھی لشکری نے بتایا کہ رمینس لشکر میں
شامل نہیں۔

اس لشکری نے بتایا کہ تبوک کی طرف روانگی سے صرف ایک دن قبل کوئی عورت
کہ مَیں اس سے متعلق زیادہ معلومات حاصل نہیں کر سکا، وہ لاذقیہ اور طرابلس شہروں کے
درمیان رہزنوں کے خلاف فریاد لے کر آئی تھی۔ لہٰذا ہرکولیس نے رمینس کو یہ مہم سونپی تھی
کہ وہ لشکر کے ایک حصّے کے ساتھ سوداگروں کے بھیس میں لاذقیہ اور طرابلس کی طرف
جائے اور رہزنوں کا صفایا کر کے تبوک کے مقام پر لشکر سے آملے۔

اب جب ہرکولیس اور اس کا بھائی تھیوڈورو اپنی اس مہم کو نا کام اور ادھورا
چھوڑ کر واپس قسطنطنیہ کی طرف چلے گئے ہیں تو میرا خیال ہے رمینس بھی اپنی مہم سے فارغ
ہو کر قسطنطنیہ چلا گیا ہو گا۔ کیوں کہ ہرکولیس نے اسے اطلاع بھجوا دی تھی کہ وہ تبوک کی طرف
جانے کے بجائے قسطنطنیہ لوٹ جائے۔ تم اس سے متعلق فکرمند نہ ہو میری بہن! وہ اپنے آپ
کو خطرات میں نہیں ڈالے گا اور پھر ہرکولیس اور اس کے بھائی تھیوڈورو کا رمینس پر اتنا
اعتماد اور بھروسہ ہے کہ وہ دونوں آنکھیں بند کر کے اس کی بات مانتے ہیں"۔

اس بار اندریاس نے فکرمند لہجے میں کہا۔" ایسا لگتا ہے قسطنطنیہ میں میرے
بیٹے کے لیے خطرات سر اُبھارنے لگے ہیں۔ مَیں چند دن تک اس کا انتظار کروں گا۔ اگر
وہ نہ آیا تو مَیں اس کی خیریت جاننے خود قسطنطنیہ جاؤں گا"۔

تدوم نے چٹائیوں پر لگے کھانے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔" کھانا شروع
ورنہ ٹھنڈا ہو جائے گا"۔ سب خاموشی سے کھانا کھانے لگے۔ دوسرے روز صبح
ترمید اور رمیتا وہاں سے کوچ کر گئے تھے۔

○

آتش دان کے پاس بیٹھ کر ترسیس کے ساتھ کھانا کھا چکنے کے بعد عدیم جب
غ ہوا تو بڑے غور اور انہماک سے اس نے ترسیس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
بیس! ترسیس! اگر تم میرا ساتھ دینے کی حامی بھرو تو مَیں تم سے ایک راز کی بات
ہوں!

ترسیس نے انتہائی ارادتمندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔" رمینس! رمینس! ایک
آپ کو بیٹا کہہ کر پکارتا ہوں دوسرے سیریا کو یہاں سے نکلنے کی وجہ سے آپ میرے
لیے بھی ہیں جن پر مَیں اپنی جان تک قربان کر سکتا ہوں۔ آپ مجھ پر پورا بھروسہ کر
ہیں۔ آپ کہیں مَیں آپ کے کیا کام آسکتا ہوں۔ میرے لیے یہ ایک بڑی سعادت ہو
ہیں آپ کے کسی کام آؤں"۔

عدیم نے کہا۔" ترسیس! ترسیس! سنو سنو! مجھے غور سے سنو! تم جانتے ہو
لیس نے اپنے دو جرنیلوں کو جن کے نام فروہ اور یوعام ہیں زنداں میں ڈال رکھا
ان دونوں کا قصور صرف یہ ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ مَیں ان
کو زنداں سے نکالنا چاہتا ہوں۔ اس سلسلے میں تم میری ایک مدد کر سکتے ہو اور وہ
وقت ہمارے اصطبل میں دو گھوڑے ہیں۔ ایک میرا اور دوسرا وہ جو تمہارے
لیے خریدا گیا تھا۔ تم ان دونوں گھوڑوں کو لے کر ابھی شہر کے جنوبی دروازے
باہر نکل جاؤ۔ دونوں گھوڑوں پر زینیں اور ضرورت کا دیگر سامان ڈال لینا۔
سنو ترسیس شہر کے جنوب میں صرف دو فرلانگ کے فاصلے پر چند سیاہ رنگ کی
سمندر کے کنارے کھڑی ہیں۔ تم دونوں گھوڑوں کے ساتھ انہی سیاہ چٹانوں کے
ر میرا انتظار کرنا۔ مَیں فروہ اور یوعام کو لے کر وہیں آ ملوں گا۔ ایک گھوڑے

پر مَیں اور تم سوار ہو جائیں گے اور دوسرے پہ فروہ اور یوعام"۔

ترسیس نے کہا۔" مَیں اس معاملے میں آپ سے پورا اتفاق کرتا ہوں"

عدیم نے کہا۔" تو پھر اٹھو تیاری کریں"۔

دونوں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ پہلے انہوں نے دو گھوڑے تیار کیے۔ عدیم نے
آپ کو پوری طرح مسلح کرنے کے بعد اپنے کندھے سے ایک چرمی خرجین لٹکا لی
میں دو کمندوں کے علاوہ دیگر ضرورت کا سامان ڈال لیا۔ پھر وہ دونوں رات کو
میں حویلی سے نکل گئے تھے۔

سورج غروب ہو چکا تھا۔ ہر شے اندھیروں کے خوابوں کے اندر گم ہو چکی
شفق آسمان کی نیلگوں سے گلے مل چکی تھی۔ شب کی سیاہی اپنی ذات کو ہر شے کا
چکی تھی۔ عدیم اور ترسیس شہر کے جنوبی دروازے سے باہر نکلے۔

ترسیس دونوں گھوڑوں کو لے کر سمندر کے کنارے سیاہ چٹانوں کی
گیا جب کہ عدیم شہر سے نکل کر فصیل کے ساتھ ساتھ مغرب کی طرف چلنے لگا۔
ہوئے وہ آگے بڑھتا رہا۔ اس جگہ عدیم رُک گیا جہاں اب اس کی سیدھ میں فصیل
زنداں تھا۔

عدیم نے کچھ سوچا پھر اپنے کندھے سے لٹکتی چرمی خرجین سے ایک
کر شہر پناہ پر ڈالی۔ پہلی بار ہی اس کی کمند اوپر کہیں پھنس گئی تھی پھر اس نے
ذرا کھینچ کر اس کی مضبوطی کا جائزہ لیا اور مطمئن ہو کر وہ واپس مڑا اور شہر میں
تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا عدیم زندان کی طرف بڑھنے لگا تھا۔ جب وہ
کے دروازے پر آیا تو وہاں کھڑے محافظوں میں سے ایک نے عدیم کو مخاطب
ہوئے کہا۔" کیا آپ فروہ اور یوعام سے ملنے آئے ہیں"۔

عدیم نے کہا۔" تمہارا اندازہ درست ہے۔ مَیں ان سے ہی ملنے آیا
ہرکولیس کی طرف سے تم لوگوں کو ایسے احکام مل چکے ہیں۔ جن میں مجھے ان دونوں

...زت دی گئی ہو"۔

پہریدار نے کہا۔" ہرکولیس کا بھائی تھیوڈورو یہاں آیا تھا اور اس نے حکم دیا تھا کہ
...ت کے جس وقت بھی فروہ اور یوعام سے ملنا چاہے اسے اجازت ہے۔ زندان کے
...جی ابھی اپنے گھر گئے ہیں وہ ہمیں سختی سے تنبیہہ کر کے گئے ہیں کہ جب آپ آئیں تو
...فروہ اور یوعام سے ملنے دیا جائے۔ لہٰذا آپ اندر آ سکتے ہیں۔

عدیم زندان میں داخل ہوا۔ ایک پہریدار فروہ اور یوعام کی طرف راہنمائی کے لیے
...ے ساتھ ہو لیا اور عدیم کو آہنی دروازے والی اس سنگین کوٹھڑی میں لا کھڑا کیا جس کے
...روہ اور یوعام بند تھے۔

پہرے دار نے آہنی دروازے کو لگا بھاری قفل کھول دیا اور عدیم سے کہا۔" آپ
...اب ان دونوں سے گفتگو کر سکتے ہیں"۔

عدیم نے پہریدار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔" اب تم جاؤ۔ مَیں ان دونوں سے علیحدگی
...داری کے ساتھ بات چیت کروں گا"۔

پہریدار نے مسکراتے ہوئے کہا۔" آپ بے فکر رہیں، مَیں جا رہا ہوں۔ مَیں اس
...امر موضوع سمجھتا ہوں"۔

فروہ اور یوعام جو بیٹھے جاگ رہے تھے۔ عدیم اور پہریدار کی گفتگو کو تعجب،
...اور خاموشی کے ساتھ سُن رہے تھے۔ پہریدار مڑا اور وہاں سے چلا گیا۔

عدیم نے فروہ اور یوعام دونوں سے سلام کہا۔ اور ان دونوں نے گرم جوشی
...کے سلام کا جواب دیا پھر عدیم نے ذومعنی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے
...دونوں یہیں بیٹھ کر میرا انتظار کرو۔ مَیں تھوڑی دیر تک آتا ہوں۔ یہ رات
...اور تم دونوں کی زندان کی رات نہ ہو۔ مَیں چند ثانیوں میں لوٹ کر آ رہا ہوں اور پھر
...کے ساتھ تم دونوں سے گفتگو کرتا ہوں"۔

...کوٹھڑی سے باہر کھڑے ہو کر عدیم نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ ہر
...تاریکی تھی۔ تیز تیز قدم اُٹھاتا ہوا عدیم زندان کے اندر جنوب کی طرف بڑھنے لگا تھا۔

انداز ہ لگاتے ہوئے عدیم اس جگہ آیا جہاں زندان اور شہر پناہ کی دیو
یں ملتی تھیں اور جہاں باہر کی سمت سے اس نے کمند ڈالی تھی۔ اپنا اطمینان کر
بعد عدیم نے اپنی چرمی خرجین سے دوسری کمند نکالی اور لہرا کر اس نے دیوا
دی۔ ایک بار کمند کو کھینچ کر عدیم نے اس کی مضبوطی کا جائزہ لیا پھر وہ واپس جا
تھوڑی دیر بعد یوعام زندان کی اس کوٹھڑی میں داخل ہوا جس کے اندر فرو
تھے۔ عدیم کو دیکھتے ہی وہ دونوں اُٹھ کھڑے ہوئے۔

وہ دونوں عدیم سے کچھ کہنا چاہتے تھے کہ عدیم نے اُن دونوں کو مخا
ہوئے کہا ”اے میری مسلم قوم کے فرزندو! آؤ میرے ساتھ اس زندان سے
کہ میں شہر پناہ کے جنوبی حصے کی طرف اندر اور باہر دونوں جانب کمندیں ڈ
ہوں۔ میں تم سے ملنے کے لیے ہرکولیس سے اجازت لے کر آیا ہوں۔ آؤ میر
قوم کے بیش بہا فرزندو! یہاں سے بھاگ چلیں“۔

فروہ اور یوعام نے آگے بڑھ کر عدیم سے مصافحہ کیا۔ پھر فروہ
”اے برادرِ نیک خو! ہم تیرے ساتھ چلنے کو تیار ہیں“۔

عدیم نے اپنے لباس کے اندر سے دو تلواریں نکالیں اور فروہ اور
تھماتے ہوئے کہا۔ ”یہ دو فالتو تلواریں میں تم دونوں کے لیے لایا ہوں
کے وقت یہ تمہارے کام آئیں گی“۔

ان دونوں نے تلواریں لے لیں پھر فروہ نے عدیم کو مخاطب کرتے
”رمینس! رمینس! چلو یہاں سے نکل چلیں۔ تم آگے آگے رہ کر ان کمندو
سو تم ڈال آئے ہو ہماری رہنمائی کرو۔ تمہارے پیچھے یوعام ہوگا اور میں تم د
پیچھے رہ کر پشت کی طرف سے تم دونوں کی حفاظت کروں گا۔ چلو جلدی
چلیں، ورنہ زندان کا وہ محافظ جو تمہارے لیے ہماری اس کوٹھڑی کا دروازہ
گیا ہے لوٹ آئے گا اور ہمارے لیے مشکلات کھڑی کر دے گا“۔

تینوں بڑی تیزی سے اس حصے کی طرف بڑھنے لگے جہاں عدیم

تھیں۔ اچانک کچھ پہریداروں نے انہیں دیکھ لیا اور وہ بلند آوازوں میں شور کرنے
لگے ”فروہ اور یوعام بھاگ رہے ہیں انہیں پکڑ لو۔ ہمارے میسرہ کا جرنیل رمینس غدار
نکلا وہ ان دونوں کو بھگا کر لے جا رہا ہے۔ اِن تینوں کو پکڑ لو۔ یہ بھاگ گئے تو ہرکولیس طوفان
کھڑا کر دے گا اور ہم سب کی گردنیں کاٹ دے گا“۔

پہرے داروں کی آوازیں سن کر عدیم، فروہ اور یوعام تیزی سے بھاگنے لگے۔
پہرے دار بھی بھاگتے ہوئے ان کا تعاقب کر رہے تھے۔ شہر پناہ کے اوپر برجوں پر پہرہ
دینے والے محافظ ابھی ان پہریداروں کی آوازوں کی طرف متوجہ نہ ہوئے تھے۔

اچانک تعاقب کرنے والے پہریداروں میں سے ایک نے اپنے ساتھیوں کو ڈانٹ
دینے کے انداز میں کہا۔ ”اب چلاّ چلاّ کر شور کرنا بند کر دو۔ اس طرح فصیل پر پہرہ
دینے والوں اور دیگر محافظوں کو خبر ہو جائے گی کہ فروہ اور یوعام کو ہمارے میسرہ
کا جرنیل رمینس لے بھاگا ہے۔ یہی خبر اگر ہرکولیس تک جا پہنچی، تو بے شک ہم ان
تینوں کو پکڑ کر بند کر دیں پھر بھی ہرکولیس ہماری اس کوتاہی کو معاف نہ کرے گا اور ہمیں
صلیب دیئے جانے کا حکم صادر کر دے گا۔ آؤ خاموشی سے ان کا تعاقب کریں اور
داروغہ کے آنے سے پہلے پہلے انہیں زندان کی کوٹھڑی میں بند کر دیں۔

کاش ہمیں خبر ہوتی کہ میسرہ کا جرنیل رمینس کسی سازش اور چال کے تحت
زندان میں داخل ہوا ہے۔ اب بھی ہم انہیں پکڑنے میں کامیاب ہو جائیں گے کیوں
فصیل پار کرنا ان کے لیے مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے“۔

اپنے ساتھی کی ہدایت پر پہریدار اب خاموشی سے رمینس، فروہ اور یوعام کا
تعاقب کرنے لگے تھے۔ عدیم بھاگتا بھاگتا فروہ اور یوعام کو اس جگہ لے آیا جہاں
اس نے فصیل کے اندر اور باہر کمندیں ڈال رکھی تھیں۔

سب سے پہلے عدیم کمند پر چڑھنے لگا۔ اس کے بعد یوعام اُوپر جا رہا تھا۔
آخر بے چارہ ابھی کمند کے اُوپر چڑھنے ہی لگا تھا کہ پہرے داروں نے اُسے آلیا اور
پکڑ لیا۔

تین محافظ فروہ[1] کو پکڑ کر واپس لے گیے جب کہ باقی کے دس بارہ محافظ بڑی
تیزی سے کمند پر چڑھتے ہوئے عدیم اور یوعام کا تعاقب کرنے لگے تھے۔

عدیم اور یوعام بڑی تیزی سے کمند کے ذریعے فصیل کے اُوپر گئے پھر وہ
اس کمند کے ذریعے جو عدیم نے فصیل کے بیرونی حصّے میں ڈال رکھی تھی نیچے اُترنے
لگے تھے ۔

عدیم نے اپنی کمندیں چونکہ فصیل کے دُو برجوں کے درمیانی حصّے میں ڈال رکھی
تھیں لہذا رات کے وقت فصیل کے محافظ فوری طور پہ اُن کی طرف متوجہ نہ ہو سکے
لیکن اچانک دائیں طرف کے بُرج میں کھڑے محافظوں نے انہیں دیکھ لیا اور وہ بھاگتے
ہوئے اس طرف آئے - اتنی دیر تک عدیم اور یوعام نیچے اُتر کر سمندر کے کنارے کی
سیاہ چٹانوں کی طرف بھاگ رہے تھے -

تعاقب کرنے والے زندان کے پہریدار جب فصیل کے اُوپر آئے تو وہاں جمع
ہونے والے بُرج کے محافظوں میں سے ایک نے پوچھا " یہ فصیل کے دونوں جانب
کمندیں کس نے ڈالی ہیں ، ابھی ابھی کوئی ان کمندوں سے نکل کر بھاگا ہے اور تم لوگ
کس کے تعاقب میں ہو ؟"

پہرے داروں میں سے ایک نے کہا - " ہم زندان کے محافظ ہیں - زندان
جو مسلمان ہو جانے والے فروہ اور یوعام بند تھے اور انہیں اسلام ترک کر دینے
ترغیب دینے کے لیے ہرکولیس نے اپنے میسرہ کے جرنیل رمینس کو ان سے ملنے
خصوصی اجازت دی تھی لیکن رمینس نے غداری کی - اس نے ان کمندوں کا پہلے
انتظام کر رکھا تھا - لہذا وہ فروہ اور یوعام کو لے بھاگا -
ہم نے فروہ کو تو پکڑ کر دوبارہ زنداں میں بند کر دیا ہے لیکن رمینس دو

---

[1] دوسرے روز فروہ بن عمرو کو مصلوب کر دیا گیا تھا کیوں کہ اس نے ہر لالچ پر لات مار کر
اسلام ترک کرنے سے انکار کر دیا تھا -

[...] نکلے ہیں - اب ہم انہیں پکڑنے کے لیے ان کے تعاقب میں ہیں - وہ نیچے دیکھو
دونوں بھاگتے ہوئے سمندر کی طرف جا رہے ہیں "

بُرج کے محافظوں کے سرخیل نے کہا " اس طرح پیدل اُن کا تعاقب کر کے
نہیں پکڑ نہیں سکتے - انہوں نے اگر فصیل پر کمندیں ڈالنے کا اہتمام کیا ہے تو انہوں
یہاں سے فرار ہونے کی خاطر گھوڑوں کا انتظام بھی کر رکھا ہو گا - تم لوگ واپس
[...] کی طرف جاؤ میں شہر پناہ کے شمالی دروازے کے محافظوں سے کہتا ہوں وہ گھوڑوں پر
[سوار] ہو کر ان کا تعاقب کریں - زندان کے محافظ واپس جا رہے تھے جب کہ اس بُرج کے
[محافظ]وں کا سرخیل شہر پناہ کے شمالی دروازے کی طرف بھاگ رہا تھا -

شہر پناہ سے اُتر کر رمینس اور یوعام بڑی تیزی سے سمندر کے کنارے کی سیاہ چٹانوں
[کی ط]رف بھاگ رہے تھے - دونوں خاموش تھے اور اپنی جانیں بچانے کی خاطر سمندر کی
[...]ب بھاگ رہے تھے -

سیاہ چٹانوں کے اندر گھس کر عدیم نے اپنی پھولی ہوئی سانس میں آواز نکالی -
[" تر]سیس ! ترسیس ! تم کہاں ہو !"

جواب میں رات کی سرد تاریکی اور بھیانک خاموشی کے اندر ترسیس کی آواز سنائی
[دی] " میں اس جانب ہوں بیٹے !"

عدیم اور یوعام پھر آواز کی سمت دوڑنے لگے - تھوڑی دیر بعد وہ دونوں وہاں
پہنچے جہاں ترسیس دونوں گھوڑوں کی باگیں پکڑے کھڑا تھا - عدیم نے ایک گھوڑے کی
[طرف ا]شارہ کرتے ہوئے یوعام سے کہا - " یوعام ! یوعام ! تم اس گھوڑے پر سوار ہو اور
[...] محفوظ جگہ کی طرف بھاگ جاؤ - ہم دونوں کا اکٹھے ایک سمت کو بھاگنا خطرناک ہو گا
[اس ط]رح ہمارے پکڑے جانے کا زیادہ احتمال ہو گا - اب تم وقت ضائع نہ کرو اور یہاں
[سے] بھاگ جاؤ "

یوعام نے فوراً عدیم اور ترسیس سے مصافحہ کیا اور گھوڑے پر سوار ہونے کے
[بعد] اس نے کہا " رمینس ! رمینس ! اس وقت حالات نے مجھے مجبور کر رکھا ہے -

لیکن میرے رب نے چاہا تو مَیں کبھی تمہارے اس عظیم احسان کا بدلہ ضرور چکاؤں
ہم فروہ بن عمرو کو بھی اپنے ساتھ لا سکتے ۔" اس کے ساتھ یوعام نے گھوڑے کو
اسے ہانک دیا ۔ اس کا رُخ بعلبک شہر کی طرف تھا ۔

یوعام کی روانگی کے بعد عدیم اپنے گھوڑے پر سوار ہوا پھر ترسیس کا بازو
اسے اپنے پیچھے بٹھاتے ہوئے اس نے کہا ۔ "آؤ اب ہم بھی یہاں سے بھاگ چلیں
لگتا ہے تعاقب کرنے والے وہیں رُک گئے ہیں اور وہ ہمارے پیچھے فصیل سے نیچے
اُترے لیکن یہ وقفہ، یہ خاموشی زیادہ خطرناک اور بھیانک ہو سکتی ہے ۔ اس لیے
مسلح سواروں کو ہمارے تعاقب میں لگا سکتے ہیں"۔

ترسیس خاموشی سے عدیم کی گفتگو سنتا رہا پھر عدیم نے گھوڑے کو ایڑ لگا
ہانک دیا تھا ۔ گھوڑا بڑی تیز رفتاری سے جنوب کی طرف بھاگنے لگا تھا ۔

اچانک عدیم چونک سا پڑا اور ترسیس کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے

"ترسیس ! ترسیس ! تم کچھ آوازیں سُن رہے ہو"۔

ترسیس نے کہا ۔ "ہاں، میرے کانوں میں گھوڑوں کی ٹاپیں پڑ رہی ہیں
لگتا ہے ہمارا تعاقب شروع ہو گیا ہے"۔

عدیم نے خدشہ ظاہر کرتے ہوئے کہا ۔ "تمہاری سوچیں درست ہیں ترسیس
ہمارا تعاقب شروع ہو گیا ہے ۔" اور رات کے وقت یہ تعاقب زیادہ بھیانک اور تکلیف
ہو گا ۔ کیوں کہ رات کی خاموشی میں ہمارے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز دُور دُور تک
دے گی اور تعاقب کرنے والوں کے لیے ہمارا پیچھا کرنا آسان اور سہل ہو گا ۔

ترسیس نے اس بار خوفزدہ سی آواز میں پوچھا ۔ "رمینس ! رمینس ! میرے
مَیں اپنی موت سے نہیں ڈرتا ۔ تم مجھے یہاں اتار دو اور خود بھاگ جاؤ ۔ مَیں تعاقب
والوں کو روک کر انہیں بھٹکا دوں گا اس طرح تمہیں بھاگنے کا موقع مل جائے گا
سیریا کی طرف سے فکرمند ہوں بیٹے ! اگر تم بچ گئے تو وہ تمہارے ساتھ سکون کی زندگی
سکے گی اور اگر تم بھی میرے ساتھ مارے گئے تو وہ بچاری پناہ کی خاطر کہاں کہاں دھکے

بے گی قسم ہر شے کے خالق کی مَیں نے اسے اپنی بیٹی کی طرح پالا ہے"۔
عدیم نے ترسیس کی ران تھپتھپاتے ہوئے کہا ۔ "نہیں، نہیں مَیں تمہیں نیچے اُتار کر
نے آپ کو میری خاطر موت کے منہ میں جانے کی اجازت نہ دوں گا ۔ تم پُرسکون ہو کر میرے پیچھے
بیٹھے رہو ۔ ہمارا رب ہماری حفاظت کرے گا ۔ ہو سکتا ہے وہ ہمارے بچ نکلنے کی کوئی سبیل
پیدا کر دے"۔

ترسیس نے کچھ نہ کہا اور خاموش رہا ۔ جب کہ عدیم نے گھوڑے کو ایڑ پر ایڑ لگا
کر اس کی رفتار اور تیز کر دی تھی ۔

عدیم کا گھوڑا چونکہ دو آدمیوں کا بوجھ اُٹھائے ہوئے تھا لہٰذا تعاقب کرنے والوں
نے آہستہ آہستہ درمیانی فاصلے کو کم کر لیا تھا ۔ ترسیس نے اپنے اوپر طاری خوف کو کم کرنے
کی خاطر عدیم کو باتوں میں لگانے کی خاطر پوچھا ۔ "رمینس ! بیٹے ! کیا تم سیدھا اس خانقاہ
کا رُخ کرو گے جس میں سیریا ٹھہری ہوئی ہے"۔

عدیم نے کہا ۔ "نہیں، مَیں ان حالات میں خانقاہ کی طرف نہ جاؤں گا ۔ اس طرح
اگر تعاقب کرنے والے وہاں تک پہنچ گئے تو سیریا کا بھید کھل جائے گا اور پھر سیریا ہی نہیں
خانقاہ میں رہنے والا کوئی بھی فرد زندہ نہ بچے گا"۔

سنو ! سنو ! ترسیس ! مَیں اپنے گھوڑے کو اس شاہراہ کی طرف لے جانے کی
کوشش کر رہا ہوں جو طارس، حلب، قطنہ اور دمشق سے ہوتی ہوئی بثان کی طرف جاتی
ہے ۔ میرا ارادہ ہے کہ اگر ہم یہ تعاقب ختم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ہم کچھ دن بثان کی
کسی سرائے میں رُکے رہیں گے اور جب دیکھیں گے کہ حالات اب پُرسکون اور محفوظ ہیں
تو سیریا کے پاس صیدا شہر کی اس خانقاہ میں چلے جائیں گے اور اگر حالات دِگرگوں ہوئے تو
بھی ہمیں زیادہ فکرمندی کی ضرورت نہ ہو گی کیوں کہ مسلمانوں کا علاقہ بثان سے قریب ہے
لہٰذا عرب کی سرزمین میں داخل ہو کر اپنے آپ کو محفوظ کر لیں گے ۔ اگر مَیں ایسا نہ کر سکا تو
پھر ایران کا رُخ کر دوں گا اور وہاں کے لشکر میں شامل ہو جاؤں گا"۔ عدیم کہتے کہتے خاموش
ہو گیا کیوں کہ تعاقب کرنے والے نزدیک آ گئے تھے ۔

اچانک پیچھے سے تیروں کی بوچھاڑ آئی اور عدیم کی بائیں ٹانگ میں دو تیر پیوست ہو گئے۔ عدیم نے ضبط سے کام لیا اور ترسیس کا حوصلہ بڑھانے کی خاطر نے منہ سے سسکی تک نہ نکلنے دی۔ اس کے ساتھ ہی درد اور تکلیف میں ڈوبی تر کے کراہنے کی آواز سنائی دی۔

عدیم نے چونک کر پوچھا۔ "ترسیس! ترسیس! کیا تمہارے تیر لگا ہے"

ترسیس نے کراہتی ہوئی آواز میں کہا۔ "ہاں، مگر تم گھوڑے کو تیزی سے بھگا رہو کہیں ایسا نہ ہو یہ ہم دونوں کو پکڑنے میں کامیاب ہو جائیں۔"

اچانک عدیم نے شاہراہ کو چھوڑ کر اپنے گھوڑے کو بائیں طرف کی چٹانوں کی موڑ دیا۔ اب وہ دیوتاؤں کی طرح کھڑی چٹانوں کی بھول بھلیوں کے اندر اپنے گھوڑے کو بھگا لگا تھا۔

تعاقب کرنے والے یہ تو سمجھ گئے تھے کہ عدیم نے اپنے گھوڑے کو شاہراہ سے ہٹا کر چٹانوں کے اندر ڈال دیا ہے لیکن وہ یہ نہ جان سکے کہ وہ کس سمت مڑا ہے۔ یہاں عدیم نے ایک اور دانشمندی کا ثبوت دیا کہ چٹانوں کے اندر اس نے گھوڑے کو تیزی سے بھگانے کے بعد ایک چٹان کی اوٹ میں اسے روک دیا تھا۔

تعاقب کرنے والوں نے اپنے آپ کو بانٹ کر دو حصوں میں تقسیم کر لیا تھا۔ گروہ شاہراہ کے بائیں طرف کی چٹانوں میں داخل ہوا اور دوسرا دائیں جانب کی چٹانوں لیکن عدیم اور ترسیس کی خوش قسمتی کہ وہ بائیں طرف مڑنے والے اس جگہ سے چٹانوں داخل نہ ہوئے تھے جدھر سے عدیم اور ترسیس داخل ہوئے تھے بلکہ وہ تھوڑا سا آگے چٹانوں کے اندر گھسے تھے اور آگے بڑھتے چلے گئے تھے۔

عدیم نے چونکہ اپنے گھوڑے کو روک دیا تھا لہٰذا وہ ٹاپوں کی آوازیں سن کر تعاقب نہ کر سکتے تھے لہٰذا وہ چٹانوں کے اندر دوسری سمت بھٹکنے لگے تھے۔ جب عدیم ابھی اسی جگہ اپنے گھوڑے کو روکے کھڑا تھا کیوں کہ رات کی سرد تاریکی اور گہری خاموشی میں وہ تعاقب کرنے والوں کے گھوڑوں کی آوازیں سن کر خوب اندازہ لگا رہا

وہ کس جانب ہیں۔

چٹانوں کی اوٹ میں اپنے گھوڑے پر سوار عدیم اچانک چونک پڑا۔ کیوں کہ دم سے ترسیس جو گھوڑے پر اس کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا نیچے گر گیا۔

عدیم فوراً نیچے اترا۔ اس نے دیکھا ترسیس بے سدھ پتھریلی زمین پر پڑا تھا۔ اس کی پیٹھ میں کئی تیر پیوست تھے اور اس کا سارا لباس لہو سے رنگین تھا۔ عدیم نے بے چین ہو کر اس کی نبض پر ہاتھ رکھا لیکن وہاں اب کچھ نہ رکھا تھا۔ ترسیس ختم ہو چکا تھا۔ عدیم سمجھ گیا کہ تعاقب کرنے والوں کے تیر کھانے کے بعد ترسیس مصلحتاً خاموش رہا اور ضبط کرتا رہا تاکہ اس کے زخمی ہونے کی وجہ سے رکنا نہ پڑے اور دشمن انہیں آ نہ لیں۔

عدیم اداس اور پریشان ہو گیا تھا۔ اسی حالت میں اس نے پہلے اپنی ٹانگ میں پیوست تیر کھینچ کر نکالا اور خون روکنے کی خاطر اس نے ایک ہی جگہ لگنے والے دونوں تیروں سے آنے والے زخم پر کس کر کپڑا باندھ دیا تھا۔ پھر ایک قریبی گڑھے میں اس نے ترسیس کی لاش رکھی اور اس پر اس نے اپنے خنجر کی مدد سے بجری اور مٹی ڈال دی۔

ترسیس کی تدفین کے بعد عدیم اپنے گھوڑے کے پاس آیا۔ گھوڑے کی زین سے بندھے بستر سے اس نے ایک چادر نکالی اور اسے کئی حصوں میں پھاڑ دیا۔ پھر اس نے چادر کے ان ٹکڑوں سے پہلے اپنے گھوڑے کے منہ پر ڈھاٹا چڑھایا تاکہ وہ ہنہنانے نہ پائے اور اگر نتھنے پھڑپھڑائے تو اس کی آواز نہ ابھرے۔ پھر چادر کے دیگر ٹکڑے گھوڑے کے چاروں پاؤں پر کس کر اس احتیاط کے لیے باندھ دیئے کہ جب گھوڑا چلے تو آواز پیدا نہ ہو۔

کوئی فیصلہ کرنے کے بعد عدیم اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے ایڑ لگا کر ہانک دیا۔ اب وہ چٹانوں کے اندر ہی اندر جنوب مشرق کی طرف بڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ رات بھر کوہستانی سلسلے کے اندر سفر کرنے کے بعد اگلے روز سورج طلوع ہونے کے بعد وہ شاہراہ پر چڑھ گیا تھا جو حلب کی طرف جاتی تھی۔ اب وہ تعاقب کرنے والوں کی طرف سے کچھ بے فکر ہو گیا تھا۔

ایک جگہ پانی کے ایک شفاف چشمے کے قریب وہ رکا۔ اپنے گھوڑے کو چر کر پیٹ بھرنے کے لیے اس نے کھلا چھوڑ دیا۔ خود اس نے وہاں بیٹھ کر اپنا منہ دھویا اور کھانا کھانے کے بعد وہ کچھ دیر کے لیے ستانے بیٹھ گیا تھا۔

کافی دیر بعد وہ چونک اٹھا۔ اسے بھاگتے گھوڑوں کی آوازیں سنائی دی تھیں اس نے فوراً اپنے گھوڑے کو دھانہ چڑھا لیا پھر وہ سوار ہوا اور اپنے گھوڑے کو اس نے ایک بلند ٹیلے پر چڑھایا۔ اس نے دیکھا سات سواروں کا ایک گروہ اس کی طرف آ رہا تھا۔

عدیم فکر مند ہو گیا۔ اس نے اپنے گھوڑے کو حلب کی طرف جانے والی شاہراہ پر ڈال کر سرپٹ دوڑا دیا تھا۔ وہ انہیں پہچان گیا تھا وہ تعاقب کرنے والوں کا ایک ہی گروہ تھا۔ شاید یہ وہ گروہ تھا جو مشرقی چٹانوں میں اسے تلاش کرتے کرتے ادھر آ نکلا تھا۔ انہوں نے بھی عدیم کو پہچان لیا تھا لہٰذا وہ بھی اپنے گھوڑوں کی رفتار بڑھا کر اس کے تعاقب میں لگ گئے تھے۔

گو اس بار عدیم کے گھوڑے پر تعاقب کرنے والوں کی طرح ایک آدمی کا بوجھ ہی تھا اور وہ تازہ دم بھی تھا۔ لہٰذا وہ اپنے اور تعاقب کرنے والوں کے درمیان فاصلہ بڑھاتا جا رہا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ بہت جلد تعاقب کرنے والوں سے نجات چاہتا تھا۔ اس لیے کہ اسے خدشہ تھا۔ اگر تعاقب کرنے والوں نے راستے میں اپنی کسی فوجی چوکی اور عسکری مستقر سے اسے پکڑنے کے لیے مدد حاصل کر لی تو اس کے لیے خطرات اور مشکلات میں اضافہ ہو جائے گا۔

اس کی ٹانگ کا زخم تکلیف دہ ہوتا جا رہا تھا کیونکہ زخم پر کوئی دوا نہ لگائی جا سکی تھی چشمے کے کنارے بیٹھ کر اس نے اپنے گھوڑے کی خرجین میں مرہم پٹی کا سامان تلاش کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اسے نہ ملا۔ شاید ترسیس جس نے گھوڑے تیار کیے تھے مرہم پٹی کا سامان ڈالنا بھول گیا تھا۔ یا اس نے اس گھوڑے کی خرجین میں ڈال دیا تھا جسے یو عام لے کر چلا گیا تھا۔ ان حالات میں زخم کا تکلیف دہ ہونا عجیب نہ تھا۔

اپنے زخم کی تکلیف دہ حالت کے باوجود کسی مناسب جگہ پر عدیم تعاقب کرنیوالوں سے نمٹ لینا چاہتا تھا۔ وہ اس تعاقب کو اور لمبا نہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ کسی ایسی مناسب و موزوں جگہ کی تلاش میں تھا جہاں وہ رک کر اور گھات میں بیٹھ کر ان تعاقب کرنے والوں کا خاتمہ کر کے ان سے نجات حاصل کر سکے۔

حلب شہر سے اٹھارہ میل کے فاصلے پر دریائے قویق کے کنارے سنیاب نام کی بستی سے ذرا فاصلے پر عدیم نے اپنے ارادوں کو عملی شکل دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اپنے گھوڑے کی رفتار اس نے اور تیز کر دی اور جس وقت شاہراہ دریائے قویق کے کنارے کنارے حلب کی طرف جا رہی تھی اور عدیم کے ایک طرف چٹانیں اور دوسری طرف دریائے قویق تھا۔

عدیم نے ایک موڑ مڑنے کے بعد اپنے گھوڑے کو روک لیا اور چٹانوں کے اندر گھس گیا۔ گھوڑے کو اس نے ایسی جگہ کھڑا کیا جہاں وہ شاہراہ کی طرف سے نظر نہ آئے خود وہ نیچے اترا، گھوڑے کی زین سے بندھا ہوا تیروں کا ترکش اس نے اپنی پیٹھ پر باندھا اپنی کمان سنبھالی اور ایک مناسب جگہ وہ گھات لگا کر بیٹھ گیا۔ جہاں وہ شاہراہ پر نظر رکھ سکتا تھا لیکن شاہراہ کی طرف سے وہ کسی کی نگاہوں میں نہ آ سکتا تھا۔

تعاقب کرنے والے اسی رفتار سے اپنے گھوڑوں کو بھگاتے رہے۔ ان کا خیال تھا کہ شاہراہ پر موڑ مڑ کر عدیم ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا ہے جسے وہ بہت جلد جا لیں گے لیکن جب وہ اپنے گھوڑوں کو مارتے بھگاتے موڑ کے قریب پہنچے ان کی ساری راحت، اطمینان اور عافیت حجاب دے گئی۔ آگ کے دریا اور لہو کی ندی کی طرح ان اجنبی فضاؤں اور بیگانہ صورت وادیوں میں عدیم ان پر حملہ آور ہوا۔ اس نے ان پر اس قدر تیزی اور تیزی کے ساتھ تیروں کی بوچھاڑ کی کہ تعاقب کرنے والے اپنے احساس کی ندامت اور شرمندگی کی تھکن میں یوں محسوس کر رہے تھے جیسے انہیں کسی نے جہنم کی مجبور تنہائیوں میں سلگنے کو چھوڑ دیا ہو۔ وہ بے چارے خود اپنی ہی ذات کی گہری گپھاؤں کا شکار ہو کر رہ گئے تھے۔

جبل السماق کی بل کھاتی اس شاہراہ پر عدیم نے اپنی اندھا دھند تیراندازی سے تعاقب کرنے والوں میں سے چار کو موت کی گہری نیند سلا دیا تھا۔ باقی بچنے والے تین فوراً

اپنے گھوڑوں سے اُتر گئے اور چٹانوں کی آڑ لے کر وہ عدیم کو تلاش کرنے کی کوشش
لگے تھے۔

گو عدیم کے زخم میں تکلیف بڑھ گئی تھی، اسے ہلکا ہلکا بخار بھی ہو گیا تھا
جسم ٹوٹ رہا تھا پھر بھی اس نے اپنے حواس اپنے خیالات کو مجتمع رکھا اور چٹانوں
اندر چھپ چھپ کر وہ اس طرف بڑھا جہاں بچ جانے والے تینوں اس کی نظروں سے
اوجھل ہو گئے تھے۔

آگے بڑھتے بڑھتے عدیم اچانک رُک گیا اور اپنے آپ کو اس نے ایک بڑی
چٹان کی اوٹ میں کر لیا تھا۔ اس نے دیکھا وہ تینوں کندھے سے کندھا ملائے اور بیٹھے
چلتے ہوئے اس کی طرف آ رہے تھے۔ اوٹ میں ہو کر عدیم نے پھر ترکش سے چند تیر
کر اپنے قریب رکھے۔ پھر ایک تیر چلّہ پر چڑھایا اور تاک کر انہیں مارا۔ تیر ان میں سے
ایک کی چھاتی میں پیوست ہو گیا تھا اور وہ بُری طرح چیخنے چلّانے لگا تھا۔

دوسرے دو پریشانی کی حالت میں اپنے ساتھی کی طرف ابھی دیکھ ہی رہے
کہ عدیم کی طرف سے ایک اور تیر آیا اور دوسرے کو بھی اس نے ڈھیر کر دیا۔

تیسرے نے اپنی جان بچانے کی خاطر وہاں سے بھاگ جانا چاہا لیکن اس کی پشت
کی طرف سے تیر برسا کر عدیم نے اسے بھی ختم کر دیا تھا۔ پھر زخم کی تکلیف اور بخار کی حالت
میں عدیم اوٹ سے نکلا، اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر وہ شاہراہ پر آیا اور ایڑ لگا کر اسے
دوڑا دیا تھا۔

○

گو زخم کی تکلیف اور تیز بخار نے عدیم کو توڑ کر رکھ دیا تھا لیکن وہ بڑے ضبط سے
کام لیتے ہوئے اپنے سفر کو جاری رکھے ہوئے تھا۔ حلب اور پھر دمشق کے پاس سے
کر وہ بثان شہر کی طرف آیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ بثان کی کسی گمنام سی سرائے میں رُک رہے
گا اور اپنے زخم کا علاج کرانے کے بعد صیدا کی خانقاہ کی طرف روانہ ہو جاؤں گا لیکن
پہنچنے سے پہلے ہی اس کی حالت خراب ہو گئی۔ زخم جو مناسب علاج نہ ہونے کی

بُری طرح بگڑ گیا تھا۔ اس کی وجہ سے عدیم کو تیز بخار نے گھیر لیا تھا اور اسے نڈھال
اور بے بس کر کے رکھ دیا تھا۔

ایک روز جب جبل حوران کے جنوب میں بثان شہر سے قریب دریائے ابانا
کے کنارے آیا تو اس نے دیکھا وہاں دریا کے کنارے ماہی گیروں کی چھوٹی چھوٹی بستیاں تھیں
جن کے مکان کوہستانی پتھروں سے بنے ہوئے تھے اور ان مکانوں سے صرف دو میل دُور
ذرا بلندی پر بثان شہر تھا۔ بڑی مشکل اور ہمت کے ساتھ عدیم دریائے ابانا کے کنارے
گھوڑے سے اُترا۔

انتہائی تکلیف دہ احساس کے ساتھ اس نے زمین سے بندھی چھاگل تھام کر پانی
پیا اور دم لینے کی خاطر وہ دریا کے کنارے لیٹ گیا۔ اس کا گھوڑا دریا سے پانی پینے کے بعد
دریا کے کنارے کنارے گھاس چرنے لگا تھا۔

کافی دیر تک بخار اور زخم کی تکلیف دہ حالت میں عدیم دریائے ابانا کے کنارے
پڑا رہا اور اس کا گھوڑا گھاس چر کر اپنا پیٹ بھرتا رہا۔ سورج اب غروب ہونے کی خاطر
مغرب کی طرف ڈھل گیا تھا۔ اتنے میں ایک بوڑھا جس کا تعلق دریا کے کنارے مچھیروں
کی ان بستیوں سے تھا ادھر آیا۔ تھوڑی دیر تک وہ عدیم کو اس کے خوب صورت
جنگی لباس میں حیرت اور غور سے دیکھتا رہا پھر اس نے ہمدردی اور شفقت میں پکارتے
ہوئے کہا۔

"اے اجنبی! تو کافی دیر سے یہاں لیٹا ہُوا ہے۔ مَیں تجھے دیکھتا رہا ہوں۔
دیکھ سورج اب غروب ہونے کو ڈھل گیا ہے۔ کیا تو بہت تھک گیا ہے جو تجھے وقت
کا احساس نہیں رہا، یا تُو اپنی منزل پر پہنچ چکا ہے۔ کیا تُو بثان شہر کو نہیں جانا چاہتا"۔

عدیم نے لیٹے ہی لیٹے سر گھما کر اس بوڑھے کی طرف دیکھا جو اپنے لباس اور حلیے
سے عرب لگتا تھا پھر اس نے اس بوڑھے کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ "کیا پہلے آپ
مجھے بتائیں گے کہ آپ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں"۔

اس بوڑھے عرب نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہا۔ "میرا نام سابور ہے اور مَیں

یہ دریا کے کنارے مچھیروں کی بستیوں کا سردار ہوں - ہم لوگ عرب ہیں - پہلے خانہ بدوش ہُوا کرتے تھے اور اپنے ریوڑوں کے ساتھ صحرائے عرب کے نخلستانوں اور شاداب وادیوں کے درمیان چکّر کاٹا کرتے تھے - پھر ہم نے خانہ بدوشی ترک کر دی - اس ایانا کے کنارے آباد ہو گئے اور مچھیروں کا پیشہ اختیار کر لیا - ہم مچھلیاں پکڑ کر انسانوں بیچ کر اپنی گزر بسر اچھی کر لیتے ہیں"۔

ذرا رک کر اس بوڑھے عرب سردار سابور نے پھر کہا "میں نے تمہیں اپنے تفصیل سے بتا دیا ہے - اب تم کہو کون ہو - کہاں سے آئے ہو اور یوں بے فکر ہو کر کنارے کیوں لیٹے گئے ہو - لگتا ہے تم زیادہ ہی تھک گئے ہو جو مجھ سے گفتگو بھی لیٹے ہی کر رہے ہو"۔

عدیم نے کہا "میں شمال کی دُور دراز کی منزلوں کی طرف سے آیا ہوں - یہ کچھ دشمنوں سے میرا ٹکراؤ ہو گیا اور انہوں نے مجھے زخمی کر دیا - پھر وہ میرے تعاقب لگے رہے اور یہ تعاقب بہت طویل اور تکلیف دہ تھا - گو میں اپنے ان دشمنوں کو ان کوہستانی سلسلے کے اندر گھیر کر ختم کرنے میں کامیاب ہو گیا لیکن زخم کی دیکھ بھال نہ ہونے وجہ سے مجھے بخار ہو گیا تھا اور اب میری حالت ایسی ہے کہ میں اپنا سفر جاری نہ رکھ سکتا"۔

بوڑھا عرب سابور فکر مند ہو کر اس کے پاس بیٹھ گیا اور اس کی نبض پر ہاتھ رکھا کے بعد اس نے پریشانی اور الجھن میں کہا "تمہیں تو تیز بخار ہے - تمہارے زخم کہاں

عدیم نے کہا "بائیں ٹانگ پر"

سابور نے لباس ہٹا کر دیکھا - بائیں ٹانگ پر کپڑا پھاڑ کر پٹی باندھی گئی تھی جو خون میں بھیگ کر خشک ہو گئی تھی - سابور نے اس بار ہمدردی اور شفقت میں کہا - علاج اور دیکھ بھال کی سخت ضرورت ہے - تم میرے ساتھ میرے گھر چلو - ہماری بستی ایک اچھا طبیب بھی ہے - میں اس سے تمہارا علاج کراتا ہوں - جب تم ٹھیک ہو جاؤ اپنی منزل کی طرف کوچ کر جانا"۔

عدیم نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا - "میں آپ کا ممنون اور شکر گزار ہوں گا -

سابور نے اسے سہارا دے کر اٹھاتے ہوئے اپھر پوچھا "تمہارے دشمن کون تھے تمہاری منزل کیا ہے"۔

عدیم یہ نہ بتانا چاہتا تھا کہ قسطنطنیہ میں ایک جرنیل تھا لہٰذا اس نے بات کو مختصر کرتے ہوئے کہا - "میرے دشمن یونانی تھے جب کہ میں عرب ہوں - جارتی لین دین کی بابو میری ان سے عداوت ہو گئی تھی - میری منزل صیدا شہر کے جنوب میں ایک خانقاہ ہے اس خانقاہ میں میرا باپ رہتا ہے اس کا نام اندریاس ہے"۔

سابور نے عدیم کو سہارا دے کر اس کے گھوڑے پر بٹھاتے ہوئے پوچھا "کیا میں بستی کا کوئی جوان صیدا کی اس خانقاہ میں بھیج کر تیرے باپ کو یہاں نہ بلا لوں کہ وہ یہاں میرے پاس آ کر رہے اور اپنی موجودگی میں یہاں ہمارے طبیب سے تیرا علاج کرائے اس طرح تم اپنوں میں رہ کر جلد صحت یاب ہو جاؤ گے"۔

ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں عدیم نے کہا "جو بات میں آپ سے کہنا چاہتا تھا وہ آپ نے خود ہی کہہ دی - میرے بزرگ! اس خانقاہ میں میرے باپ کی زندگی اب خطرے میں ہے - میں خود اسے وہاں سے نکالنا چاہتا ہوں - جو جوان آپ صیدا کی اس خانقاہ کی طرف روانہ کریں اسے بتائیں کہ وہ میرے باپ سے کہے وہ میریا اور ریتا کو بھی اپنے ساتھ لے آئے اور قدوم سے کہے کہ ------ عدیم کہتے کہتے خاموش ہو گیا - دکھ اور پریشانی میں اس کی گردن جھک گئی تھی -

سابور چند ثانیوں تک غور سے عدیم کی طرف دیکھتا رہا پھر اس نے کہا - میرا تجربہ اور میرے دل کی آواز کہتی ہے کہ تم مجھ سے کسی راز کو پوشیدہ رکھنے کی اذیت میں مبتلا ہو تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو مجھے اپنے باپ کی جگہ سمجھ کر کھل کر کہو -

عدیم نے غور سے سابور کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا - "اگر آپ برا نہ مانیں تو کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کا اور آپ کی بستی والوں کا مذہب کیا ہے"۔

سابور تھوڑی دیر تک سر جھکائے سوچتا رہا۔ پھر کوئی فیصلہ کرتے ہوئے بولا
"میں تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ ہم پہلے خانہ بدوش تھے اور نئی نئی جگہ پر اپنا گلہ
ریوڑ چرایا کرتے تھے۔ پھر ہم دریائے ابانا کے کنارے آ کر آباد ہو گئے۔ شاید تم جانتے ہو
کہ عرب کے صحراؤں کے اندر ایک نئے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) مبعوث ہوئے ہیں
کا نام محمدؐ ہے اور عرب کے اکثر قبائل ان پر ایمان لا چکے ہیں۔ ان پر ایمان لانے والے
لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور اپنے مذہب کو اسلام۔
دمشق جانے کے لیے مسلمانوں کے تجارتی قافلے اکثر یہاں سے گزرتے رہے
ان کی تبلیغ پر میں اور میرے سارے قبیلے نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ لہٰذا اب ہم مسلمان ہیں
شروع شروع میں بشان شہر اور گرد و نواح کے یہودی اور نصرانی ہمیں نفرت کی نگاہ
سے دیکھتے تھے لیکن جب قسطنطنیہ کا بادشاہ ہرکولیس تبوک کے میدان میں مسلمانوں کا
مقابلہ کرنے کے بجائے بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے قسطنطنیہ کی طرف پسپا ہو گیا ہے
سے یہاں کے لوگ ہمارا احترام کرنے کے علاوہ ہم سے کسی قدر خوفزدہ بھی دکھائی دیتے ہیں"
اس بار عدیم نے گہری مسکراہٹ میں کہا۔ "میں نے دل میں جو اپنے رب سے دعا کی
تھی وہ قبول ہوئی۔ میری خواہش تھی کوئی ایسا گھر ہو جو مسلمان ہو اور جس کے اندر میں رہ
کر اپنا علاج کرا سکوں۔ میرے بزرگ! اب جب کہ یہ دریائے ابانا کے کنارے کی بستیاں
مسلمان بھائیوں کی ہیں۔ میں آپ کو اپنے اصل واقعات سناتا ہوں۔ یہاں دریائے ابانا کے
کنارے ان بستیوں کے اندر مجھے اپنا راز اگل دینے میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔"
پھر عدیم نے اس عرب سردار سابور سے اپنا نام اور اصل حالات کہہ دیے
کہ اس نے سیریلا سے متعلق تفصیلات بھی بتا دی تھیں۔
بوڑھے سابور نے اس بار زیادہ خوشی اور اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔
"میری قوم کے فرزند! یہاں ان بستیوں کے اندر تو اب محفوظ ہے۔ یہاں ہرکولیس تیرا کچھ
نہیں کر سکتا۔ اول تو تمہاری تلاش میں اس قدر دور کوئی آئے گا ہی نہیں اور اگر کوئی آ بھی گیا تو
ہم تمہیں دریائے ابانا کے اندر کھڑی کشتیوں کے اندر چھپا سکتے ہیں۔"

رینس! میرے بیٹے! میرا اپنا کوئی فرزند نہیں صرف ایک بیٹی ہی ہے۔
جس کا نام انیفہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں تمہارے آنے سے مجھے ایک شیر دل بیٹا اور میری بیٹی
کو شیر دل بھائی مل گیا ہے۔ تم جب تک چاہے یہاں رہو۔ یہ بستیاں ہماری اپنی ہیں
اگر تم مستقل رہائش رکھنا چاہو تو مجھے اور زیادہ خوشی ہوگی۔" سابور نے عدیم کے گھوڑے
کی باگ پکڑی اور سہارا دے کر عدیم کو اس پر سوار کرا دیا۔
عدیم نے کہا جو جوان آپ صیدا کی خانقاہ کی طرف روانہ کریں اسے کہیں کہ میرے
کہنے پر وہ سیریا اور رمیتا کو اپنے ساتھ لیتا آئے۔ میرے باپ سے اصل حالات کہے
سیریا اور رمیتا کو خود ہی ساتھ لے آئے گا۔ اس کے علاوہ قدوم سے کہے کہ اگر اس سرائے
ہرکولیس کی طرف سے میرا کوئی پتہ کرنے آئے تو قدوم ان پر یہ ظاہر کرے کہ وہ مسلمان نہیں
ملا ہے۔ مجھے امید ہے اس سرائے کی طرف کوئی نہ آئے گا۔ اس لیے کہ میں نے ہرکولیس
کے کارندوں کو یہ نہیں بتایا ہوا کہ میں خانقاہ میں رہتا ہوں۔ میں نے صرف اس قدر بتا رکھا
ہے کہ میں صیدا میں رہتا ہوں۔"
سابور نے آگے بڑھ کر عدیم کے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے کہا۔ "میں اس خانقاہ
کی طرف بھیجے جانے والے جوان کو سب کچھ سمجھا دوں گا تم فکر نہ کرو۔ آؤ گھر چلیں۔ تمہیں
فوری آرام اور علاج کی ضرورت ہے۔"
عدیم کی طرف سے جواب کا انتظار کیے بغیر سابور عدیم کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر
ایک طرف چل دیا۔ تھوڑی دیر بعد سابور بستی کے ایک ایسے مکان میں داخل ہوا، جو
کھلا اور کشادہ تھا۔ صحن میں بیرونی دیوار کے ساتھ ساتھ درخت لگے تھے جو
خزاں کے باعث پتوں سے بے نیاز ٹنڈ منڈ کھڑے تھے۔
صحن میں مٹی کے چولھے پر ایک خوب صورت لڑکی بیٹھی کھانا تیار کر رہی تھی سابور
نے اس لڑکی ہی سے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "انیفہ! میری بیٹی! دیکھ میں تیرے
لیے ایک شیر دل بھائی لایا ہوں۔ پر یہ بیمار اور زخمی ہے۔ ہم دونوں اس کی دیکھ بھال
کریں گے۔ تم فوراً اٹھ کر دیوان خانے میں ایک نرم بستر لگاؤ۔"

انیفہ خوشی کا اظہار کرتی ہوئی فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور دیوان خانے میں داخل ہوئی۔ سابور نے بھی عدیم کو سہارا دے کر گھوڑے سے اتارا اور دیوان خانے میں داخل ہوا۔ اس وقت تک انیفہ دیوان خانے میں پلنگ پر بستر لگا چکی تھی۔

سابور نے عدیم کو بستر پر لٹا دیا اور کہا۔ "تم لیٹو میں طبیب کو بلاتا ہوں۔ بیٹی انیفہ سے تمہارے حالات کہتا ہوں اور اپنی بستی کے کسی جوان کو صیدا کی خانقاہ کی طرف روانہ کرتا ہوں۔"

سابور باہر نکل گیا۔ عدیم آنکھیں بند کیے کافی دیر تک بستر پر پڑا رہا۔ یہاں تک کہ انیفہ دیوان خانے میں داخل ہوئی اور عدیم کو مخاطب کر کے پکارتے ہوئے اس نے کہا۔ "میرے بھائی! آپ کو سردی اور بھوک لگی ہوگی۔ آپ اٹھ کر بیٹھیں میں آپ کو ..."

عدیم نے نرم آواز میں پوچھا۔ "اے میری بہن! تیرے بابا کہاں ہیں؟"

انیفہ نے اس بار اداسی اور ہمدردی ملی جلی آواز میں کہا۔ "اے برادر مہربان! میرے باپ نے آپ کے پورے حالات مجھ سے کہہ دیئے ہیں۔ انہوں نے صیدا کی خانقاہ کی طرف ایک جوان بھی روانہ کر دیا ہے اور اب وہ طبیب کو لانے گئے ہیں۔ بس وہ آنے والے ہوں گے۔"

اے میرے بھائی! یہ خبر میرے لیے انتہائی خوشی کا باعث ہے کہ آپ مسلمان ہیں اور ہرکولیس کے لشکر میں ایک سرکردہ جرنیل رہے ہیں۔"

عدیم نے دیکھا انیفہ کے ایک ہاتھ میں چمڑے کے دو چھوٹے چھوٹے مشکیزے اور دوسرے ہاتھ میں مٹی کا ایک کورا پیالہ تھا۔

ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں عدیم نے پوچھا۔ "تو ان مشکیزوں میں کیا لائی ہے؟"

انیفہ نے کہا۔ "ایک میں کھجور کا شیرہ اور دوسرے میں شہد ہے۔ اس علاقے میں شہد بہت ہوتا ہے۔ جب پک جاتا ہے تو ہم لوگ خود ہی مکھیوں کو ہٹا کر اتار لیتے ہیں۔ اس لیے ہمیں یہ بازار سے خریدنا نہیں پڑتا۔ بلکہ ہمارے قبیلے کے کچھ لوگ چھتے اکٹھے کر کے بیچتے بھی ہیں۔"

انیفہ نے پہلے کھجور کا شیرہ پیالے میں ڈال کر عدیم کو دیا اور وہ پی گیا۔ پھر وہ شہد دینے ہی لگی تھی کہ دیوان خانے میں سابور داخل ہوا اس کے ساتھ طبیب بھی تھا۔

عدیم نے اٹھ کر بیٹھنا چاہا پر طبیب نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "آپ لیٹے رہیں اٹھ کر بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

عدیم لیٹا رہا۔ طبیب نے پہلے اس کی نبض محسوس کی۔ پھر اپنے چرمی تھیلے کے اندر سے سفید اور بھورے رنگ کے سفوف کی شکل میں دو دوائیاں اس نے نکالیں۔ منکے کے ایک دانے کو کھول کر دونوں دوائیاں تھوڑی تھوڑی سی اس دانے میں بند کیں اور عدیم کو دیتے ہوئے کہا۔ "یہ کھا جاؤ۔"

عدیم نے منکے کا وہ دانہ لیا اور کھا گیا۔ پھر طبیب نے انیفہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بیٹی! کسی برتن میں تھوڑا سا پانی لاؤ۔" انیفہ نے مشکیزے اور پیالہ وہیں رکھ دیے بھاگ کر گئی اور پانی لے آئی۔

طبیب نے زخم پر بندھی ہوئی پٹی کھولی پھر اپنے چرمی تھیلے سے اس نے روئی نکالی اور پانی میں بھگو کر زخم کو صاف کرتے ہوئے اس نے کہا۔ "زخم بذاتِ خود اتنا بڑا اور گہرا نہ تھا۔ احتیاط اور علاج نہ ہونے کی وجہ سے یہ پھیل اور سوج گیا ہے اور تکلیف دہ ہو گیا ہے۔ اب یہ ٹھیک ہوتے ہوتے بھی کچھ دن لے گا۔ بہر حال میں اس کا ایسا علاج شروع کرتا ہوں کہ یہ جلد ٹھیک ہو جائے گا۔" زخم صاف کرنے کے بعد طبیب نے اس میں مرہم بھرا اور کس کر پٹی باندھ دی تھی۔

اپنا کام ختم کر کے طبیب اٹھ کھڑا ہوا اور عدیم کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔ "آپ زیادہ چلنے پھرنے سے پرہیز کریں۔ ضرورت کے تحت جب باہر جانا پڑے، تو اپنے ہاتھ میں لاٹھی رکھیں۔ بائیں ٹانگ کا وزن اس لاٹھی پہ ڈال کر چلیں تاکہ زخم پر دباؤ نہ پڑے اور یہ مزید خراب نہ ہو۔ میں اب جاتا ہوں۔ مجھے اب بلانے کی ضرورت نہیں میں خود ہی ہر روز مغرب کی نماز کے بعد آ کر ان کا بخار دیکھ جایا کروں گا اور زخم پہ پٹی بھی کیا کروں گا۔ ہاں اگر بیچ میں بخار تیز ہو جائے یا یہ زیادہ تکلیف محسوس کریں تو کسی

کو بھیج کر مجھے فوراً گھر سے بلا لیں ۔ بخدا ایسے مجاہد کی خدمت کرنا بھی ایک سعادت اور ثواب ہے"۔

سابور نے کہا "آپ بیٹھیں نا، کھانا کھا کر جائیں"۔

طبیب نے کہا ۔" نہیں میں اب چلتا ہوں ۔ مغرب کی نماز کے بعد میں نے چند اور مریضوں کو بھی دیکھنا ہے اور پھر میں کھانا دیر سے عشاء کی نماز کے بعد کھانے کا عادی ہوں"۔

طبیب نے سابور اور عدیم سے مصافحہ کیا اور چلا گیا ۔ اتنی دیر میں بستی کے مغرب کی اذان سنائی دی ۔ سابور اور انیفہ دونوں باپ بیٹی نے وضو کر کے وہیں دیوان خانے میں نماز ادا کرنی شروع کر دی ۔ عدیم نے دیوار پہ ہاتھ پھیر کر تیمم کیا اور بستر پر لیٹے لیٹے وہ اشاروں سے نماز پڑھنے لگا ۔ نماز کے بعد وہ تینوں دیوان خانے میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے ۔

رات سرد اور بے چاند تھی ۔ ہر طرف خاموشی تھی جیسے کسی قدیم معبد میں ایستادہ بتوں کی ویرانیت ۔ فضاؤں کے اندر بکھرے اندھیرے کی تہوں کے اندر کوئی جگنو کوئی روشنی نہ تھی ۔ ہر شے خوابیدہ تھی ۔ اندھیری رات نے جمالِ حیات کو راکھ کر کے رکھ دیا تھا ۔ ایسے میں دروازے پر دستک ہوئی ۔

آتش دان کے قریب چٹائیوں پر لگے گدوں پر سویا ہوا قدوم اُٹھ کر بیٹھ گیا اور شاید دوسری دستک کا انتظار کرنے لگا ۔ اتنی دیر میں اس کے قریب سویا ہوا اندریاس بھی اُٹھ بیٹھا اور تجسس اور انتشار سے بھرپور آواز میں اس نے پوچھا ۔" قدوم ! قدوم ! یہ رات کے اس وقت خانقاہ کے دروازے پر کون دستک دے سکتا ہے "۔

اندریاس جواب میں کچھ کہنے والا تھا کہ اس کمرے میں میریا اور قدوم کی بیوی زمیل بھی آ گئیں ۔ قدوم کو مخاطب کرتے ہوئے زمیل نے پوچھا ۔" یہ رات کے اس وقت خانقاہ کے دروازے پر دستک کون دے رہا ہے ۔ یہ تیسری چوتھی دستک ہے"

قدوم اٹھ کھڑا ہوا اور کہا ۔ " میں نے تو ایک ہی سنی ہے اور یہی سمجھ رہا تھا کہ پہلی دستک ہے ۔ میں دیکھتا ہوں کہیں رمنیس نہ آ گیا ہو ۔ پر وہ رات کے اس حصے

میں پہلے تو کبھی نہیں آیا تھا۔"

عدیم کا نام سُن کر سیریا چونکی اور کہا۔ "آئیے میں بھی آپ کے ساتھ در...

تک چلتی ہوں۔"

اندریاس بھی اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا۔ "چلو میں بھی دروازے تک چلتا ہوں۔...

رمینس ہی آگیا ہو۔ میں اس کی طرف سے پریشان اور اُداس ہوں۔ ایسا لگتا ہے...

ملے صدیاں گزر گئی ہوں۔

سیریا، زمیل، قدوم اور اندریاس چاروں خانقاہ کے بیرونی دروازے...

جب قدوم نے آگے بڑھ کر خانقاہ کا دروازہ کھولا تو انہوں نے دیکھا وہاں خانقاہ کے...

ایک جوان اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے کھڑا تھا اور وہ اپنے لباس اور چہرے سے عرب...

تھا۔ جب دروازہ کھلا تو اس جوان نے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔ "کیا اس سرائے میں سیریا...

رمیتا نام کی لڑکیاں یا اندریاس اور قدوم نام کا کوئی شخص ہے۔"

اندریاس نے آگے بڑھ کر اس جوان سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "میرا نام...

ہے۔ کہو تم کہاں سے آئے ہو۔"

اس جوان نے پہلے قدوم سے مصافحہ کیا پھر وہ کہہ رہا تھا۔ "میرا نام ثمران ہے...

رمینس سے متعلق کچھ کہنے اور آپ لوگوں کو لینے بشان شہر کی طرف سے آیا ہوں۔" اس...

سیریا نے چونک کر پوچھا۔ "رمینس خیریت سے تو ہیں۔"

ثمران نے کہا۔ "خیریت ہوتی تو میں رات کے اس وقت بھاگم بھاگ اس خانقاہ...

کی طرف کیوں آتا۔"

سیریا کی حالت ؛ آہ ! وہ بے چاری صبح کی آغوش میں مدھم ہوتے ستاروں...

شام کی آغوش میں بکھرتے اندھیروں کی طرح ویران ہوگئی تھی۔ وہ بے چاری ہو...

اندھے جھونکوں اور بکھرے حروف کی بے چہرہ صورتوں کی طرح منتشر و پراگندہ ہو کر رہ...

تھی۔ اس کی آنکھوں میں انجانی تھکن، چہرے پر بے رس جذبے اور دور تک ویرا...

ویرانی تھی۔

...نے میں قدوم نے ثمران کو مخاطب کرتے کہا۔ "اے اجنبی جوان! میں نہیں جانتا رمینس

...تعلق تم ہمارے لیے کیسی خبر لائے ہو۔ تاہم تم اندر آؤ۔ تم سردی کے مارے آئے ہو آتش

...دان بیٹھ کر ہمیں رمینس سے متعلق تفصیل سے کہو۔"

...قدوم نے پہلے ثمران کا گھوڑا اصطبل میں باندھ کر اس کے آگے چارہ ڈال دیا۔

...وہ خانقاہ میں داخل ہو کر اس کمرے میں آتش دان کے قریب بیٹھ گئے جس کے اندر

...میں اور قدوم سوئے ہوئے تھے پھر اندریاس نے بکھری بکھری آواز میں کہا۔

"اے اجنبی! میرے بیٹے رمینس سے متعلق جلد کہو جو کچھ تم کہنا چاہتے ہو کہ

...ہے میں وسوسوں اور مایوسی کی لہروں کا شکار ہو گیا ہوں۔ آہ! اس کے بغیر میرا ماضی

...اور مستقبل بے حال ہو گا۔"

اندریاس کے چپ ہونے پر کمرے میں خاموشی برسرِ اقتدار آگئی اور اس خاموشی

...ثمران نے سیریا، اندریاس، قدوم اور زمیل سے رمینس کے قسطنطنیہ سے بھاگنے، زخمی

...ہونے اور پھر دریائے اباناکے کنارے اپنی بستیوں کے اندر پناہ لینے کے حالات تفصیل

...سنا ڈالے تھے۔

اندریاس نے وہیں سجدے میں گر کر خدا کا شکر ادا کیا پھر اس نے ثمران سے کہا

...اے اجنبی! خدا کا صد شکر کہ میرا بیٹا معمولی زخمی ہوا ہے۔ کیا اس کو بخار خطرناک تو

...نہیں۔"

ثمران نے کہا۔ "انشاءاللہ وہ بہت جلد تندرست ہو جائیں گے۔ اس نے

...اندریاس، سیریا اور رمیتا کو وہاں پہنچنے کے علاوہ قدوم کے لیے کہا ہے کہ اگر قسطنطنیہ

...کوئی اس سے متعلق پوچھتا ہوا خانقاہ کی طرف آنکلے تو اس سے کہے کہ رمینس کا باپ

...رہتا تھا لیکن وہ مصر میں اپنے گھر واپس چلا گیا ہے۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ قسطنطنیہ

...والوں سے آنے والوں پر یہ ظاہر نہ ہونے دیا جائے کہ آپ مسلمان ہیں۔ اور ہاں اگر

...آپ لوگ تکلیف محسوس نہ کریں تو میں اندریاس، سیریا اور رمیتا کے ساتھ ابھی اور

...اسی رات یہاں سے کوچ کرنا پسند کروں گا۔ رات کی تاریکی میں ہم اپنے سفر کا زیادہ

حصّہ طے کر کے محفوظ ہو جائیں گے۔"

اندریاس نے کہا۔" اے اجنبی! رمیتا تو یہاں سے عرب کے صحراؤں
اپنے قبیلے کی طرف جا چکی ہے۔ اب یہاں میں ہوں اور میرے پاس یہ میری بیٹی
ہوتی ہے۔ الحمد اللہ! ہم دونوں اسلام قبول کر چکے ہیں اور ابھی تمہارے ساتھ
کرنے کے لیے تیار ہیں۔"

سیریا نے بے چینی سے اندریاس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔" بابا!
فوراً یہاں سے کوچ کرنا چاہیے۔ رمینس زخمی اور بیمار ہیں۔ انہیں ہماری تیمار
اور دیکھ بھال کی سخت ضرورت ہے۔"

اندریاس فوراً اُٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں نے اُٹھ کر اپنی تیاری کی۔ قدوم
زمیل بھی ان دونوں کی مدد کر رہے تھے پھر رات کی تاریکی میں سیریا اور اندریاس
کے ساتھ خانقاہ سے کُوچ کر گئے تھے۔

○

رات کی تاریکی میں جب لوگ عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد سردی کے باعث
اپنے گھروں میں دبک چکے تھے ترمید اور رمیتا دونوں بنو سُلیم کی اس بستی میں
ہوئے جو اُن کی اپنی بستی تھی اور جس کے اندر پل کر وہ دونوں جوان ہوئے تھے۔

رمیتا کے باپ اور بنو سُلیم کے سردار عباس بن مرداس کی حویلی کے سامنے
نے اپنے گھوڑے کو روک لیا اور نیچے اُترا۔ اتنی دیر تک رمیتا بھی پھلانگ کر
سے نیچے اُتر گئی تھی پھر ترمید آگے بڑھا اور حویلی کے بیرونی دروازے پر اس نے
دی۔ جب کہ رمیتا ایک طرف اوٹ میں ہو کر کھڑی ہو گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد حویلی کا دروازہ کھلا اور دروازہ کھولنے والا خود بنو سُلیم
اور رمیتا کا باپ عباس بن مرداس تھا۔ ترمید کو دیکھتے ہی وہ چونکا اور پوچھا۔"
زندہ ہو؟ کہاں رہے تم؟"

عباس بن مرداس کے سامنے کھڑے ترمید نے گردن جھکاتے ہوئے

ان ہو کر یہاں سے بھاگ گیا تھا۔ اس لیے کہ آپ میرے قتل کے درپے تھے۔
ٹ آیا ہوں۔ اب اگر آپ وہ پُرانا انتقام لینا چاہیں اور اب بھی مجھے اسلام
نے کا مجرم سمجھتے ہوں تو میری گردن حاضر ہے کاٹ دیں۔ میں آپ کے سامنے
فاع نہ کروں گا۔"

عباس بن مرداس نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموش رہا۔ عباس بن مرداس
سے کوئی جواب نہ پا کر ترمید چونکا اور جب اس نے گردن سیدھی کر کے عباس
مرداس کی طرف دیکھا تو وہ دنگ رہ گیا۔ عباس بن مرداس کی آنکھوں سے آنسو
تھے اور وہ ضبط کرنے کی خاطر بُری طرح اپنے ہونٹ کاٹ رہا تھا۔

ترمید نے عباس بن مرداس کے ضمیر پہ ایک اور ضرب لگاتے ہوئے کہا۔" اب
میں نے اپنے آپ کو سزا کے لیے از خود آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے تو آپ
ہے ہیں۔ حیرت ہے آپ کو تو خوش ہونا چاہیے تھا۔"

عباس بن مرداس نے ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔" وہ جہالت اور گناہوں کا
تھا۔ جب ہم اپنے بنائے ہوئے بتوں کے سامنے اطاعت و انکساری کا اظہار
تے تھے۔ جب ہم آفتاب کی سنہری کرنوں سے مرعوب تھے۔ جب ہم جہالت
بے بسی کی طیلسان اوڑھ کر اور خواب در آغوش رہ کر دفلیں بجا بجا کر حسن و محبت
دیوی دیوتاؤں کی نوازشوں کے گیت گایا کرتے تھے۔

اے لابان کے بیٹے! اب اس تشنگی اور طلب و شوق کا دور ختم ہوا۔ اب وہ
تنہائیاں، وہ ظلمت وہ خلائیں ختم ہو گئی ہیں۔ اب ہماری روحوں کو حیات
کا احساس ہو گیا ہے۔ اب ہم مسلمان ہو چکے ہیں۔ اب ہم فنا پسندوں کو بقا عزیز
کہ انسان کا آغاز رحمِ مادر اور انجام قبر ہے۔ جس طرح پھول اپنی زندگی اور
خوشبو مٹی سے حاصل کرتا ہے اس طرح انسان بھی اوروں کی کوتاہیوں اور کمزوریوں
ہمت و قوت حاصل کرتا ہے۔ ہم نے بے فکری اور فراخ طلبی ترک کر کے
فکر اور زندگی کے اسرار و رموز کو اپنا لیا ہے۔ اب ہمارا خدا ایک، رسولؐ ایک

ہم سب خود ایک، ہمارے جذبے ہماری سوچیں ایک، ہماری منفعت ہماری
اب ہم سب مسلمان ایک قوم ہیں اور اپنی انفرادیت کو اپنی اجتماعی بہتری
فراموش کر چکے ہیں - ہم خوش قسمت ہیں کہ ہم اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم
لے آئے ہیں جو نور و سعادت کا سرچشمہ ہیں - جس کی آمد سے اوہام کی زنجیریں
لگی ہیں - تمدن کی گمراہی اور پستی مٹنے لگی ہے اور کفر الحاد کی آزادی اب ایمان
تلپٹ کر دینے والی آندھی کا شکار ہو جائے گی - لابان کے بیٹے! تم ہم سے
ہو کہ تم ہماری نسبت پہلے ایمان لائے -

تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد عباس بن مرداس پھر کہہ رہا تھا۔
بیٹی! وہ کیسی اچھی اور دانشمند تھی کہ ہم سے پہلے ایمان لائی - ہم نے اس کی
کی وہ نہ جانے کہاں چلی گئی تھی اور اب کہاں ہو گی - کاش میں ان لوگوں کی زندگی
سے نہ کھیلا ہوتا جو میرے قبیلے میں ایمان لائے تھے - اللہ مجھے معاف کرے - لابان
بیٹے! اب میں اس حویلی میں اکیلا ہوں - میری بیوی حویلی کے ایک حصے
چھت گرنے سے فوت ہو چکی ہے - الحمد اللہ! وہ ایمان لا کر فوت ہوئی
اب اس حویلی میں اکیلا ہوں کہ سب لونڈی غلام میں نے آزاد کر دیے ہیں - آہ
کے بیٹے! تم باہر کیوں کھڑے ہو - اندر آؤ - اس حویلی کو تم اپنی حویلی جانو۔

ترمید نے کہا - نہیں، میں اکیلا اندر نہ جاؤں گا - میرے پاس آپ کی ایک
امانت تھی میں تو بس آپ کی وہ امانت آپ کو لوٹانے آیا ہوں "۔ عباس بن مرداس
نے چونک کر پوچھا۔" میری امانت؟"

" تم کس قسم کی گفتگو کر رہے ہو - میں نے تو کسی کے پاس کوئی امانت
رکھی تھی - اگر کوئی تھی بھی اور مجھے یاد نہ رہی ہو - تو میں اسے تمہیں سونپتا ہوں

ترمید نے کہا۔" وہ آپ کی ایسی قیمتی متاع ہے جو سونپی نہیں جا سکتی
بن مرداس نے منت کرنے کے انداز میں کہا - مجھے ... نہ ڈالو - کھل کر کہو
کیا کہنا چاہتے ہو -"

ترمید پھر کہہ رہا تھا -" آپ کو یاد ہو گا - میں اور بستی کے کچھ لوگوں نے اسلام
کر لیا تھا جن میں آپ کی عزیز ترین بیٹی رمیتا بھی شامل تھی - آپ نے دیگر لوگوں
... کر دیا اور رمیتا کو اپنی حویلی کے ایک کمرے میں بند کر دیا - مجھے خبر ہو گئی تھی
مجھے گرفتار کرنا چاہتے ہیں - لہٰذا میں روپوش ہو گیا - رمیتا چونکہ اسلام قبول کر
... لہٰذا اس سے میرا ایک روحانی رشتہ تھا - میں اسے آپ لوگوں کے حوالے کر کے
... سے بھاگنا نہ چاہتا تھا - اس رات میں آپ کی حویلی میں داخل ہوا اور رمیتا کو
... سے نکال لے گیا -

اب جب کہ سارا قبیلہ اسلام قبول کر چکا ہے میں رمیتا کو لوٹانے آیا ہوں -
... ہو سلیم کے سردار! رمیتا کو میں جیسا لے کر گیا تھا ویسا ہی واپس لایا ہوں - پہلے کی
... وہ اب بھی شبنم کی طرح پاکیزہ اور موتی کی طرح بے لاگ و بے داغ ہے بس
... اسے لوٹانے آیا ہوں "۔

عباس بن مرداس نے منت کرنے کے انداز میں کہا -" خدا کے لیے کہو - میری
رمیتا کہاں ہے - تم نے اسے کہاں چھپا دیا ہے - وہ میری آنکھوں کا نور اور
حویلی کی رونق تھی - کاش میں نے اس سے باز پرس نہ کی ہوتی - اسے سزا دینے
... خاطر کمرے میں بند نہ کیا ہوتا "۔

ترمید نے آواز دیتے ہوئے کہا - رمیتا! رمیتا! اب باہر آ جاؤ "۔

ترمید کے کہنے پر رمیتا اوٹ سے نکلی اور بھاگ کر اپنے باپ سے لپٹ گئی
... آنکھوں میں آنسو تھے - شاید وہ اپنی ماں کی موت کا سن کر رو رہی تھی -

عباس بن مرداس نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا -" اے میری بیٹی! میں اب
... قسمت ہوں - تیرے آنے سے اس حویلی کی بہار اور رونق لوٹ آئی ہے - میری بچی
... تم پر ظلم کیا تھا مجھے معاف کر دے "۔

رمیتا نے اپنا سر عباس بن مرداس کے کندھے پر رکھتے ہوئے کہا -" اے میرے
... اس وقت آپ کا کوئی قصور نہ تھا، اس وقت ہم الحاد و بت پرستی کے اندھیروں

میں بھٹک رہے تھے ۔

اے میرے باپ ! میں آپ کو اسلام قبول کرنے پر مبارکباد دیتی ہوں
میری ماں بھی زندہ ہوتی تو میں اسے بھی اسلام کی حالت میں دیکھ سکتی ۔

عباس بن مرداس نے کہا ۔" میرے بچو ! تمہارے بعد ہماری بستیوں میں وبا پھیلی تھی جس میں کافی لوگ مارے گئے ۔ ترمید ! ترمید ! اس وبا میں تمہارے دونوں چچا اور چچیاں بھی مر گئیں ۔ اب تمہارے گھر میں تمہارا عم زاد جرام اور تمہاری دوسرے چچا کی بیٹی عشطانہ ہیں ۔ ان دونوں کی شادی ہو گئی تھی اور اب گھر میں دو ہیں ۔ ابھی ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہے ۔"

اپنے دونوں عم اور چچیوں کی مرگ کا سن کر ترمید بے چارہ دم بخود رہ گیا اس کی گردن آپ سے آپ جھک گئی تھی اور آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی بھر گئی تھی

کچھ دیر ترمید یونہی گردن جھکائے کھڑا رہا ۔ پھر اس نے عباس بن مرداس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ۔" میرے بزرگ ! میں اب اپنے گھر جاتا ہوں اور اپنے جرام اور بہن عشطانہ سے ملتا ہوں ۔"

عباس بن مرداس نے کہا ۔" اب رات کافی جا چکی ہے بیٹے ! تم یہیں ہماری حویلی میں ہی رکو ۔ صبح چلے جانا ۔ میں تمہیں روکوں گا نہیں ۔ اندر آؤ بیٹے ! تمہارے ساتھ باتیں کرتے ہوئے مجھے خوشی ہوگی ۔"

ترمید مان گیا ۔ عباس بن مرداس دونوں کو لے کر حویلی میں داخل ہوا اور انہیں دیوان خانے میں لا بٹھایا ۔ پھر اس نے کہا ۔" تم دونوں بیٹھو میں تمہارے لیے کھا
کرتا ہوں ۔"

رمیتا فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور کہا ۔" اب جب کہ آپ کی بیٹی
ہے آپ کو ایسی زحمت کرنے کی کیا ضرورت ہے ۔" رمیتا باپ کے ساتھ باہر نکل
جب کہ ترمید وہیں دیوان خانے میں بیٹھ کر ان دونوں کی واپسی کا انتظار کرنے لگا ۔

تھوڑی دیر بعد عباس بن مرداس دیوان خانے میں داخل ہوا اور ترمید کو

رتے ہوئے اس نے کہا ۔" لابان کے بیٹے ! رمیتا مجھے اپنے سارے حالات تفصیل سے چکی ہے ۔ بخدا میں خوش ہوں کہ تم اسے یہاں سے نکال کر لے گئے تھے ۔ میں تمہارا ممنون بھی ہوں کہ تم نے ایک مقدس امانت کی طرح رمیتا کی جان و ناموس کی حفاظت کی ۔ میرا رب تمہیں ضرور اس کا اجر دے گا ۔

سنو ترمید ! رمیتا نے صاف گوئی سے مجھے یہ بھی بتا دیا ہے کہ تم ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو ۔ سنو ! میں تم دونوں کی شادی کر دوں گا اور اس کام سے میں کل ہی فارغ ہو جاؤں گا ——

عباس بن مرداس کہتے کہتے رک گیا کیوں کہ دیوان خانے میں ترمید کا چچازاد بھائی جرام اور اس کی بیوی عشطانہ داخل ہوئے تھے ۔ ترمید انہیں دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا ۔ جرام اسے دیکھ کر بھاگا اور اس سے لپٹ گیا ۔ عشطانہ کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے جنہیں اس نے پونچھتے ہوئے کہا ۔" اے میرے بھائی ! خدائے بزرگ کا صد شکر کہ تم زندہ ہو اور لوٹ آئے ہو ۔

اے میرے بھائی ! شاید سردار عباس بن مرداس نے تمہیں بتا دیا ہو کہ ایک وبا میں تمہارے دونوں عم اور چچیاں مر چکی ہیں ۔ تمہاری غیر موجودگی میں تمہاری ماں بھی یہاں آئی تھی ۔" ترمید چونکا اور جرام سے علیحدہ ہوتے ہوئے اس نے پوچھا ۔

" میری ماں زندہ ہے ، وہ یہاں آئی تھی ، وہ تم دونوں کے ساتھ کیوں نہیں آئی وہ کہاں ہے اور تمہیں میرے آنے کی اطلاع کیسے ہوئی ۔"

عشطانہ نے کہا ۔" عباس بن مرداس نے اپنا ایک ہمسایہ بھیج کر ہمیں بلایا ہے ۔ تمہاری ماں کو ہم نے بتایا تھا کہ ترمید بنو غسان یا شیبانی قبائل کی طرف گیا ہوگا ۔ تمہارے دونوں عم اور چچیوں کی مرگ کے بعد تمہاری ماں ایسی دل برداشتہ ہوئی کہ وہ تمہیں تلاش کرنے نکل گئی ۔ ہم نے اسے بہت روکا لیکن اس نے ہماری بات نہ مانی ۔ وہ بڑی دلیر اور جرأت مند خاتون ہے تلوار چلانے کا فن وہ مردوں کی طرح بیباکی سے جانتی ہے ۔ میرا دل کہتا ہے کہ وہ تمہاری تلاش میں بنو غسان اور شیبانی قبائل کی طرف گئی ہوگی ۔ کاش وہ ہماری بات

ماں جاتی یہاں رُکی رہتی تو وہ آج تم سے مل سکتی تھی ۔ اس نے اسلام قبول کر لیا ہے اور مسلمان ہو گئی ہے ۔"

ترمید نے کہا ۔" میں بہت جلد اپنی ماں کی تلاش میں نکلوں گا اور مجھے اُمید ہے میں اسے ڈھونڈ نکالوں گا ۔"

جرام اور عشطانہ ترمید اور عباس بن مرداس کے سامنے بیٹھ گئے ۔ پھر عباس بن مرداس کہہ رہا تھا ۔" میں اگر ترمید اور رمیتا کی شادی کر دوں تو کیا تم دونوں کو اس پر کوئی اعتراض ہو گا ۔"

جرام نے کہا ۔" ہمیں کیوں اعتراض ہو گا بلکہ یہ تو ہماری خوشی کا باعث ہو گا ۔"

عباس نے فیصلہ کُن انداز میں کہا ۔" تو پھر کل میں ترمید اور رمیتا کی شادی کر دوں گا ۔ میرے جس قدر باغات اور اراضی ہے اس کے مالک یہ دونوں ہوں گے ۔ تم دونوں میاں بیوی آج رات یہیں میرے ہاں ہی رہو گے اور کل ترمید اور رمیتا کی شادی سے فارغ ہو کر اپنے گھر جاؤ گے ۔"

ترمید اب میرے اور رمیتا کے ساتھ اسی حویلی میں رہے گا اور ——— عباس بن مرداس کہتے کہتے رُک گیا ۔ کیوں کہ رمیتا کھانے کے برتن اُٹھائے اندر آئی تھی اور پھر وہ اور ترمید دونوں خاموشی سے کھانا کھانے لگے تھے ۔ دوسرے روز ترمید اور رمیتا کی شادی ہو گئی تھی ۔

○

ایک روز آدھی رات کے وقت بعلبک شہر میں ناثان کی حویلی کے دروازے پر یوعام نے دستک دی ۔ تیز سرمائی اور برفانی ہوائیں ۔ بے برگ و بار درختوں سے ٹکرا کر فطرت کے عناصر جیسا نالہ و ماتم برپا کر رہی تھیں ۔ ہر طرف ایسی خاموشی تھی گویا کائنات کسی کے بغض ، عداوت اور شر انگیزی کا شکار ہو کر رہ گئی ہو ۔

ٹھنڈے نیلے آسمان پر ستارے روشنی کی دھول اُڑاتے اور اپنے درخشاں چہروں کے ساتھ بیداری کا پیغام دیتے ہوئے اپنے نصب العین کے لیے مصلوب ہونے کو بھاگ رہے تھے ۔

پہلی دستک پر جب کوئی ردِ عمل نہ ہوا تو پھر یوعام نے دروازے پر دوسری اور تیسری بار زور دار دستک دی ۔ اتنے میں حویلی کے صحن میں کھٹکا ہوا اور پھر رات کی خاموشی ، گھُپ اندھیرے اور سرد برفانی ہواؤں میں ایک لرزتی کانپتی ہوئی آواز یوعام کو سنائی دی ۔" کون ہے ؟"

یوعام پہچان گیا ۔ وہ نباط کی آواز تھی ۔ اس کی اپنی نباط کی جس سے اس کا باپ اسے منسوب کر چکا تھا ۔

یوعام نے آواز دی ۔" نباط ! نباط ! دروازہ کھولو ۔"

نباط نے یوعام کی آواز پہچان لی تھی اور اس نے فوراً دروازہ کھول دیا تھا ۔ یوعام اندر داخل ہوا ۔ اس نے دیکھا حویلی کے صحن میں ناثان بھی کھڑا تھا ۔ پھر وہ آگے بڑھا اور یوعام کو اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے اس نے کہا ۔" تم آگئے بیٹا ! مجھے اُمید تھی تم ہم دونوں باپ بیٹی کو فراموش نہ کرو گے اور ایک روز ضرور لوٹ کر اس حویلی میں آؤ گے ۔"

یوعام نے کہا ۔" میں کیوں لوٹ کر یہاں نہ آتا کہ اس حویلی میں باپ کی طرح شفیق آپ جیسا بزرگ اور نباط جیسی میری منسوبہ رہتی ہے لیکن میں ہنگامی طور پر آیا ہوں اور ابھی یہاں سے کوچ کر جاؤں گا ۔"

یوعام کا یہ فیصلہ سُن کر گھوڑے کو اصطبل کی طرف لے جاتی نباط رُک گئی ۔

ناثان نے فکر مندی سے پوچھا ۔" لیکن تم کیوں ابھی یہاں سے کوچ کر جاؤ گے ؟"

یوعام نے کہا ۔" آپ میرے ساتھ اندر چل کر بیٹھیں ۔ پھر میں واقعات کی تفصیل آپ سے کہتا ہوں ۔"

ناثان یوعام کو دیوان خانے میں لایا ۔ نباط بھی اصطبل میں گھوڑے کو باندھ کر جب دیوان خانے میں ان دونوں کے سامنے آ بیٹھی تو ناثان نے کہا ۔" اب کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو ۔"

جواب میں یوعام نے شروع سے لے کر آخر تک کے سارے واقعات تفصیل

سے کہہ سُنائے تھے ۔ ناثان اور نباط دونوں کی گردنیں جھکائے سوچنے لگے تھے ۔

یوعام نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اب جب کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں، مَیں آپ کو مجبور نہیں کرتا کہ آپ میرا راستہ اختیار کریں ۔ شاید ہرکولیس کے لوگ میرا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک آجائیں اس لیے مَیں آپ دونوں کے لیے مصیبت و ابتلا کی وجہ نہیں بنا چاہتا"

ناثان نے ہمدردی اور شفقت میں کہا ۔" یوعام ! یوعام ! بیٹے ! اب تم ہم دونوں کے جسم کا ایک حصّہ ہو ۔ تم ہماری پہچان ہو ۔ تم ہمیں تبلیغ کرو ۔ تمہاری طرح ہم بھی اسلام قبول کرلیں گے ۔ تمہارے جانے کے بعد ریوڑ مَیں نے بیچ دیا تھا ۔ پھر دکان بھی بیچ دی کہ میرے اعضاء کمزور ہوگئے ہیں اور دکان مجھ اکیلے سے چلتی نہ تھی ۔ بیٹے ! میرے پاس اس قدر اثاثہ ہے کہ ہم تینوں آرام سے بیٹھ کر کھا سکتے ہیں "۔

سنو ! سنو ! یوعام ! قبل اس کے ہرکولیس کے آدمی ہمیں آلیں ہمیں فوراً بعلبک شہر کو چھوڑ دینا چاہیے ۔ سنو ! بعلبک سے کچھ اَور جوان بھی ہرکولیس کے لشکر میں شامل ہوئے تھے ۔ لہٰذا وہ تمہارا پتہ بتا دیں گے اور ہرکولیس کے آدمیوں کو یہاں تک تعاقب کرنے میں دِقت پیش نہ آئے گی ۔ ہم آج رات ہی بلکہ ابھی یہاں سے کوچ کریں گے ۔ تم دونوں مل کر روانگی کی تیاری کرو ۔ مَیں اپنے ایک جاننے والے سے کہہ آتا ہوں کہ میری غیر موجودگی میں میرا مکان بیچ دے ۔ ہم یہاں سے حیرہ شہر کی طرف چلے جائیں گے ۔ وہ ایرانی سلطنت میں ہے اور وہاں ہم امن و سکون سے زندگی بسر کرسکیں گے ۔ بعلبک شہر میں اب ہم تینوں کی جانیں ہمہ وقت خطرے میں رہیں گی ۔ ناثان تیز تیز قدم اُٹھاتا ہُوا باہر نکل گیا ۔ جب کہ یوعام اور نباط دونوں مل کر کوچ کی تیاری کرنے لگے تھے ۔

تھوڑی دیر بعد ناثان لوٹا ۔ اس کے پاس ایک گھوڑا بھی تھا ۔ وہ بڑا خوش دکھائی دے رہا تھا ۔ اس نے آتے ہی یوعام اور نباط سے کہا ۔" میرا وہ دوست مخلص اور ہمدرد نکلا ۔ اس نے خود ہی مکان خرید کر رقم مجھے ادا کر دی ہے اور ایک گھوڑا بھی اپنی طرف سے تحفتہً دیا ہے ۔ اب ہمارے پاس تین گھوڑے ہو گئے ہیں ایک

جو پہلے سے گھر پر تھا ، ایک جو مَیں ابھی لایا ہوں اور تیسرا یوعام کا اپنا گھوڑا ۔

تینوں نے مِل کر جلدی جلدی گھر کا قیمتی اثاثہ گھوڑوں کی خرجینوں میں ڈالا ۔ کچھ یہ گھوڑوں کی زینوں سے باندھے اور بعلبک شہر سے وہ کوچ کر گئے ۔

حیرہ شہر جا کر انھوں نے ایک مکان خرید لیا تھا ۔ وہاں ناثان نے یوعام اور نباط کی شادی کر دی اور ہرکولیس کے خطرے سے دُور وہ ایک پُرامن زندگی گزارنے لگے تھے ۔

○

لابان و نیابوث کی بیٹی ، عدیم ، یوعام اور ترمید کی بہن اور شیبانی قبائل کے سردار ہانی کی بیوی حذیفہ اپنی صحرائی محل نما حویلی کے دیوان خانے میں اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ بیٹھی تھی ۔ اس کا بڑا بیٹا جو عمر میں پانچ برس کا اور چھوٹا جو تین برس کا ہوگا دونوں اس کے پاس کھیل رہے تھے کہ حذیفہ کا شوہر اور شیبانی قبائل کا سردار ہانی مسکراتا ہُوا دیوان خانے میں داخل ہُوا اور حذیفہ کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا ۔ " حذیفہ ! حذیفہ ! مَیں زندگی میں پہلی بار تمہارے لیے ایک ایسی خوش خبری لایا ہوں کہ اسے سُننے کو شاید تم برسوں سے بے چین ہو "

حذیفہ نے بھی گہری مسکراہٹ میں کہا ۔ اگر ایسی کوئی خبر ہے تو کہیں پھر دیر کیسی ؟"

ہانی نے کہا ۔" مَیں تمہاری ماں سے متعلق ایک خبر لایا ہوں ۔"

حذیفہ چھلانگ لگانے کے انداز میں اُٹھ کھڑی ہوئی اور انتہائی بےتابی میں اُس نے کہا ۔" اگر میری ماں اور میرے تینوں عزیز بھائی مجھے مِل جائیں گے تو میں سمجھوں گی مجھے ایک نئی زندگی مل گئی ہے ۔ اب تو میرا چھوٹا بھائی عدیم اگر زندہ ہے تو وہ بھی خوب جوان ہوچکا ہوگا ۔"

ہانی نے پھر پوچھا ۔" کیا تم اپنی ماں کو پہچان لوگی ؟"

حذیفہ نے خوشی سے بےقابو ہوتے ہوئے کہا ۔" کیوں نہیں پہچانوں گی مَیں

اپنی ماں کو۔ جب ہم ایک دوسرے سے بچھڑے تھے تو میں خاصی بڑی تھی، پر آپ مجھے باتوں میں کیوں الجھائے ہوئے ہیں۔ یہ کیوں نہیں بتلاتے کہ میری ماں کو آپ نے کہاں دیکھا؟"

ہانی نے کہا۔ "میں نے تمہاری ماں کو ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ تم یہاں ہو۔ بہر حال میں انہیں اپنے ساتھ حویلی میں لایا ہوں اور وہ دیوان خانے سے باہر کھڑی ہیں باہر نکل کر پہچانو کیا وہ تمہاری ہی ماں ہیں۔"

حذیفہ بھاگ کر باہر نکلی اس نے دیکھا اس کی ماں سوجہ جنگی لباس پہنے ہوئے تھی اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے دیوان خانے سے باہر کھڑی تھی۔ حذیفہ اپنی ماں کی طرف بھاگی۔ نیا بوث نے بھی حذیفہ کو پہچان لیا تھا۔ لہذا وہ بھی اپنے گھوڑے کی باگ چھوڑ کر حذیفہ کی طرف بڑھی اور دونوں ماں بیٹی بری طرح ایک دوسرے سے لپٹ گئی تھیں۔"

ہانی کے اشارے پر حویلی کا ایک خادم بھاگتا ہوا آیا اور نیا بوث کے گھوڑے کو اصطبل کی طرف لے گیا۔ حذیفہ اور ہانی نے نیا بوث کو دیوان خانے میں لا بٹھایا۔

اپنے دونوں بچوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حذیفہ نے کہا۔ "ماں! یہ دونوں میرے بیٹے ہیں۔ بڑے کا نام عدیم اور چھوٹے کا نام نام لابان ہے۔ اے میری مہربان ماں! مجھے اپنا چھوٹا بھائی بہت عزیز اور پیارا تھا۔ اس لیے میں نے اس کے نام پر اپنے بڑے بیٹے کا نام رکھا اور اپنے باپ کا نام اپنے چھوٹے بیٹے کو دیا۔ کاش میرے دو اور بیٹے ہوتے تو ان کے نام میں یوعام اور ترمید رکھتی۔ اے میری ماں! یہ میرے شوہر ہیں، ان کا نام ہانی ہے اور یہ شیبانی قبائل کے سردار ہیں"

نیا بوث نے حذیفہ کے دونوں بچوں کو اپنے ساتھ لپٹا لیا اور انہیں بُری طرح چومنے لگی۔ دونوں لڑکے حیرت سے کبھی حذیفہ اور کبھی ہانی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ حذیفہ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے پیار سے کہا۔ "اے میرے بچو! ان کا نام

نیا بوث ہے اور یہ میری ماں اور تم دونوں کی نانی ہیں۔"

نیا بوث سے اپنا رشتہ جان کر دونوں بچے اب اس سے مانوس ہونے کی کوشش کرنے لگے تھے۔

دونوں بچوں عدیم اور لابان کو اپنی گود میں بٹھا کر نیا بوث نے حذیفہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اے میری بیٹی! تو یہاں کیسے پہنچ گئی؟"

جواب میں حذیفہ نے نعمان کے ہاتھ بکنے۔ ہانی سے اپنی شادی اور نعمان کے ہانی کے ہاتھوں مارے جانے اور اپنے اور ہانی کے مسلمان ہونے تک کے سارے واقعات سنا ڈالے۔ اپنی داستان کہنے کے بعد حذیفہ نے پوچھا۔ "اے میری عزیز ماں! آپ کہاں رہیں؟"

نیا بوث نے دکھ سے کہا۔ "ان ظالم اور بھیڑیا صفت رہزنوں نے مجھے ایک سوداگر کے ہاتھ بیچ دیا۔ اس کے اسکندریہ سے قسطنطنیہ کے درمیان اناج اور دوسری اشیاء لے جانے والے جہاز چلتے تھے۔ میں ایک جہاز میں ملاحوں کا کھانا تیار کرنے پر مقرر کر دی گئی۔ ملاح اور مسافر مجھے ایک دکھی عورت جان کر کچھ نہ کچھ دے دیا کرتے تھے اس طرح میرے پاس اچھی خاصی رقم ہو گئی۔

ایک بار چند رومنوں نے اسکندریہ شہر کے اندر یہ رقم مجھ سے چھیننے کی کوشش کی لیکن ایک نوجوان کہ جس کا نام رمینس تھا وہ آڑے آیا۔ اس نے ان رومنوں کو قتل کر کے میری جان بچائی۔ اس رمینس کو دیکھ کر میں حیران سی گئی تھی کہ میرا عدیم بھی بڑا ہو کر بالکل اس جیسا ہوا ہو گا۔ وہ رمینس اسکندریہ میں ایک گلیڈی ایٹر تھا۔

میں نے اپنی جمع شدہ پونجی اپنے آقا کو دے کر آزادی حاصل کرنا چاہی لیکن اس نے مجھے آزاد نہ کیا۔ آخر وہ مر گیا اور اس کا تمام کاروبار اس کے رحم دل بیٹے کے ہاتھ آیا اور مجھ سے کچھ لیے بغیر اس نے مجھے آزاد کر دیا۔ میں سیدھی تمہارے باپ کے قبیلے میں یسیم میں آئی وہاں تمہارے باپ کے دونوں بھائی ان کے بیویاں اور بچے رہتے تھے وہاں مجھے پتہ چلا کہ جس قافلے کے ساتھ ہم نے قسطنطنیہ کا سفر کیا تھا اس قافلے کا

ایک عرب جو بنو سلیم ہی کا رہنے والا تھا۔ ترمید کو اٹھا کر وہاں بنو سلیم کو تمہارے کے پاس لے آیا تھا۔

وہ وہیں پل کر جوان ہوا۔ پھر اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اسی طرح بنو سلیم اس کے خلاف ہو گئے اور وہ وہاں سے بھاگ گیا۔ تمہارے چچا نے مجھے بتایا تھا کہ ترمید بنو غسان یا شیبانی قبائل کے سردار کی طرف گیا ہوگا۔"

بنو سلیم میں رہتے ہوئے میں نے اسلام قبول کر لیا۔ پہلے میں بنت نہیل کہلانے جانے پر فخر محسوس کرتی تھی۔ اب مسلمان ہونے کے بعد مجھے اس سے بھی کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ تمہارے دونوں عم کی کل اولاد ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے ان دونوں کی شادی ہو گئی۔ لڑکے کا نام حبرام اور لڑکی کا نام عشطانہ ہے۔ بنو سلیم میں قیام کے دوران ایک دبا پھوٹ پڑی جس میں تمہارے دونوں عم اور ان کی بیویاں مر گئیں۔ صرف میں حبرام اور عشطانہ بچے۔

پھر میں ترمید کی تلاش میں نکلی۔ پہلے میں بنو غسان گئی لیکن وہ مجھے وہاں نہ ملا۔ پھر میں نے سوچا میں تمہارے باپ کے قاتل رہزنوں سے انتقام لے کر ترمید کی تلاش میں شیبانی قبائل کی طرف آؤں گی۔ لہٰذا میں سیدھی روم کے بادشاہ ہرکولیس کے سامنے پیش ہوئی۔ تمہارے باپ کی نسبت سے میں نے اپنا تعارف کرایا اور ان رہزنوں سے انتقام لینے کی التماس کی۔

رہزنوں کا صفایا کرنے کے لیے ہرکولیس نے اپنے میسرہ کے سالار کو مقرر کیا۔ جانتی ہو یہ میسرہ کا سالار کون تھا۔ یہ وہی رمنیس نام کا جوان تھا جس نے رہزنوں کے ہاتھوں میری جان بچائی تھی۔ اس نے سوداگر کے بھیس میں قسطنطنیہ سے سفر شروع کیا۔ میں اس کے ساتھ تھی۔

لاذقیہ شہر سے دس میل جنوب میں ان ہی رہزنوں نے کہ جنہوں نے ہمارے تجارتی قافلے پر حملہ کر کے تمہارے باپ کو مار ڈالا تھا، رمنیس کے لشکر کو سوداگر جان کر اس پر حملہ کیا لیکن وہ رمنیس بڑا دلیر، شجاع اور دانشمند ہے اس نے ان رہزنوں پر

بڑی قوت اور مہارت سے حملہ کیا کہ اس نے ایک ایک رہزن کو چن چن کر قتل کر دیا۔ سنو بیٹی! وہ رمنیس بہت اچھا جوان ہے۔ میں اسے بیٹا پکارتی تھی جب کہ وہ مجھے ماں کہہ کر پکارنے لگا تھا۔ اس سے ملتے وقت میرا دل چاہتا تھا کہ میں دھاڑیں مار مار کر روؤں اور اسے عدیم، عدیم پکار کر اپنے سینے سے لگا لوں۔

نیابوث بے چاری سسک سسک کر رونے لگی۔ حذیفہ اور رہانی کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے تھے۔ دونوں بچے عدیم اور رلابان پریشان سے ہو گئے تھے۔ وہ نیابوث کی گود سے نکل کر حذیفہ کی گود میں آ بیٹھے تھے۔

دیوان خانے میں چند ثانیوں کی خاموشی رہی۔ پھر حذیفہ نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے اپنی ماں سے کہا۔ "آپ نے اس جوان سے پوچھا تو ہوتا کہ وہ کون ہے۔ کہاں رہتا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ میرا عزیز بھائی عدیم ہی ہو۔ کسی نے اسے پال لیا ہو اور نام بدل دیا ہو۔"

نیابوث نے سنبھلتے ہوئے کہا۔ "میں نے پوچھا تھا اس سے بیٹی! اس کا نام رمنیس ہی ہے۔ ویسے وہ عرب ہے۔ اس کے باپ کا نام اندریاس ہے۔ پہلے دونوں باپ بیٹا اسکندریہ میں رہتے تھے۔ اس کی ماں مر چکی ہے۔ اب وہ خود ہرکولیس کے لشکر کا ایک [illegible] ہے۔ جب کہ اس کا باپ صیدا شہر کے قریب ایک خانقاہ میں رہتا ہے۔ کاش وہ میرا عدیم ہی ہوتا۔

اے میری بیٹی! میں تو یہاں ترمید کو تلاش کرنے آئی تھی۔ مجھے امید بھی نہ تھی کہ یہاں شیبانی قبائل میں میری بیٹی بھی مجھے مل جائے گی۔

حذیفہ نے فکرمندی سے کہا۔ "اے میری ماں! یہ ترمید ادھر تو نہیں آیا۔ اگر وہ یہاں آتا تو ہم دونوں بہن بھائی ایک دوسرے کو پہچان لیتے تو میں کیوں کر اپنے بھائی کو یہاں سے جانے دیتی۔"

نیابوث نے کہا۔ "اب مجھے ترمید کی اتنی فکر نہیں رہی کیوں کہ وہ اسلام لانے کے بعد بنو سلیم کے خوف سے اپنی بستی چھوڑ کر بھاگا تھا۔ اب جب کہ بنو سلیم نے اسلام قبول کر لیا ہے تو ترمید کو بھی اس کی خبر ہو جائے گی اور وہ ضرور گھر لوٹ آئے گا۔ اب میں

صرف عدیم اور یوعام کے لیے فکر مند ہوں۔ وہ دونوں نہ جانے کہاں، کس کے پاس اور کس حال میں ہوں گے۔ وہ جہاں کہیں بھی ہیں میں انہیں ڈھونڈوں گی اور اپنی زندگی کے آخری سانسوں تک اپنے ان دونوں موتیوں کو تلاش کرتی رہوں گی۔"

اے میری بیٹی! یہ امر میرے لیے سکون اور اطمینان کا باعث ہے کہ تو اپنے گھر میں آباد اور خوش ہے۔ میں تیرے پاس چند روز رہوں گی بیٹی! پھر میں عدیم اور یوعام کی تلاش میں نکل جاؤں گی۔"

اس بار خود ہانی نے بولتے ہوئے کہا۔" آپ میری اور حذیفہ دونوں کی ماں ہیں۔ اس حویلی میں ہم دونوں کے سر پہ کوئی بزرگ نہیں ہے۔ اب میں آپ کو یہاں سے جانے نہ دوں گا۔ میں اپنے سارے قبائل میں منادی کراتا ہوں کہ عدیم اور یوعام نام کا جو بھی جوان ہو اسے پکڑ کر میرے پاس لایا جائے۔ اس کے لیے میں ایک خاص رقم بطور انعام بھی رکھوں گا اور پھر میں اپنے قبائل کے بہت سے جوانوں کو مختلف سمتوں میں روانہ کردوں گا کہ وہ عدیم اور یوعام کو تلاش کریں۔ اب آپ کہیں نہیں جائیں گی۔ یہیں ہمارے پاس رہیں گی اور اپنی بقیہ زندگی اب آرام اور سکون میں بسر کریں گے میں اور حذیفہ دونوں مل کر آپ کی خدمت کریں گے"

حذیفہ نے ایک ممنون سی نگاہ ہانی پر ڈالی پھر اس نے نیابوث سے کہا۔" ہانی بالکل ٹھیک کہتے ہیں ماں! اب تم یہاں سے نہ جاؤ گی۔ میں تمہاری اکلوتی بیٹی تمہاری خدمت کروں گی اور پھر ہانی بھی تو تمہارے بیٹے ہیں وہ عدیم اور یوعام کو تلاش کرنے کا خود انتظام کریں گے۔"

نیابوث نے کہا۔" بیٹی! جیسے تم دونوں کی مرضی، میں تم دونوں کا کہا رد تو نہیں کر سکتی"۔

حذیفہ خوش ہوگئی اور کہا۔" اٹھو ماں! پہلے میں تمہارا لباس تبدیل کراؤں پھر تمہیں کھانا کھلاؤں۔"

نیابوث اٹھ کھڑی ہوئی۔ دونوں دیوان خانے سے نکلیں پھر حذیفہ، نیابوث کو

ساتھ لپٹائے اپنی خواب گاہ کی طرف لے جا رہی تھی۔

سورج بادلوں پہ اپنی حسین یادوں کے رنگ بکھیرتا ہوا غروب ہو رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا گویا فطرت اپنی پوری رعنائیوں اور دلکشیوں کے ساتھ شاید ازل کا کوئی بے کراں راز افشاں کرنے لگی ہو۔ اس سمے آسمان پر تیرتے بادلوں کے ٹکڑے یوں کسی حسین دوشیزہ کے گرم سرخ رخساروں جیسے ہوگئے تھے۔ جیسے ماورائی عناصر چہرۂ فطرت سے پردہ اٹھانے لگے ہوں۔

دریائے اباناکے کنارے عرب ماہی گیروں کی بستی کے اندر اور ان کے سردار سابور کے دیوان خانے میں عدیم خاموش لیٹا تھا۔ باہر دریائے ابانا کے کنارے اپنے گھوڑے دوڑاتے اور نیزہ بازی کرتے عرب لڑکوں کے سرکش نعرے گونج رہے تھے۔ بستر پر لیٹے لیٹے کھڑکی میں سے عدیم نے باہر دیکھا۔

مغربی افق پر ڈوبتے سورج کی سرخی لیے بادلوں کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ دن اور رات کے درمیان حدِ فاصل ختم ہوگئی تھی۔ روشنی کا سازِ جمال خاموش ہو کر تاریکیوں کو دعوت دے رہا تھا۔

اتنے میں عدیم کے کمرے میں سابور کی جواں سال بیٹی انیفہ داخل ہوئی۔ اس کے ایک ہاتھ میں جلتی ہوئی مشعل اور دوسرے ہاتھ میں مٹی کا ایک برتن اور ایک پانی سے بھرا کوزہ تھا۔ جلتی ہوئی مشعل انیفہ نے دیوار سے لٹکا کر کمرے کو روشن کر دیا پھر عدیم کی مسہری کے قریب آئی اور کہا۔

" اخی! شام ہوگئی ہے۔ آپ وضو کر کے نماز پڑھ لیں۔ بابا بھی دریا کی طرف سے لوٹ آئے ہیں اور باہر وضو کر کے نماز پڑھنے لگے ہیں۔ میں بھی وہیں جا کر نماز پڑھتی ہوں پھر کھانا کھاتے ہیں۔

عدیم نے اداس اور افسردہ سی آواز میں کہا۔" میرا وضو ہے میری بہن! صرف قبلے کا رخ بتا دو۔"

انیقہ آگے بڑھی۔ مٹی کا برتن نیچے رکھ کر اور کوزے سے پانی دے کر اس نے
کی لگن اور ہمدردی میں ڈوبی ہوئی آواز میں پوچھا۔ اے میرے بھائی! آپ آج
اداس کیوں ہیں؟ کیا آپ اپنے باپ اور رمیدا کی اس خانقاہ کی طرف سے آنے والے
افراد کے لیے پریشان اور اداس ہیں"۔

عدیم نے اپنے ہونٹوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے کہا۔"نہیں میری بہن
یہ بات نہیں۔ میں سوچ رہا تھا، انسان بھی کیا ہے۔ اس کی یہ زندگی محض خواب
کی ایک ساعت جیسی ہے۔ جب تندرست ہوتا ہے موجوں کے شور بجلی کی کڑک جیسا
ہوتا ہے اور زندگی کے بڑے بڑے محبوب منصوبے ترتیب دیتا ہے۔ دل کو کبھی سنگ
ایسا سخت کر لیتا ہے اور کبھی اپنے تصوراتی منصوبوں کی تکمیل میں ایسے نغمے الاپتا ہے جیسے
پرندے اپنے آشیانوں کو لوٹتے ہوئے گاتے ہیں۔

لیکن جب اسی انسان کو کوئی روگ یا زخم لگ جاتا ہے، یا بیمار و مجبور ہو
جاتا ہے تو بازاروں میں موت کے کشکول لٹکائے ضعیفوں جیسا ہو جاتا۔ زندگی کی ساری
رعنائیاں فراموش کر دیتا ہے۔ زیست کے سارے شیریں مشروب اور عکسِ جمال بھول
جاتا ہے اور خزاں و ملال کا ثمر بن کر ان نقوش جیسا ہو جاتا ہے جن میں زندگی کے آثار
تک نہ ہوں۔ میں بھی ان دنوں کچھ ایسی ہی کیفیت سے دوچار ہوں"۔

انیقہ نے کہا۔"اے میرے بھائی! تم پریشان نہ ہو۔ عنقریب تم ٹھیک ہو جاؤ
گے۔ تمہارا بخار تو دیکھو اتر ہی چکا ہے۔ اب چند روز تک زخم بھی بھر جائے گا
تم چلنے پھرنے بھاگنے دوڑنے کے قابل ہو جاؤ گے۔ وقت ہو گیا ہے اب آپ نماز
کر لیں"۔ انیقہ باہر نکل گئی جب کہ عدیم بستر پر ہی بیٹھے بیٹھے نماز پڑھ رہا تھا۔

سابور اور انیقہ دونوں باپ بیٹی نماز پڑھنے کے بعد دعا مانگ رہے تھے
حویلی کے بیرونی دروازے پر دستک ہوئی۔ جلدی جلدی دعا ختم کر کے انیقہ دروازے
کی طرف گئی اور دروازہ کھولنے سے قبل اس نے پوچھا۔"کون ہے؟"
باہر سے آواز آئی۔"انیقہ! انیقہ! دروازہ کھولو۔ میں ثمران ہوں اور میں

خانقاہ سے لوٹا ہوں"۔

ثمران کا نام سن کر انیقہ کے چہرے پہ حیا اور سرخی چھا گئی۔ اس نے فوراً دروازہ
کھول دیا اور ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ اتنی دیر تک سابور بھی دروازے پہ آ کر
انیقہ کے پاس کھڑا ہو گیا تھا۔

پھر ثمران اندر داخل ہوا۔ سابور کو سلام کرنے کے بعد اس نے کہا۔"یہ رمنیس
کے باپ اندریاس اور یہ ان کے ساتھ سیریا ہے"۔

سابور نے آگے بڑھ کر اندریاس سے مصافحہ کیا۔ سیریا کے سر پہ پیار سے ہاتھ
پھیرا پھر اس نے کہا۔"میرا نام سابور ہے یہ میری بیٹی انیقہ ہے اور یہ ثمران کی منسوبہ بھی
ہے۔ عنقریب ان دونوں کی شادی ہونے والی ہے"۔

ثمران تینوں گھوڑوں کو پکڑ کر سابور کے اصطبل کی طرف لے گیا جب کہ سابور
نے پھر اندریاس اور سیریا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"آپ دونوں میرے ساتھ آئیں۔
میں آپ کو رمنیس کے پاس لے چلتا ہوں۔ وہ دیوان خانے میں ہے۔ اس کا بخار تو
ٹوٹ چکا ہے لیکن ٹانگ پر جو زخم ہے اس کے باعث وہ ابھی تک چلنے پھرنے کے
قابل نہیں ہوا"۔

سیریا بے چاری پہلے ہی پریشان اور الجھی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ عدیم کے
نام کا سن کر وہ آخری شب کی سلگتی تنہائیوں کی طرح بے آس، پتھر کی زبان جیسی چپ،
صدیوں کے نقوش جیسی زنگ آلود، خشک ہونٹوں پہ پھیلی مایوسی جیسی افسردہ اور کسی
ہجوم کی یلغار میں معتوب مجرم کی طرح منتشر ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ بے چاری اس موقع
پہ کچھ نہ کہہ پائی بس خاموشی کے ساتھ وہ اندریاس کے پہلو بہ پہلو سابور کے پیچھے پیچھے
دیوان خانے کی طرف چل دی تھی۔

سابور اور اندریاس کے ساتھ سیریا جب دیوان خانے میں داخل ہوئی تو عدیم
مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد بستر پہ لیٹا ہوا تھا۔ اندریاس اور سیریا کو دیکھتے ہی اس
کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل گئی اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

اندریاس آگے بڑھ کر اسے گلے لگا کر ملا۔ جب کہ سیریا نے زبردستی اپنے ہونٹوں پر پھولوں کا سا تبسم بکھیرتے ہوئے اپنی شہد سے میٹھی آواز میں سلام کیا اور عدیم کے بستر پر ہی بیٹھ گئی۔ پھر اس نے عدیم کا بازو اپنے ریشمی اور گداز ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔ "آپ کو بخار تو نہیں ہے"۔ اندریاس پیار سے عدیم کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے لگا تھا۔

سیریا کی آمد سے عدیم کو یوں لگا تھا جیسے اس کی نیلگوں ریشمی پوشاک کی تہوں سے چنبیلی کی مہک جیسی گاتی مسکراتی خوشبو کمرے میں پھیل گئی ہو۔ سیریا کی آنکھوں کا نصف النہار عدیم کے چہرے پر مرکوز تھا اور ان آنکھوں میں عدیم کے لیے زندگی کی شیریں محبت کے مقدس راز، دل کا انوکھا مدوجزر پنہاں تھا۔ انجانی خوشبو کے تبسم اور اپنی گہری شناس نگاہوں میں سیریا نے عدیم کے سامنے اپنے دل کی سیپ کھول کر رکھ دی ہو۔

بہر حال کمرے میں سیریا کے رُوپ کی جگمگاہٹ، اس مدہوش ڈوبی جوانی کی ریشمی مسکراہٹ اور کرنوں جیسے جھل مِل حُسن کا تاثر پھیل بکھر گیا تھا۔

سیریا کے آنے سے عدیم ایسا متاثر ہوا تھا کہ فی الفور اسے کوئی جواب نہ دے سکا تھا۔ سیریا نے ابھی تک اس کا بازو اپنے ریشمی ہاتھ میں تھام رکھا تھا۔ پھر اس نے دوبارہ پوچھا۔ "آپ کو بخار کیسے اور کیوں ہو گیا تھا"۔

عدیم سنبھلا اور کہا۔ "زخم کا بروقت علاج نہ ہونے کی وجہ سے بخار ہو گیا تھا۔ کیا رمیتا تمہارے ساتھ نہیں آئی"۔

سیریا نے کہا۔ "ترمید وہاں آگیا تھا وہ اسے اپنے ساتھ اپنے قبیلے بنو سُلیم میں لے گیا ہے۔ کیوں کہ اب ان کا سارا قبیلہ اسلام قبول کر چکا ہے۔ ان دونوں کا ارادہ تھا کہ وہ اپنے قبیلے میں جا کر شادی کر لیں گے"۔

عدیم نے کہا۔ "اچھا ہُوا وہ چلے گئے۔ اب اس خانقاہ میں خطرہ بھی ہو سکتا تھا"۔ پھر سیریا کی طرف دیکھتے ہوئے عدیم نے انتہائی ہمدردی اور جان نثاری میں پوچھا۔ "میرے بعد اس خانقاہ میں تمہیں کوئی تکلیف اور دشواری تو نہیں ہوئی"۔

سیریا نے گہری مسکراہٹ میں کہا۔ "مجھے وہاں کیا تکلیف اور دشواری ہو سکتی

بابا نے سگی بیٹی جیسا میرے ساتھ سلوک کیا۔ آپ پہلے مجھے یہ بتائیں آپ کا زخم کہاں ٹانگ میں ہے"۔

عدیم نے کہا۔ "بائیں ٹانگ میں"۔

سیریا نے کہا۔ "ذرا مجھے دکھائیں۔ مَیں دیکھوں تو"۔

عدیم نے اپنی بائیں ٹانگ سیریا کی طرف پھیلائی ہی تھی کہ طبیب اندر داخل ہوا۔ اس کے ساتھ ثمران بھی تھا جو گھوڑے اصطبل میں باندھ کر لوٹا تھا۔

عدیم نے کہا۔ "طبیب آگئے ہیں۔ اب یہ میرے زخم کی پٹی بدلیں گے"۔

سیریا فوراً عدیم کے بستر سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ سابور نے اندریاس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے طبیب سے کہا۔ "یہ رمینس کے باپ اندریاس ہیں۔ ابھی ابھی صیدا سے یہاں آئے ہیں"۔

طبیب نے گرم جوشی میں اندریاس سے مصافحہ کیا پھر وہ پلنگ پر بیٹھ کر عدیم کی ٹانگ پر بندھی پٹی کھولنے لگا تھا۔ سیریا بھی آگے بڑھی اور عدیم کے قریب جھک کر اس نے عدیم کی ٹانگ کو پکڑ لیا تھا۔ تاکہ طبیب آسانی سے پٹی کھول سکے۔

جس وقت طبیب پٹی کھول کر زخم صاف کر رہا تھا تو سیریا نے سوالیہ انداز میں عدیم کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا زخم اب کچھ ٹھیک نہیں ہو گیا"۔

عدیم نے کہا۔ "ان کے علاج سے زخم آدھا مندمل ہو گیا ہے۔ پہلے میں بیٹھ تک نہ سکتا تھا۔ اب میں مسہری پر بیٹھ کر نماز ادا کر سکتا ہوں"۔

طبیب نے زخم صاف کر کے مرہم لگاتے ہوئے کہا۔ "انشاء اللہ اب بہت جلد ان کا زخم مکمل طور پر بھر جائے گا اور یہ پہلے کی طرح چلنے پھرنے اور بھاگنے دوڑنے لگیں گے۔ بس اب صرف چند یوم کی بات ہے"۔

زخم پر پٹی باندھنے کے بعد طبیب جب اپنا چرمی تھیلا سنبھال کر جانے لگا تو سابور نے خوش طبعی سے کہا۔ "ابھی آپ تشریف رکھیں کھانا تیار ہے کھا کر جائیں"۔ طبیب پیچھے ہٹ کر ایک نشست پر بیٹھ گیا جب کہ سیریا پہلے کی طرح پھر عدیم کے بستر

پر بیٹھ گئی تھی ۔ تھوڑی دیر تک دیوان خانے میں انیقہ نے کھانا لگا دیا پھر وہاں سبزہ
بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے ۔

●

سورج کوہستانوں کے پیچھے بنفشی شعاعیں پھینکتا ہوا غروب ہونے کی تیاری کر رہا تھا ۔ دریائے ابانا کی طرف سے ماہی گیر اور ارد گرد پھیلی وادیوں کی طرف سے چرواہے اپنی جوانیوں کے راگ الاپتے ہوئے دریائے ابانا کے کنارے کنارے پھیلی ہوئی اپنی بستیوں کی طرف آ رہے تھے ۔

یہ وہی دریائے ابانا تھا جس نے قدیم سمیری اور اکادی اقوام کو پھلتے پھولتے دیکھا ۔ جس نے کلدانیوں کی عظمت اور اشوریوں کی شوکت کا نظارہ کیا تھا جس نے فونیقیوں کی لبنان کی طرف، کنعانیوں کو فلسطین کی طرف اور حتیوں کو جنوب کی طرف یلغار کرتے دیکھا تھا ۔

اسی دریائے ابانا نے سدوم کی مکاریاں، عمورہ کی گناہگاریاں دیکھیں اور سلیمانؑ کی الاپ اور داؤدؑ کے رباب کی جھنکار کو سنا ہو گا ۔

اسی دریائے ابانا نے عیلامی اور ماد اقوام کو پھیلتے، سمٹتے اور ختم ہوتے دیکھا تھا اور اب یہی ابانا عربوں کی فضیلت کا بھی منتظر تھا ۔

جس وقت سورج کی شعاعیں غروب ہونے کے سمے دریائے ابانا کی تہوں میں زندگی کے پوشیدہ راز تلاش کرنے کی خاطر اس کے اندر نفوذ کر رہی تھیں اس وقت عدیم دیوان خانے میں داخل ہوا ۔ اس کا زخم اب بالکل ٹھیک ہو چکا تھا اور وہ تندرست تھا دیوان خانے میں سیریا اور اندریاس کے سامنے ایک نشست پر بیٹھتے ہوئے اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی دو تھیلیاں بھی اپنے قریب نشست پر رکھ دیں پھر اس نے اندریاس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ۔

" اے میرے باپ ! " میں ابھی اور اسی وقت یہاں سے کوچ کر رہا ہوں ۔ میں ابھی ابھی سردار سابور سے بات کر کے آ رہا ہوں ۔ وہ تم دونوں کے یہاں قیام کرنے پر خوش

ہے ۔ میں یہاں سے ایرانی شہر مدائن کی طرف جاؤں گا اور وہاں قسمت آزمانے کی کوشش کروں گا ۔ وہاں اپنا کوئی ٹھکانا بنا کر میں لوٹوں گا اور تم دونوں کو بھی اپنے ساتھ وہاں لے جاؤں گا ۔"

پھر اپنے پہلو میں رکھی دونوں چرمی تھیلیاں اس نے اندریاس کی گود میں رکھتے ہوئے کہا ۔ اِن دونوں تھیلیوں کو سنبھال کر رکھ لیں ۔ ان میں اس قدر سنہری سکے ہیں آپ دونوں ان سے بہترین گزر بسر کر سکتے ہیں ۔

اے میرے باپ ! میرے بعد سیریا کا خیال رکھنا اسے یہ احساس نہ ہو کہ یہ یہاں تنہا اور اکیلی ہے ۔ یہ زیادہ باہر نہ نکلے ایسا نہ ہو قسطنطنیہ کی طرف سے کوئی آنے جانے والا اسے پہچان لے اور اس کے لیے خطرات اٹھ کھڑے ہوں ۔

اندریاس نے باری باری ایک بار عدیم اور سیریا کی طرف دیکھا ۔ پھر اس نے کہا ۔" رینس ! میرے بیٹے ! میں جانتا ہوں تم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو یا تم سمجھتے ہو اس ناطے سے میرا سیریا سے کوئی تعلق نہیں ۔ بخدا اب یہ میری بیٹی ہے میں تو چاہتا تھا تم سیریا سے شادی کرنے کے بعد یہاں سے کوچ کرو ۔ لیکن اب میں چاہوں گا کہ پہلے تم ایران کی طرف جاؤ ۔ وہاں اپنا کوئی مستقل ٹھکانہ بنا کر ہم دونوں کو بھی وہاں بلا لینا ۔ پھر میں وہاں ایک پرسکون ماحول میں تم دونوں کی شادی کر دوں گا ۔"

اپنی شادی کا سن کر سیریا بری طرح شرما رہی تھی اور اس کی گردن خوب جھک گئی تھی ۔ اس کے چہرے پر آدھ کھلے کنول کا جوبن، شبنمی تبسم کی برق ۔ اس کی آنکھوں میں پوشیدہ ہزاروں خواہشیں مچل رہی تھیں اور خوشبوؤں کے وقت کی نوخیز کلیوں کی طرح اس کی سانس بے تابیٔ دل کی غماز ہو رہی تھی ۔

سیریا ابھی اپنی شادی کے خوش کن خیالوں میں ہی مگن تھی کہ بے چاری پریشان ہو کر چونک پڑی ۔ عدیم اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے کہا ۔" اے میرے باپ ! میں اب یہاں سے کوچ کرتا ہوں ۔ میں وہاں مدائن میں اپنا کوئی ٹھکانہ بنا کر بہت جلد آپ دونوں کو لینے آؤں گا ۔"

اندریاس بھی اُٹھ کھڑا ہُوا اور سیریا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا
بیٹی! تم رمینس کے ساتھ اصطبل کی طرف جاؤ۔ میں بھی سابور سے مل کر وہاں آتا ہوں
اس طرح شاید اندریاس وقتِ رُخصت عدیم اور سیریا کو آپس میں کچھ گفتگو کر لینے کا موقع
فراہم کرنا چاہتا تھا۔

سیریا بے چاری چُپ چاپ اُٹھ کر عدیم کے ساتھ ہولی۔ جب کہ خود اندریاس
نقدی کی تھیلیاں سنبھال کر صحن کے ایک کونے میں اس طرف جا رہا تھا جہاں سابور اور
اس کی بیٹی انیفہ بیٹھے ہوئے تھے۔

عدیم اور سیریا دونوں چھپّر نما اصطبل میں آئے۔ عدیم نے وہاں پڑی ہوئی زین
اُٹھا کر اپنے گھوڑے پر رکھی۔ پھر اس نے غور سے سیریا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"سیریا! سیریا! اب جب کہ قسطنطنیہ کے لشکر سے میرا تعلق ختم ہو گیا ہے اور میں ایک
نئے ٹھکانے کی تلاش میں ایک بار پھر سرگرداں ہونے لگا ہوں۔ کیا ان حالات میں تم
انتظار کرو گی؟"

عدیم کے اس سوال پر سیریا بے چاری تھوڑی دیر تک آنکھیں جھپجھپاتی
ہونٹ کاٹتی رہی پھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ عدیم نے پریشان ہو کر پوچھا
"سیریا! سیریا! تم رو رہی ہو۔ اگر تم نے میری اس گفتگو کا بُرا مانا ہو تو میں معذرت خواہ
ہوں۔ شاید میں نے حالات کا غلط جائزہ لیا ہے مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔
سیریا! مجھے افسوس ہے۔ مجھے معاف کر دینا۔"

سیریا نے اپنے آنسو پونچھ لیے اور فوراً سنبھل گئی۔ اس کی حالت اب ایسی ہو
تھی جیسے کسی کو زندگی کا تلخ سرکہ پیش کر کے اسے شہد پینے کو دے دیا گیا ہو۔
کے چہرے پر رس کے ساگر جیسا اطمینان اور ہونٹوں پر انگڑائیاں لیتی سرگم جیسی مسکراہٹ
بکھر گئی اور عدیم کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے پانی اور آفتاب دونوں کے بھید جاننے
والے کنول کے پھول جیسی مسکراہٹ میں کہا۔ "بخدا یہ خوشی کے آنسو تھے۔ یہی کچھ
نے پوچھا۔ آپ سے قبل مجھے آپ سے یہ سوال کرنا چاہیے تھا۔ اس لیے کہ آپ کے مجھ

پر احسانات ہیں اور پھر میرے اور آپ کے درمیان بہ جو چاہت کا رشتہ ہے اس
کی ابتدا آپ کی نسبت میری طرف سے پہلے ہوئی تھی۔

سیریا خاموش ہو گئی۔ اس کے چہرے پر اب خوشی و اطمینان کے صد جام
چھلک گئے تھے۔ اس کی آنکھوں میں اب پھول کی گہرائیوں سے اُٹھتی خوشبو جیسی
کیفیت اُبھرتی رہی۔ وہ پھول آتے سیب کے درختوں، کونپلیں پھوٹتے چناروں اور
سورج کی شعاعوں میں رنگین بادلوں جیسی پرسکون و راحت خیز ہو گئی تھی۔

تھوڑی دیر تک دونوں تنہائی کی سرشار کیفیتوں میں کھوئے رہے پھر عدیم نے
کہا۔ "سیریا! سیریا! میں تمہیں اور تمہاری ذات کے ہر اوصاف کو پسند کرتا ہوں۔ تم
میرے لیے سیب کا وہ بیج ہو جو اپنی ذات میں خود ایک پوشیدہ باغ ہے۔ کاش ——"
سیریا نے تاروں پر پڑتی مضراب جیسی آواز میں کہا۔ "آپ رُک کیوں گئے۔ کہیے
کیا کہنے والے تھے آپ۔ صرف کاش کہہ کر آپ نے تاسف کا اظہار کیوں کیا؟"

عدیم نے نغموں کی متلاشی آواز میں کہا۔ "میں یہ کہنے والا تھا کہ کاش حالات ایسے
ہوتے کہ میں تمہیں اپنے ساتھ لے جا سکتا۔ اب ہم دونوں سکون کو تلاش کرتے دو اجنبی
نہیں بلکہ ہمارے درمیان لامتناہی اور غیر مختتم چاہت کا رشتہ ہے۔ یہاں سے جانے کے
بعد تمہاری شہد سے میٹھی باتیں، طلسم کے کیف و نزہت جیسی شیریں یادیں مجھے اُداس
اور بے قرار کریں گی۔"

سیریا بے چاری نے کپکپاتی آواز میں کہا۔ "میری آپ سے التجا ہے کہ اجنبی دیسوں
میں جا کر مجھے بھول نہ جائیے گا۔ آپ کی بے رُخی میرے جسم کو لرزاں اور میری قوتوں کو
مضمحل کر دے گی۔"

عدیم نے کہا۔ "سیریا! سیریا! میں کیوں کر تمہیں بھول سکتا ہوں ——" عدیم
خاموش ہو گیا۔ کیوں کہ اندریاس، سابور اور انیفہ ان کی طرف آ رہے تھے۔ قریب آ کر انیفہ
نے عدیم کے گھوڑے کی خرجین میں خشک پھل، روغنِ زیتون، سرکہ ملی ترکاری اور جوار
کی روٹیاں ڈال دیں۔ پھر عدیم نے باری باری اندریاس اور سابور سے مصافحہ کیا پھر وہ

اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور وہاں سے کوچ کر گیا تھا۔

○

شیبانی قبائل کا سردار ہانی، اس کی بیوی حذیفہ، ان کے دونوں بچے عدیم اور
اور حذیفہ کی ماں نیابوث اپنی حویلی کے اندر لگے پھل دار درختوں کے نیچے بیٹھے ہوئے
کہ کسی نے حویلی کے دروازے پر دستک دی۔ ہانی اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا۔ میں دیکھتا ہوں
ہے۔" حذیفہ بھی اس کے ساتھ اُٹھ کر دروازے کی طرف چل دی تھی۔

ہانی نے جب حویلی کا دروازہ کھولا تو وہاں ترمید اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے کھڑا
تھا۔ حذیفہ دروازے کی اوٹ میں ہو کر کھڑی ہو گئی تھی۔ صرف ایک لمحہ کو ہانی نے
سے ترمید کی طرف دیکھا پھر وہ کچھ کہنے والا تھا کہ ترمید نے خود ہی بولتے ہوئے کہا۔"اگر
میں غلطی پر نہیں تو آپ شیبانی قبائل کے سردار ہانی ہیں۔"

ہانی کے مسکراتے ہوئے کہا۔" آپ کا اندازہ درست ہے، میں ہی ہانی ہوں"

ترمید نے ایک جستجو، ایک تجسّس میں کہا۔" میں نہیں جانتا جس امر کے لیے
یہاں آیا ہوں۔ اس کے لیے آپ مجھے کوئی امید افزا اطلاع دے سکیں گے یا نہیں۔ بہرحال
میں نا اُمید نہیں ہوں۔ میں آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ کے پاس کوئی
عورت آئی ہے جو اپنے کسی بیٹے کو تلاش کرتی پھرتی ہو"۔

دروازے کے پیچھے کھڑی حذیفہ کا دِل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔ ہانی نے
دِل چسپی لیتے ہوئے پوچھا۔" کیا آپ اس عورت کا نام بتا سکیں گے اور پھر اس سے آپ
کا کیا رشتہ ہے"۔

ترمید نے کہا۔" اس عورت کا نام نیابوث ہے۔ میں بنو سلیم سے آیا ہوں۔ میرا
نام ترمید بن لابان ہے۔ میں اس عورت کا بیٹا اور وہ میری ماں ہے"۔

قبل اس کے ہانی آگے بڑھ کر ترمید سے مصافحہ کرتا یا اُسے گلے لگاتا حذیفہ
کر ترمید سے لپٹ گئی اور وہ اس کے گال، آنکھیں اور پیشانی چومنے لگی تھی۔
حذیفہ کی اس حرکت پر ترمید سوالیہ انداز میں پریشانی سے ہانی کی طرف دیکھ

ہانی نے گہری مسکراہٹ میں کہا۔" یہ میری بیوی اور آپ کی بچھڑی ہوئی بہن
حذیفہ ہے"۔

ترمید کے چہرے پر بے انت خوشی کے جذبے بکھر گئے اس نے حذیفہ کو اپنے
ساتھ لپٹا لیا اور وہ اس کا سَر اور پیشانی چوم رہا تھا۔

ہانی نے زور زور سے چلّا کر نیابوث کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔" ماں! جلدی
دروازے پر آؤ۔ دیکھو تو ترمید آیا ہے"۔

ترمید کا سن کر نیابوث خوشی میں ایسی ہو گئی کہ وہ جُوتا پہنے بغیر ننگے پاؤں حویلی
کے صدر دروازے کی طرف بھاگی۔ آتے ہی اس نے ترمید کو بُری طرح لپٹا لیا اور
چومنے لگی۔ حذیفہ کے دونوں بچے بھی بھاگتے ہوئے وہاں آگئے تھے۔

ترمید سے علیحدہ ہوتے ہوئے نیابوث نے اس کی پیشانی چوم کر پیار سے پوچھا
"میرے بچّے! کیا تجھے تیرے بھائی عدیم اور یوعام بھی کہیں ملے"۔

ترمید نے دُکھ میں کہا۔" وہ مجھے کہیں نہیں ملے ماں! نہ جانے وقت کے ظالم
ہاتھوں نے انہیں کہاں پھینک دیا ہے"۔

نیابوث اُداس ہو گئی اور ایک پریشان کُن آہ بھرتے ہوئے اس نے کہا۔
"وقت کیسا ظالم ہے کہ میں نے تنکا تنکا کر کے جو ایک آشیانہ بنایا تھا وہ تیز ہواؤں
سے بکھر کر رہ گیا۔ پر شکر خدائے عظیم کا کہ میں اپنے بکھرے ہوئے آشیانے کے آدھے
تنکے چننے میں کامیاب ہو گئی ہوں۔ میرا دِل کہتا ہے مہربان و رحیم خدا مرنے سے پہلے مجھے
عدیم اور یوعام سے بھی ملا دے گا"۔

پھر نیابوث سنبھلی اور اپنے قریب کھڑی حذیفہ کے دونوں بچّوں کی طرف اشارہ
کرتے ہوئے اس نے کہا۔" ان سے ملو بیٹے! یہ تمہاری بہن حذیفہ کے بیٹے ہیں۔ ان
میں بڑے کا نام عدیم اور چھوٹے کا نام لابان ہے"۔

ترمید وہیں بیٹھ کر عدیم اور لابان کو پیار کرنے لگا تھا جب کہ ہانی کے اشارے
پر ایک خادم ترمید کے گھوڑے کو اصطبل کی طرف لے جا رہا تھا۔

حذیفہ نے پیار سے ترمید کا ہاتھ پکڑا اور اسے دیوان خانے کی طرف
ہوئے اس نے کہا۔ ” اے میرے عزیز بھائی! اب تم اور ماں ہمیشہ کے لیے
پاس رہو گے “۔

ترمید نے کہا۔ ” اے میری محترم بہن! میں تو ماں کو تلاش کرنے آیا تھا
خوش بختی کہ میری بہن بھی مجھے مل گئی ہے۔ اب میں تم دونوں کو لے کر بنو سلیم
گا۔ وہاں میں نے بنو سلیم کے سردار عباس بن مرداس کی بیٹی رمیتا سے شادی
ہے۔ وہ تم دونوں کو دیکھ کر بہت خوش ہو گی۔ اے میری بہن! تم عدیم اور
دونوں بچوں کے ساتھ چند یوم کے لیے وہاں چلنا پھر اپنے گھر لوٹ آنا۔ میں خوش
میری بہن نے اپنا گھر آباد کر لیا ہے “۔

سب دیوان خانے میں آ کر بیٹھ گئے پھر ترمید انہیں شروع سے لے کر
تک اپنے واقعات تفصیل سے سُنا رہا تھا۔

ترمید نے دو روز تک شیبانی قبائل میں ہانی کے ہاں قیام کیا۔ تیسرے روز
وہ اپنی ماں، بہن اور دونوں بھانجوں عدیم اور لابان کو لے کر بنو سلیم کی طرف
کر گیا تھا۔ شام کے قریب وہ سب کے ساتھ اپنے آبائی گاؤں میں داخل ہوا۔

جرام اور عشطانہ دوبارہ نیا بوث کو اپنے گھر دیکھ کر خوشی میں پھولے
رہے تھے۔ عشطانہ بے چاری بھاگ کر نیا بوث سے لپٹ گئی تھی اور جب ترمید
نے حذیفہ اور اس کے بچوں کا تعارف کرایا تو عشطانہ بھاگ کر حذیفہ سے لپٹ گئی
جرام دونوں بچوں کو پیار کرنے لگا تھا۔

عین اُسی وقت ترمید کی بیوی رمیتا بھاگتی ہوئی وہاں آئی اور ترمید کو دیکھ
اس نے پیار سے پوچھا۔ ” آپ کیسے ہیں۔ مجھے ابھی ابھی بستی کی ایک عورت نے
کی تھی کہ آپ آگئے ہیں۔ بابا بھی میرے ساتھ آنے لگے تھے پر میں انہیں یہ کہہ کر
آئی ہوں کہ میں سب کو ساتھ لے کر آتی ہوں “۔

ترمید نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ” یہاں سے ہو کر ہم سب

نے والے تھے۔ رمیتا! رمیتا! میری خوش بختی دیکھو، میں وہاں اپنی ماں کو لینے
کہ میری کھوئی ہوئی بہن بھی مجھے مل گئی۔ یہ میری بہن حذیفہ اور اس کے دونوں
بچے ہیں اور وہ میری ماں نیا بوث ہیں “۔

پھر نیا بوث اور حذیفہ کی طرف دیکھتے ہوئے ترمید نے کہا۔ ” یہ میری بیوی
بیٹا ہے “۔

رمیتا بے چاری خود بھاگ کر آگے بڑھی۔ باری باری وہ نیا بوث اور حذیفہ سے
۔ دونوں بچوں کو پیار کیا۔ پھر وہ ترمید، نیا بوث، حذیفہ، عدیم، لابان، جرام
عشطانہ سب کو اپنی حویلی کی طرف لے جا رہی تھی۔

حذیفہ نے اپنے دونوں بچوں کے ایک ماہ تک بنو سلیم میں اپنے بھائی اور
اں کے ساتھ قیام کیا پھر وہ بچوں کو لے کر واپس ہانی کے پاس چلی گئی تھی۔

بہار کا موسم تھا۔ صحرا کی تیز ہوائیں نغمہ شرر فشاں الاپتی، نغمگی بکھیرتی اور ننھی
اُڑاتی ہوئی بستیوں کا رُخ کر رہی تھیں۔ سورج غروب ہونے کو جھک رہا تھا۔ لمحات
کی بھوکی نگاہیں ان چرواہوں کو رشک و حسد کی نگاہ سے دیکھ رہی تھیں جو کسی ہم
زدہ کی طرح سمن زاروں کے پُرکشش گیت گاتے ہوئے بستیوں میں داخل ہو رہے
تھے۔ فضاؤں کے اندر سورج کے بکھرتے پھیلتے رنگوں نے ایک حلقۂ تنویر باندھ
کر رکھ دیا تھا۔ ایسے میں عدیم نجف کی جھیل کے کنارے حیرہ[1] شہر میں داخل ہوا تو
اچانک عدیم نے اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچ کر اسے روک دیا۔ کسی نے اسے
پکارا تھا۔ ” رمینس ! رمینس ! میرے عزیز، میرے دوست، میرے بھائی رُک جاؤ

[1] لخمی بادشاہوں کا قدیم شہر۔ بعد میں ایران نے ان بادشاہوں کو اپنا باجگزار بنا لیا۔
شہر کو خالد بن ولیدؓ نے فتح کیا۔ حیرہ کے لوگ فنِ کتابت کے ماہر تھے۔ عرب میں
کتابت یہیں سے پھیلا۔ رفتہ رفتہ اس شہر کی اہمیت کم ہوتی گئی اور یہ کھنڈر
شکار ہو گیا۔ آج کل اس شہر کے محلِ وقوع پر ایک چراگاہ ہے۔ جہاں (باقی صفحہ

عدیم کے ادراک کی پیشانی چمک اُٹھی۔ اس نے محسوس کیا کہ ذہن کے دھندلکوں
آواز اس نے پہلے بھی سُن رکھی ہے۔ اس نے جب مُڑ کر دیکھا تو ذرا فاصلے پر اس
بھائی یوعام کھڑا اسے پکار رہا تھا۔
عدیم کے رُک جانے پر یوعام اپنا گھوڑا بھگاتا ہوا اس طرف آیا۔ اسے دیکھتے
عدیم اپنے گھوڑے سے اُتر گیا۔ قریب آ کر یوعام بھی اپنے گھوڑے سے اُتر گیا اور
بڑھ کر عدیم سے بغلگیر ہو گیا۔ پھر یوعام نے علیحدہ ہوتے ہوئے کہا۔ اے میرے عزیز!
تجھے حیرہ شہر میں دیکھ کر دنگ ہی رہ گیا تھا۔ پہلی نظر میں تو تمہیں میں پہچان ہی نہ
سکا تھا اور کچھ دیر تک تمہیں پکارنے کی ہمت نہ کر سکا۔ آخر میں تمہیں آواز دینے
میں کامیاب ہو ہی گیا۔“
عدیم نے بھی اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ” تم نے تو کہا تھا کہ تم
بعلبک شہر کے رہنے والے ہو اور یہاں تم حیرہ شہر میں کس لیے ؟“
یوعام نے کہا۔ ” ہم نے احتیاطاً بعلبک شہر چھوڑ دیا ہے اور یہاں حیرہ شہر میں
مکان خرید کر یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی ہے۔ میں نے شادی بھی کر لی ہے
میرے ساتھ میری بیوی اور اس کا باپ رہتے ہیں۔ میری بیوی کا نام نباطہ اور اس
کے باپ کا نام ناتان ہے۔ دونوں پہلے یہودی تھے لیکن میرے تبلیغ کرنے پر ان
دونوں نے بھی اسلام قبول کر لیا ہے۔ آؤ میرے ساتھ گھر۔ میں ان سے تمہاری بہت
تعریف کرتا رہا ہوں۔ وہ دونوں باپ بیٹی تمہیں دیکھ کر خوش ہوں گے“۔
عدیم نے کہا۔ ” میں حیرہ شہر میں کسی سرائے میں قیام کرنے کے ارادہ سے
آیا ہوا تھا۔ ٹھہرو! مجھے کسی سرائے میں اپنے لیے جگہ حاصل کر لینے دو۔ پھر میں
تمہارے ساتھ چلتا ہوں“۔
یوعام نے کہا۔ ” رمینس ! رمینس ! تم میرے محسن، میرے دوست اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۸) پست ٹیلے اور ٹھیکروں کے ڈھیر اس کے ماضی کی یاد دلاتے ہیں۔

میرے بھائی کی جگہ ہو۔ میرے یہاں ہوتے ہوئے تم کسی سرائے میں کیوں قیام کروگے میرے ساتھ گھر۔ وہاں بیٹھ کر تفصیل سے گفتگو ہوگی۔" عدیم خاموشی سے اس کے ساتھ ہو لیا۔

جھیل نجف کے کنارے ایک مکان کے سامنے رکتے ہوئے یوعام نے دروازے پر دستک دی اور عدیم سے کہا۔" رمینس! میرے بھائی! یہ میرا گھر ہے تم میرے بھائی کی جگہ ہو جب چاہو تم یہاں آکر قیام کر سکتے ہو——— یوعام خاموش ہو گیا کیوں کہ دروازہ کھل گیا تھا۔

دروازہ ناتان نے کھولا تھا اور اس کے پیچھے اس کی بیٹی اور یوعام کی بیوی بھی کھڑی تھی۔

یوعام نے گہری خوشی میں ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔" میں اپنے ساتھ اپنے سب سے بڑے محسن کو لے کر آیا ہوں۔ بوجھو یہ کون ہو سکتے ہیں"۔

نباط نے گہری خوشی میں کہا۔ اگر یہ آپ کے سب سے بڑے محسن ہیں تو یہ رمینس بن اندریاس ہی ہو سکتے ہیں۔ جنہیں آپ اپنا سب سے بڑا محسن قرار دیتے ہیں۔ جنہوں نے زنداں سے نکال کر آپ کی جان بچائی اور جن کی آپ ہر وقت تعریف کرتے رہتے ہیں۔"

گہری خوشی میں یوعام نے کہا۔" بخدا تم نے خوب پہچانا۔ یہ رمینس اندریاس ہی ہیں۔"

نباط نے حیرت سے پوچھا۔" پر آپ تو اس فیروز نامی شخص کے ساتھ جانے کے لیے گھر سے رخصت ہو کر گئے تھے اور———

یوعام نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔" یہ بات میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔ ذرا دیوان خانے کا دروازہ کھولو اور کھانا تیار کرو۔"

نباط نے فوراً دیوان خانے کا دروازہ کھول دیا۔ پھر دونوں گھوڑے اس نے صحن میں ایک طرف باندھا اور کھانا تیار کرنے لگی۔ یوعام اور ناتان دونوں

عدیم کو لے کر دیوان خانے میں آ گئے تھے۔

یوعام نے عدیم کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔ پہلے آپ مجھے قسطنطنیہ سے بھاگنے اور حیرہ شہر کی طرف آنے کے حالات بتائیں۔ پھر میں آپ سے کوئی گفتگو کرتا ہوں"۔

جواب میں عدیم نے قسطنطنیہ سے بھاگنے۔ ہرکولیس کے تعاقب کرنے والے سپاہیوں سے نمٹنے، اپنے زخمی اور بیمار ہونے، دریائے اباناکے کنارے ماہی گیر عربوں کے ہاں پناہ لینے اور احتیاطاً سیریا اور اندریاس کو بھی وہاں بلا لینے کے حالات مفصل بیان کر ڈالے۔

عدیم جب خاموش ہوا تو یوعام نے پوچھا۔" اب آپ اپنے باپ اندریاس اور منسوبہ سیریا کو دریائے اباناکے کنارے ماہی گیروں کی بستی میں چھوڑ کر حیرہ شہر کی طرف کس غرض سے آئے ہیں"؛

عدیم نے کہا۔" اب میرا ارادہ مدائن جاکر قسمت آزمانے کا ہے۔ میں حیرہ میں اس غرض سے داخل ہوا تھا کہ یہاں کسی سرائے میں رُک کر ایک رات آرام کروں گا پھر مدائن کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔"

یوعام نے تنبیہہ کرنے کے انداز میں کہا۔" مدائن جاکر قسمت آزمائی کرنا فضول اور خطرناک ہے۔ میں نے بھی یہی ارادہ کیا تھا اور میں وہاں سے ہو کر بھی آیا ہوں۔ وہاں کے حالات ابتر اور پراگندہ ہیں۔

سنو! ایران پر پہلے خسرو پرویز کی ایک بیٹی بوران دخت حکمران تھی۔ یہ جب مر گئی تو اس کی جگہ خسرو سوم کے بھائی گشتاسپ کو ایران کا بادشاہ بنایا گیا۔ چند ماہ بعد اسے بھی نااہل جان کر تخت سے اتار دیا گیا۔ پھر خسرو پرویز کی دوسری بیٹی اور بوران دخت کی بہن آزرمی دخت تخت نشین ہوئی۔ یہ انتہائی حسین و جمیل تھی۔ اس کے حسن سے متاثر ہو کر اس کے خراسان کے گورنر فرخ ہرمز نے اسے شادی کی دعوت دی۔

آزرمی دخت نے اسے لکھ بھیجا۔" کہ تخت نشین ہونے سے پہلے اگر شادی کی

درخواست کی جاتی تو ضرور قبول کر لی جاتی لیکن اب ملکہ بننے کے بعد رعایا کے کسی فرد کے ساتھ شادی کرنا نامناسب ہے۔"

ساتھ ہی امورِ سلطنت سے متعلق مشورہ کرنے کے لیے اس نے فرخ ہرمز کو مدائن آنے کی دعوت دی۔ فرخ ہرمز جب مدائن آیا تو آزرمی دخت نے اسے قتل کرا دیا۔

فرخ ہرمز کے بعد اس کا بیٹا رستم خراسان کا گورنر مقرر ہوا لیکن باپ کے قتل سے وہ بڑا بے چین تھا۔ آخر اس نے خراسان میں ایک جرار لشکر ترتیب دے کر مدائن پر حملہ کر دیا۔ آزرمی دخت نے مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی۔ رستم نے اسے گرفتار کر کے پہلے اندھا کیا بعد میں اسے قتل کرا دیا۔

اب ایران میں ابتری ہے اور ایک شخص ہرمز پنجم کے نام سے برائے نام بادشاہ ہے۔ ان حالات میں مدائن جا کر قسمت آزمائی کرنا اپنے آپ کو خطرات میں ڈالنے کے مترادف ہے۔"

عدیم کی گردن جھک گئی اور وہ گہری سوچوں میں کھو گیا۔ یوعام نے اسے تسلّی و تشفّی دینے کے انداز میں کہا "تم فکرمند اور پریشان نہ ہو میرے عزیز۔ میں تمہیں ایک دوسرا راستہ بتاتا ہوں۔ سنو! مجھے مدائن سے لوٹتے ہوئے ابھی چند روز ہوئے ہیں۔ اس دوران میری ملاقات فیروز نام کے ایک شخص سے ہوئی جو آج کل وقت حیرہ شہر میں اپنے ایک عزیز کے ہاں ٹھہرا ہوا ہے۔

سنو! تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں ایک شخص اسود عنسی نے نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا ہے۔ بہت سے اور وہ لوگ جن کا ایمان ابھی راسخ نہ ہوا تھا اس جھوٹے نبی کے ساتھ ہو لیے۔ اس نے ایک جرار لشکر تیار کیا اور یمن کے مرکزی شہر صنعاء سے لے کر طائف تک سارے علاقے پر قبضہ کر کے آگ اور خون کا کھیل شروع کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ایک شخص باذام کو یمن کا حاکم مقرر

کیا۔ باذام کی موت پر اس کے بیٹے شہر بن باذام اور کچھ دیگر لوگوں کو یمن کے مختلف علاقوں پر مقرر کیا اور ایک بزرگ صحابی حضرت معاذؓ کو یمن اور حضرموت سارے علاقے کا معلم مقرر کیا۔

اس جھوٹے نبی اسود عنسی نے یمن کے عامل شہر بن باذام کو قتل کر دیا اور حضرت معاذؓ کو یمن سے نکال کر سارے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ ساتھ ہی اس نے شہر بن باذام کی بیوی سے شادی کر کے ایک شخص قیس بن عبد یغوث کو اپنے عساکر کا سپہ سالار اور شہر بن باذام کی بیوی کے چچا زاد بھائی فیروز کو انبار اور اس کے گرد و نواح کے علاقوں کا والی مقرر کر دیا۔ یہی فیروز آج کل حیرہ شہر میں اپنے ایک عزیز کے ہاں ٹھہرا ہوا ہے۔ میں اسی سے ملنے جا رہا تھا کہ تم راستے میں مجھے مل گئے۔

فیروز اور میری ملاقات ایک روز جھیل نجف کے کنارے ہوئی تھی۔ میں نے اسے چند مچھلیاں پکڑ کر دی تھیں جس کے باعث وہ خوش ہوا اور میرا حال دریافت کیا۔ میں نے اسے اپنے سارے حالات تفصیل سے بیان کر دیئے اور اس نے مجھے اپنے ساتھ جانے کی دعوت دی جسے میں نے قبول کر لیا۔ فیروز پہلے اسود عنسی کو نبی مانتا تھا۔ اب اس کا توبہ کر کر دوبارہ پکا مسلمان ہو گیا ہے۔ وہ جھوٹے نبی اسود عنسی کو قتل کرنا چاہتا ہے اور اس کے لیے اسے چند قابلِ اعتماد اور بے مثل تیغ زنوں کی ضرورت ہے۔

رمنیس! رمنیس! تم بھی میرے ساتھ چلو، میں تمہاری کارگزاریاں فیروز سے بیان کروں گا۔ وہ تمہیں دیکھ کر خوش ہوگا اور تمہیں اپنے ساتھ لے جانے پر آمادہ ہو جائے گا۔

فیروز ایک اونٹ کی طرح قد آور اور طاقتور جوان تھا۔ اسود عنسی سے متنفر ہونے اور اسے قتل کرنے کی اس کے پاس تین وجوہات تھیں۔ اوّلاً اس نے توبہ کر کے اسود عنسی کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ ثانیاً اسود نے شہر بن باذام کو قتل کر کے اس کی بیوی سے زبردستی شادی کر لی تھی جو فیروز کی عم زاد تھی اور ثالثاً شہر بن باذام کے قتل نے اسود کے خلاف اس کے دل میں نفرت پیدا کر دی تھی۔

عدیم نے چھاتی تانتے ہوئے کہا۔ "یوعام! میرے دوست! میں مدائن جانے ترک کرتا ہوں۔ اس جھوٹے نبی اسود عنسی کو قتل کرنے میں اپنے دِل و جان سے کا ساتھ دوں گا۔"

یوعام نے کہا۔ "رمنیس! میرے دوست! میں نے اپنے دِل میں ایک ارادہ بھی کر رکھا ہے۔ میری خواہش ہے۔ اسود عنسی سے نمٹنے کے بعد میں مدینۃ النبی رُخ کروں گا اور وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے ملاقات حاصل کروں گا۔"

عدیم نے گہری مسکراہٹ اور خوشی میں کہا۔ "اسود عنسی سے فارغ ہو کر بھی تمہارے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دینے کے لیے النبیؐ جاؤں گا۔"

یوعام نے مسرت اور اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "فیروز تو آج ہی یمن کی طرف کوچ کر رہا ہے کیا تم اس کوچ میں اس کا ساتھ دے سکو گے۔"

عدیم اُٹھ کھڑا ہُوا اور کہا۔ "بخدا تمہاری اس گفتگو پر میں تازہ دم ہو گیا ہوں اُٹھو ابھی اور اسی وقت فیروز کی طرف چلیں۔ ایسا نہ ہو۔ ہم یہیں بیٹھے رہیں اور وہ طرف کوچ کر جائے۔"

یوعام نے کہا۔ "تم فکر مند نہ ہو۔ وہ اکیلا نہ جائے گا۔ میرا انتظار کرے گا بیوی کھانا لانے والی ہوگی۔ پہلے سکون میں بیٹھ کر کھانا کھاؤ پھر فیروز کی طرف جاتے ہیں"

عدیم نے کھڑے ہی کھڑے کہا۔ "واللہ! تمہاری گفتگو سُن کر میری بھوک ہے۔ چلو اپنے گھوڑے نکالتے ہیں۔ اتنی دیر تک اگر کھانا تیار ہو گیا تو کھانا لے جائیں گے اور جب بھوک لگی کھا لیں گے۔

عدیم، یوعام اور ناتان تینوں اُٹھ کر دیوان خانے سے باہر آئے۔ یوعام جب اپنے گھوڑے کھول کر صدر دروازے کے پاس آئے تو نباط کھانے ان دونوں کو کوچ کرتے دیکھ کر نباط نے یوعام سے پوچھا۔ "مجھے کھانا تیار کرنے

دونوں کہاں جا رہے ہیں۔"

یوعام نے کہا۔ "عدیم بھی میرے ساتھ فیروز کے ساتھ جانے پر آمادہ ہو گیا ہے جانے کے لیے بے تاب ہے کہ کہیں فیروز اکیلا یہاں سے چلا ہی نہ جائے۔"

نباط نے اس بار براہِ راست عدیم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اے میرے آپ تو میرے شوہر کے محسن ہیں کیا آپ یہاں قیام نہ کریں گے؟"

عدیم نے کہا۔ اے میری بہن جس کام کے لیے میں اور یوعام یہاں سے رخصت ہے ہیں وہ بے حد اہم اور مقدس فریضہ ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں پھر کبھی ام کے ساتھ آؤں گا اور یہاں ضرور رکوں گا۔"

نباط نے کہا۔ "اور یہ کھانے کی چیزیں، ان کا کیا بنے گا؟"

عدیم نے کہا۔ "میری بہن! یہ میرے گھوڑے کی خرجین میں ڈال دو۔ میں نے میں کھا لوں گا۔"

نباط نے آگے بڑھ کر کھانے کی ساری چیزیں عدیم کے گھوڑے کی خرجین میں ڈال دیں اور یوعام دونوں اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور وہاں سے کوچ کر گئے۔

جھیل نجف کے جنوبی کنارے پر ایک حویلی کے سامنے عدیم اور یوعام اپنے گھوڑوں اتر گئے۔ پھر یوعام نے عدیم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "عدیم! میرے دوست! تم یں فیروز سے ملتا ہوں اور اس سے تمہارے احوال بھی کہتا ہوں۔"

یوعام حویلی کے اندر چلا گیا جب کہ عدیم وہیں دونوں گھوڑوں کے پاس کھڑا رہا فی دیر تک وہاں کھڑے ہو کر عدیم کو انتظار کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ یوعام حویلی سے دکھائی دیا۔ اس کے ساتھ ایک ایسا جوان بھی تھا جو اُونٹ کی طرح قد آور جسم اور مضبوط اعضا کا مالک تھا۔

قریب آ کر اس جوان نے پُرجوش انداز میں عدیم سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ فیروز ہے۔ تمہارے پورے حالات یوعام مجھے سُنا چکا ہے۔ بخدا میں سمجھتا قدرت نے حیرا شہر میں مجھے تمہاری خاطر ہی روک رکھا تھا۔ مجھے کسی تمہارے

جیسے جوان ہی کی ضرورت تھی جو تیغ زنی کے حق میں یکتائے روزگار ہو"۔

فیروز کہہ رہا تھا تم اسود عنسی کو ختم کرنے کے سلسلے میں میرا ساتھ دینے کا اقرار کر چکے ہو"۔

عدیم نے کہا۔" اسود عنسی جیسے جھوٹے نبی کو خاتمہ کرنے کے لیے میں اپنی جان بھی قربان کر سکتا ہوں ۔ مَیں ایک مسلمان ہوں اور اپنے مذہب و ملت کے لیے اپنے خون کا آخری قطرہ بھی پیش کرنے کو تیار ہوں "۔

فیروز نے اس بار قدرے اُداس لہجے میں کہا۔" مَیں اسود عنسی کے ساتھ رہا ہوں اور اسے خوب اچھی طرح جانتا ہوں ۔ اسے قتل کرنا اتنا آسان کام نہیں ۔ سنو اے اجنبی دوست ! اسود عنسی کے پاس شیطان کا ایک معاون جن ہے جو اسود کو بر وقت ہر خطرے سے آگاہ کر دیتا ہے اور اُسے ایسے مشورے دیتا ہے کہ اسود عنسی ہر معاملے میں کامیاب ہو جاتا ہے ۔ ایسا لگتا ہے گویا شیطان نے اسلام کے خلاف ایک محاذ کھڑا کر لیا ہو"۔

عدیم نے ایک عزم کے ساتھ کہا۔" کچھ بھی ہو ہم اسود عنسی کے جسم کی سرکش اور ... عمارت کو ضرور گرائیں گے ۔ اسے اس کے جبر و خون میں نہلا کر اسے گدھوں کی الم پسند ... کا شکار کر دیں گے ۔ اسود عنسی جو کچھ بھی ہے ہم اس سے ٹکرائیں گے ۔ اس کے جسم کی آلودگی اور رُوح کی بالیدگی سے اس ارض کو پاک کریں گے ۔ یاد رکھو ! جو زندگی کا ... ہوتا ہے موت اُسی کے مُنہ پر طمانچہ مارتی ہے ۔

کیا یہ امر ہی ہمارے لیے خوشی اور اطمینان کا باعث نہیں ہے کہ ہم ... واحد کے ماننے والے اور اس کے آخری نبیؐ پر ایمان رکھنے والے ہیں۔ ہمارے نبیؐ ... یہ رحمتوں کے نزول کی وجہ ، رس بھری ہواؤں کی سنک ، کلیوں کا رنگ ، رس بھری ... اور رنگین سحر کی لہلہاہٹ ہیں ۔ وہ ہمارے لیے صبحِ الست میں ایک خاموش معجزہ ... کی جبیں کی چمک ہیں ۔

کیا ہمارے نبیؐ وہی نہیں ہیں جن کے ہاتھوں قدرت اعجاز نفس عیسیٰ ... تکمیل لکھ رہی ہے ۔ پھر ہم اسود عنسی اور اس کے ابلیس ساتھی سے کیوں خوف ...

... ہم اس پر وار دہوں گے تو وہ اپنے سارے فہم و ادراک اور دل کی گہرائیوں اور پنہائیوں ... بھول جائے گا ۔

فیروز نے اس بار گہری مسکراہٹ میں کہا۔" اے مہربان اجنبی ! تُو نے ایسی گفتگو کی ہے کہ میرے غم کو خوشی اور میری بدبختی کو خوش بختی میں بدل دیا ہے ۔ تیرے لہجے کی شیرینی میں ... اور تبسم کی نرمی میں پُرانے وقتوں کے کسی بوڑھے برگد جیسا سکون اور سحر یزداں جیسی لوچ ... اللہ سکون ہے ۔

بخدا تو نے میرے دل کو مضبوط اور میرے غم کو رخصت کر دیا ہے ۔ تُو نے مجھے خود شناسی اور خود آگہی دی ہے ۔ اب مَیں اپنے آپ کو اس قابل سمجھتا ہوں کہ خطرات کے ہجوم میں کھڑے ہو کر اسود عنسی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال سکوں ۔ اے مہربان دوست تو میرے لیے شب کے اندھیروں میں ایک منوّر جگنو اور گھنی آندھیوں میں نقّارہ نقیب کی صداقت ثابت ہوا ہے ۔ خدا تیرے شعلۂ حُسن ' احساس اور ذوقِ جمال و جلال کو الفاظ کے آئینوں جیسی تابانی دے ۔ اب دیکھ تیری معیت میں کیسے مَیں اسود عنسی کو اس کی اپنی ہی ذات کی اندھی گپھاؤں میں دفن کرتا ہوں ۔

اتنی دیر تک حویلی کے اندر سے ایک خادم فیروز کا گھوڑا لے آیا ۔ فیروز نے اس نے اپنے گھوڑے کی باگ لی اور عدیم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ۔" یوعام مجھے بتا رہا تھا کہ تم ابھی ابھی حیرہ شہر میں داخل ہوئے ہو ۔ تم ہمارے ساتھ سفر کرتے ہوئے تھکاوٹ محسوس تو نہ کرو گے ۔ ہماری منزل اب یمن ہے "۔

عدیم نے کہا ۔" آپ فکر نہ کریں ۔ مَیں تازہ دم ہوں ۔ یمن تو کیا اس سے بھی آگے آپ کا ساتھ دینے کو تیار ہوں "۔ تینوں اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور یمن کی طرف کوچ کر گئے تھے ۔

صنعا شہر میں فیروز عدیم اور یوعام کے ساتھ اپنی حویلی میں داخل ہوا ۔ عدیم اور یوعام کو دیوان خانے میں بٹھانے کے بعد جب وہ کھانے کا انتظام کرانے حویلی کے سکونتی

حقّے کی طرف جانے لگا۔ تو اس کا ایک خادم بھاگا بھاگا آیا اور اس نے کہا۔ "آقا! آپ بڑے دن لگا کر آئے۔ مدینۃ النبیؐ سے ایک شخص دبیر بن نخیس کئی روز سے آپ کا انتظار کر رہا ہے۔ اس کے پاس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نامہ مبارک بھی ہے۔

فیروز نے اپنے سر کو خم کرتے ہوئے کہا۔ "جو شخص حضورؐ کا نامہ مبارک لایا ہے وہ کہاں ہے؟"

اس خادم نے کہا۔ "آقا! تھوڑی دیر قبل تک وہ یہیں دیوان خانے میں ہی بیٹھا ہوا تھا۔ پر اب وہ کسی کام سے باہر گیا ہے اور حضورؐ کا خط میں نے اس سے لے کر سنبھال لیا ہے۔ وہ تھوڑی دیر تک لوٹ کر آئے گا۔"

فیروز نے کہا۔ "خط مجھے دے دو۔"

اس خادم نے اپنے عمامے کے پیچوں کے اندر سے ایک خط نکالا اور فیروز کو دے دیا۔ فیروز نے خط پڑھا۔ جس میں اسود عنسی کے خلاف کارروائی کے لیے تاکید کی گئی تھی۔ خط پڑھنے کے بعد فیروز نے اپنے اس خادم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "دیکھو میں ذرا قیس بن عبد یغوث کی طرف جاتا ہوں۔ تم دونوں مہمانوں کے کھانے کا انتظام کرو اور دیوان خانے کے ساتھ والا کمرہ ان دونوں کے لیے مخصوص کر دو۔ اس میں ان کے لیے بستر لگا دو۔ یہ دونوں اب اسی کمرے میں رہیں گے۔ ان کے آرام ان کی ہر آسائش کا خیال رکھنا کہ دونوں مجھے عزیز اور محترم ہیں۔ تینوں گھوڑوں کو بھی اصطبل میں باندھ کر ان کے چارے کا انتظام کر دو۔"

پھر فیروز نے مڑ کر عدیم اور یوعام کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں اسود عنسی کے سپہ سالار قیس بن عبد یغوث کی طرف جا رہا ہوں۔ اس سے میں نے کچھ پوچھنا ہے۔ میں بہت جلد لوٹ آؤں گا۔ میرے آنے تک تم دونوں کھانا کھا لینا۔" فیروز دوبارہ مڑا اور حویلی سے نکل گیا تھا۔

فیروز جب قیس بن عبد یغوث کی حویلی کے پاس گیا تو اس نے دیکھا وہ اپنی حویلی سے باہر کھڑا کسی سے گفتگو کر رہا تھا۔ فیروز کو دیکھتے ہی قیس نے اس شخص کو رخصت کر

دیا اور فیروز کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے خوش طبعی سے پوچھا۔ "کب لوٹے ہو جیرہ سے؟"

فیروز نے کہا۔ "ابھی ابھی لوٹا ہوں۔"

قیس نے کہا۔ "آؤ اندر بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔"

فیروز نے کہا۔ "نہیں میں جلدی میں ہوں اور ایک اہم معاملہ پر تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

قیس نے کہا۔ "تو پھر کہو۔"

فیروز نے حضورؐ کا خط قیس کو تھما دیا اور کہا۔ "پہلے یہ خط پڑھو۔"

قیس نے خط پڑھا پھر اس نے بڑی عقیدت مندی سے کہا۔ "بخدا میں حضورؐ کے اس خط پر عمل کرنے کو تیار ہوں۔ میں تو خود اسود عنسی سے نالاں اور بیزار ہوں۔"

فیروز نے کہا۔ "اگر ایسا ہے تو آؤ پھر اسود کے خلاف حرکت میں آئیں اور اس کا کام تمام کر دیں۔ دیکھو میں تائب ہو چکا ہوں اور اسود کو نبی ماننے سے انکار کر چکا ہوں۔ میں اپنے ساتھ جیرہ سے دو تیغ زن بھی لایا ہوں۔ ان میں سے ایک قسطنطنیہ میں گلیڈی ایٹر بھی رہا ہے وہ اس کام میں ہماری بڑی مدد کر سکتا ہے۔"

قیس نے کہا۔ "فیروز! تم اپنی حویلی میں واپس جاؤ۔ میں پہلے اس کے پاس جا کر حالات کا جائزہ لیتا ہوں اور اگر حالات درست ہوئے تو آج رات ہی ہم اسود کا کام تمام کر دیں گے۔ اسود سے مل کر میں سیدھا تمہاری حویلی کی طرف آؤں گا۔"

فیروز نے کہا۔ "اچھا تم اکیلے ہی جاؤ۔ پر جلدی لوٹنا کہ میں بڑی بے چینی سے تمہارا منتظر رہوں گا۔"

قیس نے کہا۔ "تم فکرمند نہ ہو۔ میں جلد تمہاری طرف آؤں گا۔" فیروز قیس سے حضورؐ کا خط لے کر لوٹ گیا جب کہ قیس اسود کی طرف جا رہا تھا۔

جب قیس اسود عنسی کے ہاں داخل ہوا تو اس نے دیکھا۔ اسود عنسی اس وقت اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔ قیس کو دیکھتے ہی اسود نے کہا۔ "سنتے ہو فرشتہ تمہارے متعلق کیا کہہ رہا ہے۔"

قیس نے پوچھا۔ "کیا کہتا ہے؟"

اسود نے کہا۔ "یہ کہتا ہے۔ "تم نے قیس کی عزت کی اور اس کا درجہ بڑھایا اور جب اس نے تمہارے مزاج میں پورا دخل حاصل کر لیا اور تمہاری طرح وہ معزز اور متمکن ہو گیا۔ وہ تمہارے دشمنوں سے جا ملا اور بدعہدی پر کمربستہ ہو گیا۔

اے اسود! تم فوراً اس کا سر قلم کر کے اس کا لباس اتار لو ورنہ ایک روز ایسا آئے گا کہ قیس خود تمہارا سر قلم کر کے تمہارا لباس اتار لے گا۔"

اس کے اس انکشاف پر قیس کچھ گھبرا اور بوکھلا سا گیا۔ تاہم وہ فوراً سنبھلا اور اسود کو مخاطب کر کے اس نے کہا۔

"اے اسود! تمہارا یہ شیطان دروغ بیانی کر رہا ہے۔ میرے دل میں آپ کی اس قدر عزت اور وقعت ہے کہ میں آپ کے متعلق اپنے دل میں کوئی ایسی بات نہیں لاتا۔" اس نے کہا۔

اسود نے کہا۔ "تم بھی کس قدر برے ہو۔ فرشتے کو شیطان کہتے ہو اور اسے جھٹلاتے ہو۔ بے شک فرشتے نے جو بات مجھ سے کہی وہ سچ ہے مگر میں سمجھتا ہوں تم اپنے کیے پر نادم ہو اور تائب ہو۔ لہٰذا میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ اب تم جاؤ۔"

اسود سے اور کچھ کہنے کے بجائے قیس فوراً وہاں سے نکل گیا۔

قیس سیدھا فیروز کی حویلی میں آیا۔ وہ عدیم اور یوعام کے ساتھ اپنے دیوان خانے میں بیٹھا تھا۔ تینوں کھانا کھا کر فارغ ہوئے تھے اور خادم کھانے کے خالی برتن اٹھا رہا تھا۔ فیروز نے پہلے قیس کا عدیم اور یوعام سے تعارف کرایا پھر اس نے پوچھا۔ "تم اسود سے ملے ہو؟"

جواب میں قیس نے وہ ساری گفتگو کہہ دی جو اسود سے ہوئی تھی۔ فیروز جواب میں کچھ کہنے والا تھا کہ اسود عنسی کا ایک محافظ وہاں آ گیا اور قیس سے اس نے کہا۔ "بادشاہ نے آپ کو فوراً بلایا ہے۔" (اسود اب بادشاہ کہلانے لگا تھا)

قیس نے اس محافظ سے کہا۔ "تم جاؤ میں ابھی آتا ہوں۔"

جب وہ محافظ چلا گیا تو قیس نے انتہائی مایوسی میں فیروز سے پوچھا۔ "اب بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہیے۔"

فیروز نے پرسکون انداز میں کہا۔ "قیس! قیس! گھبراؤ نہیں۔ اس بار میں اور میرے دونوں ساتھی بھی تمہارے ساتھ چلتے ہیں۔ اسود تم پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔"

پھر فیروز نے برتن اٹھانے والے اپنے خادم سے کہا۔ "میرے دس محافظوں کو بھی یہاں بھیج دو۔"

تھوڑی دیر تک دس محافظ بھی وہاں آ گئے۔ ان کا تعلق بنو مذحج اور بنو ہمدان سے تھا۔ پھر فیروز نے قیس سے کہا۔ "اب اٹھو اسود کے پاس چلیں۔

تم محافظوں کے ساتھ اسود سے گفتگو کرنا۔ میں اس کی بیوی سے بات کروں گا کہ وہ میری عم زاد ہے۔ میری رازدار اور غمگسار ہے۔ وہ بھی اسود سے نالاں ہے اور اس کے قتل میں میری مدد کر سکتی ہے۔"

قیس اٹھ کھڑا ہوا اور فیروز، عدیم، یوعام اور دس محافظوں کے ساتھ وہ اسود کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

اسود کی محل نما حویلی کے باہر کھڑے پہریداروں نے عدیم اور یوعام کے علاوہ فیروز کے دس محافظوں کو باہر ہی روکنا چاہا لیکن فیروز نے ڈانٹ کر کہا۔ "انہیں ہمارے ساتھ آنے دو کہ یہ میرے ذاتی محافظ ہیں۔ کیا تم جانتے نہیں کہ ہم اسود کے وفاداروں میں سے ہیں۔"

پہریدار شرمندہ سے ہو گئے اور سب کو اندر جانے کی اجازت دے دی۔ فیروز سیدھا دیوان خانے کی طرف بڑھا۔ اندر اسود عنسی بیٹھا ہوا تھا اور دیوان خانے کے باہر اور اندر اس کے محافظ ہاتھوں میں ننگی تلواریں لیے کھڑے تھے۔

قیس بن عبدیغوث کو دیکھتے ہی اسود عنسی نے ایک نشست کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "آؤ بیٹھو۔"

قیس جب بیٹھ گیا تو اسود عنسی بولا۔ "اے قیس بن عبدیغوث! تمہیں میں نے اس لیے بلا لیا ہے کہ تمہارے جانے کے بعد فرشتے نے مجھ سے کہا کہ قیس کے ہاتھ کاٹ

ڈالو۔ ورنہ دیکھو بہت جلد وہ تمہارا سر کاٹ دے گا۔"

قیس نے کہا۔ "اے عبہلہ[1] بن کعب بن غوث! میرے لیے یہ بات ہرگز جائز نہیں کہ میں آپ کو جو اللہ کے رسول ہیں قتل کر دوں۔ آپ جو چاہیں میرے متعلق حکم دیں۔ آپ میرے متعلق جو شبہ ہو گیا ہے اس سے مجھے سخت بے اطمینانی ہے۔ اس سے تو معاملے کا نمٹنا بہتر ہے۔ اگر آپ مجھے قتل کر دیں تو موت کے ذریعے اس خوف سے مجھے نجات مل جائے گی اور ایک وقت کی موت روزانہ کی موتوں سے جن کے اندر میں مبتلا ہوں بہتر ہے۔"

قیس کی تقریر سن کر شاید اسود کو رحم آ گیا۔ یا قیس کے ساتھ عدیم، یوعام اور دس محافظوں کو دیکھ کر وہ اس کے خلاف کارروائی کرنے سے باز رہا اور اس سے کہا "جاؤ چلے جاؤ۔"

قیس جب اٹھ کر باہر آیا تو اسود عنسی نے اچانک پوچھا۔ "مجھے بتایا گیا ہے کہ فیروز حیرہ شہر سے لوٹ آیا ہے کیا وہ تمہارے ساتھ نہیں آیا؟"

قیس نے کہا۔ "وہ آپ کی زوجہ محترمہ اور اپنی عم زاد بہن آزاد سے ملنے گیا ہے۔"

اسود عنسی نے جواب میں کچھ نہ کہا۔ تاہم اس کا رنگ غصے میں آگ جیسا ہو گیا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور تیز تیز قدم اٹھاتا زنان خانے کی طرف چلا گیا تھا۔ قیس دیوان خانے سے نکل کر عدیم، یوعام اور اپنے دس محافظوں کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔

---

[1] اسود عنسی کا اصل نام عبہلہ بن کعب بن غوث اور لقب ذوالحمار تھا۔ شیریں کلامی، شعبدہ بازی اور فال نکالنے میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا۔ اس کی شیریں کلامی کی وجہ سے بہت جلد لوگ اس سے مانوس ہو گئے تھے۔ یہ ابلیس مقام کہف حفار میں پیدا ہوا اور وہیں نشوونما پا کر بڑا ہوا تو نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ مذحج اور نجران والوں نے اوّل اوّل آنکھیں بند کر کے اس کے دعوے کو تسلیم کر لیا۔

بقول ابی جعفر محمد بن جریر طبری، اس کے پاس شیطان تھا جو اس کی راہنمائی کرتا تھا۔ ابن خلدون اسے ایک بے مثل جادوگر اور رمل شناس گردانتا ہے۔

اسود جب اپنے محل کے ایک کمرے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا وہاں اس کی بیوی آزاد اور فیروز بیٹھے آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ اسود نے اپنی بیوی کو غیرت دلاتے ہوئے کہا۔ "تم کیوں ایک غیر محرم کے ساتھ بیٹھی ہوئی ہو؟"

آزاد نے کہا۔ "یہ میرے لیے غیر محرم نہیں ہیں۔ ایک تو یہ میرے عم زاد ہیں دوسرے ہمارے دودھ شریک بھائی بھی ہیں۔ لہٰذا یہ میرے لیے محرم ہیں۔"

فیروز اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا وہ اس موقع پر اسود سے کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اسود نے آگے بڑھ کر اس طاقت اور زور سے فیروز کے سر پر ضرب لگائی کہ فیروز فرش پر گر گیا۔

اسود کی بیوی آزاد ایک چیخ مار کر آگے بڑھی اور اسود کا ہاتھ پکڑتے ہوئے اس نے غصے اور تلخی میں کہا "فیروز میرا بھائی ہے۔ یہ مجھ سے ملنے آیا تھا۔ اس سے بدسلوکی کر کے تم نے میری توہین کی ہے۔"

آزاد کی تلخ کلامی پر اسود کا غصہ جاتا رہا اور اس نے نرم ہو کر کہا۔ "اچھا خاموش رہو۔ میں صرف تمہاری خاطر اسے معاف کر رہا ہوں ورنہ میں آج اسے ضرور موت کے گھاٹ اتار دیتا۔"

فیروز اٹھ کر باہر نکل آیا۔ جب وہ قیس، عدیم اور یوعام کے پاس آیا تو قیس نے اس سے کچھ پوچھنا چاہا۔ اس موقع پر فیروز نے آنکھ کے اشارے سے قیس کو باہر نکلنے کو کہا۔ اور سب فیروز کے ساتھ اسود کے قلعہ نما محل سے باہر نکل آئے۔

محل سے ذرا دور جا کر فیروز نے عدیم، قیس اور یوعام کو مخاطب کر کے کہا۔ "میرے رفیقو! میں نے اپنی بہن اور اسود کی بیوی آزاد کو آمادہ کر لیا ہے وہ اسود کے قتل میں ہمارا ساتھ دے گی۔ آنے والی رات ان شاء اللہ اسود کے لیے زندگی کی آخری رات ہوگی اور ہم اس ابلیس کو ——————"

فیروز کہتے کہتے خاموش ہو گیا کیوں کہ سامنے کی طرف سے اس کا خادم آ رہا تھا اور اس کے ساتھ ایک ایسا شخص تھا جو اس کے لیے اجنبی تھا۔ وہ خادم قریب آیا اور فیروز کو

مخاطب کرتے ہوئے اپنے ساتھ آنے والے شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "ا...
نام دبیر بن نخیس ہے۔ یہی حضورؐ کا خط لے کر آئے تھے۔ خط دے کر یہ اپنے ...
سے ملنے چلے گئے تھے اور اب لوٹ کر آئے ہیں۔ میں نے جب انہیں بتایا کہ سب لوگ ...
کی طرف گئے ہیں تو یہ پریشان ہوگئے اور اصرار کیا کہ مجھے وہاں لے کر چلو۔ لہذا میں انہیں
اِدھر لے آیا۔"

سب نے ایک عقیدت کے ساتھ دبیر بن نخیس سے مصافحہ کیا۔ پھر وہ سب
فیروز کی حویلی کی طرف جا رہے تھے۔

○

رات ملاحقوں کی مرادوں اور حلاوتوں کی تمناؤں کی طرح بھاگتی جا رہی تھی۔ حلیموں
کا حلم، سرکشوں کی سرکشی، دردِ ہجراں کا فریب، شامِ ہجراں کے افسانے، ہر چیز، ہر جذبہ
عالمِ بے خودی کے رنگوں کی تلاش میں کیفِ وصال اور خوابیدہ سناٹوں میں ڈوب گیا تھا۔
نیند کے کھیتوں سے آتی اور ندیوں کے سہاگ کو چھوتی ہوائیں شگوفوں میں سما کر گنگناتی
شاخوں میں سرسراہٹ پیدا کرتی اور جھینگروں کی جھائیں جھائیں کی طرح سازِ فطرت پہ جھنکار
بجا رہی تھیں۔

ہر شے شامِ زنداں کی طرح خاموش اور اُجڑے معبد کی طرح اُداس تھی۔ اس بیوہ
کی طرح جو بے خودی میں سر جھکائے ظالم کی ستم کوشی اور مفلس کی فاقہ کشی پہ آنسو بہا
رہی ہو۔

ایسے میں اندھیرے کے اندر فیروز اپنے دس محافظوں کے علاوہ عدیم اور یونا...
کے ساتھ اسود عنسی کے محل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ حضورؐ کی طرف سے خط لانے والا بھی
دبیر بن نخیس بھی ان کے ساتھ تھا۔ جب کہ قیس بن عبد یغوث مسلح جوانوں کے ایک
گروہ کے ساتھ اسود عنسی کے محل سے ذرا ہٹ کر گھات میں بیٹھ گیا تھا۔

اسود عنسی کے محل کے گرد پہرہ دینے والے محافظوں کی نظریں بچا کر فیروز اور ...
اپنے ساتھیوں کے ساتھ محل کی بیرونی دیوار کے قریب اس سمت بیٹھ گئے جس طرف اس...

...کی خواب گاہ تھی۔ ان کے سامنے محل کے اِرد گرد پہرہ دینے والے محافظ گزر رہے
...

اس موقع پر عدیم فیروز سے کچھ کہنے والا تھا کہ خاموش ہوگیا۔ کیوں کہ محل کے
...اسود عنسی کی خواب گاہ کی طرف سے بربط بجنے کی آوازیں سنائی دی تھیں اور تھوڑی دیر
...بربط کے ساز کے ساتھ ساتھ کسی جوان لڑکی کی خوش کُن آواز بھی سُنائی دی۔ شاید وہ اسود
...کے لیے گا رہی تھی۔

عہدِ ماضی کی یادوں کو جھٹک
آنے والے دِنوں کی فکر کو بھول
اپنی تشنہ رُوح کو سیراب کر
شکستہ دِل کو تسکین دے
دِن کی روشنی میں علم کی طاقتیں بیدار ہوتی ہیں۔
رات زندگی کے خزانوں کی طرف لے جاتی ہے۔
زندگی ایک درخت ہے اور ہم اس کے پتوں کی مانند ہیں
نیند ان پتوں پر برف کے گالوں کی طرح گرتی ہے
قبل اس کے رات کی خاموش گہرائیوں میں
جنگل کے درخت باغ کے پھول جاگ جائیں۔
قبل اس کے مقدس خاموشیوں میں وقت کے بطن سے
فراوانی کی تعبیروں کی طرح سحر نمودار ہو کر اپنا عروسی نقاب ہٹا دے۔
قبل اس کے زمین کا میٹھا رس اور معبد کی گھنٹیاں جاگ جائیں
اور کنول کی تاریک پتیوں میں چھپے شبنم کے قطرے خشک ہوں
قبل اس کے دِلوں کی نالش رُوح کی تنہائیاں چیخیں
اور تاریکی کے جلوس زمانے کے سامنے کھڑی خاموش قبروں کی صورت اختیار کرلیں
تو اپنے حسین جسم پر ریشمی لباس پہن

ہیروں اور جواہرات سے اپنے جسم کو دوبالا کر
زلفوں میں مشک چھڑک، انگلیاں عنبر میں ڈبو
کہ میں نغمے سنانے کو بیتاب سازِ زندگی کے ساتھ
جام و ساغر اور نہاوندی راگ گردش میں لاؤں
اور شہد سے میٹھا۔ چنبیلی کی مہک سا خوشبودار
کوثر کی طرح لذیذ اور بابلی شراب جیسا خوش ذائقہ جام پی کر
تو خوابوں کی عشرتوں اور حسرتوں
زندگی کے سمندر کی گہرائی اور یکتائی کی جستجو میں کھو جائے۔
اے لاہوتی مسائل کے بحرِ بے کراں
اے صغیرہ و کبیرہ گناہوں کے رمز شناس
اے روحانیت کی باریکیوں کے عالم
اے بہشت کے رازوں کے امین
پھولوں کی یہ سرگوشیاں، پتیوں کی یہ سرسراہٹیں
آبشاروں کے نغمے، برقِ جلوۂ حسنِ بتاں تیرے لیے ہیں۔
تو روشنی، امن اور بصیرت ہے۔
اے میرے مہربان نبی! تیری روح اضطراب سے قرار پائے گی
تیرے بعد مرمریں سلوں کے ہیکل تیرے نام سے روشن ہوں گے۔
آتشِ حسد سے پاک گلاب و چنبیلی کا فرش بچھا کر
لوگ تیری مورتی کے سامنے عود و لوبان سلگائیں گے۔
اور پرانے قدیم روگوں سے نجات پائیں گے۔

اس کے بعد ساز بجنا بند ہو گیا اور اس حسینہ کی گاتی آواز بھی بند ہو گئی۔ گویا اس کی سانس ٹوٹ گئی ہو، یا ——— یا اس کے ہونٹ اسود عنسی کے سامنے کانپ کر تھرا گئے ہوں۔

فضاؤں میں جب خاموشی چھا گئی تو فیروز کی سرگوشی جیسی آواز ابھری۔ "عدیم! عدیم! ہمیں کام کی ابتدا نہ کر دینی چاہیے۔"

عدیم نے اپنی پشت پر بندھے ترکش اور کندھے پر لٹکتی ہوئی کمند درست کی کہا۔ "فیروز! فیروز! رات کے اس وقت گواہ رہنا۔ میں اپنے خدا کا نام لے کر رسولؐ، اپنے مذہب کی سربلندی کے لیے اپنی جان کو وقف کرتا ہوں۔ میں رینگ کے جاتا ہوں اور پہریداروں پر قابو پاتا ہوں۔ اس کے بعد ہم سب کمندوں کے ذریعے اوپر جا کر اسود عنسی سے نمٹ لیں گے۔"

فیروز کی طرف سے کسی جواب کا انتظار کیے بغیر عدیم اندھیرے میں سانپ کی طرح رینگتا ہوا آگے بڑھنے لگا تھا اور ایک نشیب میں جا کر رک گیا۔ اتنی دیر میں بائیں طرف چکر لگا کر لوٹنے والا محافظ وہاں آ گیا۔ جب وہ عدیم کے قریب سے گزرنے لگا تو چیتے جیسی ایک خونخوار جست کے ساتھ اس پر حملہ آور ہوا۔ لمحوں کے اندر عدیم نے اسے دبوچ لیا اور اس کا گلا گھونٹ کر کام تمام کر دیا۔

پہریدار کی لاش کو گھسیٹ کر عدیم نشیب میں لے گیا اور اور خود بھی وہاں لیٹ کر اس طرف چکر لگانے والے محافظ کا انتظار کرنے لگا تھا۔

تھوڑی دیر تک دائیں طرف کا پہریدار بھی اس طرف آیا۔ پہلے کی طرح عدیم اس پر جھپٹا اور گلا گھونٹ کر اس کو بھی اس نے نشیب میں ڈال دیا تھا۔ پھر وہ جھک کر بھاگتا ہوا تیزی سے لوٹا اور سرگوشی میں کہا۔ "فیروز! فیروز! میرے دوست! میں نے دونوں محافظوں کا کام تمام کر دیا ہے۔ اب موقع ہے آؤ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اسود عنسی کے محل میں داخل ہو کر اس سے نمٹ لیں۔"

فیروز اٹھ کھڑا ہوا۔ یوعام، دبیر بن نخیس اور دس محافظ بھی اٹھے۔ بھاگ کر آگے بڑھے۔ پھر کمندیں پھینک کر وہ اسود کے محل کی دیوار پر چڑھ رہے تھے۔ اوپر جا کر سب سے پہلے انھوں نے سیڑھیاں تلاش کیں پھر نیچے اترتے ہوئے فیروز نے عدیم سے کہا۔

عدیم! عدیم! میرے عزیز! نیچے اسود عنسی کی خواب گاہ کے اِردگرد کم از کم پندرہ بیس محافظوں کا پہرہ ہوگا۔ ایسا نہ ہو جس وقت ہم پہریداروں سے اُلجھ رہے ہوں اسود جاگ جائے اور ایک طوفان کھڑا کر دے۔

سنو! اس کے پاس شیطان ہے جو بروقت اسے مناسب مشورے دیتا ہے۔ اگر تم مانو تو میرے ذہن میں ایک ترکیب ہے۔ تم، یوعام، دبیر اور ان دس جوانوں کے ساتھ اسود کی خواب گاہ کے گرد پہرہ دینے والے محافظوں سے نمٹ لینا۔ میں سیدھا اسود کی خواب گاہ میں داخل ہوں گا اور اس ابلیس کا کام تمام کر دوں گا۔

سنو میرے عزیز! یہ ایک عظیم اور مقدّس کام ہے جس کی ہم ابتدا کر رہے ہیں۔ اگر ہم اس میں کامیاب رہے تو ساری سعادت ساری خوشیاں ہمارا حصّہ ہوں گی۔

عدیم نے پُرخلوص اور دبی ہوئی آواز میں کہا۔ فیروز! فیروز! آپ نے جو سوچا ہے وہ درست ہے۔ آپ سیدھے اسود عنسی کی خواب گاہ میں چلے جانا ہم باہر کے محافظوں کی طرف سے فکر مند نہ ہونا۔ میں ان سے خوب نمٹوں گا۔"

سب دبے پاؤں سیڑھیوں سے نیچے اُترے۔ سب سے پہلے عدیم آگے بڑھا اور دس جوانوں کے علاوہ دبیر اور یوعام کے ساتھ اس نے اسود کی خواب گاہ کے محافظوں پر حملہ کر دیا۔ فیروز بھاگ کر اسود عنسی کی خواب گاہ میں داخل ہوا۔

فیروز یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا کہ شیطان نے جو اسود عنسی کے تسلّط میں تھا اس نے اسود کو جگا دیا اور اسود کی زبان سے شیطان زور زور سے بکنے اور بڑبڑانے لگا۔ فیروز نے یہ بھی دیکھا کہ وہاں خواب گاہ میں اسود کی بیوی اور فیروز کی عم زاد آزاد بیٹھی تھی۔ شاید وہ گانے والی جا چکی تھی۔ قریب ہی ایک برتن میں انار کے دانے پڑے تھے جنہیں کھاتے کھاتے شاید اسود عنسی سو گیا تھا۔

اسود نے غصّے اور غضب کی حالت میں فیروز کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تم اس وقت یہاں؟"

فیروز نے سوچا۔ "اگر اس وقت اسود اُٹھ گیا تو چلّا چلّا کر ایک طوفان کھڑا کر دے گا۔ ایسی صورت میں نہ وہ بچ سکے گا نہ اس کے ساتھی اور نہ ہی اسود کی بیوی اور اس کی عم زاد آزاد جو اسود کو قتل کرانے میں فیروز سے متفق تھی۔

فیروز نے فوراً کوئی فیصلہ کیا اور بستر پر لیٹے ہوئے اسود پر اس نے چھلانگ لگا دی۔ پھر ایک ہاتھ سے اس نے اسود کے سر کے بال اور دوسرے ہاتھ سے اس کی داڑھی پکڑ کر ایک سخت جھٹکا دے کر اس نے اسود عنسی کی گردن توڑ کر رکھ دی تھی۔ اسود سخت کرب میں مبتلا ہو گیا۔ اس کی گردن لٹک گئی تھی اور وہ منہ سے آوازیں نکالنے کے قابل بھی نہ رہا تھا۔

فیروز نے اپنا ایک گھٹنہ اسود کے پیٹ پر رکھ کر اس پر دباؤ ڈالا اور غراتی غصیلی آواز میں اس نے کہا۔ "سُن ابلیس کے گماشتے! تُو نے ابلیس کے اُکسانے پر نبوت کا دعویٰ کیا۔ لوگوں کو قتل کیا۔ شہروں اور بستیوں کو ویران و برباد کیا۔ زاہدوں کے پرہیز کو روند ڈالا۔ اے حماقت اور نادانی کے پُتلے تُو نے رِندوں کی حوصلہ افزائی کی۔

اے اسود! تو اپنے عہد کا منحوس ستارہ تھا۔ دیکھ ہم کیسے فطرت کے جلال کے ہم نفس بن کر تم پر وارد ہوئے ہیں۔ اب کوئی تیرے گلستان کی آبیاری نہیں کرے گا۔ تیری بدی کی زمین سو جائے گی، تیرے گناہوں کے ذرّوں کی کُنمناہٹ جاتی رہے گی اور تیرے جسم میں پوشیدہ اَن گنت گندی خواہشیں بکھر جائیں گی۔

اسود! تُو نے انسانیت کے لیے عتاب بننا چاہا۔ ہم نے تیرے مقتدرات کے پُرزے پُرزے اُڑا دیئے۔ تو نے تقدس کی سفید چادر کی اوٹ میں رقص ابلیس کرنا چاہا۔ ہم نے نقاب بن کر تیری زندگی کے رازوں کو عیاں کر دیا۔ دیکھ تُو لعنتِ قسمت کے سایوں کا شکار ہو گیا ہے۔ عنقریب تو درختوں کے زرد پتّوں اور برفانی سانسوں کی طرح ختم ہو جائے گا۔ الحمدُاللہ تیرے انکاروں کے طلسم زاروں اور تیرے مذہب کے خون کی پیاس کو ختم کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔

دیکھ اسود! ہمارے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا پیغام تو ازل سے مقرر تھا۔ وہ ایک ایسی صداقت ہے جو خوشبو کی طرح ہمارے دِلوں میں بسی ہوئی ہے

تو نے اس پیغام کے خلاف بغاوت کی۔ تُو نے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فریب کا عہد کیا۔ تُو نے مسلمانوں کے اندر نفرت، عصبیت اور نا اتفاقی کا بیج بونے کی کوشش کی۔ پر دیکھ اسود! اپنی ساری ناتجربہ کاریوں اور خامیوں کے باوجود شکست و زیست کے اس کھیل میں ہم تمہارے مقابلے میں کامیاب رہے۔" پھر فیروز نے اپنی تلوار کھینچ کر اسود پر لہرائی اور اس کی گردن کاٹ کر رکھ دی۔

اسود کو قتل کرنے کے بعد فیروز جب باہر آیا تو اس نے دیکھا وہاں عدیم نے خواب گاہ کے گرد پہرہ دینے والے سارے محافظوں کو تہ تیغ کر دیا تھا۔

فیروز نے آگے بڑھ کر عدیم کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ "عدیم! عدیم! میرے دوست بخدا تُو نے سارا کام میری خواہشوں کے عین مطابق کیا ہے۔ میں نے اسود عنسی کی گردن کاٹ دی ہے اور یہ میرے ساتھ اسود کی بیوی اور میری عم زاد آزاد ہے۔"

فیروز خاموش ہوا پھر اس نے جلتے پروں کا ایک تیر فضاؤں میں چلا دیا۔ جس کے جواب میں قیس عبد یغوث نے اپنے مسلح جوانوں کے ساتھ اسود کے محل پر حملہ کر کے سارے محافظوں کو موت کی نیند سلا دیا اور محل میں داخل ہو گیا۔ اس وقت تک فجر ہو گئی تھی۔

حضورؐ کے قاصد دبیر بن نخیس نے اسود عنسی کے محل کے ایک برج میں کھڑے ہو کر اذان دی اور پھر جس قدر لوگ محل میں جمع تھے انھوں نے باجماعت نماز ادا کی۔ امامت کے فرائض دبیر بن نخیس نے ادا کیے تھے۔

اسود عنسی کے اس فتنے کو ختم کرنے کے بعد دوسرے روز فیروز نے دبیر بن نخیس کو اسود عنسی کے قتل ہونے کی خبر حضورؐ کو پہنچانے کے لیے روانہ کر دیا۔ عدیم اور یوعام بھی اس نیت کے تحت دبیر کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے کہ وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرفِ ملاقات سے ہم کنار ہوں گے لیکن ان کے مدینہ پہنچنے سے پہلے

ملہ حضور نبی اکرمؐ کو بذریعہ الہام اسود عنسی کے قتل کی خبر ہو گئی تھی۔ بستر مرگ پر آپ نے فرمایا کہ گزشتہ شب اسود عنسی مارا گیا۔ اسے ایک مردِ مبارک فیروز نے قتل کر دیا۔

حضورؐ رحلت فرما چکے تھے اور آپؐ کو دفن کر دیا گیا تھا۔ عدیم اور یوعام کو دبیر بن نخیس نے اپنے ہاں ٹھہرا لیا تھا۔

ایک روز عدیم اور یوعام دبیر بن نخیس کے گھر کے سامنے کھجوروں کے جھنڈ کی چٹائیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ دبیر گھر کا سودا سلف خریدنے بازار گیا ہوا تھا۔ کہ یوعام نے عدیم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "رمینس! رمینس! میرے دوست! میرے عزیز! اگر تم میری بات مانو تو میں تمہیں ایک تجویز پیش کرتا ہوں۔"

عدیم نے کہا۔ "کہو۔"

یوعام نے کہا۔ "دیکھو میرے عزیز! تمہارا باپ اور تمہاری منسوبہ دریائے ابانا کے کنارے ماہی گیروں کی بستی میں پڑے ہوئے ہیں۔ میری مانو تو تم گھر جاؤ۔ سیریل سے شادی کر لو۔ پھر اپنے باپ اور سیریا کو لے کر حیرہ کا رُخ کرو اور وہاں مستقلاً میرے ہاں قیام کرو۔ بخدا میں تمہیں اپنے چھوٹے اور عزیز بھائی کی طرح رکھوں گا۔"

عدیم نے کچھ سوچنے کے بعد کہا۔ "تمہاری تجویز تو معقول ہے۔ پر میں سمجھتا ہوں۔ میرے پاس نقدی کافی ہے میں حیرہ میں تمہارے مکان کے پاس ہی جھیل نجف کے کنارے جگہ لے لوں گا اور اپنا مکان بنا لوں گا۔ مجھے فیروز نے بھی اس قدر نقدی دے دی ہے جو ایک اچھا مکان بنانے کے لیے کافی ہے۔

یوعام نے کہا۔ "اگر تم حیرہ میں جھیل نجف کے کنارے اپنا مکان بنانا چاہو، تو مجھے خوشی ہو گی۔ پھر ایسا کرتے ہیں کہ آج ہی دبیر بن نخیس سے رخصت کی اجازت لیتے ہیں۔ تم دریائے ابانا کی طرف کوچ کر جانا میں حیرہ کی طرف روانہ ہو جاتا ہوں۔ تم اپنے باپ اور سیریا کو لے کر حیرہ پہنچ جانا۔ میں بڑی بے چینی سے تمہارا انتظار کروں گا اور سنو! سیریا سے شادی حیرہ شہر میں ہماری موجودگی میں آ کر کرنا۔ میری بیوی تم دونوں کو دیکھ کر خوش ہو گی۔"

عدیم جواب میں کچھ کہنے والا تھا کہ بازار کی طرف سے دبیر بن نخیس آتا دکھائی دیا۔ وہ ضرورت کی چیزیں اُٹھائے تھا۔ کھجوروں کے جھنڈ تلے آ کر وہ سامان ایک طرف

رکھنے کے بعد عدیم اور یوعام کے پاس بیٹھتا ہُوا بولا۔ "مَیں تم دونوں کو سنانے ایک بڑی خبر لے کر آیا ہوں"۔

عدیم نے فکر مندی سے پوچھا۔ "وہ کیا"؟

دبیر نخیس نے دُکھ اور پریشانی میں کہا۔ "یمامہ کے ایک شخص مسیلمہ کذاب نے حضورؐ کی زندگی میں ہی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ اسے راہِ راست پر لانے کے لیے حضورؐ نے ایک شخص نہار الرحال بن عنفوہ کو یمامہ کا حاکم مقرر کر کے روانہ کیا تاکہ وہ مسیلمہ کے دعوے کی تردید کرے اور وہاں کے مسلمانوں کے لیے باعثِ تقویت بنے۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد نہار الرحال مُرتد ہو کر مسیلمہ سے مِل گیا ہے اور مسیلمہ کی ترغیب پر اس نے یہ اعلان کرنا شروع کر دیا ہے کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سُنا ہے کہ مسیلمہ کو میرے ساتھ نبوت میں شریک کر لیا گیا ہے۔

اس کے اس اعلان پر بہت سے لوگ مسیلمہ کو نبی مان کر اس پر ایمان لے آئے ہیں اور یمامہ میں مسیلمہ کذاب نے خوب قوت پکڑ لی ہے۔

دبیر بن نخیس ذرا رُک کر پھر کہہ رہا تھا۔ "اس کے علاوہ بنو تغلب کی ایک عورت سجاج بنت الحارث نے بھی نبوت کا دعویٰ کر دیا ہے۔ سُنا ہے یہ عورت جوان اور انتہائی خوب صورت ہے جس کی وجہ سے لوگ اس کی شخصیت سے متاثر ہو کر گروہ در گروہ اس کے ساتھ ہو گئے ہیں اور وہ دن بدن اپنی قوت میں اضافہ کرتی جا رہی ہے۔

یہ ساری باتیں مَیں بازار میں کھڑے لوگوں سے سُن کر آیا ہوں۔ وہ کہہ رہے تھے بنی تغلب کے علاوہ بنی تمیم، بنی ربیعہ بھی سجاج کے ساتھ مِل گئے ہیں۔ اس کے علاوہ ہذیل نام کا ایک سردار اپنے پورے قبیلے کے ساتھ سجاج سے مل گیا ہے۔ یہ ہذیل پہلے نصرانی تھا لیکن اس نے نصرانیت ترک کر کے سجاج کو نبی مان لیا ہے۔

دبیر بن نخیس رکا پھر وہ تفکرات بھری آواز میں پھر کہہ رہا تھا۔ "بازار میں کھڑے لوگ کہہ رہے تھے کہ ابوبکر صدیقؓ عنقریب مسیلمہ کذاب اور سجاح بنت الحارث کے خلاف مدینہ سے عساکر روانہ کریں گے۔ حضورؐ کی رحلت کے بعد مسلمانوں کے مسائل بڑھتے

جا رہے ہیں۔ کچھ لوگ مُرتد ہو گئے ہیں۔ کچھ نے نبوت کا دعویٰ کر دیا ہے اور کچھ زکوٰۃ دینے سے انکار کر رہے ہیں۔ خداوندِ ذوالجلال ہمیں ابوبکر صدیقؓ کی رہبری میں ان تمام مسائل پر قابو پانے کی توفیق عطا فرمائے۔"

دبیر بن نخیس کے خاموش ہونے پر عدیم نے کہا۔ "یوعام! یوعام! پہلے مَیں ارادہ کر چکا تھا کہ دریائے ابانا کی طرف جاؤں گا اور اپنے باپ اور سیریا کو لے کر حیرہ پہنچوں گا اور وہاں مکان بنا کر تمہارے قریب مستقلاً آباد ہو جاؤں گا لیکن اب حالات ایسے ہو گئے ہیں کہ مَیں نے ارادے کو تبدیل کر چکا ہوں۔ مَیں ابھی اور اسی وقت دریائے ابانا کے کنارے اپنے گھر کی طرف روانہ ہوں گا اور چند دِن وہاں رہ کر لوٹ آؤں گا۔ مَیں واپس آ کر اس لشکر میں شامل ہونا چاہتا ہوں جو مسیلمہ کذاب اور سجاح بنت حارث کی سرکوبی کے لیے روانہ ہو گا"۔

یوعام نے کہا۔ "اگر ایسی بات ہے تو پھر مَیں بھی حیرہ کی طرف نہ جاؤں گا۔ یہیں دبیر بن نخیس کے ہاں رُک کر تمہاری واپسی کا انتظار کروں گا اور دونوں اس لشکر میں شامل ہوں گے جو مسیلمہ اور سجاح کے خلاف ابوبکر صدیقؓ ترتیب دیں گے"۔

اس کے ساتھ ہی تینوں اُٹھ کر حویلی کے اندر آ گئے۔ عدیم نے اپنی تیاری کی اور اسی روز مدینۃ النبیؐ سے دریائے ابانا کی طرف کُوچ کر گیا تھا۔

صبح نمودار ہوگئی تھی ۔عرب ماہی گیروں کی لڑکیاں جو صبح سویرے دریائے ابانا
سے پانی بھرنے گئی تھیں ۔وہ اپنے مٹکے پانی سے بھر کر ایک طرف رکھنے کے بعد دریا کے
کنارے دُور دور تک پھیلے ہوئے سبزہ زار پر چہل قدمی کر رہی تھیں ۔ ان لڑکیوں میں
سیریا بھی شامل تھی وہ بھی سردار سابور کی بیٹی انیفہ کے ساتھ دریائے ابانا سے پانی بھرنے
گئی تھی ۔

سُورج ابھی طلوع نہ ہُوا تھا ۔تیز ہَوائیں نازک موجوں کو ساحل کے ساتھ
پٹخ کر خاموشی کا شیرازہ بکھیر رہی تھیں ۔سیریا نے اپنا لباس اُوپر اُٹھا رکھا تھا اور دونوں
پاؤں گھاس پر ٹہل رہی تھی ۔شبنم نے اس کے حسین ننگے پاؤں کو تر کر دیا تھا اور گھاس کی
ہری ہری پتیاں اس کے گلداز اور سُرخ سُرخ پاؤں کے ساتھ دو دِلوں کے مرکز
دو کنواری روحوں کے ملنے کی لطیف کیفیت کے ساتھ چپک گئی تھیں ۔ ان ہری
میں محبت کا رس اور بغلگیری کی ایک لذت تھی ۔

اچانک دریا کے ساتھ ساتھ پھیلی بستی کے مکانوں کی طرف سے ایک لڑکی بھاگتی ہوئی
آئی اور اس نے سیریا سے کہا ۔" سیریا ! سیریا ! میری بہن ! تو گھر جا تجھے تیرے بابا اندریاس

۔ دیکھ وہ تیرا منسوب کیا نام ہے اس کا ۔ ہاں رمینس بھائی آئے ہیں ۔ اس لیے اندریاس
نے تجھے بلایا ہے "۔

عدیم کے آنے کا سُن کر سیریا کی حالت خوشی اور اطمینان میں ایسی ہوگئی تھی جیسے اس
کی صورت وجود ایک انوکھے اور کورے وجدان سے ہمکنار ہو گیا ہو ۔اس کے شہد میں
گھلے ہونٹوں پہ ایسی مسکراہٹ بکھر گئی تھی جیسے نرگس کے پیالوں میں شبنم چھلک گئی ہو
جیسے اس کی جاں گسل تنہائیوں اور جاں گداز دوریوں پر روح پرور ترنم اور راحت و اطمینان
پالئے ہوں ۔

سیریا اس خوش خبری پر نہ جانے کہاں کھو گئی تھی کہ قریب کھڑی انیفہ نے اسے مخاطب
کرتے ہوئے کہا ۔" سیریا ! سیریا ! میری بہن ! تم گھر جاؤ ۔ تمہارا پانی کا مٹکا میں لے آؤں گی "۔
سیریا نے ایک دم بھاگتے ہوئے کہا ۔" نہیں میں اپنا پانی کا مٹکا لے جاتی ہوں "
سیریا اس طرف آئی جہاں پانی سے بھرے مٹکے پڑے تھے ۔ وہاں سے اس نے پانی کا مٹکا
اٹھایا اور بستی کی طرف بھاگ رہی تھی ۔ جب وہ سردار سابور کی حویلی میں داخل ہوئی تو اس
نے دیکھا اندریاس اور سبور دونوں صحن میں بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے ۔

سورج اب مشرق سے طلوع ہو رہا تھا اور کھر کے پیچھے سے اس کی تیز کرنیں
شاخوں کے درختوں ، پرندوں کے گیتوں اور لہروں کے سنگیتوں سے کھیلنے لگی تھی ۔

سیریا جس وقت صحن میں دیوار کے ایک سائے میں بنی لکڑی کی گھڑونجی پر مٹکا
رکھ رہی تھی تو اندریاس نے اس مخاطب کرتے ہوئے کہا ۔" سیریا ! سیریا ! میری بچی !
عدیم آیا ہے ۔ وہ اصطبل میں اپنے گھوڑے کو چارہ ڈال رہا ہے تم وہیں اس سے مل لو "۔
گھڑونجی پر مٹکا رکھ کر سیریا ایک وقار کے ساتھ اصطبل کی طرف بڑھی ۔ اب وہ
جا رہی تھی ۔ اس کے چلنے کے انداز میں جاذبیت تھی اور اس کے جسم کی حرکات
و سکنات میں ایسی کشش تھی جس سے آنکھیں محروم رہی ہوں ۔

اصطبل کے قریب جا کر اس نے دیکھا ۔ عدیم اس کا اپنا عدیم اپنے گھوڑے کے
آگے چارہ ڈال رہا تھا ۔ عدیم کو دیکھ کر سیریا بادام کے غنچے ، دِل کے کنول کے پھول ۔ ہونٹوں پر

پھیلتے تبسم اور شادی بیاہ کے گیتوں جیسی پُرکشش و خوش کن ہو گئی۔

سیریا کے ہونٹوں پر ایک بچے کی سی مسکراہٹ اور ایک محبوبہ کا سا تبسم تھا۔ پھر وہ اصطبل میں داخل ہوئی اور اپنے پورے جلال آگیں جمال کو سمیٹتے ہوئے ایک معطر پھول، ایک ترنم رویا، چہچہاتے پرندوں کی فرحت بخش نغموں جیسی آواز میں سلام کہا۔

"عدیم نے مڑ کر ایک بھرپور نگاہ سیریا پر ڈالی۔ اسے ایسا لگا جیسے سیریا کے آ جانے سے ماحول میں مشک و عنبر کی خوشبو، گلاب و سوسن کی مہک، سرو و صنوبر کی تازگی اور دُور دراز وادیوں کی صدائے بازگشت بکھر پھیل گئی ہو۔ پھر عدیم نے انتہائی ... سے پوچھا۔ "سیریا! تم صبح ہی صبح کہاں چلی گئی تھیں۔ میں جب آیا تو بابا سے پوچھا۔ اس نے بتایا سیریا باہر گئی ہوئی ہے۔

سیریا نے قریب آ کر کہا۔ "میں بستی کی دیگر لڑکیوں کے ساتھ دریا سے پانی بھر... گئی تھی۔"

عدیم نے پوچھا۔ "تم پاؤں سے ننگی کیوں ہو؟"

سیریا نے چونک جانے کے انداز میں کہا۔ "وہاں دریا کنارے دُور دُور تک نظر فریب سبزہ زار ہے۔ وہاں میں بستی کی لڑکیوں کے ساتھ صبح صبح چہل قدمی کرتی ہوں۔ آپ کے آنے کی خوشی میں دریا کی طرف سے پانی کا مٹکا اُٹھا کر ایسی بھاگی کہ گھر آ کر جوتا پہننا بھی یاد نہیں رہا۔ آپ کب آئے؟"

عدیم نے کہا۔ "تھوڑی دیر ہوئی میں آیا ہوں۔"

عدیم اپنے گھوڑے کے آگے چارہ ڈال چکا تھا۔ جب وہ جھک کر گھوڑے سے زین علیحدہ کرنے کے لیے تنگ کھولنے لگا تو سیریا لپک کر آگے بڑھی اور عدیم کا بازو پکڑتے ہوئے اس نے کہا۔ "آپ چھوڑ دیں میں خود کھولتی ہوں۔"

سیریا کے گداز اور خوب صورت ہاتھ کے لمس سے عدیم کو یوں لگا جیسے کسی مغنی کی انگلیوں نے ساز کے حساس تاروں کو چھو لیا ہو۔ سیریا کے خوش گوار لمس نے عدیم...

...بہشتی خوشبوؤں اور عود و لوبان سے معطر فضا کا سا سماں باندھ کر رکھ دیا تھا۔ کسی فرمانبردار کی طرح عدیم پیچھے ہٹ گیا۔ سیریا نے گھوڑے کا تنگ کھولا۔ اور عدیم نے زین اُتار کر ایک طرف رکھ دی۔

ایک بار پھر سیریا نے عدیم کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔ "آئیے میرے ساتھ دیوان خانے میں بیٹھ کر پہلے مجھے اپنے پُورے حالات سنائیں کہ آپ کہاں کہاں رہے۔ پھر میں آپ کے لیے کھانا تیار کرتی ہوں۔"

دونوں دیوان خانے میں بیٹھ گئے۔ پھر عدیم اسے مدائن جانے کے بجائے یوعامر کے ذخیرہ شہر میں ملاقات، جھوٹے نبی اسود عنسی کے خلاف مہم، حضورؐ کی رحلت، مدینہ میں آمد اور دبیر بن نخیس کے ہاں قیام تک کے سارے واقعات تفصیل سے سنا چکا تھا۔

عدیم جب خاموش ہوا تو سیریا نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "آپ اب بیٹھیں میں آپ کے لیے کھانا تیار کرتی ہوں۔"

عدیم نے چونکتے ہوئے کہا۔ "سیریا! سیریا! مجھے یاد نہیں رہا۔ میرے گھوڑے کی خورجین میں نقدی کی ایک تھیلی ہے وہ نکال لینا۔"

سیریا ابھی دیوان خانے سے نکلنے ہی لگی تھی کہ اندریاس اندر آیا اور ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا۔ "میرے بچو! میں اور سابور نے مل کر فیصلہ کیا ہے کہ آج ہی تم دونوں کی شادی کر دی جائے۔"

اپنی شادی کا سن کر سیریا کی حالت ایسی ہو گئی تھی جیسے اس کا شفاف بلوریں جسم کسی انوکھے اور کورے جذبے سے مربوط ہو کر رہ گیا ہو۔ اس کے چہرے پر سرسبز و شاداب کھیت کی سی رونق اور اس کی رُوح گویا زمانے کے قافلے میں گھس کر ناچ اُٹھی اور اس کی حساس ذات کی گہرائیوں سے لامتناہی راحت و اطمینان اور اسرار کے سوتے پھوٹ پڑے تھے۔ وہ اس موقع پر بھاگ کر باہر چلی جانا چاہتی تھی کہ اندریاس نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"سیریا ! سیریا ! میری بیٹی رکو ! مَیں نے ابھی اپنی بات ختم نہیں کی۔" بے چاری رُک گئی۔

اندریاس پھر کہہ رہا تھا۔ "میرے بچّو ! یہ فیصلہ ہنگامی نہیں کیا گیا بلکہ میرا اور سابور کا ارادہ تھا کہ اس بار جب بھی رمنیس آیا تم دونوں کی شادی کر دی جائے۔ سابور تم دونوں کے نکاح اور ضروری سامان کا بندوبست کرنے گیا ہے۔ مَیں نے اسے رقم دی ہے جس سے وہ سارے انتظام و انصرام بخوبی کر لے گا۔"

اندریاس کہتا رہا اور سیریا کسی مفکّر کی تخلیق، کسی شاعر کے جذبات، کسی ادیب کے رنگین الفاظ اور شفتالو کے اس درخت کی طرح خاموش کھڑی سنتی رہی جس کے اندر چڑیاں چہچہا کر خاموش ہو گئی ہوں۔ اس کے خدوخال سے آسودگی اور حیا ٹپک رہی تھی۔

اندریاس پھر کہہ رہا تھا۔ "رمنیس ! رمنیس ! میرے بیٹے ! تم کہہ رہے کہ تم چند دن تک مدینہ النبی کی طرف لوٹ جاؤ گے۔ کیا ایسا ممکن نہیں کہ تم وہیں کہیں کوئی مکان خرید لو جہاں میں اور سیریا بھی تمہارے قریب رہ سکیں۔ بیٹے ! مَیں اب بوڑھا ہوں اکثر بیمار رہتا ہوں۔ تمہاری غیر حاضری میں ایک بار مَیں ایسا بیمار ہُوا تھا کہ بچنے کی کوئی امید نہ رہی تھی لیکن سیریا بیٹی نے مجھے ایسا سنبھالا کہ اس نے میرے اندر تم دونوں کے لیے زندہ رہنے کی خواہش پیدا کر دی ورنہ مَیں گیا تھا۔

عدیم نے اپنا جھکا ہُوا سر اُوپر اُٹھایا اور اندریاس سے اس نے کہا۔ "اے میرے باپ مَیں خود اس سلسلے میں فکرمند ہوں۔ میرا ایک جاننے والا ہے۔ وہ میرے ساتھ قسطنطنیہ کی ... میں تھا اور اسی کی جان بچا کر مَیں اس طرف بھاگا تھا۔ اس کے ساتھ اس کی بیوی اور ... اس نے حیرہ شہر میں اپنا مکان بنا لیا ہے۔ وہ مجھے مِلا تھا۔ مَیں نے اس سلسلے میں اس سے ... کی تھی۔ آپ بے فکر رہیں، مَیں بہت جلد حیرہ شہر میں اپنا مکان خرید لوں گا۔ پھر تم دونوں کو آ کر لے جاؤں گا۔"

اندریاس جب خاموش ہُوا تو سیریا نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "... ان کے لیے کھانا تیار کر لوں۔ پھر وہ اندریاس کے جواب کا انتظار کیے بغیر باہر بھاگ گئی

... مسکراتا ہوا اور خوش خوش باہر نِکل گیا تھا۔ اسی روز عدیم اور سیریا کی شادی ہو گئی۔

●

سجاح بنت الحارث جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ ... منکرین زکوٰۃ، ... اور ان لوگوں کی ایک بہت بڑی جمعیت اپنے ساتھ مِلا لی جن کے دِلوں میں ابھی ایمان راسخ نہ ہُوا تھا۔ جزیرہ کا ایک لشکر پہلے ہی اس کے ہمراہ تھا۔ اس طرح سجاح ... میں داخل ہوئی اور ان کے علاقوں پر قبضہ کر کے بنو تمیم کو اس نے اپنا زیرِ نگین کر لیا۔ اپنی قوت میں دِن بدن اضافہ دیکھ کر سجاح کے حوصلے اور بڑھ گئے۔ اس نے ... اور عقہ دو سرداروں کو اپنے آدھے آدھے لشکر کا سپہ سالار بنایا اور مزید ترکتاز کرنے کو اس ... زمی کی اور بنی عمرو کو اس نے اپنا حدف بنانے کا فیصلہ کیا۔ اس موقع پر ایک مردِ حُر ... ان کے مقابل اُٹھ کھڑا ہوا اور یہ بنی عمرو کا اوس بن خزیمہ تھا۔

اس نے بنی عمرو اور بنی مازن دونوں قبائل کے جوانوں کو اپنے ساتھ مِلا کر سجاح ... حارث کے لشکر پر شب خون مارا اور سجاح کے دونوں سپہ سالار ہذیل[1] اور عقہ کو اس نے ... کر لیا اور ان کے کئی ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اُتار کر رکھ دیا۔

سجاح بنت الحارث نے جو یہ حالت دیکھی تو اوس بن خزیمہ کے ساتھ اس نے ... پر صلح کر لی کہ اس کے قیدی واپس کر دیئے جائیں اور وہ بنی عمرو اور بنی مازن ... چڑھائی کرنے کے بجائے کہیں اور کا رُخ کرے گی۔

... قبیلہ مازن کے ایک جوان نے گرفتار کیا تھا۔ ہذیل کے دِل میں اس مازنی جوان کے خلاف ... بدگمانی لگ گئی۔ حضرت عثمانؓ بن عفان کی شہادت کے بعد اس نے ایک جمعیت اکٹھی کی۔ ... سفار پر جہاں بنی مازن آباد تھے غارت گری کر دی لیکن اس کی بدقسمتی کہ بنی مازن نے ڈٹ کر ... مقابلہ کیا اور ہذیل کو قتل کر کے بستی کے کوڑے کرکٹ میں پھینک دیا۔
... بنیادی طور پر نصرانی تھا۔ سجاح پر ایمان لانے کے بعد نصرانیت ترک کر دی تھی۔

اوس بن خزیمہ نے سجاح کی شرائط کو قبول کر کے اس کے دیگر قیدیوں کے علاوہ
کے دونوں سپہ سالار ہذیل اور عقہ کو بھی رہا کر دیا۔

سجاح نے اپنی عافیت اسی میں سمجھی کہ وہ بنی عمرو اور بنی مازن سے مزید اُلجھے
اسے ان کے ہاتھوں مزید ہزیمت اُٹھانا پڑی تو اس کی نبوت خطرے میں پڑ جائے گی
لوگ اس کے لشکر میں شامل ہیں اس کا ساتھ چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ لہٰذا سجاح نے بڑی
عیاری سے کام لیا وہ اپنی نبوت کے دعوے کا بھرم رکھنا چاہتی تھی لہٰذا اپنے خاص آدمیوں کے ذ
اس نے اپنے لشکر میں مشہور کرا دیا کہ مستقبل کے بارے میں اسے وحی ہوئی ہے۔

لشکر کے لوگ جوق در جوق سجاح بنتِ الحارث کے خیمہ کے باہر جمع ہونے لگے
سجاح سے پکار پکار کر التماس کرنے لگے کہ اب ان کے لیے کیا حکم ہے۔"

سجاح نے جو یہ حالت دیکھی تو اپنے خیمے سے وہ نکلی اور ہجوم کو مخاطب کرتے ہوئے
اس نے الہامی انداز میں کہا۔

" یمامہ چلو، اہلِ یمامہ کی شوکت بھی مسیلمہ کی وجہ سے بڑھ چکی ہے۔ چلو چلو یمامہ چلو
کبوتر کی طرح اُڑتے ہوئے۔ یہ لڑائی فیصلہ کن ہوگی اس کے بعد تم پر کوئی ملامت نہ ہوگی"

سجاح کے ان الفاظ نے اس کے لشکر میں ایک نیا جذبہ اور جوش و خروش پیدا کر دیا
سجاح نے اس سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اسی حالت میں یمامہ کی طرف کُوچ کر دیا تھا۔

دوسری طرف حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عکرمہؓ بن ابی جہل اور شرحبیلؓ بن حسنہ کو دو علیحدہ
علیحدہ لشکر دے کر مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لیے روانہ کر دیا تھا۔ اس موقع پر عکرمہ بن
جہل سے ایک عسکری غلطی ہوئی انھوں نے شرحبیلؓ بن حسنہ کے ساتھ مِل کر مسیلمہ سے نمٹنے
کے بجائے عجلت سے کام لیتے ہوئے مسیلمہ پر حملہ کر دیا۔ لیکن مسیلمہ کے پاس ان سے
کئی گنا بڑا لشکر تھا لہٰذا مقابلے میں عکرمہؓ کو ہزیمت اور شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

یہ حالت دیکھ کر شرحبیلؓ بن حسنہؓ راستے میں رُک گئے تھے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ
دوسرے حکم کا انتظار کرنے لگے تھے۔

عکرمہؓ بن ابی جہل کو پسپا کرنے کے بعد مسیلمہ کذاب کے حوصلے اور بڑھ گئے تھے

یں جہاں اس نے نبوت کا دعویٰ کر رکھا تھا اس کی ساکھ اور مضبوط اور مستحکم ہوگئی تھی لیکن
ے خبر ہوئی کہ سجاح بنتِ الحارث اپنے لشکر کے ساتھ اس کی طرف بڑھ رہی ہے تو
حج کر فکر مند ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جب وہ سجاح کے ساتھ اُلجھ جائے تو شرحبیلؓ بن
زامی پر حملہ کر کے اسے زیر ہی نہ کر لیں۔

مسیلمہ ابھی ان ہی تفکرات میں ڈوبا ہوا تھا کہ سجاح بنت الحارث اپنا لشکر لے کر
نچ گئی۔ مسیلمہ اس کے سامنے قلعہ بند ہو گیا۔ سجاح نے اسے پیغام بھجوایا کہ تم اپنے قلعے
باہر نکل کر مجھ سے ملو۔ مسیلمہ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ اس شرط پر میں قلعے سے نکل
تم سے مل سکتا ہوں کہ تم اپنے لشکر کو شہر سے دُور ہٹا دو اور یہ کہ ایک خیمے میں میرے ساتھ
نات کرو۔"

جواب میں سجاح بنت الحارث نے اپنے لشکر کو شہر سے دُور ہٹا دیا اور مسیلمہ
علیحدہ میں خیمے کے اندر ملاقات کرنے پر رضا مند ہوگئی۔

مسیلمہ نے فوراً اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ شہر کی فصیل کے قریب ایک عالی شان خیمہ
صب کیا جائے۔ جب خیمہ نصب ہو گیا تو مسیلمہ نے دوسرا حکم یہ دیا کہ خیمے کے اندر عود
دہان کی خوب دھونی دو تاکہ سجاح کے جذبات برانگیختہ ہوں۔

جب خیمہ ہر طرح سے تیار ہو گیا تو سجاح اس خیمہ میں آگئی۔ مسیلمہ کے حکم پر دس
محافظ اس خیمہ کے ایک طرف اور دس ہی دوسری طرف متعین کر دیئے گئے تھے۔ پھر مسیلمہ بھی
کی خیمہ میں داخل ہوا۔

سجاح اور مسیلمہ دونوں کی ملاقات ہوئی۔ مسیلمہ نے سجاح سے کہا۔ " اس ملاقات کے
سلسلے میں تمہیں کیا الہام ہوا ہے۔"

سجاح بنت الحارث نے کہا " ابتداء عورت کی طرف سے نہیں ہوتی۔ تم کو جو
نازل ہوا ہے اس کے مطابق عمل کرو۔"

مسیلمہ نے کہا۔ " مجھے الہام ہوا ہے کہ میں تم سے شادی کر لوں۔"

سجاح نے کہا۔ " میں اعلان کرتی ہوں کہ تم نبی ہو۔"

مسیلمہ نے کہا ”تو پھر تم شادی کے لیے تیار ہو تاکہ میں اپنی اور تمہاری قوت کے ساتھ تمام عرب پر قبضہ کر لوں۔“

سجاح نے کہا ۔”میں تیار ہوں۔“

جواب میں خوش ہو کر مسیلمہ نے چند فحش اشعار پڑھے اور دونوں نے ایک دوسرے سے شادی کر لی ۔ اس طرح سجاح بنت الحارث مسیلمہ کذاب سے شادی کرنے کے بعد تین روز تک اس خیمے میں رہی ۔

تین روز بعد جب سجاح بنت الحارث اپنے لشکر میں داخل ہوئی تو اس کے سردار ہذیل نے پوچھا ۔”تمہاری اور مسیلمہ کی گفتگو کا کیا انجام ہوا۔“

سجاح نے کہا ۔”مسیلمہ حق پر ہے ۔ لہٰذا میں نے اس کا اتباع کیا اور اس سے شادی کر لی ہے ۔“

اس بار سجاح کے دوسرے سردار عقہ نے پوچھا ۔”اس شادی پر کیا مسیلمہ نے تمہیں کچھ مہر بھی دیا تھا۔“

سجاح نے کہا ۔”اس نے مجھے مہر میں کچھ نہیں دیا ۔“

عقہ نے کہا ۔”تو پھر دوبارہ اس کے پاس جاؤ اور اس سے حق مہر طلب کرو ۔ تم جیسی عورت کے لیے ہرگز یہ زیبا نہیں ہے کہ وہ بغیر مہر کے پلٹ آئے ۔

اپنے لشکر سے نکل کر سجاح پھر یمامہ شہر کی طرف آئی ۔ مسیلمہ نے دور سے ہی اسے یمامہ شہر کی طرف آتے دیکھ لیا تھا ۔ لہٰذا وہ فصیل پر چڑھ گیا ۔ سجاح جب فصیل کے پاس آئی تو مسیلمہ نے اسے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا ۔”اب کیا معاملہ ہوا ۔“

سجاح نے کہا ۔”میرے لشکر کے سردار میری اس بغیر حق مہر کی شادی پہ اعتراض کرتے ہیں ۔ لہٰذا مجھے میرا مہر دو ۔“

مسیلمہ چند ثانیوں تک کچھ سوچتا رہا ۔ پھر اس نے کہا ۔ تمہارے لشکر میں تمہارا مؤذن کون ہے ۔“

سجاح نے کہا ۔”شبث بن ربعی میرے لشکر کا مؤذن ہے ۔“

مسیلمہ نے کہا ”اسے بلا کر لاؤ ۔“

سجاح بنت الحارث پھر اپنے لشکر میں آئی اور مسیلمہ کے کہنے کے مطابق وہ اپنے لشکر کے مؤذن شبث بن ربعی کو اپنے ساتھ لے کر گئی ۔ جب سجاح اور شبث دونوں مسیلمہ کے پاس آئے تو مسیلمہ نے شبث کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ۔

”اپنے لشکر میں اعلان کر دو کہ مسیلمہ بن حبیب رسول اللہ (نعوذ باللہ) نے تمہارے لیے ان نمازوں میں سے جن کا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حکم دیا ہے ، دو نمازیں صبح اور عشاء کی معاف کر دیں ۔“

مسیلمہ ذرا رکا پھر وہ دوبارہ کہہ رہا تھا ۔”اے سجاح بنت الحارث ! اب تم اپنے لشکر کے ساتھ جزیرہ کی طرف چلی جاؤ ۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ یمامہ کے محاصل کا نصف تجھے دیا کروں گا ۔“

سجاح نے کہا ۔”مجھے منظور ہے ۔ پر اس سال کی رقم تو میں اسی وقت لوں گی تب لشکر کے ساتھ جزیرہ کی طرف کوچ کروں گی ۔“

مسیلمہ نے یہ بات مان لی اور کہا ۔”کہ نصف میں ابھی تم کو دیئے دیتا ہوں اور نصف بعد میں بھجوا دوں گا ۔ ہاں اس کام کے لیے تم اپنا کوئی آدمی یہاں چھوڑ جاؤ ۔“

سجاح نے مسیلمہ کی اس شرط کو قبول کر لیا ۔ اس نے نصف کی وصولیابی کے لیے اپنے دونوں سردار ہذیل اور عقہ کو اس کے پاس چھوڑا اور خود وہ اپنے لشکر کے ساتھ جزیرہ کی طرف کوچ کر گئی تھی ۔

○

* مسیلمہ کذاب کے ہاں سے جانے کے بعد سجاح بنت الحارث بنی تغلب میں جا کر آباد ہو گئی تھی ۔ جب امیر معاویہؓ کا عہد آیا اور حضرت علیؓ کے بعد تمام اسلامی ممالک نے امیر معاویہؓ کو بلاشرکت غیرے امیر تسلیم کر لیا تو سجاح بنت حارث جو مرتد ہو گئی تھی توبہ کر کے حلقہ اسلام میں داخل ہو گئی ۔ وہ جزیرہ سے ہجرت کر کے کوفہ میں آ کر آباد ہو گئی اور اپنی موت تک راسخ العقیدہ مسلمان رہی ۔

دبیر بن نخیس اپنے مکان سے باہر کھجوروں کے جھنڈ میں بیٹھا یوعام کے ساتھ محوِ گفتگو تھا کہ وہ ایک دم چونک سا پڑا اور اپنا سلسلہ گفتگو تمام کرتے ہوئے اس نے یوعام سے مخاطب ہوتے شمال کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا ۔" ادھر دیکھو! وہ کون آ رہا ہے"

یوعام نے جب مڑ کر ادھر دیکھا تو عدیم اپنے گھوڑے پر سوار ان کی طرف آ رہا تھا۔ یوعام اٹھ کر اس کی طرف بھاگا ۔ اتنی دیر تک عدیم بھی قریب آ کر اپنے گھوڑے سے اتر چکا تھا پھر یوعام بھاگ کر اس سے لپٹ چکا تھا ۔ یوعام سے علیحدہ ہو کر عدیم دبیر بن نخیس کو گلے لگا کر ملا پھر وہ ان دونوں کے پاس بیٹھ گیا تھا ۔

یوعام نے پوچھا ۔" تمہارا باپ اور منسوبہ کیسے ہیں "۔

عدیم نے کہا ۔" میرا باپ ٹھیک ہے ۔ سیریا اب میری منسوبہ نہیں رہی۔ میں نے اس سے شادی کر لی ہے ۔ اب وہ میری بیوی ہے ۔ اس بار دبیر بن نخیس نے بولتے ہوئے کہا ۔" تم بڑے وقت پر آئے ہو ۔ ایک دو روز تک خالدؓ بن ولید ایک لشکر کے ساتھ مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لیے یہاں سے روانہ ہونے والے ہیں"۔

عدیم نے فوراً بولتے ہوئے کہا ۔" میں خوش ہوں جو بروقت یہاں پہنچا ہوں۔ میرے لیے یہ ایک بہت بڑی سعادت ہوگی کہ میں خالدؓ بن ولید کے لشکر میں ایک گمنام مجاہد کی حیثیت سے کافروں اور ملحدوں کے خلاف جنگ کروں گا"۔

دبیر بن نخیس نے کہا ۔" جس طرح اسود عنسی کا کام تمام ہوا میرا دل کہتا ہے کہ اسی طرح خالدؓ بن ولید اپنے لشکر کے ساتھ مسیلمہ کذاب کو ذلتِ نفس کا شکار کر کے اس کے عبودیت کے سارے الاپ اور اس کی عظمتوں کے سارے خواب سوکھے ہوئے ان پیڑوں جیسا کر دیں گے جو اپنی شاخوں سے رہائی پانے کی دعائیں مانگتے ہوں ہم انشاء اللہ مسیلمہ کذاب کو جلتی آگ کی نوک پر رکھ دھیرے دھیرے اس کے سلگنے کا عمل شروع کریں گے ۔

مسیلمہ نے کچھ علاقوں پر جو قبضہ کر کے دولت حاصل کر لی ہے اس پر وہ اترانے لگا ہے لیکن میرے رفیقو! یاد رکھو! امیری خبثِ نفس اور غریبی شرافتِ نفس کی دین

ہے جب کہ غم جذبات میں لطافت اور نکھار پیدا کرتا ہے ۔ یہ مسیلمہ کذاب اب صرف اپنی ذات چھپانے کی خاطر ہر شہر ہر بستی کو ننگا کرنا چاہتا ہے لیکن وہ نہیں جانتا کہ جہاں اس کے باغی موت کو دیکھ کر چھپنے کی دعائیں مانگتے ہیں وہاں مسلمان مجاہد زندگی پاؤں پڑے تب بھی مرنے کی تمنا کریں ۔

میرے حبیبو! میرے رفیقو! اسلام کا پیغام چاند کی اس بھیگی روشنی جیسا ہے ۔ جو ظلمت کے اندھیروں میں گھس کر چاندی کا روپ دھار لیتی ہے ۔ عنقریب مسیلمہ کذاب اپنے نظام جمالِ حیات کو راکھ میں بدلتا دیکھ رہا ہوگا ۔

رمنیس! رمنیس! تم تھکے ہوئے ہو ۔ آؤ حویلی میں چل کر کھانا کھاؤ اور آرام کرو"۔

یوعام نے عدیم کے گھوڑے کو کھجوروں کے جھنڈ میں پہلے سے بندھے گھوڑوں کے ساتھ باندھ کر چارہ ڈال دیا تھا ۔ پھر وہ تینوں حویلی کی طرف جا رہے تھے ۔ تیسرے روز عدیم اور یوعام خالدؓ بن ولید کے لشکر کے ساتھ یمامہ کی طرف کوچ کر گئے تھے جب کہ دبیر بن نخیس گھر پر ہی رہ گیا تھا ۔

جس طرح عکرمہؓ بن ابو جہل نے مسیلمہ بن کذاب پر عجلت سے حملہ کر کے ہزیمت اٹھائی تھی ایسا ہی فعل شرجیلؓ بن حسنہ سے سرزد ہوا ۔ عکرمہؓ کی شکست پر وہ ایک جگہ رک گئے تھے لیکن جب انہیں خبر ہوئی کہ خالدؓ بن ولید اپنے لشکر کے ساتھ مدینۃ النبیؐ سے روانہ ہو گئے ہیں تو جوش اور جذبے میں آ کر ان سے بھی ایسی ہی لغزش سرزد ہوئی ۔ انہوں نے یمامہ کی حدود میں داخل ہو کر مسیلمہ پر حملہ کر دیا لیکن شکست کھائی اور دوبارہ اپنی پہلی والی جگہ پر آ کر خیمہ زن ہو گئے تھے ۔

○

شرجیلؓ بن حسنہ کو پسپا کرنے کے بعد مسیلمہ کذاب اپنی لشکر گاہ میں اپنے خیمے کے اندر بیٹھا نہار الرحال کے ساتھ محوِ گفتگو تھا ۔ یہ وہی شخص تھا جسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمامہ کا معلم مقرر کیا تھا اور جو مرتد ہو کر مسیلمہ کذاب کے ساتھ مل گیا تھا ۔ دونوں ابھی محوِ گفتگو تھے کہ مسیلمہ کا ایک محافظ اندر آیا اور مسیلمہ کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے

کہا۔" اے آقا! بنو حنیفہ کی ایک معمر عورت آئی ہے۔ وہ آپ سے ملنا چاہتی ہے۔ اس کا نام ام الہیثم بتاتی ہے"۔

مسیلمہ نے کہا۔" اس عورت کو اندر بھیجو!" وہ محافظ باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد مسیلمہ کذاب کے خیمے میں ایک معمر عورت داخل ہوئی اور مسیلمہ کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا۔" اے لوگوں کو برکتیں دینے والے انسان۔ ہمارے نخلستانوں میں اب پھل نہیں آتے اور ہمارے کنوؤں میں بہت کم پانی رہ گیا ہے۔ تو جو دعویٰ کرتا ہے کہ تجھ پر اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے تو تو اسی طرح ہمارے لیے دُعا کر جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ ہزمان کے لیے دُعا کی تھی جس کے باعث ان کے کنوؤں میں اس قدر پانی آیا کہ وہ اُبل پڑے اور نخلستان خوب بار آور ہوئے"۔

جب وہ بوڑھی خاتون رُکی تو مسیلمہ کذاب نے اپنے پہلو میں بیٹھے نہار کی طرف دیکھتے ہوئے تعجب اور فکرمندی کے ملے جلے جذبات میں پوچھا۔" نہار! تمہارے امیر دوست

ل مسیلمہ کذاب کا دعویٰ تھا کہ اس پر وحی نازل ہوتی ہے۔ اس کے چند الہام درج ذیل ہیں:

اوّل: بنی تمیم پاک جوانمرد ہیں۔ ان میں کوئی بُرائی اور تساہل نہیں۔ ہم زندگی بھر ان کی لغزشوں کو احسان کر کے درگزر کرتے رہیں گے۔ ہر شخص کے مقابلے میں ان کی حفاظت کریں گے۔ جب مر جائیں گے تو ان کا معاملہ رحمان سے ہے۔

دوم: قسم ہے بکری اور اس کے رنگوں کی اور سب سے تعجب خیز اس کے سیاہ رنگ اور دودھ ہے۔ سیاہ بکری سفید دودھ کس قدر عجیب بات ہے۔ دودھ میں پانی ملانا حرام کر دیا گیا ہے پھر کیوں تم کو شرم نہیں آتی۔

سوم: اے مینڈکی! مینڈک کی بیٹی! تو کس قدر پاک صاف ہے۔ تیرا بالائی حصہ پانی میں رہتا ہے اور زیریں مٹی کیچڑ میں۔ تو نہ پانی پینے والے کو روکتی ہے اور نہ پانی کو گدلا کرتی ہے۔

چہارم: قسم ہے کھیت میں بیج ڈالنے والوں کی، فصل کاٹنے والوں کی، دانہ نکالنے والوں

عزیز! یہ کیا معاملہ ہے جو یہ عورت کہہ رہی ہے؟ کیا تم اس کی تفصیل جانتے ہو"۔

نہار نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔" ایک بار اہلِ ہزمان نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر شکایت کی کہ ہمارے کنوؤں میں پانی بہت کم رہ گیا ہے اور نخلستان بار آور نہیں ہو رہے ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دُعا کی جس کی وجہ سے ان کے کنوؤں میں اس قدر پانی آیا کہ وہ اُبل پڑے اور نخلستان اس قدر بار آور ہوئے کہ پھلوں کے بوجھ سے ان کی شاخیں اس طرح زمین سے لگ گئیں کہ پھر وہ خود درخت کی جڑ بن ہوگئیں اور ان کو قطع کرنا پڑا۔ پھر وہ نہایت بلند، سیدھی اور سرسبز ہوگئیں۔

مسیلمہ کذاب نے پوچھا۔" کنوؤں کے ساتھ انہوں نے کیا ترکیب کی تھی"۔

نہار نے کہا۔" محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کا ایک ڈول منگوایا تھا۔ پھر اہلِ ہزمان کے لیے دُعا کی۔ اس کے بعد اس ڈول میں سے تھوڑا سا پانی مُنہ میں لے کر غرارہ کیا پھر وہ کلی اس ڈول میں کر دی۔

اسے لے کر وہ لوگ اپنے کنوؤں کے پاس آئے اور اس ڈول میں سے پانی لے کر انہوں نے سب کنوؤں میں ڈال دیا۔ پھر انہوں نے ان کنوؤں سے اپنے نخلستانوں کو پانی دیا جس کا اثر وہی ہوا کہ کنوئیں اُبل پڑے۔ نخلستان کو اس کثرت سے پانی دیا گیا کہ وہ ہرے بھرے ہوگئے۔ پھر بھی ان کنوؤں کے اندر پانی ذرا سا بھی کم نہ ہوا۔

مسیلمہ کذاب نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل کرتے ہوئے پانی کا ایک ڈول منگوایا۔ پھر بنو حنیفہ کے لیے اس نے دُعا کی۔ اس ڈول میں سے ایک چُلّو پانی منہ میں لے کر کُلی کی اور دوبارہ اس ڈول میں ڈال دیا۔ اس پانی کو لے کر ان لوگوں نے اپنے کنوؤں میں

کی، آٹا پیسنے والوں کی، روٹی پکانے والوں کی، ان کو چُور کر کے ملیدہ بنانے والوں کی اور پھر لقمے بنا کر کھانے والوں کی، جو چربی اور مکھن سے کھاتے ہیں۔ اے ساکنانِ بادیہ! تم کو فضیلت دی گئی ہے اور شہری تم سے کسی بات میں آگے نہیں ہیں۔ اپنے علاقے کی مدافعت کرو۔ غریب کو پناہ دو اور بدمعاش کو اپنے ہاں سے نکال دو۔

ڈالا۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ کنوؤں کا پانی اور بھی کم ہو گیا اور ان کے نخلستان خشک ہونے لگے۔ اس امر پر بنو حنیفہ یقیناً مسیلمہ کذاب کو موت کے گھاٹ اتار دیتے پر اس سے پہلے ہی ان کی خالدؓ بن ولید کے ساتھ جنگ شروع ہو گئی تھی۔

O

مسیلمہ کذاب بنو حنیفہ کی اس عورت اُم الہیثم کو پانی کا ڈول دے کر فارغ ہوا ہی تھا کہ اس کا ایک محافظ بھاگتا ہُوا اس کے خیمے میں داخل ہُوا اور بدحواسی میں اس نے کہا۔

"اے آقا! ہمارے کچھ لوگ بُری خبر لے کر آئے ہیں۔ خالدؓ بن ولید اپنے لشکر کے ساتھ بڑی تیزی سے ہماری طرف کوچ کر رہے ہیں۔"

یہ خبر سُن کر مسیلمہ کا سارا جمالِ حیات راکھ ہو گیا تھا۔ تھوڑی دیر قبل تک اس کے چڑھنے میں عزم، اُترنے میں جلال، پھسلنے میں خوشنمائی اور خوشی کے نشے میں وہ چُور چُور تھا پر اب خالدؓ بن ولید کے لشکر کے کوچ کا سُن کر وہ تیز ہواؤں میں خیمے کے پردوں کی طرح تھر تھر کانپ رہا تھا۔

اس کے جسم کی طنابیں گویا ٹوٹنے لگی تھیں۔ اس کی زبان پر الفاظ مرنے لگے اور وہ یوں محسوس کر رہا تھا جیسے دہکتی سُرخ آنکھوں والے صحرا کے مسلمان تُند و سیاہ گھوڑوں کی ننگی پیٹھوں پر سوار، اپنے لمبے بھالے اور تلواریں سونتے ہزاروں ساعتوں کے دن سمیٹتے، اپنے گھوڑوں کے سموں سے زمین کی دھجیاں اُڑاتے اُسے جہنم رسید کرنے کو بڑھ رہے ہوں۔

اس موقع پر جب کہ مسیلمہ پر بے نام رنگ جذبے اور مایوسی صد رنگ طاری ہو رہی تھی اور اس کی حالت فاصلوں میں اُلجھ جانے والے راہگیر جیسی ہو گئی تھی تو اس کے منہ سے کف جاری ہو گیا تھا اور اس نے ابلیسؔ سے مشورہ کے لیے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا تھا۔

ؔ مسیلمہ سے متعلق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ایک شیطان مسیلمہ کے تابع ہے وہ جب اس کے پاس آتا ہے تو معلوم ہوتا ہے اس کے دونوں جبڑوں میں ناسور ہو

شیطان سے مشورہ کرنے کے بعد مسیلمہ کذاب نے اپنے پہلو میں بیٹھے نہار اور سارے داخل ہونے والے محافظ کو مخاطب کرتے ہوئے الہامی انداز میں کہا۔

"سنو میرے رفیقو! خالدؓ بن ولید کے لشکر پر ہم غیض و غضب کی تصویر، اضطراب کی تقدیر، دیواروں اور ستونوں کی عظمت اور صبح کی طرح روشن وسعت کے ساتھ نازل ہوں گے۔ حق کے دستِ راست اور خوابوں کی دل پسند تعبیروں کی طرح ہم ان پر اس طرح وارد ہوں گے جیسے رات دن کے کندھوں پر سوار ہوتی ہے اور دل کشی کو کراہت، نرمی کو خباثت اور زیبوں کو اپنے ازلی و ابدی رنگ اور خونی نذرانوں سے اذیت ناک خرخراہٹ میں بدل دیتی ہے۔ خالد بن ولید کو اپنے لشکر کے ساتھ آنے دو۔ ہمارے مقابل آ کر وہ اپنے آپ کو سنسان جنگل اور اُجاڑ ویرانوں میں کھڑا محسوس کرے گا۔ ہماری سحر آفرین نگاہیں ان کی پسلیوں کے پنجروں کو آزادی اور بے فکری سے محروم کر دیں گی۔

اپنی قوتوں کو مربوط رکھ کر ہم ان پر غم انگیز تباہی بن کر وارد ہوں گے۔ ان پر اس طرح حملہ آور ہوں گے جیسے رات کوتوں کی طرح زمین پر اُتر کر اپنی سیاہ چادر پھیلاتی ہے۔ ایسے ہی ہم ان کی ساری شجاعت و بلاغت، ساری نرمی و لطافت چھین کر ان پر غم انگیز تباہی اور تھکے ماندے راہگیر کی سی اذیت اور درماندگی طاری کر کے رکھ دیں گے۔

اپنے سکون کو طوفان خیز سمندر بنا لو۔ اپنی روحوں کو خونخواری کی غذا مہیا کرو۔ اپنے دلوں کو خوفناکیوں سے بھر پور مجرم دل جیسی قوت فراہم کرو اور خالدؓ بن ولید کے لشکر سے ٹکرا جانے کی تیاریاں مکمل کر لو۔"

اس کے بعد نہار کے ساتھ مسیلمہ کذاب اپنے خیمے سے باہر نکلا اور خالدؓ بن ولید کا مقابلہ کرنے کے لیے وہ اپنے لشکر کا جائزہ لینے لگا تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۸) منہ سے کف جاری ہو جاتا ہے اور جس بھلی بات کے کرنے کا مسیلمہ ارادہ کرتا ہے، وہ شیطان اسے اس کے کرنے سے روک دیتا ہے۔ لہٰذا اگر کبھی تم کو اس کے خلاف موقع مل جائے تو ہرگز اسے ہاتھ سے نہ جانے دینا۔

خالدؓ بن ولید اپنے لشکر کے ساتھ اس جگہ پہنچے جہاں شرجیلؓ بن حسنہ اپنے لشکر سے خیمہ زن تھے۔ یہاں خالدؓ بن ولید نے شرجیل بن حسنہ کو ان کا انتظام کیے بغیر مسیلمہ کذاب پر حملہ کرنے اور پسپا ہونے پر سخت ملامت اور سرزنش کی پھر خالدؓ بن ولید اس متحدہ لشکر کو لے کر جس کی کل تعداد تیرہ ہزار تھی مسیلمہ کذاب سے نمٹنے کے لیے آگے بڑھے۔

مقابلے میں مسیلمہ کے پاس چالیس ہزار کا تو اپنا لشکر تھا اس کے علاوہ اس کی بیوی سجاح بنت الحارث چونکہ جزیرہ کی طرف چلی گئی تھی لہٰذا اس کا لشکر بھی مسیلمہ کے ساتھ تھا۔ اس طرح مسیلمہ کے لشکر میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا تھا اور اس کے حوصلے بلند ہو گئے تھے۔

خالدؓ بن ولید نے اپنے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ قلب اپنے پاس رکھا۔ مقدمۃ الجیش پر شرجیلؓ بن حسنہ کو، میمنہ پر عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکرؓ اور میسرہ پر زیدؓ بن الخطاب کو کماندار مقرر کیا۔

اس کے جواب میں مسیلمہ کذاب نے اپنے لشکر کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا۔ قلب اس نے اپنے پاس رکھا۔ مقدمۃ الجیش پر نہار کو۔ میمنہ پر محکم بن طفیل کو اور میسرہ پر اخنیس کو کماندار مقرر کیا۔ اس کے علاوہ مسیلمہ نے ایک محفوظ لشکر بھی رکھا اور اس پر مجاعہ نام کے ایک جرنیل کو کماندار مقرر کیا۔ جب کہ یمامہ شہر کی حفاظت کے لیے مسیلمہ کذاب نے سلمہ بن عمیر کو شہر کا حاکم و محافظ مقرر کیا۔

خالدؓ بن ولید یمامہ سے ابھی ایک دن کی مسافت پر تھے کہ مسیلمہ بن کذاب ان کے خلاف حرکت میں آیا اور اس نے اپنے لشکر کے محفوظ حصے کو جس کا کماندار مجاعہ تھا خالدؓ بن ولید کے لشکر پر شب خون مارنے کے لیے روانہ کیا۔

خالدؓ بن ولید کو اس شب خون کا علم ہو گیا تھا لہٰذا انہوں نے شرجیلؓ بن حسنہ کو مجاعہ سے نمٹنے پر مقرر کیا۔ مجاعہ جب بنی عامر اور بنی تمیم کے جوانوں کے ساتھ مسلمانوں پر شب خون مارنے آیا تو شرجیل بن حسنہ نے اپنے مقدمۃ الجیش کے ساتھ مجاعہ کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ شرجیلؓ بن حسنہ نے شب خون میں حصہ لینے والے بنی تمیم اور بنی عامر کے سارے جوانوں کو

قتل کر دیا اور ان کے جرنیل مجاعہ کو زندہ گرفتار کر کے حضرت خالدؓ بن ولید کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت خالدؓ نے مجاعہ کو اپنے پاس ایک قیدی کی حیثیت سے رکھ لیا اور یمامہ کی طرف پیش قدمی شروع کر دیا تھا۔

خالدؓ بن ولید اپنے لشکر کے ساتھ بڑی تیزی سے آگے بڑھتے رہے اور عقربا کے مقام پر جہاں سے یمامہ شہر اور اس کے کھیت صاف دکھائی دیتے تھے انہوں نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیا۔ آپ ایک بلند ٹیلے پر بیٹھ کر حالات کا جائزہ لینے لگے۔ اتنی دیر تک مسیلمہ بھی اپنے لشکر کے ساتھ سامنے آ کر خیمہ زن ہوا۔

اب حضرت خالدؓ کی پشت پر کھلا میدان تھا۔ جب کہ مسیلمہ کذاب کی پشت پر یمامہ اور بائیں طرف ایک وسیع باغ تھا جس کے اردگرد مضبوط دیوار تھی اور اندر داخل ہونے کے لیے اس میں دروازے لگے ہوئے تھے۔

مسیلمہ کے لشکر کی تعداد چونکہ حضرت خالدؓ کے لشکر سے کئی گنا زیادہ تھی۔ لہٰذا آپ نے اپنی جنگی اور عسکری فراست سے کام لیتے ہوئے لشکر کی میمنہ و میسرہ کی ترتیب ختم کر دی اور لشکریوں کو اپنے قبیلے کے سردار کے تحت جنگ کرنے کا حکم دیا۔

عسکری نقطہ نظر سے یہ ایک بہترین اور مناسب فیصلہ تھا کہ علیحدہ علیحدہ قبائل کی صورت میں اس لیے سودمند تھا کہ ہر قبیلہ دوسرے قبیلے سے بازی لے جانے کی خاطر اپنے سردار کے تحت زیادہ تندہی اور حمیت کے ساتھ جنگ کرتا۔ عدیم اور یو عام لشکر کے اس حصے میں شامل تھے جو براہ راست خالدؓ بن ولید کے تحت رہ گیا تھا۔

دونوں لشکر ایک دوسرے کے آمنے سامنے صف آرا ہوئے اور جنگ شروع ہو گئی۔ ایک طرف خالدؓ بن ولید کی سرکردگی میں خدا اور اس کے رسولؐ کو ماننے والے صرف تیرہ ہزار پرجوش مجاہدین اور دوسری طرف مسیلمہ کذاب کو اپنا رسول ماننے والا تقریباً ایک لاکھ کا لشکر۔

خالدؓ بن ولید نے اپنے حصے کے لشکر کو وسط میں رکھا۔ دائیں طرف آخر میں مہاجرین تھے اور ان کے سردار سالمؓ موسیٰ ابی حذیفہ تھے۔ بائیں طرف آخر میں انصار صحابہؓ تھے

اور ان کے سردار ثابتؓ بن قیس بن شماس تھے اور لشکر کے ان دونوں حصوں کے درمیان مختلف قبائل جنگ میں مصروف تھے۔

جنگ لمحہ بہ لمحہ زور پکڑتی جا رہی تھی۔ خالدؓ بن ولید کی سرکردگی میں لڑنے والے ہزار ہزار مجاہدین جنگاری سے ایک طوفانِ شدید بنتے جا رہے تھے۔ سعادت و کامرانی کے سرچشموں کی طرح وہ اپنا سب کچھ قربان کر دینے کو آمادہ تھے۔ ایسا لگتا تھا مسیلمہ کذاب کی وحشت کے راگ مٹانے اور نوا میں فطرت کی حفاظت میں وہ آغازِ آفرینش کی طرح سے ظلمت کے اندر نور کی شعاعیں بن کر اٹھ کھڑے ہوئے ہوں۔

ان کے حملوں میں سمندر کے ٹھنڈے سانس جیسا سکون، آزادی دینے والا اطمینان۔ لطیف و سبک نغموں جیسا رنگ رس تھا۔ ایسا لگتا تھا خداوند کریم نے انہیں کو روحانیت سے سیراب کرنے، زندگی کے حسن کو فرحت، غم کو خوشی، مایوسی کو تنہائیوں کو کہکشاں، تلخ آنسوؤں کو امرت، مایوسی کے بھنور کو پرسکون جنت کو روشنی و نزاکت اور خوفناکیوں سے بھرے مجرم دلوں کو روشنی عطا کرنے کے لیے پیدا کیا ہو۔

خالدؓ بن ولید کی سرکردگی میں لڑنے والے مجاہدین جو آپس میں محبت کی طرح اور روحوں کے لمس کی طرح لطیف تھے اس سمے جنگ میں دشمن کے لیے شدید نفرت گرم رو ہیجان آفرین سمندر کی طرح رحم ناآشنا اور اپنی معرکہ آرائیوں کی عظمتوں کے قصے دراز کرتے ہوئے وہ دشمن پر موت کی طرح ٹھنڈے جذبے طاری کر رہے تھے۔

اندھی خشک ہواؤں، خون سے احوال لکھتی دوپہر اور راکھ بن کر وقت کی میں گھسنے والی رات کی طرح جنگ زور پکڑ گئی تھی۔ خالدؓ بن ولید کی راہنمائی میں صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھنے والے ابد تک بہنے والے سمندر، صبح کی آنکھ، شام کی ناچتے لفظوں کی سیاہ آندھی اور سورج کی ایسی تیز روشنی بن کر جیسے ننگی آنکھ دیکھ مسیلمہ کذاب کے لشکر میں گھس کر ان کے سارے جذبوں کو بے بصر و بے ثمر وجود کو جہنم کا ایندھن بنانے لگے تھے۔ اپنے بے زنجیر ہونٹوں پر اللہ اکبر کی تکبیریں سجا باہر کی آنکھوں کو بے پردہ، ان کی تیرگی کو بے آبرو اور ان کی ساری جھوٹی تجلیات کو بے وقار بنا رہے تھے۔

عدیم جو حضرت خالدؓ بن ولید کے قریب ہی جنگ کر رہا تھا۔ اچانک وہ لڑتا لڑتا مسیلمہ کذاب کے میسرہ کے جرنیل اخنیس تک جا پہنچا۔ پھر وہ اپنے اطراف سے بے خبر ہو کر اک بال، پات جھاڑ دینے والے طوفان، لفظ بے صدا، سکون کے سمندر اور کہر کے پردے بصیرت کی طرح آگے بڑھا اور اس قدر قوت اور جانفروشی سے اس نے اخنیس پر حملہ کیا کہ اخنیس اپنا دفاع نہ کر سکا اور عدیم کی تلوار نے اخنیس کو کاٹ کر رکھ دیا تھا۔

اخنیس کے عدیم کے ہاتھوں مارے جانے پر مسیلمہ کذاب کے میسرہ کے لشکری بدکی ہوئی اونٹنیوں کی طرح ادھر ادھر بکھر بھاگ رہے تھے۔

خالدؓ بن ولید عدیم کی یہ کارگزاری دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے اپنے قریب لڑنے والے ایک مجاہد سے کہا۔ "جب جنگ ختم ہو تو وہ دیکھو اس جوان کو میرے پاس لانا جس نے مسیلمہ کے میسرہ کے جرنیل کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔"

جنگ جس وقت اپنے شباب و عروج پر تھی حضرت خالدؓ نے دیکھا مسیلمہ ایک گھوڑے پر سوار کھڑا تھا۔ آپ نے اندازہ لگایا کہ جب تک مسیلمہ اپنی جگہ سے نہ ہٹے جنگ کا انجام جلد نہ ہو گا۔ لہٰذا وہ لڑتے لڑتے مسیلمہ کے قریب گئے اور اسے آواز دیتے ہوئے کہا۔ "اے مسیلمہ! میں خالدؓ بن ولید ہوں۔ اگر ہم نصف پر راضی ہو جائیں تو کون سا نصف آپ ہمیں دیں گے؟"

حضرت خالدؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رکھا تھا کہ مسیلمہ کے تابع ایک شیطان ہے جس سے مشورہ کر کے وہ جواب دیتا ہے۔ اس موقع پر حضورؐ کے ارشاد کے مطابق مسیلمہ کے منہ سے جھاگ بہہ نکلا اور شیطان سے مشورہ کے لیے جب اس نے اپنا منہ پھیرا تو خالدؓ بن ولید نے اس پر حملہ کر دیا۔ مسیلمہ خوفزدہ ہو کر بھاگ نکلا اور اس کے ساتھی بھی فرار اختیار کرنے لگے تھے۔

اس موقع پر خالدؓ بن ولید نے اپنے لشکریوں کو للکارتے ہوئے کہا۔

مجاہدو! خبردار اب کوتاہی نہ کرنا۔ یاد رکھو مسیلمہ کذاب اور اس کے ساتھی ظلمت کے غاروں اور ذلت کی آغوش میں پلنے والے خواہشوں کے سانپ ہیں۔ یہ زندگی کے غلام، ذلت و خواری کے پروردہ، گناہوں کا سرچشمہ اور دنیاوی حسرتوں اور لہو و لعب کی پیداوار ہیں۔

میرے عزیزو! میرے ہم سفیرو! آؤ اللہ اور رسول ﷺ کے ان دشمنوں پر ہوا کی آہ و زاری اور سورج کی لطیف شعاعوں کی طرح ایک اہتمام کے ساتھ ان پر چھا کر انہیں متحیر و مبہوت بنا کر رکھ دیں۔ تم ہی اللہ کی خلافت کے اہل ہو، ان پر آندھی اور بارش جیسی شدت کے ساتھ ایسے نزول کرو کہ ان کی حالت شکستہ اور بھولے ہوئے آشیانوں جیسی ہو جائے اور ان وادیوں کی ہتھیلی پر قدم قدم پر موت ان دین کے دشمنوں کے ساتھ ہم کلام ہوتی پھرے۔

میرے صحراؤں کے باسیو! یاد رکھو! اس خدا کی اعانت و نصرت ہمارے ساتھ ہے جو مادہ حیات کے ایک قطرے سے قومیں وجود میں لاتا ہے۔ آؤ اپنے رسول ﷺ کے ان دشمنوں کا کرۂ ارض کے مشرقی کونوں سے غربی کونوں تک تعاقب کریں۔ ان پر خون کے آنسو بہاتی راتیں اور جان نواز ابتلا طاری کر دیں۔ آؤ میرے ساتھ کہ ایک نئے حملے کی ابتدا کریں۔“

حضرت خالدؓ بن ولید کے ان الفاظ نے ان کے لشکریوں کے اندر جرأت و عزیمت کی ایک آگ بھر دی تھی۔ وہ ہونٹوں پر موت کا تبسم اور آنکھوں میں حرص جمود لیے مسیلمہ کذاب کے لشکر پر ٹوٹ پڑے تھے۔ وہ اس موقع پر اپنے ظاہری وجود بھول کر وجود معنوی میں گم ہو کر زندگی کی باریکیوں اور اسرار کے اوراق الٹنے لگے تھے۔ عقربا کے ان میدانوں میں ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ زندگی موت سے ہم کلام ہونے لگی تھی۔ اللہ اکبر کے نغمہ ہائے عبودیت کے ہم دوش موت کے پیچھے مسیلمہ

کو بے برگ و بار اور ننگے درختوں کی طرح کاٹنے لگے تھے۔

ایک تو خالدؓ بن ولید کی تقریر پر مسلمانوں نے اپنے حملوں میں ایک طوفان کھڑا کیا تھا۔ دوسرے جب مسیلمہ کذاب میدانِ جنگ سے ملحقہ باغ کی طرف بھاگا تو اس کے لشکریوں کے رہے سہے حوصلے بھی خطا ہو گئے اور وہ بھی مسیلمہ کی تقلید میں باغ کی طرف فرار کرنے لگے تھے۔

اس موقع پر مسیلمہ کے میسرہ کا جرنیل محکم بن طفیل آڑے آیا۔ اس نے جم کر لڑنا شروع کر دی اور میدان سے بھاگنے والے اپنے لشکریوں کو وہ مسیلمہ کے پیچھے پیچھے باغ کی طرف جانے کی ترغیب دے رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کچھ دیر میدان میں جم کر اپنے لشکریوں کو باغ کی طرف جانے کا موقع فراہم کر دے تاکہ وہاں دوبارہ منظم ہو کر مقابلہ کیا جا سکے۔

محکم بن طفیل نے جب دیکھا کہ اس کی ترغیب پر میدان جنگ سے بھاگتے ہوئے لشکری اب مسیلمہ کذاب کے پیچھے پیچھے باغ کا رخ کر رہے ہیں تو اپنے میسرہ کو تھوڑی دیر کے لیے میدان جنگ میں استوار رکھنے کے لیے زور زور سے چلا چلا کر کہنے لگا تھا۔

”اے بنی حنیفہ! اب وقت آگیا ہے کہ تمہاری شریف زادیاں جبراً لونڈیاں بنالی جائیں اور ادنیٰ تر لوگ ان سے تمتع کریں۔ لہٰذا تم لوگوں میں کچھ بھی غیرت اور حمیت ہے تو اب دکھاؤ۔ یاد رکھو! اگر آج تم لوگوں نے ——“

محکم بن طفیل اپنی تقریر مکمل نہ کر سکا کیوں کہ عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکرؓ نے اس کے سینے میں تیر مار کر اسے موت کی نیند سلا دیا تھا۔ اسی موقع پر حضرت زیدؓ بن الخطاب نے آگے بڑھ کر مسیلمہ کذاب کے مقدمۃ الجیش کے بچے کھچے لشکر پر زوردار حملہ کیا اور مسیلمہ کے دستِ راست اور اس کے مقدمۃ الجیش کے جرنیل نہار کی گردن کاٹ کر رکھ دی۔ اب مسیلمہ کے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی تھی اور سارا لشکر باغ کی طرف بھاگنے لگا تھا۔

مسیلمہ کذاب کے ہراول، میسرہ اور میمنہ کے تینوں جرنیل نہار، محکم اور انہیں

جنگ میں مارے گئے تھے۔ اب باغ کے اندر مسیلمہ نے اپنے لشکر کو منظم و مستحکم کرنا شروع کر دیا تھا۔

خالدؓ بن ولید نے بھی اپنے لشکر کو یک جا کیا اور باغ کا محاصرہ کر لیا تھا۔ خالدؓ بن ولید کے حکم پر مسلمانوں نے اس باغ کی دیوار اور دروازہ توڑ دیا اور اندر داخل ہو گئے۔ پھر اس باغ کے اندر ایسا گھمسان کا رن پڑا کہ مجاہدین نے مسیلمہ کے آدمیوں کو گھاس پھوس کی طرح کاٹنا شروع کر دیا تھا۔

مسیلمہؓ دُور کھڑا رہ کر جنگ کا منظر دیکھتا رہا تھا۔ جب اس نے اندازہ لگایا کہ مسلمان تیزی کے ساتھ اس کے لشکریوں کو ختم کرتے ہوئے اب اس کے لشکر پر غالب آتے جا رہے ہیں تو مسیلمہ نے اپنی جان بچانے کی خاطر باغ سے بھاگ جانے کا ارادہ کر لیا۔

اس موقع پر عدیم لڑتا لڑتا بالکل مسیلمہ کذاب کے قریب جا پہنچا تھا۔ پھر اس نے مسیلمہ کذاب کو مخاطب کرتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔

"اے بے نام و بے ننگ اور زنگ آلود انسان! کیا تو دیکھتا نہیں۔ تیرے سارے سہارے موہوم، تیری ساری آرزوئیں مُردہ اور تیرا سارا احساس نشاط اور گرمی محبوب، بے کیف جلن اور صدیوں کے ویران ذہنوں جیسا ہو گیا ہے۔ دیکھ تیرے سارے ان آوارہ حال پرندوں کی طرح کٹ کٹ کر بکھر رہے ہیں جن کا کوئی آشیانہ نہ رہا ہو۔ اے زمین کے فتنے! اب تیری حالت بھی ترستے بے جان پتوں اور اداس شاموں پر مسلّط تاریکیوں جیسی ہونے والی ہے۔ دیکھ میں تجھ پر حملہ آور ہونے لگا ہوں۔ پھر دیکھ تیری ساری حرص جاہ و جلال اور تیری ساری خدا فروشی کی منزل کیسے لٹ

ؒ مسیلمہ جب بھاگ کر باغ میں آیا تو اس کے ایک لشکری نے پوچھا "آپ کے وہ وعدے کہاں گئے جو آپ ہمارے ساتھ اپنی فتح سے متعلق کرتے تھے کیا ہوئے"۔ مسیلمہ نے شرمندہ ہو کر کہا "بس اس وقت تم لوگ اپنی عزت کی حمایت میں لڑو۔

جاتی ہے"۔ اپنے گھوڑے کو عدیم نے ایک اہم زقند لگوائی اور مسیلمہ کی طرف بڑھا۔ مسیلمہ کے چہرے کی ساری تابانی دُکھ میں اور سارے زریں جذبات دل کی بیماریوں میں بدل گئے اور وہ اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ عدیم بھی اپنے گھوڑے کو اس کے تعاقب میں بھگانے لگا۔

اس موقع پر جب کہ مسیلمہ آگے آگے اور عدیم اس کے پیچھے پیچھے تھا اور مسیلمہ بھاگتا ہوا باغ کے دروازے کی طرف جا رہا تھا۔ اچانک ایک طرف سے دو صحابی اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے مسیلمہ کی طرف بڑھے۔ ایک مدینۃ النبیؐ کے انصار میں سے تھے اور دوسرے حبشی تھے کہ نام جن کا وحشیؓ تھا۔

عدیم ابھی دُور ہی تھا کہ ان دونوں نے ایک ساتھ مسیلمہ پر حملہ کر دیا۔ انصاری نے مسیلمہ پر اپنی تلوار برسا دی اور وحشیؓ نے اسے اپنا بھالا دے مارا۔ مسیلمہ اپنے گھوڑے سے گرا اور دم توڑ گیا۔

مسیلمہ کذاب کی موت کے بعد اس باغ کے اندر اس کے لشکر کا قتل شروع ہو گیا تھا اور چند ہزار مسلمانوں کے ہاتھوں ستّر ہزار مُرتد و مشرکین اس باغ[1] کے اندر مارے گئے تھے۔

جب جنگ ختم ہو گئی تو خالدؓ بن ولید نے مسیلمہ کے ہراول لشکر کے جرنیل مجاعہ کو طلب کیا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے جنگ سے پہلے مسلمانوں پر شب خون مارنے کی کوشش کی تھی اور شرجیلؓ بن حسنہ کے ہاتھوں گرفتار ہو کر ابھی تک اسلامی لشکر کے ہاں اسیری کی حالت میں تھا۔

جب مجاعہ کو خالدؓ بن ولید کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے اس سے پوچھا "دیکھا تمہارے مرتد اور مشرک بھائیوں کا کیا انجام ہوا"

[1] اس باغ میں مسیلمہ کذاب کے اس قدر لشکری مارے جانے پر یہ باغ حدیقۃ الموت (موت کا باغ) سے مشہور ہو گیا تھا۔

مجاعہ نے کہا ۔ "جن لوگوں نے ابھی تک اس جنگ میں حصّہ لیا ہے اور مارے گئے ہیں وہ سب ہی گھٹیا اور جلد باز تھے اور جو اصل میں ذی مرتبہ اور صاحبِ وقار ہیں وہ تو ابھی تک سب یمامہ کے قلعے میں سکونت پذیر ہیں ۔ اگر آپ میری مانیں تو ان کی طرف سے میرے ساتھ صلح کر لیں میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں یمامہ شہر میں داخل ہو کر ان سب کو صلح پر آمادہ کر لوں گا ۔"

خالدؓ بن ولید کے لشکر میں بھی کافی مجاہد جنگ میں کام آ چکے تھے ۔ ان میں سے چھ سو کے قریب صرف اصحاب اور تابعین تھے ۔ اس کے علاوہ نامور اصحابہ ثابتؓ بن قیس[1] ، زیدؓ بن الخطاب ، ابو حذیفہؓ اور دیگر کئی نامور صحابہ کرامؓ اس جنگ میں کام آ گئے تھے ۔ لہٰذا مصلحت کے تحت خالدؓ بن ولید نے صلح کی اس پیش کش کو جنگ جاری رکھنے پر ترجیح دی اور مجاعہ سے کہا ۔ "اہلِ یمامہ کے علاوہ ہر شے پر ہمارا تسلّط اور قبضہ ہو گا ۔"

مجاعہ نے کہا ۔ "میں قلعہ والوں کی طرف جاتا ہوں ۔ اس وقت مسلمہ بن عمیر نام کا ایک شخص یمامہ شہر پر حاکم ہے میں اس سے مل کر اہلِ شہر کو ان شرائط پر آمادہ کرتا ہوں اور دوبارہ لوٹ کر آپ کے پاس آتا ہوں ۔"

خالدؓ بن ولید نے مجاعہ کی بیڑیاں کھلوا دیں اور اسے یمامہ شہر میں داخل ہونے کی اجازت دے دی ۔

جنگ کے خاتمہ پر عدیم اور یوعام باغ کے ایک درخت تلے بیٹھے ہوئے تھے ۔ عدیم کا سارا لباس لہو لہان تھا اور وہ ایک پتھر پر اپنی تلوار کو رگڑ رگڑ کر اسے صاف کرنے

[1] ثابتؓ بن قیس کے شہید ہونے سے قبل ایک مشرک نے اپنی تلوار مار کر آپ کا پاؤں کاٹ دیا اور بھاگ جانا چاہا ۔ ثابتؓ بن قیس نے اس قدر جرأت و جوانمردی کا ثبوت دیا کہ اپنا کٹا ہوا پاؤں اُٹھا کر اس زور سے اس مشرک کے دے مارا کہ وہ مر گیا ۔

اور اس کی دھار درست کر رہا تھا کہ ایک جوان وہاں آیا اور عدیم کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا ۔ "اے میرے عزیز ! تمہیں امیر نے طلب کیا ہے ۔"

عدیم چونک کر اُٹھ کھڑا ہوا اور اچنبھے میں اس نے پوچھا ۔ "امیر سے کیا تمہارا مطلب خالدؓ بن ولید ہیں ۔"

اس جوان نے کہا ۔ "ہاں خالدؓ بن ولید نے ہی تمہیں طلب کیا ہے ۔"

عدیم نے پریشانی میں پوچھا ۔ "کیا جنگ کے دوران مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہے جو امیر نے مجھے طلب کیا ہے ۔ جب کہ وہ میری شکل اور نام تک سے واقف نہیں ہیں ۔"

اس آنے والے جوان نے گہری مسکراہٹ میں کہا ۔ "ہاں اس جنگ کے دوران تم سے ایک ایسا کام سرزد ہوا ہے جس کی بنا پر امیر نے تمہیں طلب کیا ہے ۔" عدیم خاموشی سے اس کے ساتھ ہو لیا ۔ یوعام بھی اس کے ساتھ جا رہا تھا ۔

خالدؓ بن ولید اب اس حدیقۃ الموت نام کے باغ سے اس وقت باہر بیٹھے ہوئے تھے کہ عدیم ان کے ساتھ آ کھڑا ہوا ۔ خالدؓ بن ولید نے اُسے بیٹھنے کو کہا ۔ اور وہ خاموشی سے ان کے سامنے بیٹھ گیا ۔ خالدؓ بن ولید کی شخصیت سے اس وقت عدیم انتہائی متاثر اور مرعوب دکھائی دے رہا تھا ۔

خالدؓ بن ولید نے نقدی کی ایک تھیلی عدیم کی گود میں ڈالتے ہوئے کہا ۔ "اس جنگ میں مجھے سب سے زیادہ تین افراد نے متاثر کیا ہے ۔ ایک تم جس نے مسیلمہ کذاب کے میمنہ کے جرنیل اخنیس کو قتل کیا ۔ دوسرا عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکرؓ جس نے اس کے میسرہ کے جرنیل محکم کا کام تمام کیا اور تیسرا زیدؓ بن الخطاب جس نے مسیلمہ کے قلب کے جرنیل نہار کو تہ تیغ کر دیا ۔ اے جوان تمہارا کیا نام ہے ۔"

عدیم نے کہا ۔ "سیّدی ! میرا نام رمینس بن اندریاس ہے ۔"

خالدؓ بن ولید نے پھر پوچھا ۔ "کس قبیلے سے ہو اور کہاں رہتے ہو ۔"

جواب میں عدیم نے مصر میں اپنے باپ کے ہاتھوں گلیڈی ایٹر کی تربیت حاصل کرنے ، رومن لشکر میں میسرہ کے جرنیل کی حیثیت سے کام کرنے ، وہاں

سے فرار اور دریائے ابانا کے کنارے مسلمان ماہی گیروں کی بستی میں پناہ حاصل کرنے کے سارے واقعات تفصیل سے سُنا ڈالے تھے۔"

عدیم کے حالات سُن کر خالدؓ بن ولید سخت متاثر ہوئے اور شفقت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے انہوں نے نرمی میں اس سے کہا۔" اب تم میرے ساتھ رہو گے۔ تمہارا خیمہ میرے قریب ہوا کرے گا۔ آنے والی جنگوں میں میں یا تو تمہیں لشکر کے کسی حصّے کا کمانڈر مقرر کروں گا یا تجھے اپنے ساتھ رکھ کر تم سے کام لوں گا۔"

اپنے سر کو خم کرتے ہوئے عدیم نے گہری مسکراہٹ میں کہا۔" یا امیر! میرے لیے یہ ایک بہت بڑی سعادت ہوگی۔" اس کے بعد خالدؓ بن ولید اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے لشکر کے لیے خیمے نصب کرانے لگے تھے۔

مجاعہ یمامہ شہر میں داخل ہوا اور بنو حنیفہ کو جمع کر کے اس نے کہا۔" کہ آؤ خالدؓ بن ولید سے صلح کر لیں ورنہ ہم تباہ و برباد ہو جائیں گے۔"

اس موقع پر مسیلمہ کذاب کی طرف سے شہر کے حاکم مسلمہ بن عمیر نے کہا۔" ہم کسی شرط پر بھی صلح نہ کریں گے۔ ہم دیہات والوں اور غلاموں کی جماعت کو دعوت دیتے ہیں اور مسلمانوں سے پھر مقابلہ کریں گے۔ ہم خالدؓ سے صلح نہیں کرتے۔ ہمارا قلعہ سنگین ہے۔ خوراک وافر ہے اور پھر جاڑا اب قریب آ رہا۔ محاصرے سے تنگ آ کر خالدؓ خود ہی لوٹ جائیں گے۔"

مجاعہ نے کہا۔" اے بنو حنیفہ! میری بات پر غور کرو۔ سلمہ بن عمیر کی نہ مانو۔ اِسی میں تمہاری عافیت ہے۔ ورنہ خالدؓ یمامہ شہر پر حملہ آور ہوں گے اور کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے۔"

بنو حنیفہ نے متفق ہو کر مجاعہ سے کہا۔" ہماری طرف سے تمہیں ہر طرح کی صلح کرنے کا پُورا اختیار ہے۔"

مجاعہ واپس خالدؓ بن ولید کے پاس آیا اور کہا۔" میں نے بڑی مشکل سے بنو

...نیفہ کو صلح پر آمادہ کیا ہے۔ ورنہ شہر میں مسلح جوانوں کی تعداد اس سے زیادہ ہے ...ئے جنگ میں مارے گئے ہیں۔ بنو حنیفہ اِن شرائط پر صلح کرنے کے لیے تیار ہیں، کہ ...را سونا چاندی جو بنو حنیفہ کے پاس ہے آپ کو دے دیا جائے گا۔ نصف لونڈی غلام ...پ کے حوالے کر دیئے جائیں گے اور تمام مویشی اور علاقہ آپ کے قبضے میں ہو گا اور سب بنو حنیفہ ...امان دے دی جائے گی بشرطیکہ وہ سچے دل سے اِسلام لے آئیں۔"

ان شرائط پر صلح نامہ لکھ کر مجاعہ نے یمامہ شہر کے دروازے کھلوا دیئے۔ خالدؓ بن ...لید جب شہر میں داخل ہوئے تو دنگ رہ گئے۔ قلعے میں سب عورتیں، بچے اور بوڑھے ...تھے اور چند جوان تھے۔

خالدؓ نے مجاعہ سے کہا۔" تم تو کہتے تھے شہر میں جنگ کے اندر کام آنے والوں ...ے زیادہ مسلح جوان ہیں۔ کیا تُو نے ہمیں دھوکہ نہیں دیا۔"

مجاعہ نے معافی مانگتے ہوئے کہا۔" اے امیر! میں ایسا کرنے پر مجبور تھا۔ میں چونکہ ...و حنیفہ کی ان بچی کھچی عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو بچانا چاہتا تھا۔ لہٰذا میں نے یہ ...ارروائی کی۔ آپ میری یہ خطا معاف کر دیں۔

خالدؓ بن ولید نے مجاعہ کو معاف کر کے شہر پر قبضہ کر لیا اور اپنے لشکر کے ساتھ ...ادی ریاض میں خیمہ زن ہو گئے تھے۔

مسیلمہ کذاب کی طرف سے یمامہ شہر کا سابق حاکم سلمہ بن عمیر چونکہ خالدؓ بن ولید کے ساتھ صلح کا مخالف تھا۔ وہ آپ سے انتقام لینے کے درپے ہوا۔ لہٰذا اس نے مجاعہ ...ے کہا۔" اب جب کہ صلح ہو گئی ہے تم مجھے خالدؓ بن ولید کے پاس لے جاؤ۔ میں خود اُن ...کی بھلائی کے لیے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔"

---

۵ اسی دوران حضرت ابو بکر صدیقؓ نے سلمہ بن سلامہ کے ہاتھ خالدؓ بن ولید کے نام یہ پیغام بھیجا کہ جب بنو حنیفہ پر غالب آؤ تو ان کے تمام مردوں کو جن کی داڑھی آ گئی ہو قتل کر دینا یہ پیغام پہنچنے سے پہلے ہی چونکہ صلح نامہ طے ہو چکا تھا لہٰذا سلمہؓ بن سلامہ (باقی اگلے صفحہ پر)

مجاعہ اس پر رضامند ہو گیا اور خالد بن ولید سے اجازت لے کر اسے ان کے پاس لے گیا۔

سلمہ بن عمیر کا ارادہ تھا کہ وہ اچانک خالدؓ پر حملہ کر کے ان کا کام تمام کر دے گا۔ لہٰذا وہ اپنی بغل میں تلوار چھپا کر اندر لے گیا تھا۔

سلمہ بن عمیر کو دیکھتے ہی خالدؓ بن ولید نے پوچھا۔ "یہ کون ہے؟"

مجاعہؒ نے کہا۔ "یہ سلمہ بن عمیر ہے اس سے متعلق ہی میں نے آپ سے گفتگو کی تھی۔"

خالدؓ بن ولید نے نہ جانے کیا بھانپا کہ انہوں نے سخت لہجے میں کہا۔ "اسے یہاں سے لے جاؤ۔"

مجاعہ شرمندہ سا ہو کر سلمہ بن عمیر کو خالد بن ولید کے ہاں سے باہر لے گیا تھا۔

سلمہ بن عمیر کو اپنی اس ناکامی پر سخت قلق ہوا۔ لہٰذا اس کے انتقام کی آگ اور بھڑک اٹھی۔ رات کے وقت جب اندھیرا خوب گہرا ہو گیا اور لوگ سو گئے تو سلمہ بن عمیر مسلح ہو کر خالدؓ بن ولید کی فرودگاہ کی طرف بڑھا۔

اس وقت عدیم جاگ رہا تھا اور اس کا خیمہ بھی خالدؓ بن ولید کے خیمے کے ساتھ تھا۔ تاریکی کے باوجود عدیم نے سلمہ بن عمیر کو خالد بن ولید کے خیمے کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ لیا اور اسے پہچان بھی لیا۔

اپنے خیمے سے نکل کر عدیم نے سلمہ بن عمیر کو للکارا۔ خوف کے مارے سلمہ بن عمیر بھاگ کھڑا ہوا۔ عدیم اس کے تعاقب میں لگ گیا۔ پہریدار بھی اس طرف متوجہ ہو گئے اور سلمہ بن عمیر کے پیچھے بھاگے۔ شہر کی فصیل کے قریب عدیم نے سلمہ بن عمیر کو جا لیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴۱) نے بھی اس صلح کی توثیق کر دی۔

لہ یمامہ شہر پر قبضہ ہو جانے کے بعد مجاعہ نے اپنی بیٹی خالدؓ بن ولید کے عقد میں دے دی تھی۔

سلمہ بن عمیر سمجھ گیا کہ اب اس کی موت یقینی ہے لہٰذا اس نے اپنی تلوار اپنے حلقوم پار کر دی۔ اسی لمحہ عدیم نے اس پر اپنی تلوار دے ماری۔ سلمہ بن عمیر لڑکھڑا کر ایک جانب گرا اور مر گیا۔

اگلے روز وادیٔ ریاض سے اٹھ کر خالد بن ولید اپنے لشکر کے ساتھ وادیٔ دبہ روانہ ہو گئے تھے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اگلے احکام کا انتظار کرنے لگے تھے۔

ڈوبتے سورج کے رنگین بادبان کھُل گئے تھے ۔ ہیولوں کے عکس کے ایک طوفان میں مغربی افق پر لہو رنگ قالین بچھ گئے تھے ۔ ساحلوں کو لوریاں دیتے سمندروں کے نیلے گونگے لبوں پر، منوّر آسمان بھوری زمین پر، دلہن کی طرح گنگناتی سبز کھیتیوں پر اور سجیلے کف آلود دریاؤں پر شام کتھی دھند جیسا اپنا تاریکی کا بھاری گھونگٹ ڈالنے لگی تھی ۔

ترمید اصطبل میں اپنے گھوڑے کو کھر را کرنے کے بعد ہاتھ دھو رہا تھا۔ جب کہ رمیتا اور ترمید کی ماں نیا بوث حویلی کے صحن میں رکھے کچی مٹی کے چولہے پر کھانا تیار کر رہی تھیں کہ حویلی کے دروازے پر زور زور سے دستک ہوئی ۔

ترمید نے پانی کا برتن رکھ کر اور انگوچھے سے اپنے ہاتھ پونچھ کر جب دروازہ کھولا تو حویلی سے باہر ایک نوجوان اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے کھڑا تھا ۔ وہ دریائے ابانا کے کنارے عرب ماہی گیروں کے سردار سابور کی بیٹی کا منسوب ثمران تھا ۔

ترمید نے حیرت سے ثمران کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ " اے جوان! تم کون ہو اور کس سے ملنا چاہتے ہو ؟"

ثمران نے پوچھا۔ " کیا آپ رمینس اور سیریا ناموں سے واقف ہیں ؟"
ترمید نے کہا۔ " کیوں نہیں "۔ رمینس میرے بھائی کی جگہ اور یہ سمجھو کہ سیریا میری بہن ہے "۔

رمینس اور سیریا کا سن کر نیا بوث اور رمیتا دونوں چولہے سے اُٹھیں اور ترمید کے پاس کھڑی ہو لیں ۔

ثمران کہہ رہا تھا۔ " اگر میں غلطی پر نہیں تو تمہارا نام ترمید اور یہ لڑکی تمہاری بیوی ہے ۔ ہاں میں یہ نہیں جانتا یہ بزرگ خاتون کون ہیں "۔

ترمید نے مسکراتے ہوئے کہا ۔ " تمہارا اندازہ درست ہے ۔ میں ترمید ہوں یہ بزرگ خاتون میری ماں ہیں ۔ اِن کا نام نیا بوث ہے "۔

ثمران نے کہا۔ " میرا نام ثمران ہے ۔ میں دریائے ابانا کے کنارے عرب ماہی گیروں کی بستیوں کی طرف سے آیا ہوں ۔ شاید آپ لوگوں کو معلوم نہ ہو کہ قسطنطنیہ سے فرار ہو کر رمینس نے ہمارے ہاں پناہ لے لی تھی اور صیدا کی خانقاہ سے اس نے سیریا اور اپنے باپ کو بھی بلا لیا تھا ۔

رمینس ان دِنوں خالدؓ بن ولید کے اس لشکر میں شامل ہے جو مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لیے مقرر کیا گیا تھا ۔ اِن دِنوں اس کا لشکر یمامہ میں ہے اور میں اس کی طرف اسے یہ بتانے جا رہا ہوں کہ اس کا باپ اندریاس مر گیا ہے ۔

ترمید نے تاسف اور دُکھ میں کہا۔ " یہ تم نے کیسی بُری خبر سنا رہے ہو۔ رمینس کا باپ اندریاس مر گیا "۔

اس موقع پر انتہائی دُکھ میں ترمید نے کہا ۔ " آہ ! رمینس بھائی کا باپ ! وہ بے حد نیک دِل اور نرم خو انسان تھا اور جب میں اس کے پاس صیدا کی خانقاہ میں تھا ۔ تو اس نے میری دیکھ بھال ایک شفیق و مہربان باپ کی طرح کی تھی "۔

ترمید نے کہا۔ " ثمران ! ثمران ! میرے عزیز ! تم اندر آکر بیٹھو۔ میں تم سے رمینس، سیریا اور اس کے باپ اندریاس سے متعلق تفصیل سے سُننا پسند کروں گا "۔

ثمران نے کہا۔ "میں رکوں گا نہیں۔ میں بہت جلد رمینس کے پاس پہنچنا چاہتا ہوں
ہمیں خبر نہ تھی کہ وہ یمامہ میں ہے۔ کیوں کہ اس نے ہمیں بتایا تھا کہ وہ مدینۃ النبیؐ کے ہر
شخص دبیر بن نخیس کے ہاں ٹھہرا ہوا ہے میں آج مدینۃ النبیؐ دبیر بن نخیس کے ہاں ہو کر
اس نے مجھے بتایا کہ رمینس خالدؓ بن ولید کے لشکر میں ہے اور ان دنوں وہ یمامہ میں ہے
اس کے علاوہ سیریا بہن نے مجھے آپ لوگوں کی خیر خیریت لانے کو بھی کہا تھا۔ شاید آپ
لوگوں کو یہ بھی پتہ نہ ہو کہ سیریا اب رمینس کی بیوی ہے اور ان دونوں نے شادی کرلی ہے

اس بار نیابوث نے بولتے ہوئے کہا۔ "تم اندر آکر بیٹھو تو سہی بیٹے! ہم تمہیں
رات بھر کے لیے روکیں گے نہیں۔ تم ہمیں رمینس اور سیریا سے متعلق تفصیلات بتاؤ، کھانا
کھاؤ، اس کے بعد تم بے شک یہاں سے کوچ کر جانا۔ ہم تمہیں روکیں گے نہیں۔

سنو بیٹے! رمینس صرف میرے بیٹے ترمید اور رمیتا ہی کا محسن نہیں ہے، وہ میرا
بھی محسن ہے کہ مصر کی سرزمین میں اس نے رومنوں کے ہاتھوں میری جان بچائی اور یہ
میرے لیے اس شیر دل فرزند نے ان لٹیروں اور رہزنوں کا صفایا کیا جو میرے شوہر کے
قاتل تھے۔"

ثمران مان گیا اور حویلی میں داخل ہوا۔ ترمید نے اصطبل میں اس کا گھوڑا باندھ
کر اسے چارا ڈال دیا۔ پھر وہ چاروں دیوان خانے میں آکر بیٹھ گئے تھے۔

نیابوث کے کہنے پر ثمران نے عدیم کے قسطنطنیہ سے بھاگنے، زخمی ہو کر ان کے ہاں
پناہ لینے، سیریا اور اندریاس کو وہاں بلانے اور ان دونوں کی شادی سے متعلق تفصیل سے
دیا تھا۔ جب وہ خاموش ہوا تو نیابوث نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"جب تم رمینس کے پاس یمامہ جاؤ تو اسے اس کے باپ کی مرگ کی اطلاع دینے
کے بعد کہنا کہ وہ دریائے ابانا کے کنارے تمہاری بستیوں کی طرف جانے کے بجائے ترمید
کے سردار عباس بن مرداس کی حویلی کا رُخ کرے۔ میں اسے اس حویلی میں دیکھنا چاہتی ہوں
وہ میرے بیٹے کی جگہ ہے۔ میں کل ہی ترمید اور رمیتا کو یہاں سے روانہ کر دوں گی تاکہ
دونوں جاکر سیریا کو یہاں لے آئیں۔"

ثمران نے کہا۔ "آپ کا فیصلہ درست ہے۔ سیریا وہاں اکیلی اور اپنے آپ کو تنہا
...رتی ہے اور گھبرائی گھبرائی سی رہتی ہے۔ شاید یہاں آکر وہ سنبھل جائے۔"

نیابوث نے کہا۔ "اب وہ ہمیشہ کے لیے یہاں رہے گی۔"

ثمران نے کہا۔ "اگر آپ لوگ اسے لینے جائیں تو لبشان شہر کے سامنے دریائے
...ے کنارے سردار سابور کا پوچھ لیں۔ سیریا ان ہی کے پاس رہتی ہے۔ وہ اکثر گلہ شکوہ
...ے کہ ترمید بھائی اور رمیتا بہن ہمیں بھول گئے ہیں۔

ترمید نے بڑی عاجزی سے کہا۔ "بخدا رمینس اور سیریا کو کون بھول سکتا ہے۔
...ے ہم پر ایسے احسان ہیں کہ ہم ان دونوں کو اپنے ہی گھر کے افراد سمجھتے ہیں۔

دراصل یہاں آکر میں نے رمیتا سے شادی کر لی۔ پھر میں اپنی ماں کو لینے شیبانی
...ی طرف چلا گیا۔ ہماری ماں ہم سے بچھڑ گئی تھی۔ بڑے عرصہ بعد ملی ہیں۔ اس کے بعد ہم
...پ افتاد یہ آن پڑی کہ رمیتا کا باپ اور بنو سلیم کا سردار عباس بن مرداس ایک سیخ گھوڑے
...ر مر گیا۔ اب رمیتا کے سارے باغات اور زمین کے علاوہ بنو سلیم کے گوناں گوں امور
...ہ پر آپڑے ہیں۔ اب تم دیکھو! میں اور رمیتا سیریا کو یہاں لانے کل صبح ہی یہاں سے
...ر جائیں گے بلکہ ہم دونوں میاں بیوی صیدا کی خانقاہ کی طرف بھی جائیں گے اور
...ے ان لوگوں کو بھی یہاں لائیں گے جو ایک عرصہ تک ہمارے میزبان رہے ہیں۔

ثمران نے اس بار کچھ بے تکلفی سے کہا۔ "جب آپ سیریا کے پاس جائیں گے۔ تو
...ر سابور اور اس کی بیٹی انیفہ سے کہیں کہ میں مدینۃ النبیؐ سے خیریت کے ساتھ یمامہ کی
...روانہ ہو گیا ہوں۔

سردار سابور میرے سسر اور انیفہ میری بیوی ہے۔ ہماری شادی کو ایک ماہ ہی
...ے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ اب آپ مجھے اگر کھانے کو کچھ دینا چاہیں تو دیں۔ اس
...ٹھہر کر یہاں سے رمینس کی طرف یمامہ کے لیے روانہ ہو جاؤں گا۔ کیونکہ میں مدینۃ النبیؐ
...دبیر بن نخیس کے ہاں رُک چکا ہوں اور اب میں اور میرا گھوڑا دونوں ہی تازہ دم
...رمیتا مسکراتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے وہیں دیوان خانے میں کھانا لگا دیا۔

سب نے مل کر کھایا۔ پھر ثمران وہاں سے یمامہ کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

برسات کا موسم شروع ہو گیا تھا۔ نیلے پہاڑ اور گہرے ہو گئے تھے۔ ساون کے
زرد مینڈک ہر طرف ٹرّا اٹھے تھے۔ آسمان پر گنگناتے ان گنت خوشبو کے بادل اکثر و بیشتر
پھرتی برق کے ساتھ ٹپ ٹپ نرمل بوندیں گراتے اور ساون کی پلکیں بھیگ جاتیں۔
دریائے ابانا کا پانی بارشوں کے باعث میلے کورے کاغذ جیسا ہو گیا تھا اور پُرشور
دریا کی سرکش لہریں اپنے کنارے پر اندھی بنجر بلند زمین کے سوکھے بے آب ہونٹوں کو
کاٹ کاٹ کر اپنے ہونے کا ادراک دینے لگے تھے۔

ایسی ہی ایک بادلوں بھری دوپہر کو ترمید اور رمیتا نے ایک روز دریائے
ابانا کے کنارے مچھیروں کی بستی میں سردار سابور کی حویلی کے دروازے پر دستک دی۔
تھوڑی دیر بعد سردار سابور نے دروازہ کھولا۔ اتنی دیر تک انیفہ بھی دیوان خانے
سے نکل آئی تھی اور پھر اس کے پیچھے پیچھے سیریا بھی دیوان خانے سے نکلی۔ ترمید اور
رمیتا کو دیکھ کر وہ دروازے کی طرف بھاگی اور رمیتا سے بُری طرح لپٹ گئی تھی۔ اس
دوران ترمید پیار سے سیریا کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا تھا۔

سیریا علیحدہ ہوئی اور سردار سابور کے علاوہ انیفہ کو مخاطب کرتے ہوئے اس
نے کہا۔ "یہ ترمید اور رمیتا ہیں جن کا میں اکثر آپ سے ذکر کیا کرتی تھی۔"

سابور نے ہاتھ آگے بڑھا کر ترمید سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "میرا نام سابور
ہے اور یہ میری بیٹی انیفہ ہے۔"

سیریا نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ "ابھی یہاں ایک اور ہستی بھی ہے جس سے
آپ کو ملانا ہے۔" پھر وہ زور زور سے چلّانے لگی۔ "عم قدوم ذرا باہر آئیے۔ دیکھیے
تو کون آیا ہے۔"

ترمید اور رمیتا کے دیکھتے ہی دیکھتے دیوان خانے سے صیدا کی خانقاہ کا قدوم
نکلا۔ اسے دیکھتے ہی ترمید اور رمیتا اس کی طرف بھاگے اور دونوں اس سے لپٹ گئے۔

قدوم نے ترمید اور رمیتا دونوں کو اپنی بغلوں میں لیتے ہوئے کہا۔ "خوش
آمدید میرے بچو! خوش آمدید! آؤ دیوان خانے میں بیٹھتے ہیں۔"

انیفہ ترمید اور رمیتا دونوں کے گھوڑوں کو اصطبل کی طرف لے گئی۔ قدوم
سابور، ترمید اور رمیتا دیوان خانے میں آکر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد انیفہ
وہاں آ گئی اور سیریا کے قریب بیٹھ گئی۔ اس بار رمیتا نے سیریا کی طرف دیکھتے ہوئے
ہمدردی میں کہا۔ "سیریا! میری بہن! ہمیں اندریاس عم کی مرگ کا سخت صدمہ ہے۔
ان کی موت پہ اخی رمنیس نہیں ہوتے۔ آہ! عم اندریاس!"

سیریا بے چاری جو ترمید اور رمیتا کے آنے پر کچھ کچھ خوش دکھائی دیتی لگی تھی،
طاق میں رکھی مشعل کی طرح بجھ سی گئی۔ وہ دھوپ میں جلتی صحرا کی اوس، لفظوں کے
سراب، بدرنگ چیتھڑوں، کالی رات کے مُردہ سمندر اور کسی حسینہ کے بدن پر پھلبہری
کے داغوں کی طرح اُداس، پریشان اور افسردہ ہو گئی تھی۔ اس کی لرزاں پلکیں بھیگنے لگی
تھیں۔ پھر اس نے جلد ہی چمکیلی زربفت کے سر پر بندھے اپنے رومال سے آنکھیں
خشک کر لیں اور کسی قدر سنبھل کر بیٹھ گئی تھی۔

رمیتا نے فوراً سیریا کا ذہن صاف کرنے کی خاطر موضوعِ سخن بدلتے ہوئے قدوم
کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ "آپ کب کے آئے ہوئے ہیں عم قدوم!"

قدوم نے کہا۔ "مجھے تو یہاں آج دس دن کے قریب ہو گئے ہیں۔ اندریاس
بیماری میں ہی یہاں پہنچ گیا تھا۔ سیریا نے مجھے بلا لیا تھا۔ اندریاس نے یہاں میری
بانہوں میں ہی دم توڑا تھا۔ اب میں سیریا سے متعلق فکرمند ہوں۔ ایک شش و پنج میں پڑا ہوا
ہوں کہ اسے اپنے ساتھ صیدا کی خانقاہ میں لے جاؤں یا نہ۔ بس اب مجھے رمنیس کی آمد
کا انتظار ہے۔"

اس بار ترمید نے بولتے ہوئے کہا۔ "آپ سیریا بہن سے متعلق فکرمند نہ ہوں۔
میں اور رمیتا اسے ہی لینے آئے ہیں۔ اب یہ ہمیشہ کے لیے ہمارے ساتھ بنو سلیم میں رہے
گی۔ ہم تو یہ ارادہ کر کے آئے تھے کہ ہم آپ کی خانقاہ میں بھی جائیں گے اور آپ کو

اپنے اہلِ خانہ سمیت اپنے ساتھ لے کر چلیں گے - اب سیریا کے ساتھ ساتھ آپ کو بھی ہمارے ساتھ چلنا ہوگا -

قدوم نے مسکراتے ہوئے کہا - " میں ضرور تمہارے ساتھ چلتا میرے بچو تمہاری چچی زمیل اور دونوں بچے میرے لیے پریشان ہو رہے ہوں گے - میرا آپ دونوں سے وعدہ ہے ہم گھر کے چاروں افراد آئندہ حج کرنے آئیں گے تو آپ کے ہاں بھی قیام کریں گے "-

میں خوش ہوا ہوں میرے بچو! کہ تم سیریا کو اپنے ساتھ لے جانے کو آئے لیکن رمینس اپنے باپ کی موت کا سن کر یہاں آئے گا اور سیریا کو یہاں نہ پاکر اس کی پریشانی میں اور اضافہ ہوگا "-

ترمید نے کہا " رمینس کا آپ فکر نہ کریں - اس کا ہم بندوبست کر کے آئے ہیں - ثمران نام کے جس جوان کو آپ نے رمینس کو بلانے بھیجا تھا - وہ ہمیں ملا تھا وہ مدینۃ النبیؐ گیا تھا - وہاں سے رمینس کا پوچھ کر وہ ہمارے ہاں آیا تھا - رمینس ہونا ان دنوں خالدؓ بن ولید کے لشکر میں یمامہ شہر میں ہے لہٰذا ثمران ہمارے پاس سے یمامہ روانہ ہوگیا تھا - سردار سابور اور انیفہ کے لیے اس کا یہ پیغام تھا کہ میں بالکل ٹھیک ہوں، میرے متعلق فکرمند نہ ہوں - رمینس اب اس طرف نہیں آئے گا بلکہ اب ہمارے قبیلے بنو سُلیم میں آئے گا "-

اس بار سردار سابور نے ترمید کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا " آپ دونوں میاں بیوی کب تک سیریا کے ساتھ یہاں سے کوچ کرنا چاہتے ہیں "-

ترمید نے کہا " گھر پر میری ماں اکیلی ہے - وہ بڑی بے چینی سے ہم دونوں کے علاوہ سیریا کا انتظار کر رہی ہوگی - لہٰذا ہم آج شام سے پہلے ہی یہاں سے کوچ کر جائیں گے "-

سابور نے اس بار سیریا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا " تمہارا کیا خیال ہے بیٹی سیریا نے کہا " جس طرح ترمید بھائی کی مرضی، میں ان دونوں سے اختلاف نہیں

اگر رمینس نے یہاں کے بجائے وہیں ان کے ہاں بنو سُلیم میں آنا ہے تو پھر میں بھی یہاں سے کوچ کرنا پسند کروں گی "- سابور اٹھ کر باہر نکل گیا -

تھوڑی دیر بعد سابور لوٹا - اس نے ایک اونٹ کا بندوبست کیا تھا - سیریا کا سامان جو لکڑی کے دو بکسوں اور چند بستروں پر مشتمل تھا اونٹ پر لاد دیا گیا - پھر جاتے وقت سیریا نے نقدی کی ایک تھیلی نکال کر قدوم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا " عم! نقدی کی یہ تھیلی آپ اپنے پاس رکھیں - یہ آپ کے کام آئے گی - اس سے اپنے حالات درست رکھیں - کہیں اپنا مکان بنا کر میں آپ چاروں کو بلاؤں گی آپ ہمارے ساتھ رہیں گے "-

قدوم نے سرگوشی کے انداز میں کہا " نقدی کی یہ تھیلی تم اپنے پاس ہی رکھو بیٹی! نئی جگہ جا رہی ہو، وہاں یہ تمہارے کام آئے گی "-

سیریا نے بھی گہری مسکراہٹ اور دھیمی آواز میں کہا " آپ فکرمند نہ ہوں عم! میرے پاس نقدی بہت ہے "-

قدوم نے نقدی کی تھیلی لے لی اور سیریا انیفہ سے گلے مل کر اونٹ پر سوار ہوگئی ترمید اور رمیتا بھی اپنے گھوڑوں پر سوار ہوگئے پھر قدوم صیدا کی خانقاہ کی طرف کوچ کر گیا جب کہ سیریا، ترمید اور رمیتا جنوب کے رخ پر بنو سُلیم کی طرف روانہ ہو گئے -

یمامہ شہر سے باہر وادی دبر میں عدیم اپنے خیمے میں بیٹھا ہوا تھا کہ ثمران خیمے میں داخل ہوا - اسے دیکھتے ہی عدیم اٹھ کھڑا ہوا - مسکراتا ہوا وہ آگے بڑھا اور ثمران کو اس نے گلے لگاتے ہوئے پوچھا " ثمران! ثمران! تم یہاں کیسے - کیا تم اس لشکر میں شامل ہوگئے ہو "-

ثمران نے علیحدہ ہوتے ہوئے کہا " نہیں میں لشکر میں شامل نہیں ہوا بلکہ آپ کے لیے ایک بری خبر لے کر آیا ہوں "-

عدیم نشست پر بیٹھ گیا اور ثمران کو اپنے سامنے بٹھاتے ہوئے فکرمندی سے پوچھا

"کیسی بُری خبر لے کر آئے ہو۔"

ثمران نے اپنی گردن جھکا لی اور بکھری بکھری سی آواز میں اس نے کہا۔ "بڑے انتہائی دُکھ کے ساتھ آپ کو بتاتا ہوں کہ آپ کے بابا اندریاس چند دن بیمار رہ کر فوت ہو گئے ہیں۔ مَیں یہی خبر لے کر آپ کے پاس آیا ہوں۔"

عدیم بے چارہ ایک کرب میں مبتلا ہو گیا تھا۔ کچھ دیر وہ اپنے ہونٹ کاٹتا رہا پھر اس کی آنکھیں پُرنم ہو کر بھر گئیں۔ ہونٹ لرزنے لگے اور آنسو قطرہ قطرہ اس کی آنکھوں سے اس کی گود میں گرنے لگے۔ ثمران بے چارہ بھی آب دیدہ ہو گیا تھا۔ اپنے آنسو پونچھ کر عدیم کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا۔ اس کی آنکھوں سے دُکھ، کرب اور خاموش الفاظ کے دھارے بہہ رہے تھے۔

پھر اس نے ثمران کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "ثمران! میرے بھائی اگر تم تھکاوٹ محسوس نہیں کر رہے تو مَیں آج ہی دریائے ابانا کی طرف کُوچ کرنا پسند کروں گا۔"

عمران نے کہا۔ "آپ میری تھکاوٹ کا خیال نہ کریں۔ مَیں تو ابھی اور اسی وقت کُوچ کرنے کو تیار ہوں۔ مَیں خود بہت جلد گھر پہنچنا چاہتا ہوں۔ پر آپ کو اب دریائے ابانا کی طرف جانے کی ضرورت نہیں۔ مَیں نے مدینۃ النبیؐ میں دبیر بن نخیس کے ہاں سے آپ کا پتہ معلوم کیا تھا۔ اس کے بعد مَیں بنو سُلیم میں ترمید اور رمیتا سے ملنے گیا۔ دونوں نے کہا تھا ہم سیریا کو اپنے ہاں لے آئیں گے۔ لہٰذا رمینس سے کہنا وہ ہماری طرف ہی آئے۔ وہ دونوں اب تک سیریا کو اپنے ہاں لے آئے ہوں گے۔ اس لیے اب دریائے ابانا کے بجائے بنو سُلیم کا رُخ کریں۔"

عدیم اُٹھ کھڑا ہوا اور ثمران سے اس نے کہا۔ "ثمران! میرے بھائی! تم تھوڑا بیٹھو، مَیں امیر سے مل کر اور یہاں سے روانگی کی رخصت لے کر آتا ہوں۔"

عدیم باہر نکل گیا۔ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا وہ خالدؓ بن ولید کے خیمے کے پاس آیا۔ اس وقت اپنے خیمے سے باہر یمامہ شہر سے باہر والے چند نئے تیروں کو اُلٹ پلٹ رہے تھے۔ عدیم کو دیکھتے ہی انہوں نے نرمی سے پوچھا۔ "آؤ رمینس کیسے ہو تم؟"

عدیم نے کہا۔ "اے امیر! میرا ایک عزیز میرے لیے بُری خبر لے کر آیا ہے۔ میرا باپ مر گیا ہے اور مَیں چند یوم کی رخصت پر جانا چاہتا ہوں۔"

خالدؓ بن ولید اُٹھ کھڑے ہوئے اور عدیم کو انہوں نے گلے لگاتے ہوئے کہا۔ "مجھے تمہارے باپ کے مرنے کا دُکھ ہے۔ سنو! موت انسان کی سب سے بڑی گرسنگی، زندگی کی شیرینی زندگی میں ایک یگانگت پیدا کرتی ہے۔ جس طرح ہم ان ہی آوازوں کو دہرا سکتے ہیں جو پہلے سنی ہوں اور ہمارا حافظہ ان ہی پرچھائیوں سے دوچار کرتا ہے جنہیں ماضی میں ہم دیکھ چکے ہوں۔ اسی طرح انسان کو انہی لوگوں سے زیادہ یگانگت اور الفت ہوتی ہے جن کے اندر وہ رہا ہو اور جن کی صورتیں اس کے حافظہ پر منقش ہوں۔ ایسے لوگوں کے بچھڑنے کا صدمہ بہت ہوتا ہے لیکن انسان کو صبر کرنا پڑتا ہے کہ وہ مجبور ہے اور یہ قدرت کی مشیت بھی ہے۔ خداوند بے کنار تمہیں اپنے باپ کی مرگ پر صبر عطا کرے۔ تم جتنے دن کے لیے چاہو رخصت پر جا سکتے ہو۔"

خالدؓ بن ولید کا شکریہ ادا کر کے عدیم اپنے خیمے کی طرف آیا۔ پہلے اس نے باہر بندھے اپنے گھوڑے پر زین ڈال کر اسے تیار کیا۔ پھر خیمے سے اپنی ضروری اشیاء سمیٹ کر گھوڑے کی خرجین میں ڈالیں اور ثمران کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔ "آؤ ثمران کُوچ کریں۔"

ثمران اُٹھ کھڑا ہوا اور اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ کر اس کے ساتھ ہو لیا۔ دونوں ابھی اپنے خیمے سے چند قدم دُور ہی گئے تھے کہ سامنے سے یوعام آتا دکھائی دیا۔ وہ بے حد خوش اور مسرور لگ رہا تھا۔ قریب آتے ہی یوعام نے خوش خوش لہجے میں پوچھا۔ "تم کہاں جا رہے ہو رمینس! میں تو تمہیں ایک خوشخبری سنانے آیا تھا۔"

عدیم نے پوچھا کیسی۔ "کیسی خوشخبری؟"

یوعام نے کہا۔ "حیرہ شہر سے میرا ہمسایہ مجھے ملنے آیا ہے۔ وہ بڑی مشکل سے مجھے تلاش کرتا ہوا یہاں پہنچا ہے۔ وہ مجھے صرف یہ بتانے آیا ہے کہ میرے ہاں لڑکا ہوا ہے۔"

عدیم نے کہا ۔ "میں تمہیں مبارک باد دیتا ہوں"۔

یوعام نے عدیم کے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے پوچھا۔ "پر تم اس وقت کہاں جا رہے ہو اور یہ تمہارے ساتھ کون ہے"۔

عدیم نے روتی آواز اور بکھرے لہجے میں کہا۔ "یہ میرے عزیز ہیں ۔ میرا باپ فوت ہو گیا ہے اور یہ مجھے لینے آئے ہیں"۔

اندریاس کی موت کا سُن کر چند ثانیوں تک یوعام کی گردن جھکی رہی پھر اس نے سر اُوپر اٹھایا اس کی پلکیں بھیگ گئی تھیں جنہیں خشک کرتے ہوئے اس نے کہا ۔ "آہ میری بہن سیریا اب اکیلی رہ گئی ہو گی ۔ کیا ایسا ممکن نہیں کہ تم اسے لے کر حیرو شہر میں میرے ہاں آ رہو۔ وہاں وہ میری بیوی نباط کے ساتھ خوش رہے گی"۔

عدیم نے کہا ۔ "یوعام ! یوعام ! میں تمہارا ممنون ہوں ۔ میرے کچھ عزیز بنو سلیم میں رہتے ہیں وہ سیریا کو پہلے ہی اپنے ہاں لے گئے ہیں ۔ اس وقت میں دریائے ابانا کی طرف نہیں بنو سُلیم کی طرف جا رہا ہوں"۔

عدیم نے اپنے گھوڑے کو ہانک دیا ۔ جب تک عدیم اور ثمران اسے نظر آتے رہے یوعام بے چارہ وہیں کھڑا ہو کر انہیں دیکھتا رہا ۔ جب وہ خیموں کے اندر اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو وہ سر جھکائے اپنے خیمے کی طرف جا رہا تھا ۔

○

سورج کافی بلند ہو گیا تھا کہ ترمید اور رمیتا سیریا کو لے کر اپنی حویلی میں داخل ہوئے جس وقت ترمید اپنے گھوڑے سے اُتر کر سیریا کے اونٹ کی رسی اس کے گھٹنے پر مار کر اسے بٹھانے کی کوشش کر رہا تھا ۔ اندر سے اس کی ماں نیا بوث نکل آئی ۔ اتنی دیر تک ترمید نے اُونٹ کو بٹھا دیا ۔ رمیتا بھی اپنے گھوڑے سے اُتر چکی تھی ۔ نیا بوث کو اپنی طرف آتے دیکھ کر ترمید نے کہا ۔ "سیریا ! سیریا ! میری بہن ! یہ میری ماں ہیں ۔ ان کا نام نیا بوث ہے"۔

سیریا فوراً اُونٹ سے اُتر گئی ۔ نیا بوث جب قریب آئی تو ترمید نے اسے کہا

میری ماں ! یہ میری بہن اور رمینس کی بیوی سیریا ہے"۔

اس موقع پر نیا بوث کے چہرے پہ گہری مسکراہٹ پھیل گئی تھی ۔ تیز تیز قدم اٹھاتی وہ آگے بڑھی اور سیریا کو اپنے ساتھ لپٹا کر وہ اسے پیار کر رہی تھی ۔

رمیتا دونوں گھوڑوں کو اصطبل کی طرف لے گئی جب کہ ترمید اونٹ پہ لدا سیریا کا سامان کھول کر اتارنے لگا تھا ۔ پھر نیا بوث نے سیریا کو علیحدہ کرتے ہوئے کہا۔ "اے میرے بیٹی ! اب تم اس حویلی کو اپنا گھر جانو ۔ اس حویلی میں تمہاری حیثیت ایک بہو کی سی اور رمینس میری نگاہوں میں ایک بیٹے جیسا ہو گا ۔ سیریا ! سیریا ! میری بیٹی تیرے شوہر رمینس کے مجھ پر بڑے احسانات ہیں ۔ اب تم دونوں یہیں رہو گے ۔ تمہیں جگہ جگہ بھٹکنے نہ دوں گی ۔ اے میری بچی ! مجھے دُکھ ہے کہ رمینس کے باپ کے بعد تجھے وہاں تنہائی کی زندگی گزارنی پڑی ۔ اب اس گھر میں اپنے آپ کو اس گھر کا فرد جان کر رہنا میری بیٹی !"

اتنی دیر تک رمیتا دونوں گھوڑوں کو اصطبل میں باندھ کر آ گئی ۔ نیا بوث نے اس بار اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا ۔ "رمیتا ! رمیتا ! میری بیٹی ! میں نے حویلی کے دائیں طرف والے دونوں کمروں کو خالی کر کے ان کی خوب صفائی کر دی ہے سیریا کا سارا سامان ان ہی دونوں کمروں میں رکھوا دو ۔ اب وہ دونوں کمرے رمینس اور سیریا کے تصرف میں رہیں گے ۔ دیکھ میری بیٹی ! یہاں سیریا کو کوئی تکلیف نہ ہو"۔

رمیتا نے سیریا کو اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے کہا ۔ "اے میری ماں ! سیریا کی حیثیت اس گھر میں میری عزیز اور چھوٹی بہن کی سی ہو گی"۔

ترمید اُونٹ کو اُٹھا کر اصطبل میں باندھ آیا اور اس کے آگے چارہ ڈال دیا۔ پھر وہ سیریا کا سامان اُٹھا کر سیریا کو حویلی کے اندرونی حصے کی طرف لے جا رہے تھے۔

○

رات دشت در دشت کی مسافتوں تک پھیل چکی تھی اور کہکشاں کو دانہ

دانہ شمار کرتی روشنی کو نگل کر تاریکی کی نفرتوں کی مثال بننے لگی تھی کہ چاند غروب ہو چکا تھا۔ تھکے ہارے جگنو اور بھونکتے کتے دبک چکے تھے۔ زمین، آسمان اور دوسرے کے درمیان اندھیرے میں سرگوشیاں ہونے لگی تھیں۔ ایسی سرگوشیاں جنہیں سماعت عبور نہ کر سکتی تھی۔ رات کے اس سمے عدیم دور دور تک پھیلے صحرا کے اندر سفر کرتا رہا۔ تم ان اس سے علیحدہ ہو کر دریائے ابانا کا رُخ کر چکا تھا۔

جس وقت صحراؤں سے نکل کر عدیم بنو سُلیم کی حدود میں داخل ہوا۔ اس وقت تک رات تمام ہو گئی تھی۔ امروز فردا کو نگل چکا تھا۔ صبح کی تھرتھراہٹ تاریکی کی تلخیِ احساس کو ختم کر کے دبے پاؤں نزول کر رہی تھی۔

رات کے الفراق والوداع کہتے ہی شبستانوں کے خواب اور ستاروں کے گیت تمام ہو گئے۔ فضاؤں کے اندر بنفشہ کے پھولوں کی نکہت اور بلبلوں کی خوش نوائی پھیل گئی تھی۔ رات کی قربان گاہ کے ٹھنڈ رات سے نکل کر جب سحر نے اپنے آئینہ رُخ سے نقاب اُتار پھینکا اور سورج طلوع ہو گیا تو رات کے بطن سے نکل کر دن نے اپنی پوری شناسائی کی اداؤں کے ساتھ اپنی ابتدا کر دی تھی۔

سورج طلوع ہونے کے ساتھ ہی عدیم بنو سُلیم کی بستی میں داخل ہوا۔ لوگوں سے پوچھتا ہوا وہ سردار عباس بن مرداس کی حویلی پر آیا اور اپنے گھوڑے سے اُتر کر اس نے حویلی کے صدر دروازے پر دستک دی تھی۔ پھر وہ اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ کر دروازے سے ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ترمید نے دروازہ کھولا۔ عدیم کو دیکھتے ہی ترمید اس کی طرف بھاگا اور چلاتے ہوئے کہا۔ "اوہ! میرا بھائی رمینس آ گیا ہے۔" پھر وہ آگے بڑھ کر عدیم سے لپٹ گیا اور گلہ کرنے والے انداز میں اس نے کہا۔ "اے میرے بھائی! تم کیا اجنبیوں کی طرح اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ کر دروازے سے ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو گئے ہو۔ یہ حویلی اب تمہارا اپنا گھر ہے۔ سیریا بہن جب سے یہاں آئی ہے ہر وقت تمہاری راہ دیکھتی رہتی ہے اور ہمہ وقت تمہارے متعلق ہی پوچھتی رہتی

ہے۔ گزشتہ دن اسے ہلکا ہلکا بخار رہا ہے۔ اب وہ ٹھیک ہے۔

ترمید نے عدیم سے اس کے گھوڑے کی باگ لے لی اور پھر عدیم کے ساتھ حویلی میں داخل ہونے کے بعد اس نے زور زور سے پکارتے ہوئے کہا۔ "ماں! ماں! رمیتا! بہنا! باہر آؤ دیکھو تو کون آیا ہے۔"

بڑی تیزی کے ساتھ نیابوث اور رمیتا مطبخ سے باہر نکلیں۔ نیابوث بھاگ کر آگے بڑھی اور عدیم کی اس نے پیشانی چوم لی تھی۔ عدیم نے پہلے رمیتا کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ پھر اس نے حیرت و تعجب سے نیابوث کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

"اے بنتِ زیل! نہیں نہیں، بنتِ زیل نہیں، اب آپ میری ماں ہیں۔ اے میری ماں! آپ یہاں حویلی میں کیسے؟"

نیابوث نے کہا۔ "اے فرزندِ نیک خو! ترمید میرا بچھڑا ہوا بیٹا تھا جو مل گیا ہے۔ میری بچھڑی ہوئی بیٹی بھی مل گئی ہے۔ وہ شیبانی قبائل کے سردار ہانی کی بیوی ہے۔ اور اس کا نام عذیفہ ہے۔"

بیٹے! اس حویلی میں تجھے میں خوش آمدید کہتی ہوں۔ اب میں تمہیں یہاں سے کہیں نہ جانے دوں گی۔ تم اپنی بیوی سیریا کے ساتھ یہیں میرے پاس ہی رہو گے۔

سنو بیٹا! سیریا گزشتہ روز کچھ ٹھیک نہ تھی۔ بخار ہو گیا تھا۔ اب اس کا بخار تو اُتر چکا ہے لیکن میں نے اسے اس غرض سے سویرے نہیں جگایا کہ وہ آرام کرے۔ تم اس کے کمرے میں جا کر اس سے مل لو۔ پھر اسے ساتھ لے کر باہر آؤ۔ کھانے کے بعد میں تم سے مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ کے حالات سننا پسند کروں گی۔"

نیابوث ذرا رکی پھر اس نے رمیتا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "رمیتا! رمیتا! بیٹی! جاؤ رمینس کو سیریا کے کمرے میں چھوڑ کر آؤ۔ پھر مطبخ میں آؤ جلدی جلدی کھانا تیار کریں۔"

ترمید عدیم کے گھوڑے کو لے کر اصطبل کی طرف چلا گیا۔ نیابوث مطبخ میں گھس گئی۔ رمیتا عدیم کو لے کر حویلی کے اندرونی حصے میں آئی اور عدیم کو سیریا کا کمرہ دکھا کر وہ

واپس لوٹ گئی ۔

عدیم کمرے میں داخل ہوا ۔ اس نے دیکھا کمرے کے اندر سیریا اپنے بستر میں نیند سوئی ہوئی تھی ۔ اس کے چہرے پر بنفشہ کے پھولوں کی لطافت اور سفید پھولوں اور اوس کے دانوں جیسا سکون تھا ۔ اس کی بند آنکھوں میں ننھے منے بچوں کے خواب جیسی معصومیت اور برگ سبز جیسے تازہ اس کے لبوں پر ہمک ہمک کر خوش ہوتے بچے جیسا تبسم تھا ایسا لگتا تھا گویا ابھی اس کی آنکھوں کے حسین تال بج اٹھیں گے اور وہ ایک دل آویز و دلکش ادا کے ساتھ اپنے حسن کی پوری سطوت و جبروت لیے اپنے نیلگوں کپڑوں میں رسملتے بدن کو سمیٹتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوگی اور کمرے کے اندر اس کے تنِ شفاف، کارس، آنکھوں کی گھنی پرچھائیاں اور پرندوں کی چہکار جیسی آواز ایک طوفان، ایک قیامت کھڑی کر کے رکھ دیں گے ۔

عدیم آگے بڑھا اور سیریا کا بازو اپنے ہاتھ میں لے کر دیکھا ۔ اب وہ ٹھیک تھی اور اسے بخار نہ تھا ۔ عدیم کے ہاتھ کا لمس محسوس کرتے ہی سیریا فوراً اٹھ کر بیٹھ گئی ۔ اپنی سرمگیں سحر جیسی آنکھیں کھولیں ۔

عدیم کو اپنے سامنے دیکھ کر اسے تعجب ہوا ۔ ایک لمحہ کو اس نے عدیم کی طرف ایسے دیکھا جیسے راکھ بن کر وقت کی آنکھوں میں گر کر اسے روک دے گی اور خود خوشبو بھری اوس بن کر عدیم کے قدموں میں بکھر جائے گی ۔ پھر اچانک ہی شاید اندریاس کی مرگ کے باعث اس کی حالت بدلنے لگی ۔ وہ دھان کی خشک کھیتیوں، جلتے کواڑ، ٹوٹی زرد چوڑیوں اور بکھری پھٹی تصویر کی طرح ہوگئی ۔

تھوڑی دیر قبل جہاں نیند کی حالت میں اس کے ہونٹوں سے تبسم کے بوسے ٹپک رہے تھے ۔ وہاں اب نیند سے آشنا آنکھوں میں زہر آلود جذبے کام کر رہے تھے ۔ پھر سیریا کی آنکھیں برس پڑیں اور ان سے قطرہ قطرہ فلک سے گرتی اوس کی طرح آنسو گرنے لگے تھے ۔ پھر اچانک اٹھ کھڑی ہوئی اور عدیم کے کندھے پر سر رکھ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی تھی ۔

بڑی مشکل سے سیریا کو تسلی دے کر اور چپ کرا کر عدیم نے بستر پر بٹھایا اور خود اس کے سامنے دوسری مسہری پر بیٹھ گیا ۔

سیریا بے چاری تھوڑی دیر تک بستر پر بیٹھ کر سسکیاں اور ہچکیاں لیتی رہی ۔ پھر اس نے اپنے آنسو پونچھے اور کہا ۔ ” مجھے بابا کے مرنے کا سخت افسوس اور صدمہ ہے کاش آپ یہاں ہوتے ۔ وہ آپ کو بہت یاد کرتے تھے ۔ میں نے عم قدوم کو اپنے پاس بلالیا تھا ۔ جب آپ کو بلانے کے لیے کہتی تھی تو بابا منع کر دیتے تھے ۔ وہ کہتے تھے نہ جانے بنیس کہاں ہوگا ۔ میں ٹھیک ہو جاؤں گا تو اسے بلا کر مل لوں گا ۔ آپ کب آئے ۔ آج ان لوگوں نے مجھے سویرے جگایا ہی نہیں ۔“

عدیم نے کہا ۔ ” میں ابھی ابھی آیا ہوں ۔ ترمید کی ماں نیابوث نے مجھے بتایا کہ تمہیں کل بخار ہو گیا تھا اس لیے انہوں نے تمہیں آج سویرے نہیں جگایا ۔“

سیریا نے اور زیادہ سنبھلتے ہوئے کہا ۔ ” نیابوث بہت اچھی خاتون ہیں ۔ میرا بہت خیال رکھتی ہیں ۔ میں بھی انہیں ماں کہہ کر پکارنے لگی ہوں ۔ وہ آپ کی بھی بہت مداح ہیں اور آپ کو بہت یاد کرتی رہتی ہیں ۔

عدیم نے کہا ۔ ” نیابوث بہت ہی اچھی خاتون ہیں “ اس کے ساتھ ہی عدیم نے اپنی پیٹی کے ساتھ بندھی ہوئی نقدی کی ایک چرمی تھیلی کھولی اور سیریا کی گود میں رکھتے ہوئے اس نے کہا ” یہ سنبھال لو ! “

سیریا نے کہا ۔ ” ہمارے پاس اب ماشاء اللہ نقدی کافی ہو گئی ہے عم قدوم جب بابا کی بیماری پر آئے تھے اور ان کی مرگ کے بعد واپس جانے لگے تو آپ کی اجازت کے بغیر میں نے انہیں نقدی کی تھیلی دی تھی تاکہ وہ اپنے حالات سنواریں ۔“

عدیم نے مسکراتے ہوئے کہا ۔ ” بخدا تم نے بہت اچھا کیا ۔ میں اس موقع پر ہوتا تو انہیں دو تھیلیاں دیتا اور پھر تمہیں مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے ۔ تم میری بیوی ہو اور ہر اس شے کے تصرف کا حق رکھتی ہو جو ہم دونوں کی ملکیت ہے ۔“

سیریا نے پوچھا ۔ ” میں قسطنطنیہ سے اپنے ساتھ جو جواہرات اور قیمتی زیور لائی

تھی اس کا کیا کریں۔ اگر آپ کی مرضی ہو تو اُسے نقدی میں بدل لیں۔"

عدیم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "سیریا! سیریا! اب تم قسطنطنیہ میں نہیں ہو۔ ہم اب عرب کے صحراؤں میں ہیں اور بالکل محفوظ ہیں۔ تم اس زیور کو پہنا کرو اور جواہرات ویسے ہی رہنے دو۔ کبھی کام آجائیں گے۔"

سیریا اُٹھ کھڑی ہوئی اور عدیم سے کہا۔ "آئیے باہر چلیں۔ میں آپ کو کھانا دوں۔ آپ کو بھوک لگی ہوگی۔"

دونوں اُٹھ کر باہر آئے۔ پہلے سب کے ساتھ مل کر انہوں نے کھانا کھایا، پھر عدیم دیوان خانے میں بیٹھ کر سب کو مسیلمہ کذاب کے ساتھ لڑی جانے والی جنگ کی تفصیل بتا رہا تھا۔

بنو سُلیم میں سیریا کے ساتھ ایک ماہ رہ کر عدیم اپنے لشکر میں واپس آچکا تھا۔ کہ حضرت ابوبکرؓ نے خالدؓ بن ولید کو اپنے لشکر کے ساتھ ایران پر لشکرکشی کا حکم دیا۔ جس روز حضرت ابوبکرؓ کا قاصد یمامہ کی وادی دبہ میں داخل ہوا اور ایران کی طرف یلغار کرنے کے لیے حضرت ابوبکرؓ کا حکم نامہ خالدؓ بن ولید کو پہنچایا۔ اسی روز خالدؓ بن ولید نے عدیم کو اپنے خیمے میں طلب کیا۔

عدیم جس وقت خالدؓ بن ولید کے خیمے میں داخل ہوا اس وقت خیمے میں ان کے ساتھ مثنیٰؓ بن حارث، عدیؓ بن حاتم، عاصمؓ بن عمرو بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ عدیم کو دیکھتے ہی خالدؓ بن ولید نے ہاتھ کے اشارے سے عدیم کو اپنے خیمے میں بچھی کھجور کے پتوں کی چٹائی پر بیٹھنے کو کہا۔

عدیم جب اُن کے سامنے بیٹھ گیا تو خالدؓ بن ولید نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا "اندریاس کے بیٹے! مدینۃ النبیؐ سے حضرت ابوبکرؓ کا ایک قاصد آیا ہے جو میرے نام خلیفہ کا حکم نامہ لایا ہے کہ میں اپنے لشکر کے ساتھ ایران کی طرف یلغار کروں۔ سنو اندریاس کے بیٹے! میں کل یہاں سے اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کروں گا اور کاظمہ جا کر اپنے لشکر کے ساتھ

پہنچانا ہے۔ تم ابھی اور اسی وقت ہرمز کے نام میرا ایک خط لے کر روانہ ہو جاؤ اور میرا خط دے کر اس کا جواب لے کر میرے پاس کاظمہ پہنچ جانا۔

سنو! ہرمز فارس کی سرحدی افواج کا افسرِ اعلیٰ ہے۔ فرج الہند اہلِ فارس کی بہت بڑی چھاؤنی ہے اور یہ ہرمز فرج الہند میں ہی مقیم ہے۔ یہ ہرمز ایک طرف خشکی پر ... سے نبرد آزما ہوتا ہے اور دوسری طرف سمندر میں اہلِ ہند کے خلاف ترکتاز کرتا ہے ... آج ہی فرج الہند روانہ ہو جاؤ اور وہاں ہرمز کو میرا خط پیش کر دو۔ سنو! یہ ہرمز انتہائی ظالم و جابر، وحشی اور طاقت ور انسان ہے اور عربوں کا بدترین پڑوسی ہے۔ تمام سرحدی عرب اس شخص سے جلے ہوئے اور تنگ ہیں۔ اور انہوں نے خباثت اور درندگی میں اسے ضرب المثل بنا رکھا ہے۔ سرحدی عربوں کا قول ہے کہ جب کبھی وہ کسی شخص کو برا بھلا کہتے ہیں تو اس طرح کہتے ہیں کہ فلاں شخص ہرمز سے بڑھ کر خبیث ہے اور ہرمز سے زیادہ کافر ہے۔"

خالدؓ بن ولید ذرا رکے پھر دوبارہ عدیم کو مخاطب کرتے ہوئے انہوں نے کہا "اے اندریاس کے بیٹے! کیا تو اس کام کے لیے آمادہ اور تیار ہے۔"

عدیم نے کہا۔ "سیّدی! جس طرح شاگرد کے لیے اس کی مدرّس کی دستار سعادت و فضیلت کی ایک وجہ ہوتی ہے ایسے ہی یہ کام میرے لیے ایک سعادت باعث ہے۔"

عدیم رکا پھر وہ زرد چوزوں کی سی میٹھی اور پُرخلوص آواز میں کہہ رہا تھا۔ "سیدی فرج الہند تو کچھ بھی نہیں۔ ایسے کام کے لیے اگر مجھے لاکھ قرنوں کی لمبی اور اندھی مسافت کے اس پار جانا پڑے تو بھی ایسے مقدس کام کے لیے میں ہمہ وقت تیار اور آمادہ ہوں۔ اے امیر! کبھی میں ایک بے کارواں مسافر کسی دُور نگر کا راہی اور بے منزل بنجارہ تھا۔ ایسا راحیل تھا جس کی کوئی منزل نہ ہو، کوئی ساتھی نہ ہو۔ تنہا تنہا اور اکیلا اکیلا ہو۔ پر اب میں اپنی ملت، اپنی قوم کے افراد میں ہوں۔

تیرگی کے صحرا میرے لیے ختم ہو چکے ہیں۔ اب میرا حوصلہ دِلوں کے مرہم۔ یقین محکم ... کے آدم جیسا مضبوط و پائیدار ہے۔ آپ کے ساتھ لشکر میں کام کرتے ہوئے میں ایسا ... کرتا ہوں جیسے میں نور کی کسی کشتی میں بہہ نکلا ہوں۔ حالانکہ اس سے قبل میں اہلِ روم ... میں فارس والوں کے ساتھ بہت سی جنگیں لڑ چکا ہوں لیکن وہاں ایسا کوئی جذبہ ... وہاں میرا مقصد صرف نام پیدا کرنا اور اس کے عوض دولت حاصل کرنا تھا لیکن ... آپ کے لشکر میں تو حروف راز کی صورت میں اپنے آپ کو اپنے مذہب اور اپنی ملت ... اعلیٰ ترین مقاصد کے لیے وقف کر چکا ہوں۔"

ذرا رک کر عدیم پھر کہہ رہا تھا "سیدی! آپ کا کہا میرے لیے قرطاس وقت پر ... سے لکھا ہوا وہ حکم ہے جس پر عمل کرنا میں اپنا مقدس ترین فرض سمجھتا ہوں۔ میں ابھی ... وقت ہرمز کے پاس فرج الہند جانے کے لیے آمادہ اور تیار ہوں۔"

خالدؓ بن ولید نے اپنے ہاتھ میں تہ کیا ہوا ایک خط عدیم کو تھماتے ہوئے کہا۔ "... خط ہے جو تم نے ہرمز کو پہنچانا ہے۔ اسے تم پڑھ سکتے ہو۔" عدیم نے خط کھولا ... پڑھنے لگا۔ لکھا تھا:

"اما بعد! اسلام قبول کر لو، تم سلامت رہو گے یا اپنی اور اپنی قوم کے لیے حفاظت کی ضمانت حاصل کر لو اور جزیہ دینے کا اقرار کرو۔ ورنہ اس کے بعد جو نتائج ہوں گے ان کے لیے تم بجز اپنے کسی اور کو ملامت نہیں کر سکتے کیوں کہ میں تمہارے مقابلے کے لیے ایسی قوم کو لایا ہوں جو موت کو ایسا ہی پسند کرتی ہے جیسا کہ تم حیات کو پسند کرتے ہو۔"

خط پڑھنے کے بعد عدیم نے ایک انہماک اور ارادتمندی کے ساتھ خالدؓ بن ولید ... کو دیکھا۔ پھر اس نے کہا۔ "اے امیر! کیا مجھے اجازت ہے کہ میں یہاں سے ہرمز ... فرج الہند کی طرف کوچ کروں۔"

خالدؓ بن ولید نے کہا۔ "ہاں تم ابھی یہاں سے کوچ کر جاؤ۔ ہرمز جو جواب دے ... تم کاظمہ پہنچ جانا۔"

عدیم اُٹھ کھڑا ہو۔ سب کو اس نے الوداعی سلام کہا۔ اپنے خیمے میں آ کر اس نے تیاری کی۔ اپنا جنگی لباس پہنا۔ پھر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور یمامہ سے فرج کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

O

شام سے کچھ پہلے ایران کی سرحدوں کا افسرِ اعلیٰ ہرمز شکار سے لوٹا اور قیام گاہ میں آیا تو اس کے ایک خادم نے اس کے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے کہا۔ "آقا! مسلمانوں کے ایک جرنیل خالدؓ بن ولید کی طرف سے ایک قاصد یمامہ سے یہاں آیا ہے۔ اس کے پاس آپ کے نام ایک خط ہے۔ میں نے اسے دیوان خانے میں بٹھا دیا ہے۔ آپ اسے ملنا پسند کریں گے؟"

ہرمز نے تلخ لہجے اور سخت آواز میں کہا۔ "تم گھوڑے کو اصطبل میں لے جاؤ۔ میں دیوان خانے میں اس سے مل لیتا ہوں۔"

وہ خادم گھوڑے کو اصطبل کی طرف لے گیا جب کہ ہرمز دیوان خانے میں داخل ہوا۔ اندر عدیم ایک گدی دار نشست پر بیٹھا ہوا تھا۔ ہرمز کو دیکھتے ہی عدیم اُٹھ کھڑا ہوا اور مصافحہ کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔

ہرمز نے بڑھے ہوئے ہاتھ کو غور سے دیکھا۔ اسے کوئی اہمیت نہ دی اور مصافحہ کیے بغیر وہ عدیم کے سامنے ایک نشست پر بیٹھ گیا تھا اور غور سے عدیم کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔ "تم کون ہو، تمہارا کیا نام ہے اور کس غرض سے یہاں فرج میں میرے پاس آئے ہو۔ میں ہرمز ہوں۔"

عدیم نے کہا۔ "میرا نام عدیم بن اندریاس ہے۔ میں یمامہ سے آپ کے نام امیر خالدؓ بن ولید کا خط لے کر آیا ہوں۔" ساتھ ہی عدیم نے خط کھول کر ہرمز کی طرف بڑھا دیا۔ ہرمز نے اپنے ترجمان کو طلب کیا۔ اس سے خط سنا پھر اس نے ترجمان کو باہر بھیج دیا اور خط کو پرزے پرزے کرتے ہوئے غصے میں اس نے کہا۔

"یہ کیسی تعجب کی بات ہے کہ خانہ بدوش قوم کا ایک فرد یمامہ میں بیٹھ کر ہمیں لکھتا ہے۔ ہمیں اپنا مذہب قبول کرنے کی دعوت دیتا ہے اور انکاری کی صورت میں نتائج کی تنبیہہ بھی کرتا ہے۔ شاید اس کی ابھی تک کسی سے جنگ نہیں ہوئی جو اس نے ایسا لہجہ اختیار کیا ہے۔ ورنہ اسے خبر ہوتی کہ ایران جیسی قدیم اور عظیم سلطنت کے شہنشاہ کو ایسا خط لکھنا اس کے لیے ... اور قہر کا باعث بھی بن سکتا ہے۔ تم ... گاہیں تلاش کرنے والے اور جگہ جگہ اپنے ریوڑ چرانے والے لوگ ہمیں جنگ کی دھمکی دیتے ہو۔ تمہارے اس قدر وسائل ہیں کہ تم ایران جیسی مملکت سے جنگ چھیڑ کر اسے اپنے ... رکھنا تو کجا اسے جاری بھی رکھ سکو۔"

عدیم نے کہا۔ "اے ہرمز عرب بے شک خانہ بدوش اور گڈریے تھے۔ پر ان ... خانہ بدوشوں اور گڈریوں میں خداوندِ بے حد و کنار نے ایک نبیؐ برپا کیا۔ جس نے خداوند کا وہ پیغام اور اپنے عملی وجدان سے برسوں سے خشک ندیوں میں کھڑی پیاسی ... کو ہنستے، مسکراتے اور بہتے ساگر کا سکون عطا کیا۔ اس نے ان گڈریوں کو اخلاق ... کے منوّر لبادے اور تمدّن کے چمکتے نور کی کرچیاں عطا کیں۔

ہاں، اے ہرمز! اس نبیؐ نے ملگجے کانپتے اندھیروں کو لرزتی مدقوق شب کی ... تشنگی کے پہریداروں کو، زرد چہروں کو، بے قرار دلوں کو اور بے چین روحوں ... کا افسون اور جلے ساون کی پہلی بارش جیسا سکون عطا کیا۔ اس نے صدیوں کے ... ذہنوں پر مسلط اداس شام کی تاریکیوں اور غم کی گھٹاؤں میں ایک برق چمکا دی۔ اے ہرمز! اس نے ہمارے شہروں کو حرص و ہوس سے پاک کیا۔ اس کا ہر لفظ ... جیسے موتی اور اس کا ہر عمل ہمارے سامنے صاف، شفاف، خوش نما اور بے داغ ...

پھر اے ہرمز! ایسے نبیؐ کے سچے اور باعمل پیروکار جب کسی قوم پر نازل ہوں گے تو تم کیونکر تقدیر کے عذاب سے بچ سکے گی۔"

ہرمز نے اور زیادہ سخت لہجے میں کہا۔ "اگر تم سفیر بن کر نہ آئے ہوتے تو میں ہرگز تمہیں گفتگو کی اجازت نہ دیتا۔ یہاں سے چلے جاؤ اور اپنے امیر جسے تم خالدؓ بن ولید

کہتے ہو۔ اسے جا کر کہنا کہ ہم رزم گاہ میں اس کے سامنے آئیں گے اور ان کے پاؤں تو ڑ
یا، ان کے الفاظ کو ایک درد اور ان کی ساری خواہشوں کو ایک کرب میں مبتلا کر دیں
گے۔ اب تم جا سکتے ہو۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے جو میں اس بیکار گفتگو پر صرف
کر دوں۔"

عدیم ہرمز کی قیام گاہ سے نکلا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر وہ وہاں سے کوچ
گیا تھا۔

○

خالد بن ولید کا خط پانے کے بعد ہرمز فوراً حرکت میں آیا۔ سب سے پہلے اس
نے اس واقعہ کی اطلاع کسریٰ ایران فرخ زار کو کی۔ پھر ایک جرار لشکر اس نے تیار کیا تا
خالدؓ بن ولید کی سرکوبی کر سکے۔

ہرمز فرج الہند سے زطم پہنچا۔ یہاں سے وہ فوراً برق رفتاری کے ساتھ خفیہ
طرف آیا۔ یہاں پہنچ کر اس کے مخبروں نے ہرمز کو اطلاع کی کہ خالدؓ بن ولید اپنے مختصر
لشکر کے ساتھ کہ جس کی کل تعداد بمشکل اٹھارہ ہزار بنتی تھی کاظمہ کی طرف بڑھ رہے ہیں۔
ہرمز پھر آندھی اور طوفان کی طرح حرکت میں آیا اور کاظمہ کے ویرانوں میں فروکش ہو کر ا
جس قدر پانی تھا اس پر ہرمز نے قبضہ کر لیا۔

ہرمز چاہتا تھا کہ مسلمانوں کو پانی کا ایک قطرہ نہ ملے، وہ نڈھال ہو کر اس سے
شکست کھا جائیں اور وہ فتح کا مژدہ کسریٰ ایران فرخ زار کو بھیج کر اپنے رتبے میں اضافہ
کر سکے۔

خالدؓ بن ولید جب کاظمہ پہنچے تو انہوں نے دیکھا ہرمز اپنے لشکر کے ساتھ پہلے ہی
زن ہے اور اس نے پانی کے تمام ذخیروں پر قبضہ کر لیا ہے۔ خالدؓ بن ولید کوئی حکم دینے
کرنے والے تھے کہ مشرق کی طرف سے عدیم اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا۔ اس وقت تک خالد
ولید اپنے گھوڑے سے اتر چکے تھے۔

عدیم ان کے قریب آ کر گھوڑے سے اترا اور ہرمز کے ساتھ پیش آنے والے واقعا

تفصیل سے کہہ ڈالے۔

خالدؓ بن ولید نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہرمز احمق ہے جو اس نے ہمارے خط کو حقارت
...۔ اب کاظمہ کے ان میدانوں میں اس کی اور اس کے لشکر کی ہم وہی حالت کریں
...ں نے ہمارے نامہ کی کی۔"

خالدؓ بن ولید چونکہ ایسے مقام پر اترے تھے جہاں قطعاً پانی نہ تھا۔ لہذا لشکریوں
...امر کی شکایت کی۔ آپ نے نقیب کے ذریعے اعلان کرایا کہ سب لوگ اپنی سواریوں
...پڑیں اور دشمن سے پانی چھین لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ بخدا پانی پر ایسی قوم کا
...جائے گا جو لڑائی میں زیادہ صابر رہے گی اور شرافت کا ثبوت دے گی۔"
یہ سنتے ہی مجاہدین جوش میں آ گئے اور لشکر کا ایک حصہ دشمن سے پانی کا ذخیرہ
...خاطر آگے بڑھا۔ ابھی دونوں لشکر آپس میں ٹکرائے ہی تھے کہ آسمان پر ایک بدلی
...ئی اور پھر آسمان سے اس قدر مینہ برسا کہ کاظمہ کے میدانوں میں ہر طرف پانی ہی پانی
...سلمانوں کی طرف کے ریتلے اور نشیبی گڑھے پانی سے لبالب بھر گئے تھے۔

اس بارش کو مسلمانوں نے اپنے لیے تائید غیبی اور قدرت کا ایک بہترین عطیہ جانا
...کے حصول کے لیے انہوں نے دشمن سے جنگ بند کر دی۔ آخر خالدؓ بن ولید نے
...رکو وہاں پڑاؤ کرنے اور خیمہ زن ہونے کا حکم دے دیا تھا۔

ہرمز کا ارادہ تھا کہ اسی روز مسلمانوں کے خلاف جنگ کی ابتدا کر دے گا۔ لیکن
...مخبروں نے اسے اطلاع دی کہ عرب و عجم میں خالدؓ بن ولید جیسا کوئی سپہ سالار
...ہے کہ میدانِ جنگ میں فتح ہمیشہ ان کے قدم چومتی ہے"۔ ان خبروں پر ہرمز چوکنا
...اور خالدؓ بن ولید کو ختم کرانے کے وہ حیلے بہانے سوچنے لگا تھا۔

جب رات ہوئی تو ہرمز نے اپنے لشکر کے سرکردہ جرنیلوں کو اپنے خیمے میں طلب
...میں ایران کے دو شہزادے بھی شامل تھے۔ ایک کا نام قباذ اور دوسرے کا نام
...انو۔ جب یہ دونوں شہزادے اور دیگر جرنیل ہرمز کے خیمے میں جمع ہو گئے تو
...انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ جس روز مسلمانوں کا لشکر کاظمہ کے اِن میدانوں میں جمع ہو گا میں ان کے ساتھ جنگ کی ابتدا کر دوں گا لیکن میرے مخبروں نے مجھے ایسی اطلاعات دی ہیں جن سے میرا ارادہ ملتوی اور میرا ذہن متزلزل ہو گیا ہے ۔ ان مخبروں نے مجھے بتایا ہے کہ عرب و عجم میں خالدؓ بن ولید جیسا کوئی جرنیل نہیں اور ہر میدان میں ہر رزم گاہ میں فتح اور کامرانی ہمیشہ اسی کی ہوتی ہے ۔ اسی بنا پر میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ میں اپنے لشکر سے تین ایسے جوان جو تلوار کے فن میں بے مثل ہوں، آج رات مسلمانوں کے لشکر کی طرف بھیجوں جو موقع پا کر خالدؓ بن ولید کے خیمے میں داخل ہوں اور اس پر پے در پے وار کر کے اس کا تمام کر دیں ۔

یاد رکھو! خالدؓ بن ولید کے ختم ہونے پر اس کے لشکر میں بد دلی پھیل جائے گی اور اس کے لشکری جنگ کیے بغیر واپس جانے کا قصد کر لیں گے ۔ جب وہ یہاں سے کوچ کریں گے تو ان کی پشت پر ہم ایسا زور دار حملہ کریں گے کہ سب کو تہ تیغ کر کے رکھ دیں گے اس طرح آئندہ کسی عرب لشکر کو ہماری سرزمینوں کی طرف بڑھنے کی ہمت و جرأت نہ ہو گی کیا تم لوگ میری اس تجویز سے اتفاق کرتے ہو؟"

سب سے پہلے دونوں شہزادوں میں سے قباذ نے بولتے ہوئے کہا۔ "اے ہرمز! ہم تم سے اس معاملے میں پورا پورا اتفاق رائے رکھتے ہیں۔"

ایک اور جرنیل نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "اگر ہم اس طرح اس لشکر پر غلبہ پا لیں تو یہ ایک بہت بڑا معرکہ ہو گا اور جب کسریٰ کو یہ خبر پہنچے گی کہ اپنا ایک لشکر ضائع کیے بغیر ہم نے مسلمانوں کے پورے لشکر کو فنا کر دیا ہے تو وہ ہم سب کے رتبوں اور دیناروں میں اضافہ کر دے گا۔"

ہرمز نے اس بار خوش ہوتے ہوئے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "اگر تم سب لوگ اس تجویز سے اتفاق کرتے ہو تو پھر اپنے خیموں میں جا کر آرام کرو اور رات کو ہونے والے نئے واقعات کا انتظار کرو ۔ جب خالدؓ بن ولید کی لاش اس کے خیمے میں خون میں لت پت پڑی ہو گی۔" ہرمز کے سب جرنیل اٹھے اور اس کے خیمے سے باہر نکل گئے ۔

شروع دنوں کا چاند تھوڑی دیر تک نور کے دائرے تخلیق کرتا اور اپنی برودت
ہوں سے دھرتی کو گھورتا ہوا کوہستانوں کی سرمئی بلندیوں کے اس پار غروب ہو گیا تھا۔ عظیم لذت اور الوہیت سے بھرپور ماحول ختم ہو گیا تھا اور ہر طرف کالی، گاڑھی اور دلدل جیسی رات خاموشی کے گہرے بھید کی طرح چھا گئی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے الوہی اور نی کا ٹکراؤ ہونے لگا ہو ۔ اپنے پورے جمال اور اپنی پوری لہلہاہٹ کے ساتھ ی دیوی ہر سمت ناچ اٹھی تھی ۔

اپنے خیمے کے اندر عدیم خواب اور بیداری کی درمیانی حالت میں ہی تھا کہ آہوں طوفان خیزی کے ساتھ ایک آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی ۔ "عدیم! عدیم! دیکھو کیا ہونے والا ہے ۔"

ایک دردناک اضطراب کی حالت میں عدیم اٹھ کھڑا ہوا ۔ اس نے دیکھا لشکر جاسوس اس کے خیمے میں کھڑا اسے جگانے کی کوشش کر رہا تھا ۔

عدیم نے فوراً اسے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا "کیا ہوا ہے، تم اتنے بدحواس رہا ہو؟"

اس جاسوس نے کہا۔ "میں ایک انتہائی بری اور منحوس خبر لے کر آیا ہوں ۔ ہرمز نے لشکر سے تین ایسے جوانوں کو منتخب کیا ہے جو اس کے لشکر میں عمدہ تیغ زن ہونے کا ب نہیں رکھتے ۔ یہ تینوں جوان آج ہمارے لشکر میں آ کر خالدؓ بن ولید کے خیمے میں ل ہوں گے اور ان کا کام تمام کر دیں گے ۔

ہرمز کا خیال ہے کہ مسلمان لشکری خالدؓ بن ولید کی موت کے بعد آپ سے آپ جنگ سے بھاگ کھڑے ہوں گے اور وہ تعاقب کر کے سارے مسلمانوں کا صفایا

جریر طبری بھی دھوکے سے خالدؓ بن ولید کو ختم کرنے کی سازش سے متعلق نشاندہی کرتا ہے ۔

کر دے گا۔ میں اس لیے آپ کے پاس آیا ہوں کہ امیر عشاء کی نماز کے بعد گہری نیند سو رہے ہوتے ہیں۔ کیا ایسا ممکن نہیں کہ ہم امیر کی نیند خراب کیے بغیر ان کی حفاظت کا انتظام کر لیں۔ امیر چونکہ آپ پر بھروسہ کرتے ہیں اور آپ کو عزیز رکھتے ہیں اس لیے میں آپ کی طرف آیا ہوں اور پھر آپ کا خیمہ امیر کے خیمے کے ساتھ ہے اس طرح آپ پر امیر کی حفاظت بھی عائد ہوتی ہے۔

اس خبر پر عدیم کا رنگ برق کی قاشوں جیسا ہو گیا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے ایسا لگتا تھا جیسے ساحل قلزم پر حیات کو زہر آلود کر دینے والا طوفان اُمڈ آیا ہو۔ اس نے اس جاسوس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "قسم خالقِ اکبر کی یہ خبر دے کر تم نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔ اے رفیقِ من! میں اب اپنے امیر کو جگائے بغیر ان کی حفاظت کا بندوبست کر دوں گا۔"

عدیم کی آواز میں اعتقادات سے بھرپور نغمگی اور ارادت کا بھرپور رس تھا۔ وہ پہلے ہی اپنے جنگی لباس میں تھا۔ پھر اس نے قریب رکھا خود اپنے سر پر رکھا۔ اپنی ڈھال سنبھالی اور راکھ اُڑاتے فطرت کے طوفان کی طرح اُٹھ کھڑا ہوا۔

جاسوس نے پھر عدیم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اے میرے عزیز! میرا ایک ساتھی آپ کے خیمے سے باہر کھڑا ہے میں اس سے کیا کہوں۔"

عدیم نے کہا۔ "اپنے ساتھی کو اندر لاؤ۔"

وہ جاسوس باہر نکلا۔ پھر وہ اپنے ساتھی کو لے کر اندر آیا۔ عدیم نے ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "دیکھو میرے ساتھیو! تم دونوں میں سے ایک امیر کے خیمے کی پُشت پر اور دوسرا بائیں طرف چلا جائے۔ تم دونوں وہاں ریت کے اندر گڑھے کھود کر اس میں بیٹھ جاؤ۔ امیر کے خیمے کا سامنے اور دائیں طرف کا حصہ میں خود سنبھال لوں گا۔ تم دونوں اپنے پاس چند پتھر رکھنا جب تم دشمن کے آدمیوں کو امیر کے خیمے کی طرف آتے دیکھو تو آواز پیدا کیے بغیر میری طرف پتھر پھینکنا اور اگر میں نے دشمن کو دیکھنے میں پہل کی تو میں تمہاری طرف پتھر پھینکوں گا۔ اس طرح ہم ان حملہ آوروں سے نمٹنے میں

طرح کامیاب ہو جائیں گے۔ اب تم جاؤ اور اپنے اپنے کام میں لگ جاؤ۔"

دونوں جاسوس باہر نکل کر اپنی اپنی متعیّن ہونے والی سمت خالدؓ بن ولید کے خیمے سے باہر گڑھے کھودنے لگے تھے۔

عدیم بھی باہر آیا اور وہ خیمے کے اس کونے کے قریب گڑھا کھودنے لگا۔ جہاں سے وہ سامنے اور دائیں طرف کے حصے کو اپنی نگاہ میں رکھ سکتا تھا۔ تھوڑی دیر میں تینوں گڑھے کھود کر ان میں بیٹھ چکے تھے۔

○

رات خوابوں کے بجرے آباد کرتی، نیند کے بادبان کھولتی اور سکون کی نوبت ہر ایک کے لیے حصارِ عافیت کھینچتی ہوئی بھاگ رہی تھی۔ آسمان سادہ ورق کی طرح بادلوں سے صاف تھا۔ گہری تاریکی نے آسمان اور زمین کو آپس میں یوں ملا دیا تھا جیسے دریاؤں کے کنارے آپس میں ملتے ہیں۔

صحرائی جھاڑ جھنکار کی نازک شاخیں اور باریک مخملی پتے اپنی عجیب مہکار کے ساتھ اندھیری رات کے اندر چُپ اور خاموش تھے جیسے انہیں وقت کے کسی بہت بڑے انقلاب کا انتظار ہو۔

رات شبنم کے چھینٹوں سے ہر شے کا بدن بھگونے لگی تھی اور ہوا ریت کے ٹیلوں سے ٹکرا کر ایسی آوازیں پیدا کرنے لگی تھی جیسے کوئی غم اور دُکھ کی ماری بیوہ تنہائیوں کے الوداع کے گیت گانے لگی ہو۔ گو ہر طرف ایک اُکتا دینے والی خاموشی تھی۔ پھر بھی رات ہر چیز کو آرام و راحت رُوح کی غذا کے طور پر پیش کر رہی تھی۔

اپنے امیر کے خیمے کے گرد گڑھوں کے اندر عدیم اور اس کے دونوں ساتھی چاق چوبند ہو کر جاگ رہے تھے۔ عدیم نے اپنے سامنے ریت پر اپنی کمان چند تیر اور تلوار رکھی ہوئی تھی۔

انتظار جاری تھا۔ ہر شے اپنے وجود کو بھول کر تنہائی پسند انیس کی طرح گہری نیند میں کھو گئی تھی۔ آدھی رات کے قریب عدیم چونک پڑا۔ اس نے دیکھا تین ہیولے جو

سیاہ کپڑوں میں ملبوس تھے سامنے والے حصّے میں رینگتے ہوئے خالدؓ بن ولید کے خیمے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

عدیم نے پتھر اُٹھا کر اپنے ساتھیوں کی طرف پھینکے اور اُنہیں چوکس کر دیا تھا پھر پلک جھپکتے میں اس نے اپنی کمان پر تیر چڑھا کر اور ان میں سے ایک کو ہدف بنا کر چلایا تو رات کی تاریکی میں تیر ان میں سے ایک کی کن پٹی میں گھس کر پار ہو گیا تھا۔ دوسرے دو ساتھی بوکھلا کر اپنے ساتھی کو سنبھالنے لگے تھے۔ اتنی دیر تک عدیم ایک اور تیر چلا چکا تھا۔ اس طرح اس نے ان کے دوسرے ساتھی کو بھی سر میں تیر مار کر بیکار کر دیا تھا۔

تیسرا اور آخری ساتھی خوف و دہشت میں اُٹھا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ عدیم اپنے گڑھے سے نِکلا اور اس کے تعاقب میں بھاگا۔ اس کے دونوں ساتھی خیمے کے دونوں طرف چوکس ہو کر کھڑے ہو گئے تھے اور جنہیں تیر مار کر عدیم نے گرا دیا تھا ان پر نگاہ رکھنے لگے تھے۔

اچانک عدیم نے اپنے آگے بھاگنے والے پر ایک لمبی اور طوفانی زقند لگائی اور اسے نیچے گرا کر دبوچ لیا۔ پھر عدیم اُٹھا اور اس پر اپنی تلوار گرا کر اس نے اس کی گردن کاٹ دی تھی۔ رات کی مہیب خاموشی کے اندر مرنے والے کی چیخ یوں بلند ہوئی تھی جیسے کسی نے زندہ بکرے کی کھال اتارنا شروع کر دی ہو۔

اس آخری ایرانی کو کاٹ کر عدیم جب لوٹا تو اس نے دیکھا جن دونوں کو اس نے تیر مارے تھے وہ دونوں بھی ختم ہو چکے تھے۔ جب وہ خیمے کے پاس آیا تو دنگ رہ گیا خیمے سے باہر اس کے دونوں ساتھیوں کے پاس خالدؓ بن ولید کھڑے ان سے کچھ پوچھ رہے تھے۔ عدیم جب قریب آیا تو خالدؓ بن ولید نے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔

”اے اندریاس کے بیٹے! مَیں نے آج تک کسی کو اپنا محافظ نہیں کیا کہ مَیں نے اپنی جان اپنے خدا کو سونپ رکھی ہے۔ پر تُو نے آج جو میری حفاظت اور سلامتی کی معرکہ سر کیا ہے۔ اسے مَیں فراموش نہ کر سکوں گا۔“

اِردگرد کے خیموں سے کچھ لشکری بھی اُٹھ کر وہاں مرنے والوں کے پاس جمع ہونے لگے تھے۔ اس موقع پر اِن دونوں جاسوسوں میں سے ایک نے عدیم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”آپ نے ہماری حق تلفی کی ہے۔ آپ نے قطعاً ہمیں کچھ کرنے کا موقع نہیں دیا اور اکیلے ان تینوں کو ختم کر دیا۔ بخدا آپ نے ہمیں ایک سعادت سے محروم کر دیا ہے۔“

عدیم نے کہا۔ ”اے میرے دونوں رفیقو! میرے اور تمہارے درمیان یہ معاہدہ ہُوا تھا کہ جو بھی ان حملہ آوروں کو دیکھے پتھر مار کر اپنے دونوں ساتھیوں کو چوکس کر دے۔ سو میرے عزیزو! مَیں نے کیئے ہوئے وعدہ کے مطابق تم دونوں کی طرف پتھر مار کر چوکس کر دیا تھا۔ مجھے معاف کرنا میرے بھائیو! بخدا ان تینوں کو لیٹ کر امیر کے خیمے کی طرف بڑھتے دیکھ کر مجھ پر وحشت اور درندگی طاری ہو گئی تھی۔ لہٰذا مَیں نے تم دونوں کا انتظار کیے بغیر ان کا کام تمام کر دیا۔ قسم مجھے اپنے رب کی جو دِلوں کے بھید بھی جانتا ہے۔ اگر یہ تین کی بجائے چھ بھی ہوتے تو مَیں اِسی طرح ان کا کام تمام کر دیتا۔“

خالدؓ بن ولید نے عدیم کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ ”اندریاس کے بیٹے! مجھے تم جیسے ساتھی اور رفیق پر فخر ہے۔ اب تم تینوں اپنے خیموں میں جا کر آرام کرو۔“

عدیم اور دونوں جاسوس وہاں سے چلے گئے۔ پھر خالدؓ بن ولید کے حکم پر دوسرے جاگ اٹھنے والے لشکری مرنے والوں کی لاشیں اٹھا کر صحرا کی ریت کے اندر دبا رہے تھے۔

O

دوسرے روز دونوں لشکر صحرا کے اندر ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہوئے۔ پھر ایرانی لشکریوں نے جو اپنے آپ کو انتہائی خونخوار، وحشی اور جانباز سمجھتے تھے انہوں نے اس نیت کے ساتھ اپنے آپ کو زنجیروں[1] میں جکڑ لیا تھا تاکہ جنگ کے دوران ذہن میں بھاگنے کا سوال نہ اُٹھے۔ اس طرح ہرمز کے لشکر کے کئی لشکریوں نے اپنے آپ

---

[1] یہ زنجیریں ایک اونٹ کا بار تھیں جو فتح کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ لگیں۔ ان زنجیروں کی وجہ سے اس جنگ کو ذات السلاسل (زنجیروں والی) کا نام دیا گیا۔

کو ایک دوسرے کے ساتھ زنجیروں میں جکڑ لیا تھا۔

ہرمز نے اپنے لشکر کو صف آرا کر کے اس کے تین حصّے کیے۔ ایک حصّہ اپنے پاس رکھا اور دیگر دونوں حصّے اس نے ایرانی شہزادوں قباذ اور انوشجان کی سرکردگی میں رکھے۔

جواب میں خالدؓ بن ولید نے اپنے لشکر کے صرف دو حصّے کیے۔ ایک حصّہ اپنے پاس رکھا اور دوسرے پر مثنیٰؓ بن حارثہ کو سالار مقرر کیا۔

ہرمز ایک انتہائی طاقت ور اور خونخوار انسان تھا۔ اسے خبر ہو گئی تھی کہ گذشتہ رات اس کے وہ تینوں ساتھی مارے گئے تھے جنہیں اس نے خالدؓ بن ولید کا خاتمہ کرنے کو بھیجا تھا ہرمز کو اپنی اس ناکامی اور اپنے تین ساتھیوں کے مارے جانے کا انتہائی دکھ اور قلق تھا لہٰذا وہ اب ہر صورت میں خالدؓ بن ولید کا خاتمہ چاہتا تھا۔ اس صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے ہرمز خود میدان میں اترا اور اسلامی لشکر کی طرف منہ کر کے اس نے بلند آواز میں کہا۔ "میں ہرمز ہوں۔ کہاں ہے خالدؓ میرے مقابلے پر آئے۔"

خالدؓ بن ولید اپنے حصّے کے لشکر کے آگے کھڑے تھے اور ان کے ساتھ عدیم تھا عدیم نے اس موقع پر خالدؓ بن ولید کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اے امیر! مجھے اجازت دیں کہ میں میدان میں اتروں اور اس ہرمز کو جو آپ کو مقابلے کے لیے للکارتا ہے۔ اس کی گردن کاٹوں، اس کی زبان بند کروں اور کاظمہ کے ان میدانوں میں اسے لہولہان کر کے رسوا و ذلیل کروں۔"

خالدؓ بن ولید نے نرمی اور شفقت میں کہا۔ "اے میرے رفیق! میں جانتا ہوں تو لڑ کر سکتا ہے کہ تو ایک عمدہ اور بہترین تیغ زن ہے۔ پر میرے عزیز! ہرمز نے میرا نام لے کر جنگ کے لیے پکارا ہے۔ اس لیے اس کے مقابلے میں میرا جانا ہی مناسب لگتا ہے۔ تم فکر مند نہ ہو۔ میں بعد میں تمہیں انفرادی جنگ میں اپنے جوہر دکھانے کا موقع ضرور دوں گا۔"

اس نے ساتھ ہی خالدؓ بن ولید نے اپنے گھوڑے کو مہمیز لگا کر دونوں لشکروں کے درمیانی حصّے کی طرف بڑھا دیا تھا۔ جہاں ایرانی سپہ سالار ہرمز کھڑا مقابلے کے لیے للکار رہا تھا

خالدؓ بن ولید اپنا گھوڑا دوڑاتے ہوئے ہرمز کے پاس آئے اور اپنی تلوار ہرمز کی طرف ...تے ہوئے انہوں نے کہا۔ "اے دھوکہ باز انسان! تو کیسا سالار ہے کہ تو نے میدان جنگ میرا سامنا کرنے کے بجائے رات کی تاریکی میں اپنے تین آدمی بھیج کر میرا خاتمہ کرانا چاہا۔ دیکھ ...ک انسان! میرا خدا میرا محافظ ہے۔ جب تک اس فانی دنیا میں اس نے میری زندگی لکھ ...ہے کوئی مجھ پر موت مسلط نہیں کر سکتا۔"

ہرمز نے گرسنہ اور زہر بھری نگاہوں سے خالدؓ کو دیکھا اور کہا۔ "دیکھ! میں نے میدان میں تجھے خود پکار کر جنگ کی دعوت دی ہے۔ اب تو میرے ہاتھوں کیوں کر اور ...ے بچ کر اپنے لشکر میں جا سکے گا کہ جس طرح آگ کی فطرت جلانا ہے اس طرح میری فطرت ...اپنے دشمن کو کاٹ دینا ہے۔"

خالدؓ بن ولید کی پرسکون نگاہوں میں ایک طوفان، ایک جلال آ گیا تھا۔ لگتا تھا وہ ...ت کے چکروں اور ادوار کو روک اور تھام دیں گے۔ پھر انہوں نے گھمبیر سمندروں میں اٹھنے ...لے طوفانوں جیسی آواز میں کہا۔ "ہرمز! دیکھ لاف زنی نہ کر۔ مجھ پر حملہ آور ہو کہ میں تمہیں ...لے وار کرنے کا موقع دیتا ہوں۔"

ہرمز نے ایڑ لگا کر اپنے گھوڑے کو آگے بڑھایا اور وحشی گربہ کی طرح اس نے خالدؓ ...ن ولید پر حملہ کر دیا۔ خالدؓ بن ولید نے ہرمز کے وار کو روک دیا۔ پھر انہوں نے وقت کے بے کراں ...وفانوں جیسے انداز میں ہرمز پر وار کیا جسے ہرمز روک نہ سکا اور خالدؓ بن ولید کی تلوار ہرمز کو دو حصّوں میں کاٹتی ہوئی نکل گئی۔ خالدؓ اپنے لشکر میں واپس آ گئے تھے۔

میدان میں اب ہرمز کا بدلہ لینے کے لیے ایک پہلوان نما ایرانی اترا۔ وہ پوری طرح ...ہے میں غرق تھا اور دونوں لشکروں کے درمیان آ کر اپنے گھوڑے کو روکتے ہوئے اس نے مقابلے کے لیے للکارا۔

خالدؓ بن ولید نے عدیم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "عدیم! عدیم! اب تم میدان میں اترو۔ بخدا مجھے امید ہے میں تمہارے اس مقابلے میں لطف اندوز ہوں گا۔"

عدیم نے اپنے گھوڑے کو ایک سخت مہمیز لگا کر میدان میں اترنے والے ایرانی پہلوان

کی طرف بڑھا دیا تھا۔

اس موقع پر لشکر کے دوسرے حصے سے آگے کھڑے مثنیٰؓ بن حارثہ نے بھی میدان میں اُترنے کے لیے اپنے گھوڑے کو آگے بڑھا دیا تھا۔ خالدؓ بن ولید ہاتھ کے اشارے سے مثنیٰ بن حارثہ کو آگے بڑھنے سے روکنا ہی چاہتے تھے کہ مثنیٰؓ خود ہی رُک گئے کیوں کہ انہوں نے عدیم کو میدان میں بہت آگے جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

عدیم جب اپنے گھوڑے کو بھگاتا ہوا اس ایرانی کے پاس گیا اور زور سے اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچ کر جب اس نے اسے روکا تو اس کا گھوڑا ایک بار بھرپور احتجاج میں اپنی دونوں ٹانگیں اوپر اٹھا کر ہنہنایا۔ پھر اپنی گردن کو ایک بھرپور خم دے کر وہ اپنے جا پاؤں پر کلیلیں کرنے لگا تھا۔

اس موقع پر اس ایرانی نے عدیم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "خالدؓ بن ولید کے لشکر میں تمہاری کیا حیثیت ہے۔ تاکہ جب تم میرے ہاتھوں مارے جاؤ تو میں فخر کر سکوں کہ میں نے خالدؓ بن ولید کے فلاں سردار کو چت کر کے اس کی گردن کاٹی ہے۔"

عدیم نے بڑی عاجزی و انکساری میں کہا۔ "میں اپنے امیر کے لشکر کا ایک گمنام ادنیٰ سپاہی ہوں۔"

اس ایرانی نے بھرپور طنز و استہزا میں کہا۔ "کیا خالدؓ بن ولید کے پاس اپنے کوئی اور صاحبِ حیثیت اور ذی وقار سردار نہ تھا جو تجھے انہوں نے موت کا ایندھن بنا کر میدان میں اتار دیا۔"

عدیم نے کہا۔ "جس لشکر کے گمنام سپاہی دشمن کے بڑے بڑے سرداروں کو پالنے کی ہمت رکھتے ہوں اس لشکر کے امیر کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ اپنے سرداروں کو میں اتارتا پھرے۔ تم مجھ سے مقابلہ کر کے دیکھو۔ میں اگر اس مقابلے میں تمہاری آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی تحریر نہ لہرا دوں تو خود ہی تمہارے سامنے زمین بوس ہو جاؤں گا۔ وقت ضائع نہ کر اور مجھ پر حملے کی ابتدا کر جس طرح میرے امیر نے ہرمز کو پہلے وار کرنے کا دیا تھا۔ اسی طرح میں بھی تمہیں پہلے وار کرنے کا موقع فراہم کرتا ہوں۔"

اس ایرانی نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر آگے بڑھایا۔ پھر اس نے عدیم کے گرد ایک چکر لگانے کے بعد اچانک اپنے گھوڑے کو ایک برق کے کوندے کی سی سرعت کے ساتھ عدیم کی پشت پر لا کر اپنی تلوار لہرا کر بلند کی اور عدیم کی پیٹھ کو ہدف بناتے ہوئے اس نے ایک زوردار انداز میں اپنی تلوار گرانا چاہی لیکن عدیم چوکس تھا اور جارحیت اور دفاع کے سارے گر جانتا تھا۔ وہ ایرانی کے اس فیصلے کو بھانپ چکا تھا لہٰذا وہ اس سے بھی زیادہ پھرتی کے ساتھ گھوڑے کو حرکت میں لایا اور زوردار انداز میں اس نے اپنی ڈھال مار کر اس ایرانی کی تلوار کو اپنے سے دُور ہٹا دیا تھا۔

اس ایرانی کا حملہ روکنے کے بعد عدیم کی حالت بدل گئی تھی۔ اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے اور لوحِ ذہن کے نقوش پر درد سے لکھے حروف اور زخموں سے رقم کی گئی تحریروں کا طوفان اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ زورِ طوفان کی کدورت، گردشِ دوراں کے تیور، تشنگی کی تلخی اور الاؤ کی اصلی تمازت کی طرح حرکت میں آ کر اس ایرانی پر حملہ آور ہوا۔ عدیم نے پے پے ایک تواتر کے ساتھ ایسے خطرناک وار اس ایرانی پر کیے کہ وہ بوکھلاہٹ میں اپنے گھوڑے سے نیچے گر گیا تھا۔

عدیم بھی اپنے گھوڑے سے کود گیا اور اس کی طرف بڑھا۔ دوبارہ وہ اس ایرانی پر ابلتے سرخ لاوے اور کسی داستان گو کے تیزی سے حرکت میں آنے والے ہونٹوں کی تحریک کے ساتھ حملہ آور ہوا تھا۔

ایسا لگ رہا تھا گویا عدیم تاریک وسوسوں کا طوفان اور وقت کے بیکراں سمندر کا غواص و غوطہ زن بن کر چہار دانگ پھیلے ہست کے گوشوں سے اس ایرانی کے لیے مرگ کا سامان تلاش کرنے نکل پڑا ہو۔

اس ایرانی کی آنکھوں میں اب ایک اجنبی وحشت تیرنے لگی تھی اور اپنے ننگے ہونٹوں پر وہ بار بار زبان پھیرنے لگا تھا۔ اس کی حالت ندی کے منہ زور پانی میں بہنے والے اس تنکے جیسی ہو رہی تھی جو اپنی قوتوں کو بروئے کار لا کر اپنی منزل کی طرف بڑھنے کی ہمت نہ رکھتا ہو۔

عدیم شعاعوں کے نسکاری اور سحر آفریں شب کی طرح بکھرتا جا رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر تبسم کی جوت اور آنکھوں میں روشن ستاروں کا عمل تھا۔ وہ ایرانی غم دوز و حزیں ہوتا جا رہا تھا۔ اس کے پاؤں اکھڑ گئے تھے اور اس پر ستاروں کے ٹھٹھرنے کا عمل شروع ہو گیا تھا۔

اچانک عدیم نے کسی دور نگر کے مسافر اور ایک ازلی بنجارے کی طرح اللہ اکبر کا نعرہ مارا پھر اس نے اس ایرانی سے کہا۔ دیکھ! اب سنبھل کہ میری تلوار سے تیرے خون کی بو آنے لگی ہے۔ اس کے ساتھ ہی عدیم نے اس ایرانی پر ایسا ہولناک وار کیا کہ اس کے لوہے سمیت اس نے اسے کاٹ کر رکھ دیا تھا۔

عدیم اپنے لشکر میں واپس آگیا تھا۔ ایرانیوں کو اپنی طاقت و قوت اور عددی برتری پر فخر و ناز تھا۔ پہلے ان کا لشکر تین حصوں میں تقسیم تھا۔ اب ہرمز کے مارے جانے پر انہوں نے پورے لشکر کے صرف دو حصے کیے۔ ایک حصہ شہزادہ قباذ کے پاس اور دوسرا حصہ دوسرے ایرانی شہزادے انوشجان کی کمان داری میں رہا۔

ایرانیوں نے اپنے اسی گھمنڈ میں آگے بڑھ کر ایک زوردار حملہ کر دیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ مسلمانوں کو جو تعداد میں ان سے کئی گنا کم ہیں اپنے پہلے حملے میں ہی بُری طرح دھکیلتے ہوئے پیچھے لے جائیں گے۔ لیکن انہیں مایوسی ہوئی جب وہ اسلامی لشکر سے ٹکرائے تو وہ ان کے لیے خارِ مغیلاں اور بارود کے مجسمے ثابت ہوئے۔

خالدؓ بن ولید اور مثنیٰؓ کی سرکردگی میں جب مجاہدین نے جوابی حملہ کیا تو ان کی تلواریں دشمن کی ڈھالوں سے ٹکرا کر ایسا سماں باندھ گئی تھیں جیسے سوکھے پتوں سے ٹکراتی ہوا جھلسے موسم کی پہلی بارش چھنن چھنن کی آوازیں پیدا کرتی ہے۔

حضرت خالدؓ بن ولید کی سرکردگی میں مجاہدین موسموں کی گرد، دھوئیں کے مرغولوں کی طرح حملہ آور ہوئے تھے۔ اور انہوں نے ایرانیوں کو دھندلے دھندلے رنگوں کی طرح مٹانا اور ٹیڑھی ترچھی پرچھائیوں کے اندر خلاؤں میں تیرنے والے ستاروں کی طرح گھس کر انہیں نا کرنا شروع کر دیا تھا۔

وہ پرندوں کی ڈاروں کی طرح حملہ آور ہوتے اور دشمن کو دھان کی بالیوں کی طرح دو دو نے لگ

بکھر رہے تھے۔ ان کے لبوں پر عزم و ہمت کی صاف شفاف مسکراہٹ اور ہنستے ساگر کی سی آنکھوں میں خوشنما اور بے داغ فتح و آزادی کی شعاعیں تھیں۔

کافی دیر تک عرب و عجم کی یہ ہولناک جنگ جاری رہی کہ اَن گنت ایرانی اس جنگ میں مارے گئے۔ آخر قباذ اور انوشجان نے جب دیکھا کہ ان کے لشکر کا بڑا حصہ تہ تیغ کر دیا گیا ہے اور بچنے والے لشکر میں اب اس قدر سکت بھی نہیں رہی کہ وہ اپنی جان تک کا دفاع کر سکیں تو دونوں بھائی اپنے بچے کھچے لشکر کے ساتھ فرار ہو گئے تھے۔ خالدؓ بن ولید میدانِ جنگ سے فرار ہونے والے اس لشکر کے پیچھے لگ گئے تھے۔

ہرمز کاظمہ کے میدانوں کی طرف آنے سے پہلے ابلہ کے مقام پر اپنے خزانے اور مال و متاع کا ایک حصہ محفوظ سامان کے طور پر رکھ آیا تھا اور وہاں اس نے پانچ ہزار ایرانیوں کو اس سامان کی حفاظت پر مقرر کیا تھا۔ خالدؓ بن ولید نے بصرہ کے قریب اس جگہ تک ایرانیوں کا تعاقب کیا جہاں بعد میں ایک بڑا پُل تعمیر کیا گیا تھا۔

قباذ اور انوشجان کی معیت میں بھاگنے والے ایرانی لشکر کا رُخ ابلہ کے خزانے اور سامان کی طرف تھا۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ خالدؓ بن ولید لمحہ بہ لمحہ ان کی تعداد کو کم کرتے ہوئے ان کے تعاقب میں ہیں تو انہوں نے شمال کی طرف ابلہ کے رُخ پر جانے کے بجائے اپنے آپ کو اپنی سرحدوں کے اندر گھس کر محفوظ کرنے کے لیے سیدھا مشرق کی طرف بھاگنا شروع کر دیا تھا۔

بصرے کے قریب آکر خالدؓ بن ولید نے یہ تعاقب ترک کر دیا اور اپنے لشکر کو انہوں نے وہاں پڑاؤ کرنے کا حکم دیا۔ اتنی دیر تک لشکر کا وہ حصہ بھی مالِ غنیمت لے کر وہاں پہنچ گیا جسے میدانِ جنگ سے مالِ غنیمت سمیٹنے کی خاطر پیچھے چھوڑ دیا گیا تھا۔ بے شمار مالِ غنیمت میں ایک ہاتھی بھی شامل تھا۔

بصرہ میں پڑاؤ کرنے کے بعد خالدؓ بن ولید نے عدیم کو دو ہزار کا لشکر دے کر ابلہ کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ وہاں پانچ ہزار ایرانیوں کو ٹھکانے لگا کر ان سے ہرمز کا وہ خزانہ اور مال و دولت لے آئے جو ہرمز نے وہاں رکھا تھا۔ وہ خزانہ و مال چونکہ ہرمز کا تھا۔

اور ہرمز کے جنگ میں مارے جانے کے علاوہ ایرانی لشکر کو بدترین شکست ہو چکی تھی
وہ سامان مسلمانوں کے لیے مالِ غنیمت کا ہی ایک حصّہ بنتا تھا۔

عدیم چونکہ اِن علاقوں سے زیادہ واقفیت نہ رکھتا تھا لہٰذا ایک شخص معقلؓ
مزنی کو اس کا راہنما مقرر کیا گیا تھا۔ دو ہزار سواروں کے ساتھ عدیم بصرہ سے ابلہ کی طرف
کُوچ کر گیا تھا۔

اِسی دوران مقامی لوگوں سے خالدؓ بن ولید کو خبر ہوئی کہ شمال میں دو ایسے قلعے
جو خود مختار ہیں اور ان پہ ایک عورت کہ وہ بڑی حسین ہے حکومت کرتی ہے اور اپنے آپ
کو اسلام کی بدترین دشمن سمجھتی ہے اور یہ کہ اس نے حال ہی میں شادی کی ہے اور ا
کا شوہر اس سے بھی بڑھ کر اسلام کا دشمن ہے۔ چنانچہ اس عورت اور اس کے شوہر
سرکوبی کے لیے خالدؓ بن ولید نے ایک لشکر دے کر مثنیٰؓ بن حارث کو روانہ کیا۔

عدیم نے اس رفتار سے ابلہ کی طرف سفر کیا کہ عشاء کی نماز راستے میں ادا کرنے
بعد ابلہ کی طرف بڑھا۔ یہ ایک چھوٹی سی بستی تھی جس کے باہر ایرانی لشکر خیمہ زن تھا
جن کے پاس خوراک اور دیگر جنگ میں کام آنے والے سامان کے ڈھیر لگے ہوئے تھے

عدیم جس وقت اپنے لشکر کے ساتھ ابلہ پہنچا اس وقت رات خوب گہری ہو گئی
صحرا کے اندر ہر شئے ظلمتوں کے ساتھ برسرِ پیکار تھی۔ گھُپ اندھیرے میں گرسنہ زمین کی
چیز مُردہ آرزو دل جیسی ہو گئی۔ ہر ذی جان گویا سرنیہوڑائے تنہائیوں کے شہر کے
زوال میں گم ہو کر رہ گئی ہو۔ آسمان پر تاروں کے اُجلے جھروکے مزّین آئینوں کی طرح
آب دار ہو رہے تھے۔

نیلگوں فلک اُونگھ رہا تھا کہ عدیم نے اپنے صرف دو ہزار لشکر کے ساتھ
کی بستی سے باہر پانچ ہزار ایرانیوں پہ شب خون مارا۔ دشمن کے لشکر کے اندر وہ دھ
میں برق کی چمک اور خون رنگ تیشے کی طرح گھُس گیا تھا۔

ایرانیوں نے سنبھل کر اور منظم ہو کر اپنے اندر گھُس آنے والے عدیم اور
کے لشکریوں کو باہر نکالنے کی انتہائی کوشش شروع کر دی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ حملہ آور

ے علیحدہ کر کے ان سے نمٹا جائے۔

عدیم کا ان کے اندر گھُس آنا انہیں اس تمیز سے نا آشنا کر گیا تھا کہ کون اپنا، کون
ے اور پھر وہ کھُل کر مسلمانوں کے ساتھ جنگ بھی نہ کر سکتے تھے۔ اس طرح ایرانی
تھوں ایرانی ہی کے مارے جانے کا اندیشہ تھا۔

دوسری طرف عدیم اپنی اسی تجویز پہ عمل کر رہا تھا۔ وہ ایرانیوں کے اندر کسمساتی
تیز روشنی اور احساس فسوں کی طرح گھُس کر ان کا قتلِ عام کر چکا تھا۔ وہ حدتِ خون
در موت کے طوفان کی طرح ان کے اندر ایک ہلچل، خوف اور دہشت برپا کر چکا تھا۔
ایرانیوں کا قتلِ عام کر کے عدیم نے ان کی حالت مدفون انسانوں کے ویرانوں، روتے
ویران صحراؤں اور کسی ناکام تفرقہ پرداز جیسی کر کے رکھ دی تھی۔

رات کے اندھیرے میں ہی عدیم نے اس سارے ایرانی لشکر کو موت کے گھاٹ
دیا تھا اور وہاں سے حاصل ہونے والا مالِ غنیمت وہ دشمن کے جانوروں پہ لاد کر
طرف روانہ ہو گیا تھا جہاں خالدؓ بن ولید اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن تھے۔

عدیم ابھی راستے میں ہی تھا کہ اسے خالدؓ بن ولید کا پیغام مِلا کہ فوراً مثنیٰ کی مدد
کو جاؤ۔ عدیم نے مالِ غنیمت خالدؓ بن ولید کی طرف روانہ کر دیا۔ خود وہ اپنے لشکر
کے ساتھ مثنیٰؓ کی طرف کُوچ کر گیا تھا۔

مثنیٰؓ اپنے لشکر کے ساتھ ان قلعوں کی طرف بڑھے جو عورت کے قلعے کے نام
سے مشہور تھے۔ اس عورت کو بھی مثنیٰؓ بن حارثہ کی سرکردگی میں بھیجے جانے والے خالدؓ
بن ولید کے لشکر کی اطلاع ہو گئی تھی۔ لہٰذا اس عورت نے اپنی بہترین جنگی صلاحیتوں
کا مظاہرہ کیا۔

اس نے اپنے سارے لشکر کو دو حصّوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصّہ اپنے شوہر کو
دے کر ایک قلعے میں محصور کر دیا اور دوسرے قلعے میں آدھے لشکر کے ساتھ وہ خود
محصور ہو گئی تھی۔ وہ جانتی تھی مسلمانوں کے پاس قلعوں کی مضبوط فصیلیں توڑنے کا کوئی

سامان نہیں ہے۔ لہٰذا وہ طویل محاصرہ سے تنگ آکر خود ہی ناکام واپس لوٹ جائیں گے یہ ایک اچھا فیصلہ تھا پر اس کا کیا حل کہ قدرت ہی ان کے خلاف فیصلے صادر کر چکی تھی۔

مثنیٰؓ نے بھی یہاں اپنی عمدہ ترین عسکری فراست کا ثبوت دیا۔ انہوں نے بھی اپنی معیت میں لشکر کے دو حصے کیے۔ ایک حصہ اپنے چھوٹے بھائی معنیٰ بن حارثہ کو دے کر اس قلعے کا محاصرہ کرا دیا جس کے اندر وہ عورت محصور تھی۔ خود مثنیٰ بن حارثہ نے آگے بڑھ کر اس قلعے کا محاصرہ کر لیا جس میں اس عورت کا شوہر مقیم تھا۔

مثنیٰؓ بن حارثہ اس قلعے کے خلاف کوئی کارروائی شروع کرنے والے تھے کہ عدیم اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ اپنے لشکر کے ساتھ عدیم جب ان خیموں میں داخل ہوا جو مثنیٰ نے اپنے لشکر کے پڑاؤ کے طور پر شہر سے ذرا فاصلے پر نصب کیے تھے تو مثنیٰؓ نے بڑی گرم جوشی سے عدیم کا استقبال کیا اور اسے اپنے خیمے میں لے گئے۔ جب دونوں آمنے سامنے خیمے کے اندر بچھی چٹائی پر بیٹھ گئے تو مثنیٰؓ نے کہا۔

"میں نے خالدؓ بن ولید کی پاس سے جب اس طرف کوچ کیا تھا تو انہوں نے مجھے یقین دلایا تھا کہ عدیم جب ابلہ کی مہم سے فارغ ہو جائے گا تو اس کا رخ بھی میری طرف پھیر دیا جائے گا۔ اس کے لیے میں خالدؓ کا ممنون ہوں۔

اب یہاں صورتِ حال یہ ہے کہ اس عورت کے پاس دو مضبوط اور سنگین قلعے ہیں۔ ایک میں وہ خود اور دوسرے میں اس کا شوہر محصور ہو گیا ہے۔ جس قلعے کے سامنے ہم اس وقت ہیں اس میں اس کا شوہر مقیم ہے۔ جب کہ دوسرا قلعہ جس میں وہ عورت خود ہے اس کا محاصرہ کرنے کے لیے لشکر کے ساتھ میں اپنے چھوٹے بھائی معنیٰ بن حارثہ کو چھوڑ آیا ہوں۔

اِن دونوں قلعوں کی فصیل ایسے سخت اور مضبوط پتھروں سے بنی ہوئی ہیں کہ بغیر منجنیق کے ان میں شگاف بھی نہیں کیا جا سکتا اور ہمارے پاس تیر اور تیر دل کے علاوہ اور کوئی ہتھیار ہی نہیں جسے ہم اس قلعے کے خلاف کام میں لا سکیں۔"

عدیم نے کہا۔ "اگر آپ میرے ساتھ اتفاق کریں تو میں ایک تجویز پیش کرتا ہوں مجھے اُمید ہے اس پر عمل کر کے ہم اس عورت کے دونوں قلعوں پر بآسانی قبضہ کر سکتے ہیں۔"

مثنیٰؓ نے کہا۔ "آپ کہیں۔ آپ جیسے جنگ جو اور مجاہد سے مجھے بہتر تجویز کی توقع ہے۔"

عدیم نے کہا۔ "آپ اپنے لشکر کے ساتھ شہر کے مشرقی جانب اور میں اپنے لشکر کے ساتھ مغربی جانب رہتا ہوں۔ اس کے علاوہ آپ اپنے لشکر سے پانچ سو تیر انداز علیحدہ کریں۔ ان میں سے اڑھائی سو اپنے پاس رکھیں اور اڑھائی سو مجھے دیں۔ میں شہر کی مغربی جانب سے فصیل پر چڑھنے کی کوشش کروں گا۔ ظاہر ہے فصیل کے اوپر کھڑے فصیل کے محافظ ہم پر تیر یا پتھروں کی بارش کریں گے۔ ان سے نمٹنے کے لیے میں اڑھائی سو تیر انداز گھات میں بٹھا دوں گا جو فصیل کے محافظوں پر تیروں کی تیز اور طوفانی بوچھاڑیں مار کر انہیں پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیں گے۔

میری طرح آپ بھی اپنے حصے کے اڑھائی سو تیر اندازوں کی آڑ میں قلعے کے مشرقی جانب فصیل پر چڑھنے کی کوشش کریں۔ ہم دونوں میں سے جو بھی پہلے فصیل پر چڑھ گیا ظاہر ہے دشمن اپنی ساری قوت کو اس کی سرکوبی کے لیے بڑھا دیں گے۔ اس طرح ہم میں سے جو پہلے نہ چڑھ سکا اسے بھی فصیل پر چڑھنے کا موقع مل جائے گا۔ ایک بار ہم دونوں اپنے لشکروں کے ساتھ فصیل کے اوپر چلے جائیں پھر شہر پناہ کو خالی کرا کر شہر میں داخل ہو کر اس پر قبضہ کرنا کوئی مشکل کام نہ رہے گا۔"

مثنیٰؓ نے عدیم کے دونوں شانے پکڑ کر خوشی اور اطمینان کے اظہار میں ہلاتے ہوئے کہا۔ "بخدا آپ نے میرے دل کی بات کی ہے۔ اب یہ قلعہ زیادہ دیر تک ہمارے سامنے ٹھہر نہ سکے گا۔ آپ اپنے لشکر کے ساتھ شہر کے مغربی جانب چلے جائیں۔ میں اپنے لشکر سے اڑھائی سو بے خطا نشانے کے تیر انداز آپ کی طرف بھجواتا ہوں۔" عدیم اُٹھا اور مثنیٰؓ کے خیمے سے نکل گیا تھا۔

عدیم مثنیٰؓ کے خیمے سے ابھی چند قدم دور ہی گیا تھا کہ کسی نے اسے پکارا۔

" رمینس ! رمینس ! "

عدیم نے مڑ کر دیکھا ۔ اس کا بڑا بھائی یوعام بھاگتا ہوا اس کی طرف آرہا تھا۔ قریب آکر یوعام نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔" رمینس ! میرے عزیز ! کاظمہ کی جنگ کے بعد ایسا طوفانی تعاقب شروع ہوا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ملاقات نہ کر سکا پھر امیر نے تمہیں ایک لشکر دے کر ابلہ کی طرف روانہ کر دیا اور میں مثنیٰ کے لشکر میں اس طرف آگیا ۔

میرے عزیز ! میرے دوست ! میں تمہیں کاظمہ کے میدان میں اس ایرانی پہلوان کو زیر کرنے کی مبارک باد دیتا ہوں ۔ بخدا تم نے کیا خوب اسے اپنے سامنے زیر و سپر کیا تھا ۔ میں تم سے ملنے تمہارے لشکر میں گیا تھا ۔ وہاں تمہارے لشکریوں نے مجھے بتایا کہ تم نے ابلہ میں ایرانی لشکر پر شب خون مار کر اسے بھی تہ تیغ کر دیا ہے ۔ اے میرے دوست ! میں تمہیں اس کامیابی کی بھی مبارک باد دیتا ہوں ۔ اب تم ایک مبارک مجھے بھی دو"۔

عدیم نے حیرت و تعجب سے پوچھا۔" کیسی مبارک باد ؟"

یوعام نے کہا۔" حیرہ شہر سے میرا ہمسایہ مجھے ملنے آیا تھا ۔ اس نے مجھے اطلاع کی کہ میرا سسر ناتان بیمار ہے جب کہ خداوند یے کنار نے مجھے ایک بیٹا عطا کیا ہے"

عدیم نے کہا ۔" میں تمہیں بیٹے کی مبارک باد دیتا ہوں"۔

یوعام نے ظریفانہ انداز میں کہا ۔" اور میں اسے بڑے اچھے طریقے سے قبول کرتا ہوں ۔ اور سنو رمینس ! میں نے مثنیٰ سے اجازت لے لی ہے ۔ اس مہم سے فارغ ہو کر میں ذرا اپنے گھر جاؤں گا"۔

عدیم نے کہا ۔" میں تمہارے ساتھ بعد میں بیٹھ کر گفتگو کروں گا ۔ اس وقت مجھے اپنے لشکر کو مغربی جانب لگانا ہے "۔

یوعام اپنے حصے کے لشکر میں واپس چلا گیا جب کہ عدیم اپنے لشکر کو لے کر قلعے کے مغربی جانب پڑاؤ کرنے لگا تھا ۔

مثنیٰ کی طرف سے جب عدیم کو اڑھائی سو تیر انداز مل گئے تو اس نے ان ..ازوں کو اپنے لشکر کے پیچھے مٹی کے دمدمے بنا کر ان کے پیچھے بٹھا دیا ۔ پھر اس ..شکر کے ساتھ کمندیں پھینک کر فصیل پر چڑھنا شروع کیا اور جب فصیل کے ..ر اندازوں اور دوسرے جوانوں نے تیر اور پتھر برسانے شروع کیے تو گھات میں بیٹھے ہوئے ان اڑھائی سو تیر اندازوں نے تیروں کی ایسی بے خطا اور تیز بوچھاڑیں ماریں کہ فصیل ..نظ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے تھے ۔

اس طرح عدیم نے فصیل کے اوپر چڑھنے اور اوپر سے دباؤ پڑنے کی صورت میں ..ا سے نیچے اتر جانے کا کھیل شروع کر دیا تھا اور یہی اوپر نیچے جانے کا کھیل شہر کے ..ی جانب مثنیٰ بن حارثہ بھی شروع کر چکا تھا ۔

ان دونوں قلعوں کی حاکم عورت کے شوہر نے جب دیکھا کہ جلد یا بدیر دونوں ..ے مسلمان کسی وقت بھی کسی نہ کسی طرح شہر پناہ پر چڑھ جائیں گے اور اگر ایک بار ..ر لگ گئے تو پھر انہیں نیچے اتارنا مشکل نہیں بلکہ ناممکن ہو جائے گا ۔ لہذا وہ اپنے لشکر ..اتھ شہر پناہ کا دروازہ کھول کر نکلا اور مثنیٰ کے لشکر پر اس نے حملہ کر دیا تھا ۔

یہ اس کی بہت بڑی عسکری غلطی تھی کیوں کہ جب وہ قلعہ سے نکل کر مثنیٰ سے ..آزما ہوا تو اس نے یہ سوچا تھا کہ وہ ایک اچانک اور تیز حملہ کر کے مشرق میں خیمہ ..مانوں کو تہ تیغ کرنے کے بعد مغرب میں عدیم کے لشکر سے نمٹ لے گا لیکن یہ ..ا بھول تھی ۔ جس وقت اس نے مثنیٰ پر حملہ کیا اسی وقت عدیم نے اس کی پشت پر ..ر کے اس کے پورے لشکر کو خاک و خون کر کے رکھ دیا تھا ۔ اس جنگ میں اس ..شاہ شوہر اپنے پورے لشکر کے ساتھ مارا گیا اور شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ۔

دوسرے قلعے میں اس عورت کو خبر ہو گئی تھی کہ اس کا شوہر اپنے پورے لشکر ..تو قتل ہو گیا ہے ۔ لہذا اس نے قلعے سے نکل کر مثنیٰ بن حارثہ کے بھائی معنیٰ بن ..ز جو اس کے قلعے کا محاصرہ کیے ہوئے تھا یہ تجویز پیش کی کہ وہ اس شرط پر اسلام قبول ..و قلعہ اس کے حوالے کر دے گی ۔ اگر وہ اس سے شادی کر لے ۔ کیوں کہ اس کا شوہر

مارا گیا ہے۔

مثنیٰ بن حارثہ نے اس کی شرط مان کر اس سے شادی کر لی۔ وہ عورت مسلمان ہو گئی اور اس کے قلعے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ پھر عدیم اور مثنیٰ اپنے لشکروں کو لے کر خالدؓ بن ولید کی طرف کوچ کر گئے تھے۔

اس جنگ میں بے شمار مالِ غنیمت خالد بن ولید کے ہاتھ لگا۔ جس میں ایک ہاتھی اور ایک لاکھ کی ہرمز کی ایک ٹوپی بھی تھی۔ خالدؓ بن ولید نے کچھ مالِ غنیمت اپنے لشکر میں تقسیم کیا اور کچھ ہاتھی[1] اور ٹوپی[2] کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں مدینۃ النبیؐ روانہ کر دیا۔

❀

ہ اس ایرانی ہاتھی کو مدینۃ النبیؐ میں پھرایا گیا۔ بوڑھی عورتیں ہاتھی کو دیکھ کر تعجب کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ یہ واقعی اللہ کی مخلوق ہے یا کوئی بناوٹی شے ہے۔

ہ یہ قیمتی ٹوپی حضرت ابوبکرؓ صدیق نے خالدؓ بن ولید کو دے دی تھی۔

❀

کاظمہ کے میدانوں میں خالدؓ بن ولید کے سامنے آنے سے قبل ہرمز نے شہنشاہِ ایران کسریٰ [خ]الدؓ بن ولید کے حملہ آور ہونے کی اطلاع کر دی تھی۔ کسریٰ نے اپنے ایک جرنیل قارن [س]رکردگی میں ساٹھ ستر ہزار کا ایک جرار لشکر ہرمز کی مدد کے لیے مدائن سے روانہ کیا۔ مدائن [سے نک]ل کر یہ لشکر بھی مذار کے مقام پر آیا تھا کہ اس لشکر کے جرنیل قارن کو ہرمز کے مارے [جانے] اور ایرانی لشکر کے ایک بدترین شکست کے بعد میدانِ جنگ سے بھاگ جانے کی اطلاعات [مل گئیں۔ ی]ہ نیا جرنیل قارن مذار میں رک کر کوئی نیا قدم اٹھانے سے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ میدانِ [جنگ] سے منہ موڑ کر بھاگنے والے دونوں شہزادے قباذ اور انوشجان شکست خوردہ لشکر [کے] ساتھ وہاں پہنچ گئے تھے۔

قارن نے قباذ اور انوشجان کا حوصلہ بڑھایا اور بھاگ کر آنے والے لشکریوں کا [بڑ]ے گرم جوشی سے استقبال کیا تھا تاکہ ان کے ذہنوں سے مسلمانوں کا خوف اور جنگ [کی دہ]شت جاتی رہے۔

اب قارن کی سرکردگی میں مذار کے مقام پر ایک لاکھ کا لشکر جمع ہو گیا تھا اور [وہ ا]ن سپاہیوں کو اعتماد میں لے کر انہیں یہ یقین دلانے کی کوشش کرنے لگا تھا کہ آئندہ

جنگ میں ہم مسلمانوں کو بدترین شکست دیں گے اور مسلمانوں سے کاظمہ کے میدانوں میں اپنے جانی اور مالی نقصان کا بھرپور انتقام لیں گے۔

قارن کی ایسی تقریروں نے ایرانی سپاہیوں کے دلوں میں میدانِ جنگ میں لڑنے کا حوصلہ پیدا کر دیا تھا۔

دوسری طرف خالدؓ بن ولید کو بھی خبر ہو گئی تھی کہ ایرانی جرنیل قارن کی سرکردگی میں مذار کے مقام پر ایک لاکھ کا لشکر ان سے نبرد آزما ہونے کے لیے تیار ہے اور وہ کسی بھی وقت ان کی طرف کوچ کر سکتا ہے۔

خالدؓ بن ولید نے برق رفتاری کے ساتھ بصرہ کی سرزمین سے مذار کی طرف کوچ کیا اور ایرانی جرنیل قارن ابھی کسی جنگی حکمتِ عملی کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ خالدؓ بن ولید اپنے لشکر کے ساتھ ایک عظیم الشان وحدت، عزم و ہمت کی اساس اور عالمِ بالا کے ہزاروں کے مسافروں کی طرح اس کے سامنے نمودار ہوئے۔

ایرانی لشکر پر خوف و وحشت طاری ہو گئی تھی۔ ان کی حالت اس سونے والے جیسی ہو گئی تھی جسے سورج کی تیز شعاعوں نے جگا کر بے قرار کر دیا ہو۔ وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے۔ خالدؓ بن ولید انہیں وہیں آلیں گے جہاں سے وہ ان کی طرف کوچ کرنے کے لیے تدبیریں ہی کر رہے تھے۔ تاہم ایرانی لشکر کے جرنیل قارن نے اپنے لشکر کو سنبھالا دینے کی تدبیر کی اور میدانِ جنگ میں اتر کر اس نے مسلمانوں کو مقابلے کے لیے للکارا۔ ساتھ ہی اس نے ایران کے دونوں شہزادوں قباذ اور انوشجان کو بھی میدان میں اترنے کے لیے کہا۔

قارن کے کہنے پر قباذ اور انوشجان بھی میدان میں اُتر آئے اور اسلامی لشکر کی طرف مُنہ کر کے انہوں نے مقابلے کے لیے للکارا۔ اب میدان کے وسط میں قارن، قباذ اور انوشجان تینوں بیک انفرادی مقابلے کی دعوت دے رہے تھے۔

خالدؓ بن ولید، عدیم اور مثنٰی نے ان تینوں ایرانیوں سے مقابلہ کرنے کے لیے گھوڑوں کو ایڑ لگا کر آگے بڑھایا لیکن ان تینوں سے پہلے لشکر کے تین اور مجاہد معقل، عاصم اور عدی ان تینوں ایرانیوں سے مقابلہ کرنے کے لیے اپنے گھوڑوں کو بہت آگے بڑھا چکے

تھے۔ لہٰذا خالدؓ بن ولید، عدیم اور مثنٰی لوٹ آئے تھے۔

تینوں مجاہد فضاؤں میں تازگی کی نمود کی طرح آگے بڑھے تھے۔ وہ بڑے لطف و ادب کے ساتھ خدا کی حمد و تقدیس کرتے جا رہے تھے۔ جونہی یہ تینوں قارن، قباذ اور انوشجان کے پاس پہنچے تو ان تینوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ پر جلد ہی معقل، عاصم اور عدی شبنم کے قطروں سے سیال سورج اور پھولوں سے انگارے بن گئے تھے۔ وہ تاروں پر پڑنے والی مضراب اور برہم ہوا کے تازیانوں کی طرح اپنے اپنے مدِ مقابل پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ تینوں مجاہد اپنے اپنے لہجے کی بھرپور کھنک کے ساتھ اللہ اکبر کی تکبیریں بلند کر رہے تھے۔

معقل، عاصم، عدی نے جب شعلوں سے ڈھلی اپنی تلواروں کے ساتھ ان کے لیے ایک آدم گیر طوفان کھڑا کر دیا تو قارن، قباذ اور انوشجان فرار اور اجتناب کی راہیں تلاش کرنے لگے تھے۔ ان کی حالت ایسی تھی گویا موتیوں کی کوئی مالا جان انگڑائی کے باعث ٹوٹنے کے قریب ہو گئی ہو۔ یہی حالت اس وقت قارن، قباذ اور انوشجان کی ہو رہی تھی۔

معقل، عاصم اور عدی ان تینوں کے لیے پنکھڑی میں نہاں چنگاری کی طرح نمودار ہوئے تھے اور ان تینوں کے کاٹتے دلوں کو اندھی گونگی راتوں میں بدل کر رکھ دیا تھا۔ آخر معقل نے قارن کو، عاصم نے انوشجان اور عدی نے قباذ کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

اپنے تینوں جرنیلوں کے ایک ساتھ مارے جانے پر ایرانی لشکر سیخ پا ہو کر ایک ساتھ مسلمانوں پر حملہ آور ہوا۔ وہ اب بھی مطمئن تھے کہ وہ مسلمانوں کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیں گے کیونکہ عددی لحاظ سے وہ مسلمانوں سے چھ گنا زیادہ تھے۔

مذار کے ان میدانوں میں ہولناک جنگ شروع ہو گئی تھی۔ کھوپڑیوں کے ڈھیروں میں انتظارِ وقت اک سپنائے ہجر و وصال سے چونک پڑا تھا۔ مسلمان مجاہدین کڑکتے لہجوں میں تکبیریں بلند کرتے ہوئے ایرانیوں کی قدیم اور جگمگاتی ساری سطوت کے رنگ اتارنے لگے تھے۔ ایران کے گھوڑے میدانِ جنگ میں ادھر اُدھر بھاگتے ہوئے زمین کا سینہ اُدھیڑنے لگے تھے۔ برسوں کی پیاسی زمین کے ہونٹ خون سے تر ہونے لگے تھے۔

رزم گاہ میں مجاہدین ابرِ کوہسار کی طرح ابھر رہے تھے۔ وہ وحشت کی آخری حدود

کو چھوتی اپنی آوازوں میں اپنے رب کو پکارتے ہوئے، چاندنی راتوں میں طوفانی لہروں کی طرح اُبھر ڈوب کر طلسمات دہر مٹانے اور برق کے کوندوں کی طرح حملہ آور ہونے لگے تھے۔ ان کے لبوں پر مسکراہٹوں کے کاروانوں میں ناشنیدہ نغمہ حیات اور آنکھوں میں تمام حجاب صورت و معنی اٹھا دینے والی روشنی تھی۔ وہ سردی کے برفانی جنگل میں طوفان کھڑا کر دینے والی سرد ہواؤں کے جھکڑوں کی طرح ایرانیوں کے شبستانوں کی ساری رونق اور ان کی تہذیب کی ساری عظمت خون میں ڈبوتے ہوئے انہیں زندگی کے تلخ حقائق سے آلودہ کر رہے تھے۔

خالدؓ بن ولید کی سرکردگی میں مجاہدین مذار کی ان وادیوں کے اندر نور کے سانچے بن کر ابھر رہے تھے اور ایرانیوں کو برف کی سِلوں کی طرح فنا کرتے جا رہے تھے۔

آدھی رات تک یہ جنگ جاری رہی۔ ایرانی کٹتے مرتے رہے۔ اس وقت تک تیس ہزار ایرانی جنگ میں کام آچکے تھے اور ان کی لاشیں مذار کی رزم گاہ میں اِدھر اُدھر بکھری پڑی تھیں۔

ایرانیوں نے جب چاندنی رات میں دیکھا کہ ان کے ان گنت لشکری مارے گئے ہیں اور ان کے تیز حملے مسلمانوں پر ایسے ہی ثابت ہوتے ہیں جیسے ریت پر لکھی تحریریں تو ان کے غم گین چہروں پر موت کے آثار نمودار ہونے لگے۔ جب کہ مجاہدین نے اپنے حملہ آور ہونے کی رفتار میں برق پیدا کر لی تھی۔ شاید وہ مذار کی ساری وادیوں کو ایرانیوں کے لیے خوناب کرنے کا ارادہ کر چکے تھے۔

اس وقت جب کہ رات کے سنسان زاروں میں موت ایرانیوں کو رخصت بے حبیب! رخصت پکار رہی تھی ایرانی میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔ وہ دریائے فرات کی طرف بھاگے جہاں قارن نے پہلے ہی کشتیاں کھڑی کر رکھی تھیں۔

خالدؓ بن ولید نے رزم گاہ سے بھاگنے والے ان ایرانی بھگوڑوں کا تعاقب کیا اور کشتیوں میں گھس کر ان سے جنگ ہوتی رہی۔ اس خوفناک تعاقب اور پھر کشتیوں کے اندر جنگ شروع کر دینے کا یہ نتیجہ نکلا کہ ان گنت ایرانی دریا میں ڈوب کر موت کا لقمہ بن گئے۔ بہت کم لوگ تھے جو اپنی جانیں بچا کر اور دریائے فرات عبور کر کے بھاگ سکے

کے خلاف مسلمانوں کی یہ ایک عظیم فتح تھی۔

اس جنگ میں بے شمار مال غنیمت کے علاوہ بڑے بڑے معزز قیدی بھی ہاتھ لگے۔ ابوالحسن جو حضرت حسن بصریؒ کے باپ تھے، حضرت عثمانؓ کے غلام ماخنہ، حضرت مغیرہ بن شعبہ کے غلام ابو ریا اسی جنگ میں ہاتھ لگے تھے۔

خالدؓ بن ولید نے سارا مالِ غنیمت جمع کیا۔ پہلے مجاہدوں کا حصہ ان میں تقسیم کیا۔ باقی مال غنیمت انہوں نے سعید بن نعمان کی حفاظت میں مدینۃ النبیؐ روانہ کر دیا تھا۔

جنگ کے بعد خالدؓ بن ولید نے مذار کی وادیوں میں آباد کاشتکاروں کو امان دینے کے بعد ان میں اسلام کی تبلیغ شروع کر دی تھی۔

مذار کی اس جنگ کے بعد عدیم ایک روز اپنے گھوڑے کو دریائے فرات میں نہلا کر اپنے خیمہ میں داخل ہوا ہی تھا کہ ایک لشکری اس کے خیمے میں آیا اور کہا "آپ کو سالار نے طلب کیا ہے"۔

عدیم نے کہا۔ "تم جاؤ میں آتا ہوں"۔

وہ لشکری چلا گیا۔ عدیم نے اپنے سر پہ عمامہ باندھا پھر وہ اپنے خیمے سے نکل کر خالدؓ بن ولید کے خیمے میں داخل ہوا۔

خالدؓ بن ولید اس وقت اپنے خیمے میں اکیلے بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے عدیم کو سامنے بیٹھنے کو کہا پھر ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں انہوں نے پوچھا۔ "کیا تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ آج میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے جب کہ ان دنوں کوئی معرکہ بھی درپیش نہیں اور کسی کے پاس ایک قاصد کی حیثیت سے بھی تمہیں نہیں بھجواتا"۔

عدیم نے عاجزی میں کہا۔ "میں لشکر کا ایک ادنیٰ خادم ہوں اور مجھ سے کوئی خدمت بھی لی جا سکتی ہے"۔

خالدؓ بن ولید نے کہا۔ "آج میں نے نہیں میری بیوی ام تمیم نے تمہیں بلایا ہے"۔

عدیم نے اپنی گردن جھکاتے ہوئے کہا "میری بہن کو مجھ سے کیا کام ہو سکتا ہے"۔

خالدؓ بن ولید کا چمڑے کا خیمہ کافی بڑا تھا جس کے اندر چمڑے کے پردے ڈال کر اسے مختلف حصّوں اور کمروں میں بانٹ دیا گیا تھا۔ اس بار انہوں نے اپنی پشت پر لٹکتے چمڑے کے پردے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تمہیں کیوں یہاں بلایا گیا ہے یہ تو پھر تمہاری بہن ہی تمہیں بتلا سکتی ہے۔ کاش ہماری بہن سیریا یہاں ہوتی تو میری بیوی کو تمہیں بلانے کی نوبت ہی نہ پیش آتی۔

اتنے میں اس چرمی پردے کے پیچھے سرسراہٹ سی ہوئی پھر خالدؓ بن ولید کی بیوی ام تمیم کی آواز سنائی دی۔ وہ عدیم کو مخاطب کر کے بولی تھیں۔ "رمینس! رمینس! اے میرے بھائی! امیر نے چند روز ہوئے مجھے تمہارے حالات تفصیل سے سنائے تھے۔ میں پچھلے کئی روز سے آپ کو بلانے کا ارادہ کر رہی تھی۔ آپ ایسا کریں چند روز کے لیے بنو سلیم میں جائیں اور اپنی بیوی اور ہماری بہن سیریا کو ساتھ لے کر آئیں۔ وہ آپ کے یہاں آنے تک کے خیمے میں رہے گی۔"

عدیم نے کچھ سوچا پھر اس نے ام تمیم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اے میری بہن! آپ کی مہربانی و عنایات کا شکر گزار ہوں، پر سوچتا ہوں یہاں ان خیموں میں اکیلی کیوں کر رہ سکے گی۔ وہ گھبرا کر اس تنہائی کی زندگی سے بہت جلد تنگ پڑ جائے گی۔"

ام تمیم نے پھر کہا۔ "اے میرے بھائی! سیریا گھبرا کیوں جائے گی اور پھر آپ نے یہ کیوں کر اندازہ لگا لیا کہ وہ اکیلی اور تنہا ہو گی۔ اِس وقت لشکر میں میرے علاوہ مثنیٰ اور معنیٰ دونوں بھائیوں کی بیویاں اور دیگر کئی مجاہدوں کی بیویاں اور بچے میں ہیں۔ جب کبھی امیر اپنے خیمے سے باہر ہوتے ہیں تو میرے خیمے میں اس قدر عورتیں اور بچے ہو جاتے ہیں کہ جگہ نہیں رہتی۔ پھر سیریا کیونکر یہاں تنہائی اور اداسی محسوس کرے گی۔ دیکھیں اس وقت بھی جب کہ میں آپ سے مخاطب ہوں دس مجاہدوں کی بیویاں میرے اس کمرے میں بیٹھی ہوئی ہیں۔ میں ان سب کو آپ کے حالات سنا چکی ہوں اور ان سب کا اصرار ہے کہ سیریا کو یہاں بلایا جائے۔ اس کے قسطنطنیہ کے سابق شہنشاہ کی بیٹی ہونے نے اسے اور زیادہ ہم سب کی نگاہوں میں قابلِ عزت بنا دیا ہے۔ لہٰذا

آج ہی یہاں سے جائیں اور سیریا کو لے کر آئیں۔ اب آپ کی طرف سے کسی معذرت یا بہانے کو نہ سنا جائے گا۔"

عدیم چند ثانیوں تک گردن جھکائے سوچتا رہا۔ پھر اس نے خالدؓ بن ولید کو مخاطب کر کے کہا۔ "اے امیر! آپ کا اس معاملے میں کیا خیال ہے۔"

خالدؓ بن ولید نے گہرے تبسّم میں کہا۔ "تم سیریا کو لے ہی آؤ تو بہتر ہے لشکر کی سب عورتوں نے مل کر یہ فیصلہ کیا ہے۔ لہٰذا وہ اسے منوائے بغیر نہ رہیں گی۔ میرا بھی مشورہ ہے کہ تم آج ہی یہاں سے بنو سلیم کی طرف کوچ کر جاؤ اور سیریا کو اپنے ساتھ لے آؤ۔ تمہاری غیر موجودگی میں تمہارا موجودہ خیمہ وہاں سے اکھڑوا دیا جائے گا اور وہاں اس کی جگہ کئی کمروں والا چمڑے کا ویسا ہی خیمہ نصب کر دیا جائے گا جیسا کہ میرا ہے۔"

عدیم نے اس بار خالدؓ بن ولید کی بیوی ام تمیم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اے میری بہن! میں آپ اور لشکر کی دیگر بہنوں کے فیصلے کے آگے جھکتا ہوں۔ میں آج ہی یہاں سے بنو سلیم کی طرف روانہ ہوں گا اور سیریا کو اپنے ساتھ لے کر آؤں گا۔" پھر عدیم اٹھا اور خالدؓ بن ولید کے خیمے سے نکل گیا تھا۔

عدیم اپنے خیمے میں آیا۔ پہلے اس نے اپنا جنگی لباس پہنا۔ خیمے سے باہر کھڑے اپنے گھوڑے پر زین کسی پھر وہ گھوڑے کی چرمی خرجینوں میں اپنے فالتو کپڑے اور ضرورت کا دیگر سامان ڈال رہا تھا کہ یوعام اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا وہاں آ گیا تھا۔ اسے دیکھتے ہی عدیم نے پوچھا۔ "یوعام! یوعام! میرے محترم عزیز! تم تو کہتے تھے کہ تم مثنیٰ سے گھر جانے کی اجازت لے چکے ہو جب کہ ابھی تک تم لشکر میں ہی نظر آ رہے ہو۔"

یوعام نے اپنے گھوڑے سے اترتے ہوئے کہا۔ "میں دراصل مذار کی جنگ میں شرکت لینے کو رک گیا تھا۔ میں اپنے آپ کو اس سعادت سے محروم نہ رکھنا چاہتا تھا۔ اب شاید ہمارا لشکر کچھ عرصہ یہاں قیام کرے اور مجھے امید ہے کہ ایرانیوں کے ساتھ اگلے کسی معرکہ تک میں لشکر میں لوٹ آؤں گا۔ میں آج اور ابھی یہاں سے حیرہ شہر کی طرف کوچ کر رہا ہوں۔ روانگی سے قبل میں تمہیں الوداع کہنے آیا ہوں۔"

عدیم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”مَیں خود ابھی اور اسی وقت بنو سلیم کی طرف کوچ کر رہا ہوں۔“

یوعام نے فکرمندی سے پوچھا۔ ”کیوں خیریت تو ہے۔ ہماری بہن سیریا تو ٹھیک ہے۔“

عدیم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”سیریا تو بالکل ٹھیک ہے۔ صرف امیر اور ان کی اہلیہ ام تمیم کا اصرار ہے کہ مَیں سیریا کو یہاں لے کر آؤں اور لشکر میں اسے اپنے ساتھ خیمے میں رکھوں۔ ام تمیم کو خبر ہوگئی ہے کہ سیریا قسطنطنیہ کے سابق شہنشاہ فوکاس کی بیٹی ہے لہٰذا سیریا سے ملنے کے لیے ان کا شوق اور زیادہ ہوگیا ہے۔

یوعام نے بھی تائید کرتے ہوئے کہا۔ ” امیر اور ان کی اہلیہ کا اصرار بے جا نہیں ہے تم سیریا کو ضرور اپنے ساتھ لشکر میں رکھو۔ تم دیکھتے نہیں امیر اور مثنیٰ و معنی کے علاوہ اور بہت سے لشکری ایسے ہیں جن کے بیوی بچے لشکر میں ان کے ساتھ رہتے ہیں۔ ہاں سیریا کو ساتھ رکھنے کے لیے تمہیں اپنے لیے کسی بڑے خیمے کا انتظام کرنا ہوگا۔“

عدیم نے کہا۔ ” امیر نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ میری واپسی تک میرا موجودہ خیمہ اُکھاڑ کر اس کی جگہ ویسا ہی چمڑے کا کئی کمروں والا بڑا خیمہ میرے لیے نصب کر دیا جائیگا جیسا اس وقت خود امیر کے پاس ہے۔“

یوعام نے عدیم کے کندھے پر پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”تم خوش قسمت ہو میرے عزیز! جو امیر تم پر ایسے مہربان ہیں۔ سنو عدیم! یہ سب کچھ اُن کارگزاریوں کے باعث ہے جو گزشتہ جنگوں میں تم دکھا چکے ہو۔ میرا دل کہتا ہے لشکر کے اندر تمہاری حیثیت اور وقار میں اور اضافہ ہوگا۔“

ذرا رک کر یوعام نے پھر پوچھا۔ ”کتنے روز بعد تمہارا واپس لوٹنے کا ارادہ ہے۔“

عدیم نے کہا۔ ” مَیں زیادہ سے زیادہ دو یوم تک وہاں رہوں گا۔ پھر سیریا کو لے کر لشکر میں لوٹ آؤں گا۔“ اور تم کب تک واپس آؤ گے۔“

یوعام نے افسردگی میں کہا۔ ” میرا لوٹنا نباط کے باپ کی بیماری پر منحصر ہے۔ اگر وہ جلد تندرست ہوگئے تو میں واپس آنے میں تاخیر نہ کروں گا اور ان کی بیماری نے طول پکڑا تو پھر مجھے ان

مدت کے لیے وہاں رُکنا ہوگا۔“

عدیم نے کہا۔ ” چلو پھر یہاں سے کوچ کریں۔“

یوعام نے اپنے گھوڑے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ” آؤ۔“

عدیم بھی اپنے گھوڑے پر سوار ہوگیا۔ دونوں لشکر سے باہر نکلے پھر یوعام دائیں جانب مڑ گیا اور دریائے فرات کے کنارے کنارے حیرہ شہر کی طرف بڑھنے لگا۔ جب کہ عدیم اپنے گھوڑے کو مغرب کی سمت بنو سلیم کی طرف سرپٹ دوڑا رہا تھا۔

سورج مشرق سے کسی دوشیزہ کی تمناؤں کے پُرنکھار چہرے کی طرح طلوع ہوا تھا رات کے سرمئی سائے ختم ہو گئے تھے اور روشنی کی کرنیں قریہ قریہ نگر نگر پھیل کر رات کے زخموں کا مرہم تلاش کرنے لگی تھیں۔ آرزوؤں کے اُداس سنسان صحن اور دور دور تک سنسناتی ہوئی شاہراہیں پُر رونق ہو گئی تھیں۔ پیڑوں کے سائے ناچ اُٹھے اور حسین وادیاں و صحرا جاگ اُٹھے تھے۔

جس وقت سورج ذرا بلند ہو کر دھرتی کی ہر شے کو جھانک رہا تھا عدیم بنو سُلیم میں عباس بن مرداس کی حویلی میں داخل ہوا۔ سیریا جو اس وقت نیا بوث اور رمیتا کے ساتھ ملبغ میں تھی، اس نے عدیم کو آتے دیکھ لیا تھا۔ لہٰذا وہ دروازے کی طرف بھاگی اور عدیم سے اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ اتنی دیر تک ترمید، رمیتا اور نیا بوث بھی وہاں آ گئے۔ عدیم نے نیا بوث اور رمیتا کو سلام کہا پھر وہ ترمید کے گلے مل رہا تھا۔

سیریا جب عدیم کے گھوڑے کو اصطبل کی طرف لے جانے لگی تو عدیم نے اس سے اپنے گھوڑے کی باگ لیتے ہوئے کہا۔ "تم چھوڑ دو سیریا! یہ تمہارا کام نہیں ہے۔ میں اسے اصطبل میں باندھتا ہوں۔"

عدیم گھوڑے کو اصطبل کی طرف لے گیا۔ سیریا بے چاری بھی اس کے ساتھ ہو لی تھی۔ عدیم جس وقت چارے کی ایک ناند پر گھوڑے کو باندھ رہا تھا۔ سیریا نے فوراً گھوڑے کا تنگ کھولا اور زین اُتار کر ایک طرف رکھ دی۔

عدیم نے کہا۔ "سیریا! سیریا! خرجین میں نقدی کی تھیلی ہے وہ نکال لینا۔"

سیریا نے آگے بڑھ کر تھیلی نکال لی۔ عدیم نے پھر اس سے پوچھا "سیریا! سیریا! تم یہاں خوش تو ہو؟"

سیریا نے سکون اور گہری خوشی میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "اگر میری سگی ماں بھی زندہ ہوتی تو مجھے اتنا خوش نہ رکھتی جتنا ان لوگوں نے مجھے رکھا ہوا ہے۔ مجھے اس طرح رکھتے ہیں جیسے میں کوئی قابلِ احترام مہمان ہوں۔"

عدیم نے ذرا رک کر کہا۔ "میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں سیریا! اب خبر نہیں تم میری تجویز سے اتفاق بھی کرتی ہو یا نہیں۔"

سیریا بے چاری اُداس ہو گئی اور اس نے دُکھتے لہجے میں کہا۔ "یہ آپ نے کیوں کر سوچا کہ میں آپ کی کسی تجویز سے اتفاق بھی کرتی ہوں یا نہیں۔ آپ میرے لیے نخلِ مُراد رُوحانی محبت کی اساس، ریشمی تبسم، ادراک حلقۂ تنویر ہیں۔ آپ میری رُوح کی تاریکیوں میں ایک سرگرداں ستارہ ہیں۔ آپ کے تصورات و مقاصد کا احترام میرا فرض اور آپ کا ہر حکم میری رُوح کی غذا ہے۔

آپ سے ملاقات سے قبل میری زندگی کی کوئی بھی تصویر واضح نہ تھی۔ خشک پتوں کی حزیں آوازوں اور بھٹکے آوارہ طیور کی طرح میں تاریکی و ظلمت کی گھنی موجوں میں دھکے کھاتی پھرتی تھی۔ زندان کی سنگین فصیلوں اور صلیب کی ترسول ہمہ وقت میرے ذہن میں رقص کرتی رہتی تھی۔ آپ نے مجھے اِک قوسِ جمیل سا سکون اور روحانی لمس جیسی سرگوشی عطا کی۔ بتائیے آپ کیا کہنا چاہتے ہیں مجھ سے۔ یاد رکھیے میرے ذہن کے منڈیر سے آپ کی ذات کا سحر کبھی اور کسی وقت بھی ضائع اور فنا نہیں ہو سکتا۔"

عدیم نے کسی قدر پُرسکون ہو کر کہا۔ "سیریا! سیریا! میرے امیر خالدؓ بن ولید

اوران کی اہلیہ ام تمیم نے اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ میں تمہیں لشکر میں اپنے ساتھ رکھوں لشکر میں کافی مجاہدین کی بیویاں ہیں اور یہ سب عورتیں تمہیں اس نسبت سے دیکھنے کی بہت خواہش مند ہیں کہ تم قسطنطنیہ کے سابق شہنشاہ فوکاس کی بیٹی ہو"۔

سیریا نے کہا۔" میری ذات کی بڑائی اور میرے نام کی فضیلت اس باعث نہیں کہ میں ایک سابق قیصر کی بیٹی ہوں۔ بلکہ میری ساری عزت، سارا وقار اس نسبت سے ہے کہ میں آپ کی بیوی ہوں۔ آپ میرے لیے مرمر و مرجان اور آئینوں سے مرصع وہ پیکر ہیں جس کے اندر میں اپنی ذات کا حریری پن اور اپنے حسن و جوانی کا پیکرِ لطیف دیکھ سکتی ہوں"۔

سیریا ذرا رکی پھر گہری اُلفت بھری نگاہوں سے اس نے عدیم کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا آپ پہلے یہ بتائیں کہ لشکر میں مجھے اپنے ساتھ رکھنا صرف امیر خالدؓ بن ولید کی اہلیہ ام تمیم اور لشکر کی دیگر عورتوں کی خواہش کی بنا پر ہی ہے یا اس میں آپ کی طرف سے بھی کوئی جذبہ شامل ہے"۔

عدیم نے اس بار متاثر کن لہجے میں کہا۔" سیریا! سیریا! تم کوئی غلط تاثر نہ لو۔ میری شروع سے یہ خواہش تھی کہ میں لشکر میں تمہیں اپنے ساتھ رکھوں۔ پر میں تم سے کہتے ہوئے رک جاتا تھا کہ میں تمہیں آلام و مصائب میں مبتلا نہ کرنا چاہتا تھا۔ سیریا! سیریا! میں نہیں چاہتا تھا کہ تم سے گھریلو آرام دہ زندگی چھڑا کر تمہیں اپنے ساتھ خیمے میں کھجور کی چٹائی پر سونے کے لیے مجبور کروں ورنہ لشکر کے اندر جب میں اپنے خیمے میں تنہا ہوتا تھا تو بخدا وقت کی نغمگی کے سیلاب میں اور جاگتے لمحوں کی انگڑائی میں تمہاری یاد مجھ سے کبھی جدا نہیں ہوئی تھی۔

سنو! سنو! سیریا! یہی نہیں رزم گاہِ خیر و شر میں، دشمن کے ساتھ کشمکش کے دوران اپنا گھوڑا تک دوڑاتے ہوئے تم مجھے یاد آتی تھیں۔ تمہاری یادیں ہوا کی ریشمی موجوں میں اُڑتی گل ہائے چمن کی خوشبو کی طرح میری ذات کی گہرائیوں اور میرے ذہن کے نہاں خانوں کو معطر کر دیا کرتی تھیں۔

سیریا! سیریا! فرصت کا کوئی ایسا لمحہ نہ تھا جب تمہاری یادیں ایک مجسم صورت فضا ... کر کے اندھیرے کے اندر گہرے ہیولوں کی طرح میرے سامنے لہرا نہ گئی ہوں۔ کاش میں تمہیں بتا سکتا۔ کاش میں تمہیں یقین دلا سکتا کہ تمہیں اپنے ساتھ رکھنے کے لیے دروں ... شوروں کے سامنے میری خواہش زیادہ نمایاں ہے۔ سیریا! سیریا! کاش میں تمہیں ... سکتا کہ تم میرے لیے وادیوں کی گل اندامی اور نورِ قمر کی لطافت ہو۔

عدیم کی گفتگو سے سیریا کی حالت طلسمی سیر گاہوں جیسی خوش کن اور اس طرح ... دلکش سی ہو گئی تھی۔ جس طرح درختوں کے جھنڈ میں بارش کے ٹھنڈے شفاف قطرے ... نرم اور تازہ پتوں پر گرتے ہوئے ایک خوش کن لہن پیدا کرتے ہیں۔ اس کے گلابی ... چہرے پر چھنتی ستاروں کی کرنیں، محبت کے زریں نقوش اور سرکتے ریشمی لباس کا ... سا سکون تھا۔ اس کی آنکھوں میں عنبر موجیں، تیزی سے پھوٹتی روشنی رقص کناں تھی ... اس کا خوب رو سیمیں بدن مہک اٹھا تھا۔

چند ثانیوں تک وہ لمحاتِ مسرت میں ڈوب کر ایک پُراسرار داستان کی طرح عدیم کو دیکھتی رہی پھر اس کے حسن کی رعنائی سے بھرپور رُخِ رنگین پر ایک دل ... افزا تابش نمودار ہوئی اور اس نے عدیم کو مخاطب کرتے ہوئے موروں کے رقص جیسی ... طرزِ گفتار میں کہا۔

" رمینس! رمینس! آپ میرے شوہر اور میری جان و تن کے مالک ہیں۔ آپ اس کا حق رکھتے ہیں کہ جہاں چاہیں مجھے رکھیں۔ اگر آپ اپنے لشکر میں کھجور کے پتوں کی چٹائی پر سوتے ہیں تو بخدا آپ کے ساتھ رہتے ہوئے میں ننگی اور پتھریلی زمین پر بھی سوتے ہوئے اپنی ذات پہ فخر کروں گی۔

قسم مجھے خالقِ حرفِ ازل کی میں آپ کے بغیر ہوا میں بننے والے اس قصرِ ... زمیں جیسی ہوں جس کی اپنی کوئی حقیقت ہی نہ ہو۔ آپ کے ساتھ مستقبل کی رفاقت کے سہارے ہی تو میں زندہ ہوں۔ آپ کے سوا میرا کون ہے۔ آپ کے بغیر میں ادھوری ... اور نا تمام ہوں۔ آپ اگر میری رضا مندی اور خواہش جاننے کے بجائے مجھے کسی کام کا

حکم دیں تو بخدا میں اپنی اِس حالت پر فخر محسوس کروں گی"۔

عدیم نے مسکراتے ہوئے کہا۔" اگر ایسی بات ہے تو پھر تم اپنی تیاری شروع کرو۔ میں صرف دو دن یہاں رہوں گا۔ پھر ہم دونوں اپنے لشکر کی طرف روانہ ہو جائیں گے"۔

سیریا نے پیار سے عدیم کا ہاتھ اپنے نرم وگداز ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا" میں بغیر تیاری کے ہی آپ کے ساتھ کُوچ کرنے کو تیار ہوں"۔

عدیم نے کہا۔" آؤ پھر نیا بوث سے اپنی اس روانگی کی گفتگو کرتے ہیں۔ دیکھیں وہ کیا کہتی ہیں"۔ دونوں پُرسکون سے ہو کر اصطبل سے نکلے اور حویلی کے سکونتی حصے کی طرف بڑھے۔

نیا بوث اور رمیتا مطبخ سے اٹھ کر دیوان خانے میں آکر بیٹھ گئی تھیں۔ ترمید بھی وہیں آبیٹھا تھا اور تینوں عدیم اور سیریا کا انتظار کر رہے تھے کہ وہ دونوں اندر داخل ہوئے۔ سیریا، رمیتا کے پاس جا بیٹھی تھی اور عدیم ترمید کے پاس بیٹھ گیا تھا۔ چند ثانیوں تک دیوان خانے میں پُراسرار سی خاموشی طاری رہی پھر عدیم نے نیا بوث کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔" اے میری ماں! میں آپ سے ایک بات کی اجازت چاہتا ہوں"۔

نیا بوث نے بڑے شوق سے عدیم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔" تم بلا جھجک پوچھو بیٹے! تم رُکتے اور جھجکتے کیوں ہو۔ اب جب کہ میرا تمہارا رشتہ ماں بیٹے کا ہے پھر بیٹے کا ماں سے کیا پردہ"۔

عدیم نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔" میں سیریا کو لینے آیا ہوں۔ یہ میرے ساتھ لشکر میں رہے گی اور یہ میرے ساتھ جانے پر آمادہ بھی ہے"۔

نیا بوث نے چند ثانیوں کی سوچ کے بعد کہا" ایک شرط پر میں سیریا کو تمہارے ساتھ جانے کی اجازت دوں گی اور وہ یہ کہ تم دونوں کا سامان یہیں رہے گا۔ صرف سیریا تمہارے ساتھ جائے گی اور کچھ عرصہ تمہارے ساتھ لشکر میں رہ کر لوٹ آئے گی"۔

پھر نیا بوث ایک دم سنجیدہ ہو گئی اور کہا۔" رمینس! بیٹے! تمہارے ...آنے سے پہلے میرے ذہن میں میری ذات کے اصل میں ایک خلا اور ایک گھاؤ تھا ...ب سے تم میرے ساتھ ایک حویلی میں رہنے لگے ہو۔ میں سمجھتی ہوں میری کوئی کھوئی ...نول شے مِل گئی ہے۔ اب تم اس گھر کے بیٹے ہو۔ میں تمہیں ہمیشہ کے لیے یہاں سے جانے ...اجازت دے کر اپنے مندمل زخموں کو پھر سے تازہ نہیں کرنا چاہتی"۔

عدیم نے کہا۔" آپ بے فکر رہیں، میں کوئی ہمیشہ کے لیے تو یہاں سے نہیں جا رہا۔ ...عارضی طور پر سیریا میرے ساتھ لشکر میں جا کر رہے گی"۔

نیا بوث نے کہا۔" سیریا تمہاری بیوی ہے۔ تم جب چاہو اسے اپنے ساتھ لے ...سکتے ہو"۔

عدیم مطمئن اور خوش ہو گیا تھا۔ اس موقع پر سیریا اٹھی اور نقدی کی وہ تھیلی جو اس ...اصطبل میں عدیم کے گھوڑے کی خرجین سے نکالی تھی وہ اس نے نیا بوث کی گود میں رکھنے ...ے کہا۔" یہ آپ رکھیں ماں! اور گھر کے اخراجات پر کام میں لائیں۔ انہوں نے مجھے ابھی ...ہے"۔

اس موقع پر نیا بوث کچھ کہنا چاہتی تھی کہ سیریا نے فوراً بولتے ہوئے کہا۔" اس ...نوع پر کوئی بات نہ کیجئے گا ماں! آپ اس گھر کی بڑی ہیں۔ میں نے جو کیا ہے ٹھیک کیا ...۔" نیا بوث خاموش رہی۔ پھر سب اُٹھ کر اور اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔ عدیم ...ون وہاں رہا پھر وہ سیریا کے ساتھ اپنے لشکر کی طرف کُوچ کر گیا تھا۔

شام کی اداہٹ پھیلنے لگی تھی۔ بستیوں سے اُٹھتے دھوئیں کی وجہ سے ماحول دیوتاؤں ...زبان گاہوں سے اُٹھتے دھوئیں کی طرح دھندلا دھندلا ہونے لگا تھا۔ قوانین قدرت میں ...ھادن یوں شام کے آگے سرِ تسلیم خم کر گیا تھا جس طرح کسی امن پسند کی رُوح اپنے قاتل ...سامنے آکر سرنگوں ہو جاتی ہے۔ آرزوؤں اور تمناؤں کے رقص میں بدمست شام عود و لوبان ...بخارات کی طرح پھیلنے لگی تھی۔

عدیم سیریا کے ساتھ جب اپنے لشکر میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا اس کا پڑاؤ بر
اُکھاڑ لیا تھا اور وہاں چمڑے کا بڑا اور کئی کمروں پر مشتمل نیا خیمہ نصب تھا۔

اس خیمے سے باہر اپنے گھوڑے کو روک کر عدیم نیچے اُترا۔ اتنی دیر تک سیریا بھی اُتر
چکی تھی اور اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

عدیم نے سیریا سے بھی اس کے گھوڑے کی باگ لے لی اور دونوں گھوڑوں کو اس نے
خیمے کے کھونٹوں سے باندھتے ہوئے کہا۔ "سیریا! سیریا! یہ میرا اور تمہارا خیمہ ہے۔"

سیریا جلدی جلدی دونوں گھوڑوں کی زین سے بندھے بستر اور دیگر ضرورت کا سامان
کھول کھول کر خیمے کے دروازے کے پاس رکھنے لگی تھی۔ جب دونوں میاں بیوی خیمے کی طرف
بڑھے تو دنگ رہ گئے۔ خیمے کے اندر سے انہیں ان گنت عورتوں کی آوازیں سنائی دینے
سیریا حیرت و تعجب سے عدیم کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

عدیم کچھ کہنے والا تھا کہ چمڑے کے اس بڑے خیمے کے پردے کے پیچھے سے عدیم
اور سیریا دونوں کو آواز سنائی دی۔

"رمینس بھائی! میں ام تمیم ہوں۔ آپ کے اس خیمے میں لشکر کی ساری عورتیں
جمع ہو کر آپ دونوں کا انتظار کرتی رہی ہیں۔ اس وقت بھی سب عورتیں یہاں جمع ہیں
آپ سیریا کو اندر بھیج دیں اور خود تھوڑی دیر کے لیے امیر کے خیمے میں چلے جائیں۔ انہیں آپ
کے آنے کی اطلاع ہو گئی ہے اور وہ بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

عدیم نے ہلکی سی مسکراہٹ میں سیریا کی طرف دیکھا اور کہا۔ "سیریا! سیریا! تم
اندر چلی جاؤ۔ یہ خاتون جو ہم سے مخاطب ہیں امیر خالدؓ بن ولید کی اہلیہ اُم تمیم ہیں"
نے ایک بار غور سے عدیم کی طرف دیکھا پھر وہ خیمے کے اندر چلی گئی۔ عدیم خالدؓ بن
ولید کے خیمے کی طرف جا رہا تھا۔

عدیم جب امیر خالدؓ بن ولید کے خیمے میں داخل ہوا تو وہ اپنے خیمے میں بیٹھے تسبیح کر رہے
تھے۔ عدیم کو دیکھ کر وہ اُٹھے۔ مصافحہ کیا اور چٹائی پر بیٹھنے کو کہا۔ عدیم جب بیٹھ گیا تو
خالدؓ بن ولید نے کہا۔ "مجھے ایک لشکری تمہارے آنے کی اطلاع کر کے گیا تھا۔ میں تمہارا ہی

...کر رہا تھا۔ کیوں کہ تمہارے خیمے میں اس وقت ام تمیم لشکر کی دیگر عورتوں کے ساتھ ہے۔ لہٰذا
...جانتا تھا سیریا سے کھل کر باتیں کرنے کے لیے وہ ضرور تمہیں میری طرف بھیج دے گی۔"

ذرا رک کر امیر خالدؓ بن ولید پھر کہہ رہے تھے۔ "تم انتہائی وقت پر آئے ہو رمینس!
...میں روز تمہارا انتظار کیا کرتا تھا اگر تم ایک روز اور نہ آتے تو لشکر یہاں سے کوچ کر گیا تھا
...نہیں سیریا کے ساتھ اپنے لشکر میں دلجہ کے مقام پر شامل ہونا پڑتا۔

سنو! کسریٰ ایران کو اپنے سپہ سالار قارن اور اس کے لشکر کی تباہی کا علم ہو گیا ہے
اس نے اپنی مملکت میں خراسان کی سرحدی چھاؤنیوں کے جرنیل اندرزغر کو مدائن میں بلایا
اور اسے ایک جرار لشکر دے کر ہماری طرف روانہ کر دیا ہے۔ کسریٰ ایران نے اسی پر
...نہیں کیا بلکہ ایسا ہی ایک اور جرار لشکر دے کر اپنے ایک جرنیل بہمن جاذویہ کو بھی ہماری
...کے لیے بھیجا ہے۔

دونوں لشکر مختلف راستوں سے ہماری طرف بڑھ رہے ہیں۔ ہمارے جاسوس ان کی
...حرکت کی ساری اور مکمل اطلاعات فراہم کر رہے ہیں۔ اندرزغر مدائن سے کسکر کے
...تے دلجہ کی سرزمین کی طرف بڑھے گا اور وہاں خیمہ زن ہو گا جب کہ بہمن جاذویہ نے دوسرا
...اختیار کیا ہے اور وسط سواد سے ہوتا ہوا وہ قیسانا میں قیام کرے گا۔

کسریٰ ایران کا ارادہ ہے کہ اندرزغر سامنے کی طرف سے اور بہمن جاذویہ پشت کی
...ف سے ہم پر حملہ آور ہو لیکن ہم ان کی یہ تدبیر کامیاب نہ ہونے دیں گے۔ ہم ان دونوں
...روں کو آپس میں ملنے نہ دیں گے۔ کل صبح ہی صبح ہم یہاں سے دلجہ کے میدانوں کی طرف
...ریں گے اور بہمن جاذویہ کے پہنچنے سے قبل ہی ہم اندرزغر اور اس کے لشکر سے
...لیں گے۔ کیونکہ بہمن جاذویہ بعد میں مدائن سے روانہ ہوا ہے اور قیسانا پہنچنے کے لیے
...تین یوم لگیں گے کیوں کہ وہ سست روی سے سفر کر رہا ہے اور راستے میں پڑنے
...ادی کو بھی ہمارے خلاف بھڑکا کر اپنے لشکر میں اضافہ کر رہا ہے۔

یہی طریقہ اندرزغر نے بھی اپنا رکھا ہے۔ اس نے بھی راستے میں پڑنے والے نصرانی
...وں اور ایرانی کسانوں کو اپنے ساتھ ملا کر اپنی قوت میں خوب اضافہ کر لیا ہے۔

اندر زغر پرسوں شام تک دلجہ کے میدانوں میں پہنچے گا اور پرسوں ہم بھی وہاں پہنچ کر اپنا پڑاؤ کر چکے ہوں گے۔"

میں نے تمہیں باتوں میں لگا لیا ہے جب کہ لشکر کے مطبخ سے میرا اور تمہارا کھانا آیا ہوا ہے۔ سیریا اور لشکر کی دیگر عورتوں کا کھانا تمہارے خیمے میں جائے گا وہ سب مل کر سیریا کے ساتھ وہیں کھائیں گے۔ آؤ پہلے کھانا کھائیں۔"

خالدؓ بن ولید نے دائیں طرف چٹائی پہ پڑے کھانے کے برتنوں سے سفید رومال ہٹایا پھر وہ عدیم کے ساتھ مل کر کھانا کھا رہے تھے۔ باہر اب اندھیرا گہرا ہو گیا تھا۔

کھانا کھا چکنے کے بعد عدیم خالدؓ بن ولید کے ساتھ ایران کے خلاف آئندہ جنگ پر گفتگو کر رہا تھا کہ پردے کے پیچھے امیر کی اہلیہ ام تمیم کی آواز سنائی دی۔

"اخی رمنیس! آپ اب اپنے خیمے میں جائیں۔ سیریا وہاں اکیلی ہے۔ وہ آپ کا انتظار کر رہی ہو گی۔ لشکر کی سب عورتیں آپ کے خیمے سے جا چکی ہیں۔"

عدیم اُٹھ کھڑا ہوا، خالدؓ بن ولید سے سلام کہا اور خیمے سے باہر نکل گیا۔ جب وہ اپنے خیمے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا سیریا وہاں پردے کے پیچھے کھڑی تھی۔ شاید وہ عدیم ہی کا انتظار کر رہی تھی۔

عدیم نے مسکراتے ہوئے پوچھا "جان چھوٹ گئی ان عورتوں سے! بہت کچھ پوچھتی ہوں گی۔ اسلام کیسے قبول کیا۔ عدیم سے کیسے واقفیت ہو گئی۔"

سیریا نے کہا۔ "یہ بڑی عظیم اور باکردار اور اخلاق میں بلند ترین عورتیں ہیں۔ میں ان کی باتوں کی پاکیزگی اور اطوار کی شستگی کو سلام کرتی ہوں۔ وہ اس لحاظ سے اور زیادہ سعادت مند ہیں کہ لشکر میں رہ کر اپنے اپنے مجاہدوں کی خدمت کر رہی ہیں۔ کاش میں بھی ان میں سے ایک ہوتی۔"

عدیم نے کہا۔ "اب کاش کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ تم اب ان میں سے ہی ایک ہو۔ تمہارا ان کے ساتھ مذہب کا ایک رشتہ اور ملت کا ایک ناطہ ہے۔"

عدیم کے اس جواب پر سیریا کسی قدر پرسکون اور مطمئن سی ہو گئی تھی۔ پھر وہ

... کر وہ پھر کہہ رہی تھی۔

"لشکر کی عورتیں مجھ سے ملنے کے بعد ایک بار واپس اپنے خیموں کی طرف گئیں ... میرے لیے اس قدر چیزیں لے آئی ہیں کہ میں سنبھال ہی نہ سکوں گی۔ آیئے میں دکھاتی ہوں ... آپ کو۔"

عدیم کا ہاتھ پکڑ کر سیریا پچھلے کمرے میں لے گئی۔ عدیم نے دیکھا۔ وہاں سیریا کے ... کپڑوں، اُبلا ہوا خشک گوشت، پنیر، کھجور اور کھانے کی دیگر خشک اشیاء کے ڈھیر ... لگے ہوئے تھے۔ عدیم نے سوالیہ نگاہوں سے سیریا کی طرف دیکھا۔ سیریا نے مسکرا کر کہا۔ ... نے تو ان سب خواتین کو منع کیا لیکن انھوں نے ان کھانے کی اشیاء اور میرے ... کپڑوں کے ڈھیر لگا دیئے۔ وہ کہہ رہی تھیں۔ تم لشکر میں ایک مہمان ہو اور تمہاری ... خدمت ہمارا فرض ہے۔ یہ کپڑے تو میں تین چار سال تک پہنتی رہوں تب بھی مجھ ... سے ختم نہ ہوں۔"

عدیم نے کہا۔ "اچھا، تم ان سب چیزوں کو بعد میں سنبھال لینا۔ پہلے تم مجھے یہ ... بتاؤ کہ یہ خیمہ تمہیں کیسے لگا؟"

سیریا نے بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "بڑا اچھا بلکہ خوب صورت خیمہ ... ہے۔ پشت کی طرف طہارت خانہ اور نماز ادا کرنے کی جگہ بھی ہے۔ عورتوں کے آنے ... کے لیے پشت کی طرف ایک دروازہ بھی ہے۔ اس کے علاوہ پانی کا بھی بہت اچھا انتظام ... ہے، طہارت خانہ کافی بڑا ہے۔ اس میں دو تین پانی کے بڑے بڑے چوبی مٹکے بھرے ... رکھے ہیں۔ آپ نے نہانا ہو تو نہا لیں۔ عورتیں کہہ رہی تھیں امیر نے لشکر میں کچھ ایسے ... آدمی مقرر کر رکھے ہیں جو خیموں میں پانی مہیا کرتے ہیں۔ عورتوں کو جب کسی شے کی ضرورت ... ہو تو انہیں رقم دے کر منگوا لیتی ہیں۔"

... اک سکون میں عدیم نے کہا۔ "شکر ہے تمہیں یہ خیمہ تو پسند آیا۔ میں تو سوچ ... رہا تھا خیمے میں داخل ہو کر نہ جانے تمہارے تاثرات کیا ہوں گے۔ تمہیں یہاں خوش ... دیکھ کر اب میں مطمئن ہوں۔"

سیریا نے چونک کر کہا۔ "میں بھی کیسی احمق ہوں۔ آپ کو باتوں میں لگا لیا۔ آپ اس بڑے کمرے میں بیٹھیں میں آپ کے لیے کھانا لاتی ہوں۔ میں آپ کے ساتھ ہی کھانا کھاتی پر ان عورتوں کے اصرار پر میں ان کے ساتھ کھانا کھا چکی ہوں۔"

عدیم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم میری بھی فکر نہ کرو، میں بھی امیر کے خیمے سے کھانا کھا آیا ہوں۔"

سیریا نے پھر کہا۔ "یہاں ایک اور اچھی بات ہے کہ سب کے لیے کھانا لشکر کے مطبخ سے آتا ہے۔ ایک ہی جگہ پکتا ہے۔ پھر تقسیم ہوتا ہے۔ میں نے کھانا کھایا ہے سادہ ضرور ہے لیکن انتہائی لذیذ ہے۔"

عدیم نے دوسرے کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ "یہ ساری چیزیں اب کل لگا لینا۔ تم بستر لگاؤ اور آرام کریں۔ اتنی دیر تک میں دیکھ لوں کہ کسی نے گھوڑوں کو چارہ ڈالا ہے یا نہیں۔"

سیریا نے کہا۔ "آپ کو دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے جس وقت میں عورتوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی تو ایک لشکری باہر سے آواز لگا گیا تھا کہ اس نے دونوں گھوڑوں کو چارہ ڈال دیا ہے۔" دونوں مطمئن سے بڑے کمرے میں آئے۔ پھر سیریا وہاں اپنا اور عدیم کا بستر لگا رہی تھی۔

⊙

دوسرے روز خالدؓ بن ولید نے اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کیا اور بڑی تیز رفتاری سے سفر کرتے ہوئے وہ دلجہ کے میدانوں کی طرف آئے تو انہوں نے دیکھا ایرانی جرنیل اندرزغر اپنے لشکر کے ساتھ پہلے ہی وہاں مقیم تھا۔

خالدؓ بن ولید اپنے لشکر کے ساتھ اندرزغر کے سامنے خیمہ زن ہوئے۔ ایک رات دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کے آمنے سامنے آرام کیا۔ اس رات کو ہی خالدؓ بن ولید نے اپنے لشکر کی تنظیم اور تقسیم کو آخری شکل دے دی تھی۔ اس بار انہوں نے لشکر کے پانچ حصے کیے۔ دو حصے انہوں نے اپنے دو چھوٹے

...دن بسر بن ابی رہم اور سعید بن مرۃ کی سرکردگی میں اپنے پڑاؤ سے دور ہٹا کر دائیں ...یں طرف گھات میں بٹھا دیئے تھے۔

...شکر کے باقی تین حصوں میں سے ایک حصہ خالدؓ نے اپنے پاس رکھا اور اسے ...ب کے طور پر استعمال کیا۔ دوسرا حصہ میمنہ کے طور پر مثنیٰ کے پاس اور تیسرا حصہ ...ہ کی حیثیت سے عدیم کی کمانداری میں رہا۔ دوسرے روز دونوں لشکر ایک دوسرے ...سامنے صف آرا ہوئے۔

خالدؓ بن ولید نے اپنے پڑاؤ سے بہت آگے جا کر اپنی صفیں درست کیں۔ ...انہیں تھے کہ اگر دشمن نے کوئی چکر دے کر ان کے پڑاؤ پر حملہ آور ہونے کی کوشش ...ڈ گھات میں بیٹھے ہوئے ان کے دونوں لشکر ان سے نمٹ لیں گے۔

جنگ کی ابتدا انفرادی مقابلوں سے شروع ہوئی۔ اس وقت دوپہر ہو چکی ...اور میدان میں ایک ایسا ایرانی پہلوان خوب مسلح ہو کر اترا کہ اہلِ ایران کے مطابق ...ن کی پوری سلطنت میں اس جیسا کوئی طاقتور اور جنگجو نہ تھا۔

اس نے دونوں لشکروں کے وسط میں آکر مقابلے کے لیے للکارا پھر وہ اپنی تلوار ...لے اپنا شجرہ نسب اور اپنی قوت و طاقت کی داستانیں بیان کرنے لگا۔ اس کے ...کے لیے میدان میں عدیم، مثنیٰ اور کئی دیگر مجاہدوں نے بھی اترنا چاہا، پر خالدؓ ...ید نے سب کو روک دیا اور خود اس ایرانی پہلوان سے مقابلہ کرنے کے لیے ...یں اترے۔

...پنا گھوڑا دوڑاتے ہوئے جب خالدؓ بن ولید اس ایرانی پہلوان کے پاس گئے ...نے بڑی رعونت، بڑے تفاخر سے پوچھا۔ "کہو تم کون ہو جو میرے مقابلے پر آئے ہو ...ب کہو، اپنی طاقت و بسالت کی کوئی داستان کہو کہ مجھے اطمینان ہو مسلمانوں میں

...ی کی روایت ہے کہ وہ ایرانی پہلوان طاقت و قوت میں ایک ہزار آدمیوں کی ...ت کے برابر تھا۔ (تاریخ طبری)

مناسب جنگ جو آیا ہے"۔

خالدؓ بن ولید نے اس سے قریب ہوتے ہوئے کہا۔ "بس تمہارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ میں خالدؓ بن ولید ہوں۔ رہی تمہاری شجرہ نسب اور طاقت و بسالت کی کوئی داستان کہنے کی بات تو جب تم مجھ سے ٹکراؤ گے، میرا سارا شجرہ نسب تمہاری آنکھوں کے سامنے ایک روشن دلیل کی طرح لہرا جائے گا اور پھر تم شجرہ نسب جان کر کیا کرو گے جب اس میدان سے تھوڑی دیر بعد تمہاری لاش اُٹھ رہی ہو گی"۔

اس ایرانی پہلوان نے پوچھا۔ "کیا تمہیں اپنی کامیابی اور فتح کا ایسا ہی یقین ہے کہ میرے متعلق سب کچھ سننے کے بعد بھی تم ایسی باتیں کر رہے ہو"۔

خالدؓ بن ولید نے بارعب آواز میں کہا۔ "دیکھ میرے ہاتھوں تھوڑی دیر بعد قتل ہو جانے والے! میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سیف اللہ کا خطاب دیا تھا۔ میری قسمت میں شہادت نہیں لکھی ہوئی سو میرا ایمان ہے جو مجھ سے ٹکرائیگا، وہ مغلوب اور میں اس پر غالب ہوں گا اور یہ اس خطاب کی برکت سے جو میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عطا کیا"۔

اس ایرانی پہلوان نے آگے بڑھ کر خالدؓ بن ولید پر حملہ کر دیا۔ آپ نے اپنی ڈھال مار کر اس کی گرتی ہوئی تلوار کو دور ہٹا دیا۔ پھر آپ نے اپنی بھاری، چھوٹے پھل والی ترچھی تلوار سے جوابی حملہ کیا جسے وہ ایرانی روک نہ سکا۔ اس کا جسم دو حصوں میں کٹ کر اس کے گھوڑے سے نیچے خشک پیاسی زمین پر گر گیا تھا۔

انفرادی جنگ میں اپنے بہترین پہلوان کے خالدؓ بن ولید کے ہاتھوں قتل ہو جانے پر ایرانی جرنیل اندرزغر نے کسی اور کو انفرادی مقابلے کے لیے میدان میں نہ اتارا اور جنگ کی ابتدا کر دی۔

اندرزغر نے اس لڑائی میں ایرانیوں کو قتلِ عام سے بچانے کے لیے عربوں کو عربوں سے ٹکرانے کی کوشش کی۔ اس نے سب سے پہلے بنو بکر کے ان عربوں کو جو اب تک نصرانی تھے جنگ کے لیے آگے بڑھایا۔ تاکہ مسلمانوں کی پہلی ضرب وہی برداشت

کریں، یا مسلمانوں پر ایسی ضرب لگائیں کہ بعد میں ایرانیوں کے لیے جنگ کرنا سہل ہو جائے۔

بنو ابوبکر کے نصرانی عرب چونکہ ایرانی لشکر کے ایک حصّے کے طور پر جنگ کی ابتدا کرنے کے لیے آگے بڑھے تھے اور پہلی ضرب لگا کر مسلمانوں کو کمزور کرنا چاہتے تھے۔ لہذا خالدؓ بن ولید بھی اپنے سارے لشکر کو ان کے مقابلے پر نہ لائے۔ انہوں نے بنو بکر کے ان نصرانیوں سے نمٹنے کے لیے عدیم کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ خالدؓ بن ولید کا حکم ملتے ہی عدیم اپنے میسرہ کے ساتھ برق رفتاری سے آگے بڑھا تھا۔

عدیم کے میسرہ میں زیادہ تر ربیعہ اور حضر قبائل کے عرب تھے۔ عدیم کی سرکردگی میں ربیعہ اور حضر کے یہ عرب پچھلے پہر کے ستاروں کی خوش کُن گنگناہٹ کی طرح اللہ اکبر پکارتے ہوئے آگے بڑھے اور نقش گر صورتِ جمیل کی طرح وہ بنو بجر کے عرب نصرانیوں پر حملہ آور ہوئے تھے۔

عدیم کی سرکردگی میں مجاہدین تلپٹ کر دینے والی آندھی، ہولناک و طاقتور موت اور سورج کی تیز نگاہوں کی طرح حملہ آور ہوئے تھے۔ وہ اجالوں کے صحیفوں کی مانند ہر ذرّے پر اپنی شجاعت اپنی بسالت کے کتبے نصب کر رہے تھے۔

بنو بکر کے نصرانیوں نے اپنی پوری کوشش کر کے اور مسلمانوں کے سامنے جم کر انہیں پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی لیکن ان کی ہر سعی ناکارہ و نامراد گئی۔ مسلمان پردہ عدم سے اچانک نمودار ہو کر حشر برپا کر دینے والے قدرت کے عناصر کی طرح ظاہر ہو کر بنو بکر پر اپنے فہم و ادراک کی پوری فصاحت کے ساتھ حملہ آور ہوئے تھے۔ انہوں نے موت کی بدبختی کو بنو بکر کے پیچھے لگا دیا تھا اور بڑی تیزی سے انہیں فنا کے گھاٹ اتار کر ان کے پیاسے نفس کو خون سے سیراب کرنے لگے تھے۔ اب مسلمانوں کے سامنے بنو بکر کے نصرانیوں کی حالت بَین کرتی اس ماں جیسی تھی جس کا اکلوتا بیٹا مارا گیا ہو۔

ایرانی جرنیل اندرزغر نے جب دیکھا کہ اسلامی لشکر کے ایک حصّے نے بنی بکر کے نصرانیوں کا قتل عام شروع کر دیا ہے تو غصّے اور غضب میں اس کی حالت اس انسان جیسی ہو

گئی تھی جیسے باؤلے کتے نے کاٹ لیا ہو۔ اسی باؤلے پن کی حالت میں اندرزغر نے اپنے پورے لشکر کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کر دیا تھا۔

اندرزغر ایسا کرنے میں حق بجانب بھی تھا کیوں کہ اس کی لشکر کی تعداد خالدؓ بن ولید کے لشکر سے کئی گنا زیادہ تھی اور وہ اپنے پورے لشکر کے ساتھ ایک زوردار حملہ کر کے جنگ کے نتائج کو اپنے حق میں کر لینا چاہتا تھا۔ ایک طوفان ایک کہرام کی صورت میں اندرزغر اپنے جرار لشکر کے ساتھ آگے بڑھا تھا۔

خالدؓ بن ولید بھی ایرانی لشکر کی قوت سے بے خبر نہ تھے۔ گزشتہ رات ہی اپنے لشکر کے دو حصوں کو دائیں بائیں گھات میں بٹھا کر اس اندھی قوت سے نمٹنے کا انتظام کر لیا تھا۔

اندرزغر جب بپھرے ہوئے اندھے طوفان کی صورت میں آگے بڑھا تو خالدؓ بن ولید نے اپنے لشکر کے ساتھ پیچھے ہٹنا شروع کر دیا تھا۔ یہاں وہ اپنی عمدہ ترین جنگی فراست اور ذہانت کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ خالدؓ بن ولید نے اس طرح پیچھے ہٹنے کو اندرزغر نے مسلمانوں کی کمزوری اور پسپائی جانا اور اسی اقدام سے وہ اپنے لشکر کا حوصلہ بڑھاتا ہوا اور زیادہ زہریلے انداز میں آگے بڑھا تھا۔

خالدؓ بن ولید پیچھے ہٹتے رہے اور جب انہوں نے اندازہ لگا لیا کہ اندرزغر اپنے لشکر کے ساتھ اندھا دھند آگے بڑھتا ہوا اس جگہ آ گیا ہے جہاں انہوں نے اپنے لشکر کے دو حصے دائیں بائیں گھات میں بٹھا رکھے تھے تو خالدؓ بن ولید نے اپنے لشکر کی پسپائی روک دی۔ پھر انہوں نے اپنی تلوار فضا میں بلند کرتے ہوئے ندیوں کی روانی کی طرح اپنے رب کی تکبیر بلند کی پھر اپنے لشکر کو انہوں نے دشمن پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا تھا۔

سامنے کی طرف سے خالدؓ بن ولید، عدیم اور مثنیٰ حملہ آور ہوئے تھے اور دائیں بائیں گھات میں بیٹھے ہوئے مجاہدین نے بسر اور سعید کی سرکردگی میں اپنی کمین گاہوں سے نکل کر قرن ہا قرن کے پکے ہوئے لاوے کی طرح نکل کر اندرزغر کے لشکر پر حملہ کر دیا تھا۔ ایرانی لشکر کے اندر ہر طرف دکھتے دل کی جلن اور مظلوم کی فریادوں کی طرح ایک شور اٹھ کھڑا

ہوا تھا۔

مسلمانوں نے تین اطراف سے ایرانیوں کو گھیر کر ان کا قتلِ عام شروع کر دیا تھا۔ جنگ کے میدانوں میں لوہے سے لوہا ٹکرانے، گھوڑوں کے ہنہنانے اور انسانی آہ و فغاں کا ایک طوفان برپا ہو گیا تھا۔ خالدؓ بن ولید کا ہر لشکری دشمن کے جرار لشکر کے اندر ایک خنجر، ایک نشتر اور ایک شعلے کی مانند گھستا جا رہا تھا۔ بڑے بڑے گرانڈیل ایرانی پہلوان جنگ کی چکی کے آہنی پاٹوں تلے پس کر رہ گئے تھے۔

خالدؓ بن ولید اپنے تیز نعروں سے جنگ میں لمحہ بہ لمحہ تیزی، حدت اور خوفناکی پیدا کرتے جا رہے تھے۔ ہر مسلمان مجاہد ایسے انداز میں ایرانیوں سے برسرِ پیکار تھا گویا وہ اپنے رب کی بارگاہِ جمال میں اپنے خون کو پھولوں کے ترانے فضاؤں کے اندر تازگی کی نمود بارش کرنے کا عزم کر چکا ہو۔

سہ پہر کے بعد تک مسلمان ایرانیوں کے اندر تخلیق کا اعجاز، حسین لمحوں کی یادیں اور اپنی شجاعت و بسالت کا زور پیدا کرتے ہوئے انہیں کاٹتے رہے۔ ایرانیوں نے جب دیکھا کہ ان کا لشکر جو مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ تھا۔ اب کٹ کٹ کر مسلمانوں سے کم ہوتا نظر آ رہا ہے تو وہ میدان سے جی ہرا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ خالدؓ بن ولید اپنے لشکر کے ساتھ ان کا تعاقب کرکے ان کی تعداد کو کم کر رہے تھے۔ بہت کم ایرانی اپنی جان بچا کر بھاگ سکے۔ ایرانی جرنیل اندرزغر کو بھی جان بچا کر بھاگنا نصیب نہ ہوا اور وہ فرار کی حالت میں ہی مر گیا۔

اس جنگ میں مال و اسباب کے ڈھیر مسلمانوں کے ہاتھ لگے جو ایرانی اور عرب اپنے ساتھ لے کر آئے تھے۔ اناج اور کھانے کی اشیاء اس قدر ایرانی چھوڑ کر بھاگے تھے کہ جو کئی ماہ تک خالدؓ بن ولید کے لشکر کے لیے کافی تھیں۔

شام سے پہلے ہی خالدؓ بن ولید دشمن کا تعاقب ختم کر کے اپنے پڑاؤ میں واپس آ گئے تھے۔ اپنے خیمے کے پاس آ کر عدیم اپنے گھوڑے سے اترا اور جب وہ اپنے گھوڑے کو باندھنے کی جگہ کی طرف لے جانے لگا تو اندر سے سیما بھاگتی ہوئی نکلی اور بادام و سیب کے پھولوں سی اپنی مسکراہٹ میں اس نے شوخ و شیریں آواز میں کہا۔ "میں آپ کو اس جنگ کی فتح پر مبارکباد

پیش کرتی ہوں"۔

پھر سیریا نے عدیم سے گھوڑے کی باگ لے لی اور اسے کھونٹے سے باندھنے لگی۔ عدیم اسے پیار و محبّت سے دیکھے جا رہا تھا۔ گھوڑے کو باندھ کر سیریا مڑی پھر وہ عدیم کا ہاتھ پکڑ کر خیمے کے اندر لے جا رہی تھی۔

○

کسریٰ ایران کا دوسرا جرنیل بہمن جازویہ ابھی قیساثا کے میدانوں میں اپنے لشکر کے ساتھ آ کر خیمہ زن ہُوا ہی تھا کہ اسے اپنے ساتھی جرنیل اندر زغر کے مرنے اور ایرانی لشکر کی بدترین شکست کی خبر پہنچی۔ اس نے فوراً کچھ تیز رفتار گھوڑ سوار روانہ کیے تاکہ جنگ سے بچ کر فرار کرنے والے ایرانی لشکریوں کا رُخ پھیر کر قیساثا کے میدانوں کی طرف لے آئیں۔

بہمن جازویہ نہیں چاہتا تھا کہ یہ شکست خوردہ عناصر ایران کے اندرونی حِصّوں میں جا کر اندر زغر کی موت اور اپنی شکست کے باعث لوگوں میں اور بددلی پھیلائیں اور پھر اس میں بہمن جازویہ کی بھی بدنامی تھی۔ کیوں کہ اس نے تو برق رفتاری سے کاوا کاٹ کر خالدؓ بن ولید کے لشکر پر عقب سے حملہ آور ہونا تھا۔ جب کہ خالدؓ بن نے ایران کے دونوں لشکروں کو آپس میں ملنے نہ دیا اور بہمن کے پہنچنے سے پہلے ہی اندر زغر کو اس کے لشکر سمیت فنا کے گھاٹ اُتار دیا تھا۔

بہمن کی ساری احتیاط کے باوجود کسریٰ ایران کو اس شکست کی خبر ہو گئی جسے سن کر وہ بیمار ہو گیا تھا۔ تاہم اس نے ایک تیز رفتار قاصد بہمن جازویہ کی طرف روانہ کیا' اور اسے حکم دیا کہ وہ قیساثا سے کُوچ کر کے دریائے فرات کے ساحل پر الیّس کے مقام پر جا کر اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن ہو اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاریاں شروع کر دے۔ کسریٰ ایران نے بہمن جازویہ کو یہ بھی حکم دیا کہ اِرد گِرد جس قدر نصرانی عرب قبائل ہیں سب کو اپنے ساتھ مِلا کر مسلمانوں کے مقابل لا کھڑا کرو۔

بہمن جازویہ نے فوراً اس پر عمل کیا۔ اس نے مختلف عرب نصرانی قبائل کی طرف وفود بھیجے اور ان سے کہا کہ وہ اپنی سرزمینوں پر زندہ رہنا چاہتے ہیں تو مسلمانوں کے خلاف متحد

ہو کر اُٹھ کھڑے ہوں۔ ورنہ مسلمان اُنہیں تباہ و برباد کر دیں گے"۔

بہمن جازویہ ابھی قیساثا سے الیّس کی طرف کُوچ کرنے کی تیاریاں ہی کر رہا تھا۔ کہ ہزاروں عربوں پر مشتمل ایک لشکر وہاں پہنچا۔ اس لشکر کو دُور سے آتے دیکھ کر بہمن جازویہ کو شک ہُوا کہ شاید اندر زغر کے لشکر سے نمٹنے کے بعد مسلمان اس پر حملہ آور ہونے کو آ گئے ہیں۔ لہٰذا اس نے فوراً اپنے لشکر کو منظم کر کے جنگ کے لیے تیار کر لیا۔ ساتھ ہی کچھ سوار ان آنے والے لشکر کی کیفیّت معلوم کرنے کو روانہ کیا۔

تھوڑی دیر بعد اس کے بھیجے ہوئے سوار اس لشکر کے آگے آگے آتے دکھائی دیے جس کا مطلب یہ تھا کہ آنے والے دشمن نہیں دوست ہیں۔ پھر وہ نیا لشکر بہمن کے لشکر سے ذرا فاصلے پر خیمہ زن ہونے لگا۔

اس لشکر کی کیفیت جاننے کے لیے بہمن خود اس کی طرف بڑھا جب کہ اس لشکر کی طرف سے بھی کچھ لوگ بہمن کی طرف آئے۔ ان کے ساتھ بہمن کے سوار بھی تھے جنہوں نے اپنے ساتھ آنے والوں کو بہمن کے متعلق بتایا۔ آنے والے اپنے حلیے' لباس سے عرب لگتے تھے اور تعداد میں چار تھے۔

ان چاروں نے قریب آ کر بہمن سے گرم جوشی کے ساتھ مصافحہ کیا۔ پھر ان میں ایک نے کہا۔ "میرا نام عبدالاسود ہے اور میں بنو عجل سے ہوں۔ میرے یہ تینوں ساتھی بھی اپنے قبائل کے سردار ہیں۔ ان کے نام جابر' مالک بن قیس اور ابجر ہیں۔ ہم نصرانی ہیں اور تمہارے لشکر میں شامل ہونے کو آئے ہیں۔ جنگ دلجہ میں مسلمانوں نے ہمارے کافی آدمیوں کو تہ تیغ کیا تھا۔ خاص کر بکر بن وائل کے بہت سے ہمارے نصرانی بھائی موت کے گھاٹ اتارے گئے۔ ہم مسلمانوں سے ان کا انتقام لینے آئے ہیں۔ اگر مسلمان عرب ہیں تو ہم بھی عرب ہیں۔ ہم انہیں بتائیں گے کہ ہمارے خلاف جنگ جیتنا ممکن نہیں ہے ہم تمہارے ساتھ وعدہ کرتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کو ان ہی صحراؤں کی طرف دھکیل دیں گے جس طرف سے نکل کر یہ اِدھر آئے ہیں

بہمن جازویہ ان نصرانی عرب سرداروں کو اپنے لشکر میں لے گیا۔ ان کی خوب

آؤ بھگت کی۔ ان کے سارے لشکر کو بھی کھانے کو عمدہ اشیاء پیش کیں۔ ساتھ ہی اس نے عرب سرداروں کو مشورہ دیا کہ میں اپنے ایک ماتحت جرنیل جابان کو لشکر کے ساتھ الیّس کے میدانوں کی طرف روانہ کر رہا ہوں۔ تم اس کے ساتھ جاؤ اور میں خود کسریٰ کی طرف روانہ ہوتا ہوں تاکہ وہاں سے مسلمانوں کے خلاف اور کمک لے کر آؤں۔

عرب سرداروں نے بہمن کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ کمک لانے کا ایک بہانہ تھا۔ ورنہ بہمن جاذویہ مسلمانوں کے خلاف لڑنے سے جی چُرا رہا تھا۔ اسی روز بہمن جاذویہ کا ماتحت جرنیل اپنے اور عربوں کے متحدہ لشکر کے ساتھ دریائے فرات کے کنارے الیس کی طرف روانہ ہو گیا جب کہ بہمن مدائن کی طرف کوچ کر گیا۔

مدائن پہنچ کر بہمن کو خبر ہوئی کہ کسریٰ ایران بیمار پڑا ہے۔ لہٰذا بہمن نے کمک لے کر الیس کے میدانوں میں جابان کی مدد کو آنے کے بجائے چاپلوسی سے کام لے کر کسریٰ ایران کو اپنے حق میں راضی کر لیا اور اس کی اجازت سے وہ وہیں رُک کر اس کی تیمارداری کرنے لگا تھا۔

خالدؓ بن ولید ابھی تک دلجہ ہی میں مقیم تھے کہ انہیں ان کے جاسوسوں نے خبر دی کہ نصرانی عرب اور کسانوں پر مشتمل ایک لشکر مسلمانوں کے خلاف الیس کے میدانوں میں جمع ہو رہا ہے اور یہ کہ ایرانی جرنیل جابان بھی ایک بہت بڑے ایرانی لشکر کے علاوہ بنو عجل اور دیگر نصرانی عربوں کو لے کر الیس کے میدانوں کی طرف بڑھ رہا ہے۔

خالدؓ بن ولید نے اسی وقت اپنے لشکر کو کوچ کا حکم دے دیا تھا۔ ابھی لشکر کے خیمے اکھیڑ کر سامان سمیٹا جا رہا تھا کہ لشکر میں پانچ سوار داخل ہوئے اور لشکریوں سے پوچھتے ہوئے وہ خالدؓ بن ولید کی طرف بڑھے۔

اس وقت خالدؓ بن ولید، عدیم، مثنیٰ بن حارثہ اور کچھ دیگر سالار ایک جگہ کھڑے اپنے کوچ سے متعلق گفتگو کر رہے تھے کہ وہ پانچوں سوار آئے۔ نزدیک آ کر انہوں نے سلام کہا اور اپنے گھوڑوں سے وہ نیچے اُتر گئے پھر ان میں سے ایک نے کہا۔ کیا آپ لوگ اپنا تعارف نہ کرائیں گے کہ ہم اپنے متعلق کچھ کہیں۔"

خالدؓ بن ولید نے اپنا اور دیگر سب کا تعارف کرایا۔ وہ پانچوں آگے بڑھے پہلے انہوں نے سب کے ساتھ مصافحہ کیا پھر اسی نے کہا جس نے گفتگو کا آغاز کیا تھا۔

"میں عتبہ بن نہاس ہوں میرے ساتھ سعید بن مرہ، فرات بن حیان، مثنیٰ بن لاحق اور مذعور بن عدوان ہیں۔ ہمارا تعلق بنو عجل سے ہے۔ بحمد اللہ ہم پانچوں مسلمان ہیں۔ ہمارے قبیلے کے اکثر لوگ ابھی تک نصرانی ہیں، تاہم کچھ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ ہمارے قبیلے کے سب نصرانی عبدالاسود، ابجر اور مالک بن قیس کی سرکردگی میں بنو عجل اور بکر بن وائل کے مُسلح اور جنگجو لوگوں پر مشتمل ایک لشکر تیار کر کے ایرانی لشکر کے جرنیل جابان سے جا ملے ہیں اور اب وہ سارے آپ کے ساتھ ایک فیصلہ کُن جنگ کرنے کی خاطر دریائے فرات کے کنارے الیّس کے میدانوں کی طرف کوچ کر گئے ہیں۔

متحد ہونے والے ان عرب نصرانیوں کے لشکر کا سالار عبدالاسود ہے۔ مالک بن قیس اور ابجر اس کے نائب ہیں اور ان تینوں نے انجیل پر ہاتھ رکھ کر قسمیں کھائی ہیں کہ وہ مُسلمانوں کو یا تو موت کے گھاٹ اُتاریں گے یا انہیں ان صحراؤں کی طرف دھکیل دیں گے جدھر سے وہ آئے ہیں۔

ہم آپ کی طرف شیبانی قبائل کے سردار ہانی کے کہنے پر اِدھر آئے ہیں۔ ہانی دراس کے قبائل کے اکثر لوگوں نے اِسلام قبول کر لیا ہے۔ اس نے ہمیں اِس لیے آپ کی طرف روانہ کیا ہے تاکہ ہم آپ کو ایرانیوں اور نصرانیوں کے اتحاد کی اطلاع کریں۔ ہانی خود ایک جمعیت کے ساتھ آپ کے لشکر میں شامل ہوتا لیکن اِن دِنوں نصرانی قبائل نے ان لوگوں پر حملے کرنے شروع کر دیے ہیں جو اسلام قبول کر چکے ہیں اور ہانی اپنے قبائل کے مسلح جوانوں کے ساتھ مل کر آج کل ان حملہ آور نصرانیوں سے مسلمانوں کی حفاظت کے فرائض انجام دے رہا ہے۔

اس نے کئی موقعوں پر ان حملہ آوروں کو بھاری جانی اور مالی نقصان پہنچایا اور انہیں اپنے قبائل کی طرف بھاگ جانے پر مجبور کیا۔ ہمیں رخصت کرتے وقت وہ بڑے دُکھ سے کہہ رہا تھا۔ کاش میں اپنے قبیلے کے جوانوں کے ساتھ خالدؓ بن ولید کے لشکر میں شامل ہو سکتا۔"

خالدؓ بن ولید نے کہا۔" میں ہانی اور تم سب لوگوں کا ممنون ہوں جو تم نے مجھے ایرانیوں اور نصرانیوں کے اس اتحاد کی اطلاع کی۔ ہمارا رب ہمارے ساتھ ہے اور ان شاء اللہ الیس کے میدانوں کے اندر میں اپنے لشکر کے ساتھ اس اتحاد کو پارہ پارہ اور لخت لخت کر کے رکھ دوں گا۔"

عتبہ بن نہاس نے کہا۔" ہم پانچوں اب واپس جائیں گے اور بنو عجل کے علاوہ دیگر عرب قبائل کے نومسلموں کو بھی اپنے ساتھ ملا کر الیس کے میدانوں میں آپ کے لشکر میں آ شامل ہوں گے۔"

اس کے بعد عتبہ بن نہاس اور اس کے چاروں ساتھیوں نے سب کے ساتھ مصافحہ کیا اور وہاں سے وہ رخصت ہو کر چلے گئے تھے۔

O

دریائے فرات کے کنارے الیس کے میدانوں میں جابان دور دور تک اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن تھا۔ دوپہر کے وقت جب کہ لشکر کے لیے کھانا تیار ہو چکا تھا جس وقت کھانا لگا دیا گیا اور لشکری کھانے پر بیٹھنے لگے۔ خالد بن ولید اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچ گئے اور دشمن کے سامنے خیمہ زن ہونے لگے۔

جابان بھی عبدالاسود، مالک بن قیس، ابجر، جابر اور دیگر عرب اور ایرانی سالاروں کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ چکا تھا۔ تاہم ابھی کھانا شروع نہ ہوا تھا۔ اس موقع پر جابان نے بولتے ہوئے عرب سرداروں سے پوچھا۔" کیا خیال ہے۔ پہلے ان مسلمانوں کی خبر لے لیں یا اپنے لشکر کو کھانا کھلا دیں۔"

عرب سرداروں میں سے عبدالاسود نے کہا۔ میرا خیال ہے پہلے اپنے لشکر

کو کھانا کھلا کر فارغ کر دیں۔ پھر آرام سے اُٹھ کر ان مسلمانوں سے نمٹ لیں گے ہمارے مقابلے میں ان کی تعداد ہی کیا ہے۔ صرف چند لمحوں کی جنگ میں ہی ہم ان مٹھی بھر مسلمانوں کو دریائے فرات کے کنارے الیس کے میدانوں میں موت کی گہری نیند سلا دیں گے۔"

جابان نے کہا۔" میرا دل کہتا ہے آنے والے یہ لوگ تم لوگوں کو کھانا نہ کھانے دیں گے اور جنگ کی دعوت دے دیں گے۔"

عرب سرداروں نے جابان کی بات نہ مانی اور اسرار کیا کہ مسلمان ان کے صرف ایک جھٹکے کی مار ہیں لہذا کھانے کے بعد ان سے نمٹ لیں گے۔"

جابان ابھی لشکر میں کھانا شروع کرنے کا اعلان کرنے والا تھا کہ خالدؓ بن ولید میدان میں اُترے اور انفرادی جنگ کی دعوت دیتے ہوئے انہوں نے زور زور سے عرب سرداروں کو پکارنا شروع کیا۔

"میں خالدؓ بن ولید ہوں، کہاں ہے عبدالاسود' کہاں ہے مالک بن قیس اور کہاں ہیں ابجر اور جابر؟"

خالد بن ولید کی اس للکار اور پکار پر ایرانی لشکر میں ایک ناقابلِ برداشت خاموشی اور سناٹا چھا گیا تھا۔ بالکل اس طرح جیسے بوڑھے کاہن قربان گاہوں کو بوسہ دیتے ہوئے خاموشی کی طیلسان اوڑھ لیتے ہیں۔ جس طرح چلچلاتی دھوپ اور لُوئیں دوپہر کے وقت پھول بے حال ہو کر اپنی گردنیں جھکا کر افسردہ اور بے حال ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی ایرانی لشکری اور نصرانی عرب خالدؓ بن ولید کی جرأت مندانہ پکار پر افسردہ اور پریشان ہو گئے تھے۔

خالدؓ بن ولید کی پکار پر عبدالاسود، ابجر اور جابر تو خاموش رہے تاہم مالک بن قیس غصے کی حالت میں اُٹھ کھڑا ہوا اور جابان کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔" مجھ پر آج کا کھانا اس وقت تک حرام ہے جب تک میں اس خالدؓ بن ولید کا سر کاٹ کر اور اسے اپنے نیزے میں گاڑ کر آپ کے پورے لشکر میں نہ پھراؤں۔ میں اسے بتا دوں گا کہ

نصرانی عرب لڑنے مارنے کا فن ان سے کہیں بہتر جانتے ہیں ۔ انہوں نے ہماری صرف نرم گامی ہی دیکھی ہے ۔ میں اسے اس جنگ میں سفید بھیڑوں کی طرح ہانک دوں گا ۔ اس کے فہم و ادراک کی فراست کو اندھا اور اس کے خدائے وہم و گمان کو بہرہ کر دوں گا ۔

اے جابان ! دیکھ میں اب اس کے مقابلے کے لیے میدان میں اُتروں گا اور تمہیں دکھاؤں گا کیسے میں اس کے اندر فتح مندی کے دہکتے نغموں اور اس کی آرزوؤں کی مالاؤں کو توڑ کر اس کی چشمِ مسرت کو لرزیدہ غموں میں بدلتا ہوں ۔"

جابان نے کہا ۔" ہاں، تم اس کے مقابلے میں اُترو ۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم صحرائے عرب کے ان بازی گروں کے سارے زاہد و اور ساری درویشی و حکمت کو کاٹ دو گے ۔ ہم سب تمہارے لیے دُعا گو ہیں ۔ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں اترو ان کے اُوپر سے ان کے نورانی غِلاف اُتار دو ۔ انہیں اس میدان میں ایسا مارو ایسا مارو کہ انہیں ان کے سارے کہنہ جرموں کی سزا دو ۔ ان کے کشمکش کے گیت آہوں میں اور ان کے بہاروں کے سمن زاروں کو ان کے لیے زندان کی سنگین فصیلوں میں بدل کر رکھ دو ۔"

مالک بن قیس اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے ایڑ لگا کر وہ میدان میں اُترا تھا ۔

اپنے گھوڑے کو ایڑ پر ایڑ لگا بھگاتا ہوا مالک بن قیس خالدؓ بن ولید کے سامنے آ رکا اور کہا ۔" اے مسلمانوں کے سالار تو نے عبدالاسود، ابجر اور مالک بن قیس کے علاوہ جابر کو میدان میں اُترنے کے لیے پکارا تھا ۔ کیا تجھ پر تیری خود پسندی اور گھمبیر بے نیازی ایسے ہی عود کر آئی ہے کہ تو مجھ جیسے تیغ زن کو دعوت مبارزت دیتا ہے ۔ میں نے صحرائے عرب کے بڑے بڑے سورماؤں کو زیر کیا ۔ ان کے نور و سعادت کے چشموں کو خشک کیا ۔ ان کی بصیرت کی گہرائیوں میں خوف بھرا اور تسلیم و رضا کی زنجیریں پہنا کر انہیں اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کیا ۔ آہ ! ڈر اُس وقت سے جب تیری ماں اور تیری اہلیہ تیری مرگ پر بَین کر رہی ہوں گی ۔"

" خالدؓ بن ولید نے کہا ۔" اے بدکار عورت کے بیٹے ! سارا ایرانی لشکر میری

ں پکار اور للکار پر دبک کر خاموش ہو گیا تھا ۔ تجھے میرے مقابل آنے کی جرأت کیسے اور
ونکر ہوئی ۔ تیرے جیسے کئی باولے میرے مقابل آئے ۔ پر میں نے ان کی سرحدِ ادراک اور اندازہ
پر ایسی ضربیں لگائیں کہ وہ افلاک کی گردش میں کھو کر رہ گئے ۔ دیکھ میں تجھ پر حملہ آور ہوتا
ہوں مجھے روک سکتا ہے تو روک دِکھا ۔"

خالدؓ بن ولید نے اپنے گھوڑے کو سخت مہمیز لگائی پھر وہ غیر مادی متحرک سایوں
کی طرح حملہ آور ہوئے گویا وہ زیرِ آفتاب زمین کی ساری نیرنگیوں کی تازگی کے لیے
ایک طوفان ایک انقلاب برپا کر دیں گے ۔

مالک بن قیس خالدؓ بن ولید کا پہلا ہی وار برداشت نہ کر سکا ۔ آپ کی تلوار نے
مالک بن قیس کو کاٹ کر رکھ دیا ۔ وہ اپنے گھوڑے سے گر گیا اور اس کے کٹے ہوئے
جسم سے جیتا جیتا سُرخ خون بہہ کر زمین کو لہو رنگ کرنے لگا تھا ۔

مالک بن قیس کے مرنے پر ایرانی لشکر میں دہشت پھیل گئی اور اس خوف
و دہشت نے انہیں دسترخوان سے اٹھا دیا تھا ۔ اس موقع پر ایرانی سپہ سالار جابان
نے سردارانِ عرب عبدالاسود، ابجر اور جابان کو مخاطب کرتے ہوئے ۔

" اے اکابرانِ عرب ! میں نے تمہیں پہلے ہی نہ کہا تھا کہ کھانے پر نہ بیٹھو
بھلا مجھے اپنی پوری زندگی میں کسی سپہ سالار سے ایسی وحشت نہیں ہوئی، جتنی
مسلمانوں کے اس سپہ سالار خالدؓ بن ولید کو دیکھ کر ہو رہی ہے ۔"

عرب اور ایرانی جرنیلوں پر بھی خوف طاری ہو گیا تھا ۔ تاہم انہوں نے
جابان سے اپنی بہادری جتانے کے لیے کہا ۔" چلو ہم کھانا ملتوی کرتے ہیں اور
ان مسلمانوں سے نمٹ کر اور فارغ ہو کر کھانا کھا لیں گے ۔"

حالاں کہ اندر ہی اندر مالک بن قیس کے قتل ہونے پر ان کے دِل لرز
رہے تھے اور ان پر ایک کپکپی طاری ہو گئی تھی ۔

اس موقع پر جابان نے اپنے سب عرب اور ایرانی سالاروں کو مخاطب
کرتے ہوئے کہا ۔" اگر تم مسلمانوں کا خاتمہ کرنا چاہتے ہو اور ان کے خوف ناک

اور نصرانی عربوں نے شروع میں مسلمانوں کے ساتھ زندگی اور موت کا ہولناک کھیل شروع کیا تھا لیکن خالدؓ بن ولید کی سرکردگی میں جب مسلمانوں نے جوابی حملہ کر کے اس کا قتلِ عام شروع کیا تو ایرانی اور نصرانی عرب اپنا آدھے سے زیادہ لشکر میدانِ جنگ میں کٹوا کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔

ایرانی اپنے پیچھے سامان کے ڈھیر اور دسترخوانوں پر چنا ہوا کھانا چھوڑ کر ان بھیڑ بکریوں کی طرح بھاگے تھے جو کسی انجانے ہیولے یا خوفناک آواز سے خوفزدہ ہو کر بھاگ کھڑی ہوں۔

خالدؓ بن ولید نے اپنے لشکر کے ساتھ دور تک ان کا تعاقب کیا اور بُری طرح انہیں کاٹ کر ان کی تعداد انہوں نے اپنے لشکر سے بھی کم کر کے رکھ دی تھی۔ تعاقب کے بعد خالدؓ جب اپنے لشکر کے ساتھ واپس آئے تو دسترخوانوں پر چنے ہوئے کھانے پر آ کر کھڑے ہوئے اور اپنے لشکر کو مخاطب کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"میرے برگزیدہ رفیقو! یہ سب کچھ میں تمہیں دیتا ہوں۔ یہ تمہارا ہے۔ ہمارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی تیار کھانے پر قبضہ فرماتے تھے، تو اسے اپنے لشکر کو بخش دیا کرتے تھے۔

کھانے میں جو روٹیاں رکھی گئی تھیں وہ بالکل سفید تھیں اور جو مجاہد اس علاقوں کی ایسی روٹیوں سے واقف نہ تھے وہ حیرت و استعجاب میں کہنے لگے "یہ سفید کپڑے کے گول ٹکڑے کیسے ہیں؟" اور مجاہدین میں سے وہ جو ان علاقوں کے کھانوں سے واقف تھے انہوں نے بتایا کہ یہ رقیق العیش ہے۔ عرب اس سے پہلے روٹی کو قرای کہہ کر پکارتے تھے۔ اس واقعہ کے بعد وہ اسے رقاق کہہ کر پکارنے لگے۔

خالدؓ بن ولید کے حکم سے پہلے کھانے کا ایک حصّہ علیحدہ کر کے لشکر میں شامل عورتوں کی طرف بھجوا دیا گیا اور جن مجاہدوں کی بیویاں ساتھ تھیں انہیں اجازت دی کہ وہ کھانا اپنی بیویوں کے ساتھ بیٹھ کر کھائیں۔ باقی سارا کھانا مجاہدین کو پیش کر دیا گیا تھا۔

عدیم اور سیریا نے بھی اپنا کھانا اپنے خیمے میں اکٹھے بیٹھ کر کھا لیا تھا۔ سیریا انتہائی ...ش تھی اور انفرادی جنگ میں بنو عجل کے جابر کو زیر کر لینے پر وہ بار بار عدیم کو مبارک ...دے رہی تھی۔

الیّس کے میدانوں میں ایرانیوں اور نصرانی عربوں کے خلاف اس شاندار فتح کی ...خبری اور مالِ غنیمت بنو عجل کے ایک شخص جندل کی سرکردگی میں مدینۃ النبیؐ کی طرف ...روانہ کیا۔ جندل ایک پختہ کار اور مضبوط آدمی تھا۔ انہوں نے حضرت ابوبکر صدّیقؓ کی ...مت میں پہنچ کر فتح کی خوشخبری، مالِ غنیمت کی مقدار، قیدیوں کی تعداد اور جنگ میں ...ن لوگوں نے کارہائے نمایاں ادا کیے تھے سب کی تفصیل بڑی عمدگی اور نفاست ...ے ساتھ بیان کی۔

حضرت ابوبکرؓ کو جندل کی پختہ کاری اور فتح کی خوشخبری سنانے کا یہ انداز بہت ...پسند آیا۔ آپؓ نے جندل سے پوچھا۔ "تمہارا نام کیا ہے"۔

جندل نے بڑی عقیدت مندی سے کہا "میرا نام جندل ہے"۔

حضرت ابوبکرؓ نے خوش ہو کر جندل کو ایک لونڈی عطا کی اور وہ مدینۃ النبیؐ ...ے خالدؓ بن ولید کے لشکر کی طرف واپس چلے گئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس فتح کی ...وش خبری لوگوں کو سناتے ہوئے کہا۔

"اے گروہِ قریش! تمہارے شیر نے ایک شہر پر حملہ کیا اور اس کی کھوہ میں ...گھس کر اس کو مغلوب کر دیا۔ عورتیں خالدؓ جیسا بہادر پیدا نہیں کر سکتیں"۔

اپنے لشکر کو چند دن آرام کرنے کا موقع دے کر خالدؓ بن ولید نے الیّس کے ...میدانوں سے کوچ کیا اور امغیشیا شہر کی طرف بڑھے کیوں کہ الیس کی جنگ میں اس شہر اور ...اس کے گرد و نواح کی بستیوں نے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا تھا۔

الیس کی جنگ میں جس قدر ایرانی مارے گئے ان میں سے ستر ہزار مقتولین کا تعلق ...امغیشیا شہر اور اس کے گرد و نواح کی بستیوں سے تھا۔ اہلِ امغیشیا کو بھی خبر ہو گئی تھی کہ ...خالدؓ بن ولید اپنے لشکر کے ساتھ ان کی طرف کوچ کر چکے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے تھے، کہ

گزشتہ جنگ میں چونکہ ان کے آدمیوں نے سب سے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا تھا۔ اس لیے مسلمان ان سے بڑا خوفناک انتقام لیں گے۔ اس خیال کے تحت اہلِ امغیشیا خالدؓ بن ولید کی آمد سے پہلے ہی شہر خالی کر کے وہاں سے بھاگ گئے۔

خالدؓ بن ولید اپنے لشکر کے ساتھ امغیشیا پہنچے اور بغیر کسی جد وجہد کے انہوں نے امغیشیا شہر پر قبضہ کر لیا تھا۔ ذاتِ اسلاسل سے لے کر جنگِ الیس تک اتنا مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ نہ لگا تھا جس قدر امغیشیا شہر پر قبضہ کرنے سے حاصل ہوا تھا۔

حیرہ کا حاکم ابن زان جسے ایران کے شہنشاہ خسرو پرویز نے شہر کے عرب حاکم نعمان کو ہٹا کر حیرہ شہر کا حاکم مقرر کیا تھا وہ خالدؓ بن ولید کی ان لگاتار فتوحات سے سخت پریشان ہوا۔ خالدؓ بن ولید کا لشکر اب چونکہ حیرہ شہر سے قریب پہنچ چکا تھا لہذا ابنِ زان خوف زدہ ہو گیا۔ اور اندازہ لگا لیا کہ اب اس کی باری ہے۔

ابن زان نے مسلمانوں سے نمٹنے کے لیے دو ہزار لشکر تیار کیے۔ ایک لشکر اس نے اپنے پاس رکھا اور حیرہ شہر سے باہر نکل کر خیمہ زن ہوا۔ دوسرا لشکر اس نے اپنے بیٹے کو دے کر خالدؓ بن ولید کے لشکر کا راستہ روکنے کو روانہ کر دیا۔ ابنِ زان کا بیٹا دریائے فرات کے کنارے کنارے آگے بڑھتا ہوا اس جگہ آ رکا جہاں سے دریائے فرات سے نہریں نکل کر آبپاشی کی خاطر مختلف سمتوں کو جاتی تھیں۔ ابنِ زان کے بیٹے کا ارادہ تھا کہ وہ اسی جگہ مسلمانوں کی راہ روک کر انہیں جنگ کی دعوت دے گا۔

ابنِ زان کی ان جنگی تیاریوں کی اطلاع جب خالدؓ بن ولید کو ہوئی تو آپ نے امغیشیا شہر سے جہاں آپ نے قیام کر رکھا تھا کوچ کیا۔ امغیشیا شہر سے چونکہ خالدؓ بن ولید کو بے شمار مالِ غنیمت ہاتھ لگا تھا۔ لہذا آپ نے یہ سارا مالِ غنیمت کشتیوں میں رکھوایا

اور سامان کی حفاظت کے لیے اپنے لشکر سے کچھ دستے کشتیوں میں سوار کر دیے اور حیرہ شہر کی طرف کوچ کیا۔

یہاں شیبانی قبائل اور بنو عجل کے مسلمان بھی آپ کے لشکر میں آ کر شامل ہو گئے تھے۔ اب صورتِ حال یہ تھی کہ دریائے فرات کے اندر سامان سے بھری ہوئی کشتیاں اور کنارے پر آپ کا لشکر ایک ساتھ حیرہ شہر کی طرف بڑھ رہے تھے۔

ابنِ زان کا بیٹا اپنے لشکر کے ساتھ چونکہ اس جگہ پڑاؤ کیے ہوئے تھا جہاں دریائے فرات سے نہریں نکلتی تھیں۔ اسے جب خبر ہوئی کہ مسلمان کشتیوں کے ساتھ اس کی طرف بڑھ رہے ہیں تو اس نے ساری نہریں کھلوا کر دریا کا پانی بند کر دیا۔ اس طرح دریائے فرات خشک ہو گیا اور اس کے اندر حیرہ شہر کی طرف حرکت کرتی مسلمانوں کی کشتیاں خشک زمین اور کیچڑ میں پھنس کر رہ گئیں۔

اس کے ساتھ ہی ابنِ زان کے بیٹے نے اپنے لشکر سے چند دستے مسلمانوں کی طرف روانہ کیے تاکہ وہ ان پر شب خون مارنا شروع کر دیں۔ اس صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے خالد بن ولید نے اپنے لشکر کو روک دیا تھا۔

مثنیٰ کو ان کے حصے کا لشکر دے کر خالدؓ بن ولید نے وہیں روک دیا اور انہیں تاکید کی کہ جب دریا میں پانی آ جائے تو وہ کشتیوں کو لے کر حیرہ شہر کی طرف بڑھیں۔ خود خالدؓ بن ولید عدیم کے ساتھ لشکر کے دونوں حصوں کو لے کر آگے بڑھے۔

ابنِ زان کے بیٹے نے مسلمانوں پر شب خون مارنے کی خاطر جو اپنے لشکر سے دستے روانہ کیے تھے وہ ابھی فم عتیق کے مقام پر ہی پہنچے تھے کہ خالدؓ بن ولید اور عدیم نے انہیں جا لیا۔ پھر ایک طرف سے خالدؓ بن ولید نے اور دوسری طرف سے عدیم نے حملہ کر کے ان سب کو موت کے گھاٹ اتار کر رکھ دیا تھا۔

ابنِ زان کے بیٹے کو جب خبر ہوئی کہ اپنے لشکر کا وہ حصہ جو اس نے مسلمانوں پر شب خون مارنے کے لیے روانہ کیا تھا اس کا مسلمانوں نے مکمل طور پر خاتمہ کر دیا ہے تو وہ بڑا سیخ پا ہوا اور اپنے لشکر کے ساتھ وہ جنوب کی طرف کوچ کرنے ہی والا تھا کہ خالدؓ بن ولید اور عدیم اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچ گئے اور آتے ہی انہوں نے ابنِ زان پر حملہ کر دیا۔ ابنِ زان اس حملے کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ لہٰذا اس نے دریائے فرات کے کنارے ڈٹ کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کا عزم کر لیا تھا۔

وہ اس لیے بھی مطمئن تھا کہ ایک تو اس کے لشکر کی تعداد مسلمانوں کے لشکر سے کہیں زیادہ تھی دوسرے اس کا باپ ابنِ زان ایک جرار لشکر کے ساتھ حیرہ شہر سے باہر خیمہ زن تھا اور ضرورت کے وقت اس کی مدد کو پہنچ سکتا تھا۔ لہٰذا وہ خود بھی جانفروشی سے لڑ رہا تھا اور اپنے لشکریوں کو بھی ایسی ہی ترغیب دے رہا تھا۔

یہاں خالدؓ بن ولید نے اپنی عمدہ ترین جنگی مہارت کا ثبوت دیا۔ خود وہ اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ دریائے فرات کے کنارے کنارے دشمن پر حملہ آور ہوئے اور عدیم کو ان کے حصے کے لشکر کے ساتھ دریا کے کنارے سے ہٹ کر آگے بڑھتے ہوئے حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔

یہ معاملہ ابنِ زان کے بیٹے کے لیے پریشان کن ثابت ہوا اور فوری طور پر اپنے لشکر کی صفیں اِدھر اُدھر کر کے اسے خالدؓ بن ولید اور عدیم دونوں کے سامنے اپنے لشکریوں کو جمانے کے لیے بھاگ دوڑ کرنا پڑ رہی تھی۔

ایک موقع پر ابنِ زان کا بیٹا اپنے لشکریوں کا حوصلہ بڑھاتا ہوا عدیم کی طرف آیا۔ وہ اپنے لشکریوں کو جنگ سے متعلق ہدایات دینے کے علاوہ ان کا حوصلہ بڑھا رہا تھا۔ عدیم سمجھ گیا کہ یہی ابنِ زان کا بیٹا اور ان کے سامنے آنے والے لشکر کا سالار ہے۔ لہٰذا عدیم نے اپنے لشکریوں کو پکار پکار کر ان کا حوصلہ بڑھایا اور انہیں آگے بڑھنے کی ترغیب دی۔ اب میں مجاہدین نے تکبیریں بلند کرتے ہوئے ایک طوفان برپا کر کے رکھ دیا تھا۔ دشمن کے سامنے ان کی حالت اب ان ساحلی چٹانوں جیسی تھی جن سے دریا کا پانی ٹکرا ٹکرا کر نامراد لوٹ جاتا ہو۔ خود عدیم بڑی تیزی سے آگے بڑھتا ہوا ابنِ زان کے بیٹے سے قریب ہوا اور اسے مقابلے کے لیے للکارا۔

ابنِ زان کے بیٹے نے جب دیکھا کہ عدیم اسے مقابلے کے لیے للکار رہا ہے تو وہ

مقابلے پر جم گیا - وہ ایسا کرنے پر مجبور تھا - بصورتِ دیگر اس کے لشکری اس سے متنفر ہو کر جنگ سے منہ پھیر جاتے -

عدیم یوں اس کی طرف بڑھا جیسے طوفانی لہریں چاندنی رات میں بلند ہوتی ہیں اور بے حد و بے کنار وسعت کو پاٹ دینے کے لیے بکھر پھیل جاتی ہیں - ایسے میں عدیم آگے بڑھ کر اس پر حملہ آور ہوا - ابن زان کے بیٹے نے عدیم کا وار روکنے کی انتہائی کوشش کی لیکن ناکام رہا اور عدیم کی تلوار اسے کاٹتی ہوئی نکل گئی تھی -

بنو ربیعہ کے ایک لشکری نے جب دیکھا کہ عدیم نے ایرانی سالار کو قتل کر دیا ہے تو وہ فوراً حرکت میں آیا - ابنِ زان کے بیٹے کا سر اس نے اپنے نیزے پر گاڑا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اس نے اس سر کو بلند کر کے ایرانی لشکریوں کو مخاطب کر کے زور زور سے چلانا شروع کر دیا -

" اے اہلِ فارس ! تمہارا سالار اور حیرہ کے حاکم ابنِ زان کا بیٹا کام آ چکا ہے دیکھو ، میں اس کا سر اپنے نیزے پر بلند کرتا ہوں کہ تم اسے پہچانو اور اس کے خوف ناک انجام سے عبرت پکڑو - یاد رکھو ، اب ہمارے سامنے کوئی قوت تمہارا دفاع نہ کر سکے گی "

ایرانی لشکر کے اندر آن کی آن میں ان کے سالار کے مارے جانے کی خبر پھیل گئی اور اس کے ساتھ ہی ایک سرے سے دوسرے سرے تک ان کے اندر ایک بددلی کی لہر سرایت کر گئی تھی - انہوں نے میدانِ جنگ سے منہ موڑ کر بھاگنا چاہا - پر اب دیر ہو چکی تھی دریا کی طرف سے خالد بن ولید اور بائیں طرف سے عدیم ان کا مکمل طور پر محاصرہ کر چکے تھے - ایرانی لشکر کی حالت اب مسلمانوں کے سامنے ان بھیڑوں جیسی تھی جنہیں کسی مضبوط باڑے اور حصار میں بند کر دیا گیا ہو -

ابنِ زان کا بیٹا تو پہلے ہی عدیم کے ہاتھوں مارا گیا تھا - اب مجاہدین نے چن چن کر اس کے ایک ایک لشکری کو بھی موت کی نیند سلا دیا تھا - پھر مسلمانوں نے نہریں بند کر دیں تاکہ دریائے فرات پانی سے بھر جائے اور سامان سے بھری کشتیاں وہاں پہنچ جائیں - خالد بن ولید نے وہاں اپنے لشکر کو خیمہ زن ہونے کا حکم دے دیا تھا - چونکہ

دوپہر ہو رہی تھی - اس لیے لشکر کے وہ جوان جن کے ذمہ لشکر کے لیے کھانا تیار کرنے کے فرض تھے انہوں نے کھانا تیار کر کے لشکر میں تقسیم کرنا شروع کر دیا تھا -

جنگ کے دوران لشکر کی عورتیں اپنے لشکر کے پیچھے کھڑی تھیں جب لشکر کے خیمے نصب ہو گئے تو وہ اپنے اپنے خیموں کی طرف جانے لگی تھیں - سیریا جس وقت اپنے خیمے کی طرف جا رہی تھی تو عدیم اپنا گھوڑا بھگاتا ہوا وہاں آیا اور بڑے پیار سے اس نے سیریا کو پکارا، "سیریا ! سیریا !"

سیریا جو نہ جانے کن خیالوں میں غرق اپنے خیمے کی طرف جا رہی تھی چونکی - عدیم کی آواز سن کر وہ فوراً رک گئی اور اپنے لبوں پر گہری پُرسکون مسکراہٹ بکھیرتی ہوئی وہ اپنی طرف آتے عدیم کو دیکھ رہی تھی -

عدیم نے سیریا کے قریب آ کر جب اپنا گھوڑا روکا تو سیریا نے شہد میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا - " آج میں نے قریب سے آپ کو جنگ کرتے دیکھا ہے - جس وقت آپ نے حملہ کر کے ایرانی سالار کو موت کے گھاٹ اتارا بخدا میں نے زندگی میں پہلی بار آپ کی نسبت سے اپنی ذات پر اور اپنے ہونے پر فخر کیا - لشکر کی دیگر عورتیں ام تمیم کے بعد آپ کی وجہ سے سب سے زیادہ مجھ پر رشک کرتی ہیں - میں اس خداوندِ بے کنار کی ممنون ہوں جس نے آپ کو میری زندگی کا ساتھی اور رفیق بنایا -

عدیم نے کہا " سیریا ! سیریا ! میری اتنی تعریف نہ کرو کہ میں تکبر کا شکار ہو جاؤں - میں اپنے لیے اسی قدر کافی سمجھتا ہوں کہ میں خالدؓ بن ولید کی سرکردگی میں اسلامی لشکر کے اندر ایک عام اور معمولی مجاہد ہوں -

سیریا جواب میں عدیم سے کچھ کہنا چاہتی تھی کہ جس طرف سے سیریا آئی تھی - ادھر سے ہی ایک عورت اپنا گھوڑا دوڑاتی ہوئی آئی - اس نے اپنی پیٹھ پر اپنے بچے کو باندھ رکھا تھا اور آنکھوں کے علاوہ اس نے اپنے سر اور منہ کو ڈھانپ رکھا تھا - ان کے قریب آ کر اس عورت نے پہلے اپنے بچے کو اپنی پیٹھ پر درست کیا - پھر اس نے عدیم کو مخاطب کرتے ہوئے بلند آواز میں کہا " السلام علیکم یا اخی ! "

عدیم سوچوں میں پڑ گیا ۔ وہ آواز اس کے لیے جانی پہچانی تھی ۔ پر وہ اسے پہچان نہ پایا تھا ۔ عدیم نے بڑی عاجزی سے کہا ۔ " اے میری بہن ! تو کون ہے ۔ یہ میری بدقسمتی ہے کہ میں تمھیں پہچان نہیں پایا ہوں ۔ کاش میں تمھیں پہچان سکتا کہ تمہاری آواز میرے لیے شناسا ہے اور میرے کانوں میں ہمدردی ، مانوسیت اور عزیز ترین رشتوں کا رس گھولتی ہے " ۔

اس عورت نے ایک دم اپنے چہرے سے اپنا نقاب ہٹا دیا ۔ وہ اس کے سب سے بڑے بھائی یوعام کی بیوی نباط تھی ۔ عدیم نے انتہائی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا ۔ " نباط ! میری بہن ! تم یہاں ؛ یوعام کہاں ہے ؟ "

نباط نے کہا ۔ " وہ تو اس جنگ میں شریک ہوئے ہیں ، کیا وہ آپ سے نہیں ملے ؛

عدیم نے کہا ۔ " میری ابھی تک اس سے ملاقات نہیں ہوئی " ۔ ساتھ ہی عدیم نے سیریا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا " بہرحال تم اس سے ملو یہ میری بیوی سیریا ہے " ساتھ ہی اس نے سیریا سے کہا ۔ " سیریا ! سیریا ! میں نے کئی بار تم سے اپنے ایک دوست اور ساتھی کا ذکر کیا ہے ۔ جس کا نام یوعام ہے ۔ یہ خاتون جس کا نام نباط ہے اسی یوعام کی بیوی ہے ۔ یہ دونوں میرے لیے بھائی اور بہن جیسے ہیں ۔

نباط نے اپنے گھوڑے سے اترتے ہوئے کہا ۔ " اخی عدیم ! میں آپ کی بیوی سے گلے لگا کر ملوں گی ۔ یہ تو اب میری چھوٹی اور عزیز بہن ہے ۔ سیریا بھی چھلانگ لگا کر اپنے گھوڑے سے کود گئی تھی ۔ پھر دونوں پُرجوش انداز میں ایک دوسرے سے گلے مل رہی تھیں ۔

عدیم بھی اپنے گھوڑے سے اُتر گیا اور ان دونوں کو لے کر اپنے خیمے کی طرف چل پڑا ۔ راستے میں نباط نے کہا ۔ " یوعام مجھے لشکر کی عورتوں میں چھوڑ کر خود جنگ میں حصّہ لینے کے لیے لشکر میں شامل ہو گئے تھے ۔ ان عورتوں میں قیام کے دوران ہی مجھے خبر ہو گئی تھی کہ سیریا آپ کی بیوی ہے کیوں کہ آپ کے نام کے تعلق سے لشکر کی دیگر عورتیں ہر وقت اس کی ذات اور قسمت پر خوشی کا اظہار کرتی تھیں ۔ میں سمجھ گئی تھی کہ یہی لڑکی میرے بھائی عدیم کی بیوی ہے لیکن میں نے اس سے اپنا تعارف نہ کرایا تھا ۔

میں آپ کی موجودگی میں سیریا سے ملنا چاہتی تھی " ۔

نباط کہتے کہتے خاموش ہو گئی ۔ ایک تو عدیم کا خیمہ آ گیا تھا دوسرے یوعام بھی اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا وہاں پہنچ گیا تھا ۔

یوعام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عدیم نے کہا ۔ " سیریا ! سیریا ! یہ آنے والا سوار میرا عزیز ترین دوست اور نباط کا شوہر یوعام ہے " ۔

قریب آ کر یوعام اپنے گھوڑے سے اُترا ۔ پہلے وہ عدیم کو گلے لگا کر ملا پھر سیریا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے کہا " یہ یقیناً ہماری بہن سیریا ہو گی " ۔

سیریا نے اپنی گردن جھکا لی تھی ۔ یوعام نے آگے بڑھ کر سیریا کے سر پہ پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا ۔ " اے میری بہن ! قسم خداوند کریم کی تم یقیناً اس قابل ہو کہ رمنیس کی بیوی بنو " ۔

پھر عدیم اور یوعام نے اپنے گھوڑوں کو وہاں باندھا اور سیریا اور نباط کے ساتھ وہ خیمے میں داخل ہو گئے تھے ۔

نباط نے جب اپنی پیٹھ سے بچّے کو کھولا تو پہلے سیریا نے بچّے کو لے کر پیار کیا پھر عدیم نے اسے چوما اور پھر یوعام نے اسے اپنی چھاتی سے لگانے کے بعد گود میں بٹھا لیا تھا ۔

یوعام نے نباط سے کہا ۔ " میں تمھیں اور بچّے کو لینے اس طرف گیا تھا جہاں لشکر کی عورتوں کا قیام تھا ۔ وہاں سے مجھے خبر ہوئی کہ تم سیریا کی طرف گئی ہو ، لہٰذا میں نے فوراً رمنیس کے خیمے کی طرف اپنے گھوڑے کو دوڑا دیا " ۔

نباط نے کہا ۔ " میں عورتوں کے اندر ہی کھڑی آپ کا انتظار کر رہی تھی کہ میں نے سیریا کو ایک طرف جلتے دیکھا ۔ پہلے میں نے ارادہ کیا کہ اس کے ساتھ ہو لوں پھر میں یہ سوچ کر رک گئی کہ آپ میرے لیے پریشان ہوں گے ۔ اتنی دیر تک میں نے دیکھا کہ ایک طرف سے رمنیس بھائی اپنا گھوڑا دوڑاتے ہوئے سیریا کی طرف آئے میرا خیال تھا آپ بھی رمنیس بھائی کے ساتھ ہوں گے ۔ لہٰذا میں اپنے گھوڑے پر

سوار ہو کر ان دونوں سے آ ملی"۔

نباط جب خاموش ہوئی تو عدیم نے یوعام کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔" اچھا یہ بتاؤ تم لشکر میں کب داخل ہوئے"۔

یوعام نے کہا۔" حیرہ شہر میں خبریں اُڑنے لگی تھیں کہ عنقریب مسلمان شہر پر حملہ آور ہونے والے ہیں۔ لہٰذا مَیں اس احتیاط کے ساتھ نباط اور بچّے کو لے کر شہر سے نِکل کھڑا ہُوا کہ کوئی ہمیں مسلمان ہونے کی حیثیت سے نقصان نہ پہنچائے۔ میرا ارادہ تھا کہ مَیں نباط کو لے کر امغیشیا میں اپنے لشکر سے آ ملوں گا لیکن میری خوش قسمتی کہ مَیں اور نباط ابھی اس مقام پر ہی پہنچے تھے کہ لشکر یہاں آ گیا۔ لہٰذا مَیں نے نباط کو اس طرف بھیج دیا جہاں عورتیں تھیں اور خود لشکر میں شامل ہو کر جنگ میں حِصّہ لینے لگا۔ مِنیس! رمینس! بخدا تُو نے کیا خوب ایرانی سالار کو زیر کر کے اس کی گردن کاٹی"۔

عدیم نے پھر پوچھا" لیکن تم تو یہاں سے یہ کہہ کر گئے تھے کہ نباط کا باپ ناثان بیمار ہے اَور تم اس کی احوال پُرسی اور تیمار داری کے لیے لشکر سے گھر جا رہے ہو لیکن تم دونوں میاں بیوی ناثان کو اکیلے کہاں چھوڑ آئے ہو جب کہ حیرہ شہر میں ایک مسلمان کی حیثیت سے اسے خطرہ ہے۔ بخدا اگر آج تم نہ آتے تو شام تک مَیں سیریا تم تینوں کا پتہ کرنے کو حیرہ شہر میں داخل ہوتے"۔

ناثان کے ذکر پر نباط بے چاری اداس اور پریشان ہوگئی۔ پہلے کچھ دیر تک وہ اپنے ہونٹ کاٹ کاٹ کر ضبط کرتی رہی پھر اس کی آنکھوں سے ساون بھادوں کے مینہ کی طرح آنسو بہہ نکلے تھے۔

یوعام نے گردن جُھکاتے ہوئے دُکھ سے کہا۔" نباط کا باپ ناثان اب ہم میں نہیں۔ وہ بیماری کا بوجھ برداشت نہ کر سکا اور ہمیشہ کے لیے ہم سے رُوٹھ گیا۔ یوعام کی پلکیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور لرزتی ٹوٹتی آواز میں اس نے کہا۔

"آہ ناثان! وہ ایک نیک دل اور مہربان انسان تھا۔ وہ ہر معاملے، ہر مصیبت میں میری حمایت اور پشت پناہ تھا۔ اس کے بغیر میں صحراؤں کے اندر کھڑے اس خشک

...ت جیسا ہوں جیسے صحرا کی گرم ریت اور جُھلسا دینے والے بگولوں کے حوالے کر دیا گیا ہو۔ ...ناثان! وہ ہمارے لیے روشنی کا مینار اور ظلمت کدہ غم میں وادی ربہ کا ایک نیا ...ں مہتاب تھا۔

وہ ایک عُمدہ، اچھوتا اور دمکتی مسکراہٹ جیسا شفیق اور نغمہ آگیں لہجوں جیسا ...ں کن، مژدہ راہِ رواں جیسا خوش طبع اور سنہری مچھلیوں جیسا بے ضرر انسان تھا۔ وہ ...د کے لیے سفید اور سادہ صفحے جیسا تھا جس پر نباط اپنی ہر ضرورت رقم کر سکتی تھی اور میرے ...ے لٹکتی تیغ جیسے لمحوں میں وہ غمگین چہروں پر مسکراہٹ بکھیر دینے والا عزیز ترین بزرگ ...تھا۔ آہ ہم نے اسے کھو دیا۔

نباط بے چاری اب زور زور سے ہچکیوں اور سسکیوں میں رونے لگی تھی۔ اس ...آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی بندھی تھی اور اس کے سر کا رومال آنسوؤں سے بھیگ ...گیا تھا۔ سیریا بے چاری نباط کو اپنے ساتھ لپٹا کر اسے تسلّی دے رہی تھی۔

عدیم نے یوعام کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔" میرے دوست صبر اور ...قناعت وہ خزانہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا اور پھر تم جانو ہمارا مذہب ہر غم اور ہر دُکھ میں ...صبر اور نماز سے مدد لینے کی تلقین کرتا ہے۔ سو میرے عزیز! تم بھی صبر کرو۔ اب تم اور ...نباط دونوں میرے ساتھ اس خیمے میں رہو گے۔ یہاں سے کُوچ کرنے کے بعد عنقریب ہم ...حیرہ شہر پر حملہ آور ہوں گے اور شہر کی فتح کے بعد تم دونوں میاں بیوی بِلا خوف و خطر حیرہ ...شہر کے اندر اپنے گھر میں رہ سکو گے۔

دوسری طرف سیریا نباط کو اپنے ساتھ گرم جوشی کے ساتھ لپٹا کر کہہ رہی تھی۔ نہ رو ...خاموش ہو جاؤ میری عزیز بہن! گو ماں باپ کی مرگ پر انسان کے لیے خوشی اور مسرت کا ...سورج چھپ جاتا ہے اور آرام و سکون کی روشنی ماند پڑ جاتی ہے پھر بھی انسان کو یہ سب کچھ ...بچشم بصیرت سے دیکھنا اور اشک آلود دِل کے ساتھ برداشت کرنا پڑتا ہے کہ ابتدائے ...آفرینش سے ایسا ہی ہوتا ہے اور ایسا ہی آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔ کسی سرائے کی طرح ...دنیا کی صورت میں لوگ آتے جاتے رہیں گے۔ آنے والوں کا ہم خوشی سے استقبال

اور جانے والوں کا غم کرتے رہیں گے لیکن ہمارے پاس صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں ۔ خداوند رحیم و کریم نے اس کائنات کے دَور کو ایسے ہی نظم و ضبط میں باندھ رکھا ـــــــ

سیریا کہتے کہتے خاموش ہو گئی تھی ۔ کیوں کہ خیمے سے باہر گھنٹیاں بجنے کی آواز سنائی دی تھی ۔ عدیم اور سیریا جان گئے تھے کہ کھانا تقسیم کرنے والے آ گئے ہیں ۔

عدیم چار برتن اٹھا کر باہر آیا ۔ خیمے سے باہر کھانا تقسیم کرنے والے لوگ تھے ۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں لکڑی کی چھڑی تھی جس کے ساتھ گھنٹیاں بندھی ہوئی تھیں ۔ اور اس چھڑی کو ہلا کر وہ گھنٹیاں بجاتا اور کھانا آنے کی اطلاع کرتا تھا ۔

عدیم نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا ” مثنیٰ کے لشکر کا ایک مجاہد جو میرا عزیز ہے اپنی اہلیہ کے ساتھ اب میرے ہی خیمے میں مقیم ہے ۔ اب سے ہمیں چار افراد کا کھانا دیا کرو ۔ “

کھانا تقسیم کرنے والوں نے عدیم کے برتنوں میں چار آدمیوں کا کھانا ڈال دیا ۔ برتن اُٹھا کر عدیم اندر لایا ۔ پھر وہ سب اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے ۔

○

ابن زان حیرہ شہر سے باہر غربین اور قصر ابیض کے درمیان اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن تھا ۔ اسے جب یہ اطلاع ہوئی کہ جنگ میں اس کا بیٹا مارا گیا ہے اور مسلمانوں نے اس کے تحت سارے ایرانی لشکر کو موت کے گھاٹ اُتار دیا ہے تو وہ اپنے لشکر کو وہیں چھوڑ کر اور اپنی جان بچانے کی خاطر مدائن کی طرف بھاگ گیا اور اس کا لشکر حیرہ شہر میں داخل ہو گیا ۔

شہر کے اندر چار قلعہ نما محل تھے اور یہ لشکر اور شہر کے دیگر لوگ مسلح ہو کر ان قلعوں کے اندر چلے گئے ۔ خالدؓ بن ولید کو بھی حاکم حیرہ ابن زان کے بھاگ جانے کی اطلاع ہو گئی تھی ۔ آپ نے بڑی سُرعت کے ساتھ میدانِ جنگ سے حیرہ شہر کی طرف کوچ کیا اور اس جگہ خیمہ زن ہوئے جہاں ابن زان نے شہر سے باہر اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیا تھا ۔

پھر ایک طوفانی حملے کے بعد خالدؓ بن ولید نے اپنے لشکر کو حیرہ شہر میں داخل کر دیا ۔

یہ سارے لوگ تو ان چار قلعوں کے اندر محصور تھے اور حیرہ شہر کی محافظ فوجیں بھی ان کے ساتھ تھیں اور پھر ہر قلعے میں داخل ہونے والی افواج نے قلعے کی حفاظت کے لیے اپنے اپنے سالار بھی مقرر کر لیے تھے ۔

ایک قلعے کا نام قصرِ ابیض تھا اس کا سالار ایاس تھا ۔ دوسرے قلعے کا نام قصرِ عدسیین تھا اس پر عدی سالار تھا ۔ تیسرے قلعے کا نام قصرِ بنی مازن تھا اس کا محافظ ابنِ اکال تھا اور چوتھا قلعہ جس کا نام قصر ابن بقیلہ تھا اس کا سالار عمرو بن عبدالمسیح تھا ۔

خالدؓ بن ولید نے بھی اپنے لشکر کے چار حصّے کر کے ان قلعوں کا محاصرہ کر لیا اور اپنے تمام لشکریوں کو حکم دیا کہ قلعوں میں بند اگر دشمن کے لوگوں سے گفت و شنید ہو تو پہلے انہیں اسلام کی دعوت کے ساتھ ایک دن کی مہلت دی جائے ۔ اگر انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو ان کے خلاف جنگ بند کر دیں اور اگر اہلِ حیرہ نے اسلام قبول نہ کیا تو پھر ان کے خلاف سخت جنگ شروع کی جائے ۔

اہلِ حیرہ نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا اور جنگ پر آمادہ ہو گئے ۔ انہوں نے قلعوں کے اُوپر سے مسلمانوں پر سنگ باری شروع کر دی تھی لیکن جواب میں جب اِن پر اسلامی لشکر سے تیز اور جان لیوا تیر اندازی کی گئی اور ان کے اَن گنت آدمی مارے گئے تو انہوں نے قلعے کے اُوپر سے سنگ باری بند کر دی ۔

اس کے بعد مسلمانوں نے کمندوں کے ذریعے ان قلعوں پر چڑھنا شروع کر دیا ۔ اور جب قلعے کی محافظ افواج فصیل کے اُوپر پتھر برسانے کے لیے نمودار ہوتیں تو مسلمانوں کی طرف سے ان پر ایسی تیر اندازی ہوتی کہ وہ لوگ جانیں بچانے کی خاطر پیچھے ہٹ جاتے تھے ۔ اس طرح تیر اندازی سے ان کے کافی آدمی مارے گئے تھے ۔

اہلِ شہر کو جو ان قلعوں میں محصور تھے جب خبر ہوئی کہ مسلمانوں کی تیر اندازی سے ان کے لشکریوں کا کافی نقصان ہوا ہے اور یہ کہ مسلمانوں نے فصیل پر چڑھنا شروع کر دیا ہے تو ان قلعوں کے اندر ایک کہرام مچ گیا ۔ لوگ اپنے لشکروں کے خلاف شور کرنے لگے کہ حملہ آوروں کے آگے ہتھیار ڈال کر امان طلب کر لو ۔

حیرہ شہر کی آبادی چونکہ زیادہ تر عربوں پر مشتمل تھی لہٰذا وہ کہتے تھے کہ حملہ آور بھی ہمارے عرب بھائی ہیں۔ اگر ہم قلعوں کے دروازے کھول کر امان طلب کریں تو وہ ہماری خطائیں معاف کر دیں گے۔ شہر کے سب پادری اور راہب چلّا اُٹھے۔ "اے محلات والو! ہمارے قتل کا باعث نہ بنو۔"

چاروں قلعوں کے محافظوں نے جب دیکھا کہ ان کے اپنے لوگ ہی ان کے خلاف ہوتے جا رہے ہیں تو وہ صلح پر آمادہ ہو گئے اور خالدؓ بن ولید سے گفت و شنید کرنے کی خواہش ظاہر کی جو قبول کر لی گئی۔ آخر اہلِ حیرہ نے اپنی طرف سے عدی بن عدی اور عمرو عبدالمسیح کو صلح کی شرائط طے کرنے پر مقرر کیا۔ آخر عدی بن عدی اور عمرو عبدالمسیح اس طرف روانہ ہو گئے جہاں قلعوں سے باہر خالدؓ بن ولید مقیم تھے۔

ابھی عدی بن عدی اور عمرو عبدالمسیح خالدؓ بن ولید کے پاس پہنچے نہ تھے کہ ایک آدمی خالدؓ بن ولید کے پاس آیا۔ آپ اس وقت اپنے لشکریوں کے درمیان ننگی زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے دائیں بائیں مثنیٰ اور عدیم بھی ان کے ساتھ بیٹھے تھے۔

آنے والا شخص خالدؓ بن ولید کے سامنے بیٹھ گیا اور کہا۔ "اے امیر! میں مسلمان ہوں، میرا نام شویل ہے۔ ایک بار میں حضورؐ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ آپؐ نے حیرہ شہر کے فتح ہونے کی پیش گوئی کی۔ آپؐ نے حیرہ شہر کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ اس شہر کے محلات کے کنگرے کتّے کے دانتوں کی شکل کے ہیں اور آپ دیکھئے اس شہر کے محلات کے کنگرے ایسے ہی ہیں جیسے حضورؐ نے پیش گوئی کی تھی۔

شویل جو ادھیڑ عمر کا ایک شخص تھا ذرا رک کر پھر کہہ رہا تھا۔ "اے امیر! حیرہ شہر کے اندر ایک عرب سردار ہے کہ نام اس کا عمرو عبدالمسیح ہے کہ اس کی ایک بیٹی ہے نام جس کا کرامہ ہے۔ میں نے اپنی جوانی میں کرامہ بنتِ عبدالمسیح کو دیکھا تھا اور اسے پسند کر لیا تھا۔ جب حضورؐ نے حیرہ شہر کے فتح ہونے کی پیش گوئی کی تو میں نے آپؐ سے کرامہ کے لیے درخواست کی۔ حضورؐ نے فرمایا تھا۔ جب حیرہ شہر فتح ہو گا کرامہ تمہاری ہو گی۔ اب جب کہ حیرہ شہر فتح ہو گیا ہے تو آپ حضورؐ کا وعدہ پورا کریں اور حیرہ کے

عرب سردار عمرو عبدالمسیح کی بیٹی کرامہ میرے حوالے کر دیں۔"

خالدؓ بن ولید نے غور سے شویل کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تمہارے پاس حضورؐ کے اس وعدے کی کوئی شہادت بھی ہے"۔

شویل نے کہا۔ "میں جانتا تھا آپ یقیناً مجھ سے یہی سوال کریں گے۔ آپ کے لشکر میں کئی لوگ ہیں جو اس واقعہ سے آگاہ ہیں تاہم میں ان میں سے صرف تین کو اپنے ہمراہ لے کر آیا ہوں"۔

شویل نے اپنے قریب کھڑے خالدؓ بن ولید کے تین لشکری ان کے سامنے پیش کر دیئے۔ ان تینوں نے اس واقعہ کی صحت سے متعلق تصدیق کی۔ جس پر خالدؓ بن ولید نے شویل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تم یہیں رکو، حضورؐ کا وعدہ ضرور پورا ہو گا۔ حیرہ کے چند سردار مجھ سے ملنے آ رہے ہیں۔ میں ان کے سامنے کرامہ کا معاملہ صلح کی ایک شرط کے طور پہ پیش کروں گا"۔ شویل ایک طرف ہٹ کر بیٹھ گیا تھا۔

○

اہلِ حیرہ کے دونوں سردار عدی بن عدی اور عمرو عبدالمسیح خالدؓ بن ولید کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دونوں آپ کے سامنے زمین پر آ کر بیٹھ گئے۔ خالدؓ بن ولید نے پہلے عدی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تم لوگ کون ہو؟ اگر تم عرب ہو تو پھر ہم عربوں کے ساتھ تمہاری عداوت کیسی اور اگر عجمی ہو تو عدل و انصاف سے تمہیں کیوں دشمنی ہے"؛

عدی نے مؤدب ہو کر کہا۔ "ہم عرب عاربہ ہیں۔ ہاں حیرہ شہر میں کچھ متعرب (بنے ہوئے عرب) بھی ہیں"۔

خالدؓ بن ولید نے پوچھا۔ "اگر تمہارے قول میں کوئی صحت ہے تو پھر عربوں سے عربوں کو کیوں لڑاتے ہو"؛

عدی نے کہا۔ "میں آپ سے جھوٹ نہیں کہتا۔ ہم بجز عربی کے اور کوئی زبان نہیں بولتے جو اس کا ثبوت ہے کہ ہم آپ کی طرح عرب ہیں۔ آپ سے کوئی عداوت نہیں رکھتے۔ جو کچھ ہوا اسے بھول جائیے"۔

خالدؓ بن ولید نے کہا: "اگر یہ معاملہ ہے تو پھر تین چیزوں میں سے ایک کو اختیار کر لو۔ اوّلاً ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ۔ اس صورت میں ہمارے اور تمہارے حقوق ایک جیسے ہوں گے۔ ثانیاً جزیہ دینا قبول کر لو۔ ثالثاً اگر پہلی دونوں پیشکش قبول نہ ہوں تو پھر لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ کیوں کہ قسم مجھے اپنے خالقِ واحد کی میں تمہارے مقابلے کے لیے ایسی قوم کو لایا ہوں جو موت کی اس سے زیادہ فریفتہ ہے جتنے تم زندگی کے لیے بیتاب اور شوقین ہو اور سنو میں تمہیں پہلے سے خبردار کرتا ہوں کہ اگر تم ہمارے ساتھ جنگ کرو گے تو تمہاری حالت ان لشکروں سے مختلف نہ ہو گی جو اس سے قبل ہم سے ٹکرا چکے ہیں۔"

عدی بن عدی نے گردن جھکاتے ہوئے کہا: "ہم آپ کو جزیہ ادا کرتے ہیں۔"

خالدؓ بن ولید نے کہا: "کم بختو! تم پر افسوس ہے۔ کفر گمراہی کا ایک میدان ہے۔ احمق ترین عرب وہ ہے جو اس میدان میں بھٹکنا پسند کرے جب کہ اسے دو رہنما ملیں ایک عربی مگر وہ اسے چھوڑ دے اور دوسرا عجمی جس سے وہ راہنمائی طلب کرے۔ مجھے تمہارے اس جواب سے دُکھ ہُوا ہے۔ تم لوگوں سے مجھے ایسی اُمید نہ تھی۔"

عدی بن عدی کے بعد خالدؓ بن ولید عمرو عبدالمسیح کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کی کمر سے چھوٹی سی ایک تھیلی بندھی ہوئی تھی۔ آپ نے پوچھا: "تمہاری کمر میں یہ تھیلی کیسی بندھی ہوئی ہے؟"

عمرو عبدالمسیح نے کہا: "یہ زہرِ قاتل ہے۔"

خالدؓ بن ولید نے پوچھا: "یہ کیوں ساتھ لائے ہو؟"

عمرو نے کہا: "مجھے اندیشہ تھا کہ شاید آپ لوگ ہمارے ساتھ کوئی توہین آمیز سلوک کریں تو میں اسے کھا کر اپنے آپ کو موت کی نیند سُلا دوں اس لیے کہ میں اپنی قوم اور اہلِ وطن کی توہین کے مقابلے میں موت کو ترجیح دیتا ہوں۔"

خالدؓ بن ولید نے کہا: "کوئی متنفس اپنی موت سے پہلے نہیں مر سکتا۔" پھر خالدؓ بن ولید نے عمرو سے زہر کی وہ تھیلی لے لی اور دانہ نما وہ زہر انھوں نے اپنی ہتھیلی پر

اور یہ دُعا پڑھنا شروع کی۔

"اس کے نام سے جس کا نام بہترین، جو زمین و آسمان کا رب ہے
جس کے نام کی برکت سے ہمیں کوئی بیماری مضرت نہیں پہنچا سکتی
جو رحمٰن اور رحیم ہے۔"

پھر وہ زہر آپ نے اپنے منہ کی طرف بڑھایا۔ عدیم اور مثنیٰ آگے لپکے کہ اپنے امیر کو ایسا کرنے سے روکیں۔ پھر ان کی پہنچ سے قبل ہی خالدؓ بن ولید نے وہ زہر اپنے منہ میں ڈال لیا اور اسے نگل گئے۔

عمرو عبدالمسیح یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا اور اس نے بلند آواز میں کہا: "اے عربو! بخدا تم جس چیز کو چاہو اس کے مالک بن سکتے ہو کوئی چیز تمہاری راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔"

خالدؓ بن ولید نے عمرو بن عبدالمسیح کو پھر مخاطب کرتے ہوئے پوچھا: "کیا تم بھی عدی بن عدی کی طرح جزیہ دینے پر آمادہ ہو؟"

عمرو بن عبدالمسیح نے کہا: "ہاں، میں جزیہ دینا قبول کرتا ہوں۔"

خالدؓ بن ولید نے کہا: "اگر ایسا ہے تو اپنی بیٹی کرامہ کو بلاؤ۔"

عمرو نے کہا: "یہ شرائط طے کرنے سے میری بیٹی کرامہ کا کیا تعلق؟"

خالدؓ بن ولید نے کہا: "تم پہلے اپنی بیٹی کو بلاؤ پھر بتاتا ہوں۔"

عمرو عبدالمسیح نے اپنے قریب کھڑے اپنے ایک غلام سے کہا: "بھاگ کر جاؤ اور میری بیٹی کرامہ کو ساتھ لے کر آؤ۔"

عمرو عبدالمسیح کا وہ خادم بھاگتا ہوا وہاں سے چلا گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد عمرو عبدالمسیح کی بیٹی کرامہ وہاں پہنچی۔ وہ ایک بوڑھی خاتون تھی۔ اپنے باپ عبدالمسیح کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

کرامہ کے طلب کیے جانے پر اہلِ حیرہ میں سے بہت سے لوگ بھی وہاں جمع ہو گئے تھے۔

خالدؓ بن ولید نے کہا: "میں اس شرط پر تمہارے ساتھ صلح کرتا ہوں کہ تم جزیہ ادا

کرنے کے ساتھ کرامہ کو ہمارے ایک شخص شویل کے حوالے کر دو"۔

کرامہ کے باپ عمرو عبدالمسیح نے جب اس کی وجہ پوچھی تو خالدؓ بن ولید نے جواب میں حضورؐ کی حیرہ شہر کے فتح ہونے کی پیش گوئی اور شویل کے ساتھ کرامہ کی حوالگی کی پوری داستان سُنا ڈالی۔

عمرو بن عبدالمسیح سوچوں میں کھو گیا۔ اہل حیرہ اس کے خلاف احتجاج کرنے لگے تھے آخر کرامہ اُٹھی اور اپنے خاندان والوں کے علاوہ اس نے وہاں جمع اہلِ حیرہ کو مخاطب کر کے کہا۔ "میں ایک بوڑھی عورت ہوں، میرے متعلق تم لوگ کوئی خطرہ اور خوف محسوس نہ کرو۔ صبر سے کام لو۔ اسی میں ہماری بہتری اور نجات ہے۔ میرے خیال میں جو شخص میری حوالگی چاہتا ہے اس نے مجھے کہیں جوانی میں دیکھا ہو گا۔ اب اسے شاید خبر نہیں جوانی ہمیشہ تو نہیں رہتی۔

پھر کرامہ نے اپنے باپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اے میرے باپ! صلح کی اس شرط کو میں بخوشی قبول کرتی ہوں"۔

آخر اہلِ حیرہ کے ساتھ صلح ہو گئی۔ اہلِ حیرہ نے جزیہ کی رقم کے ساتھ کرامہ بھی پیش کر دی۔ خالدؓ بن ولید نے کرامہ کو شویل کے حوالے کر دیا۔

کرامہ جب شویل کے پاس آئی تو اس نے شویل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اے اللہ کے نیک دِل بندے! تو نے مجھے کب اور کہاں دیکھا"۔

شویل نے کہا۔ "اے خاتون! ایک عرصہ پہلے کی بات ہے۔ میں حیرہ شہر میں تجارت کی غرض سے آیا تھا اور تجھے گھوڑ سواری کرتے دیکھا تھا، تب سے میں تیرا گرویدہ تھا۔ دیکھو قسمت کا انقلاب کہ آج میں نے تجھے حاصل کر لیا۔

کرامہ نے کہا۔ "تم جوانی میں مجھے مانگتے تو کوئی بات بھی تھی۔ اب تم بھی بوڑھے ہو چکے ہو اور میں بھی اب تمہارے کس کام کی؟"

شویل نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔ "جب میں نے تمہیں دیکھا تھا تب جوان تھیں۔ تمہاری خاطر میں حیرہ شہر میں کچھ دن نا مُدرک گیا تھا۔ اِن دِنوں شہر کے وسط میں

کسی دیوی کا ہیکل تھا۔ تم اس ہیکل میں جایا کرتی تھیں اور میں تمہارے سامنے آئے بغیر تمہارا تعاقب کیا کرتا تھا۔

تم اس ہیکل کے آستانہ پہ پُرانی شراب، خوشبودار تیل چڑھانے اور سفید سنگِ مرمر کی بنی اس دیوی کے نام پر چنبیلی و گلاب کی نذر چڑھانے جایا کرتی تھی اور میں کبھی ہیکل کے دروازے اور کبھی زیتون کے درختوں میں چھُپ کر تمہیں دیکھا کرتا تھا۔

آہ! یہ بڑھاپا بھی کیسی نامراد شے ہے۔ جوانی کی عظمتوں کے احترام اور زندگی کی محبت کا مذاق اُڑاتا ہے۔ پہلے انسانی جسم کی حالت بوسیدہ ہڈیوں کے قلعی شدہ قبرستان جیسی کرتا ہے۔ پھر ہر رسم و رواج پر تین حرف بھیج کر اور ہر جذبے کا مذاق اُڑا کر موت اور نیستی کے حوالے کر دیتا ہے۔

اے خاتون! جب میں مسلمان نہ تھا تو اندھا تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد میرے ذہن سے حقائق کی طرف سے اندھاپن جاتا رہا۔ اے خاتون! اب جب کہ ہم دونوں بوڑھے ہیں اور موت کے منتظر ہیں اور موت گھروں کی برکت، گہری رفاقت، چنبیلی جیسی روح، ہر غر یدار اور شیریں خواہش پابندِ سلاسل کر کے یاس کے بھنور اور فنا کے تنگ و تاریک زنداں میں ڈال دیتی ہے۔

آہ تمہیں دیکھنے سے پہلے اور پالینے کی خوشی میں میری حالت بھوکے کے لیے نوالے کی سکراہٹ جیسی تھی۔ اب تجھے دیکھ کر احساس ہُوا کہ بڑھاپا انسان کو عود و لوبان کی طرح سلگاتا ہوا زندگی کی دشوار گزار وادیوں میں لا پھینکتا ہے اور پھر انسان آبِ حیات پی کر بھی فرشتہ تو نہیں بن سکتا۔

اے خاتون! کبھی تُو بھی دیوی کی پُرجلال مُورتی جیسی تھی۔ اب بوڑھی ہے۔ میں تیرے آرام، اپنوں سے رفاقت کو خراب نہ کروں گا۔ میں تمہیں آزاد کرتا ہوں۔ تم اپنے خاندان والوں کے پاس جا سکتی ہو۔ اب ہم دونوں کا انجام یہی ہے کہ اپنوں میں رہ کر اپنے جسم کی فنا اور قبر کی راحت کا انتظار کریں"۔

کرامہ نے شویل سے کہا۔ "میں آپ کے خیالات کی قدر کرتی ہوں۔ اگر میں اپنی

خوشی سے کوئی چیز آپ کو ہدیہ میں دوں تو آپ قبول کرلیں گے ؟"

شویل نے کہا۔" ہاں "۔

کرامہ نے شویل کو ایک ہزار درہم دیئے اور شویل کے پاس سے اُٹھ کر اپنے گھر چلی گئی۔

خالدؓ بن ولید نے چند ہفتے حیرہ شہر میں قیام کیا۔ اہل حیرہ پر اس قیام کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ اور مسلمانوں کے اخلاق و اطوار سے متاثر ہو کر بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔

اس دوران خالدؓ بن ولید کے پاس خبریں آنے لگیں کہ انبار شہر میں دشمن کی افواج کا تماع ہونے لگا ہے اور کسریٰ ایران نے انبار شہر کے حاکم شیر زاز کو پیغام بھجوایا کہ وہ ایک ہزار لشکر تیار کرکے مسلمانوں کا مقابلہ کرے اور ان کی پیش قدمی کو روک کر انہیں ان کے صحراؤں کی طرف واپس جانے پر مجبور کر دیا جائے۔

خالدؓ بن ولید چاہتے تھے کہ دشمن کو اپنے گرد زیادہ قوت جمع کرنے کا موقع نہ دیں لہٰذا وہ حیرہ شہر سے کوچ کرنے کی تیاریاں کرنے لگے۔

خالدؓ بن ولید کا لشکر حیرہ شہر سے باہر خیمہ زن تھا۔ اور جب وہ گھوڑے پر سوار ہو کر لشکر کو کوچ کا پیغام دے رہے تھے تو اہل حیرہ شہر سے باہر نکل کر مجاہدوں کے تیاری کرنے اور ساتھ ساتھ اللہ اکبر پکارنے کے منظر کو بڑے شوق سے دیکھ رہے تھے۔

جس وقت عدیم کا خیمہ اکھاڑ کر ایک اونٹ پر لادا جا چکا تھا اور عدیم، سیریا، یوہام

اور نباط جو اپنے بچے کو اُٹھائے وہیں کھڑے تھے کہ ایک ادھیڑ عمر کا شخص بھاگتا ہُوا وہاں آیا۔ یوعام نے آگے بڑھ کر اس سے مصافحہ کیا اور عدیم سے کہا۔ "یہ حیرہ شہر میں میرے ہمسلے ہیں۔ عدیم نے بھی آگے بڑھ کر اس سے مصافحہ کیا۔

اس آنے والے ادھیڑ عمر کے شخص نے کہا۔ "یوعام! یوعام! تم اپنے گھر سے نکل کر لشکر میں اس خدشے کے تحت آگئے تھے کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے شاید شہر میں تجھے کوئی نقصان پہنچائے۔ اب صرف ہم نے ہی نہیں ہمارے محلے کے تقریباً تمام لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی شہر کی اکثریت مسلمان ہو چکی ہے تو ایسے میں اے میرے عزیز! تم اپنے گھر چل کر رہو۔ تمہارا بچّہ ابھی معصوم ہے، لشکر میں نباط بے چاری اسے کہاں کہاں اٹھائے پھرنے کی زحمت برداشت کرے گی اور پھر میرے اہلِ خانہ بھی نباط اور تمہارے بچّے کی غیر حاضری کے باعث اُداس اور پریشان ہیں۔"

قبل اس کے یوعام جواب میں اُسے کچھ کہتا، عدیم نے یوعام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "یوعام! یوعام! یہ ٹھیک کہتے ہیں۔ تم نباط اور بچّے کو لے کر ابھی اور اسی وقت اپنے گھر کی طرف چلے جاؤ۔ وہاں اپنے گھر میں تم نباط کے ساتھ رہو——

اس موقع پر اس آنے والے نے بیچ میں بولتے ہوئے کہا۔ اگر یوعام لشکر میں شامل ہونا چاہے تو بڑے شوق کے ساتھ شامل ہو جائے۔ نباط ہماری بیٹی ہے۔ ہم خود اسے سنبھال لیں گے۔ اسے ہر چیز لا کر دیں گے۔ اسے کسی چیز کی کمی محسوس نہ ہونے دیں گے۔"

عدیم نے اپنی گفتگو مکمّل کرتے ہوئے پھر کہا۔ "ہاں یوعام! تو میں کہہ رہا تھا، تم نباط کے ساتھ کچھ عرصہ اپنے گھر میں رہو اور جب تک محسوس کرو کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے حیرہ شہر میں رہنا کسی خطرے اور اندیشے کا باعث نہیں تو تم دوبارہ لشکر میں شامل ہو سکتے ہو۔"

یوعام نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "میں تمہاری رائے سے اتفاق کرتا ہوں۔ میں ایسا ہی کروں گا۔"

پھر یوعام، عدیم کے ساتھ پرجوش انداز میں بغل گیر ہُوا۔ سیریا اور نباط ایک دوسرے کو گلے لگا کر ملیں۔ پھر یوعام اور نباط اپنے گھر کی طرف چلے گئے۔ عدیم اور سیریا اپنے لشکر کے

ساتھ وہاں سے کُوچ کر گئے تھے۔

○

انبار شہر کی طرف کُوچ کرتے ہوئے راستے میں اونٹنیوں کے بچّے دینے کا موسم آ گیا تھا۔ لہٰذا لشکر کی اکثر اونٹنیوں نے بچّے دیئے جس کے باعث لشکر کا لگاتار کُوچ کرنا مشکل ہو گیا تھا لیکن یہاں بھی خالد بن ولید کی فطری دانش مندی اور جنگی فراست کام آئی۔ آپ نے اپنے لشکر میں مُنادی کرا دی کہ اونٹنیوں کے بچّوں کو اونٹوں پر لاد کر کُوچ کو جاری رکھا جائے۔

خالدؓ بن ولید کی یہ تدبیر انتہائی مناسب اور کامیاب ثابت ہوئی۔ اونٹنیوں کے بچّوں کو اونٹوں پر لاد دیا گیا تھا اور اونٹنیوں کو ان کے پیچھے لگا دیا گیا تھا۔ اس طرح اونٹنیاں اپنے بچّوں کو اپنے آگے آگے دیکھ کر ان کے تعاقب میں تیزی سے آگے بڑھنے لگی تھیں۔ اس طرح لشکر کے آگے بڑھنے کی رفتار پہلے کی نسبت زیادہ تیز ہو گئی تھی۔

انبار شہر کے حاکم شیر زاز کو خبر ہو گئی تھی کہ مسلمان بڑی تیزی سے انبار شہر کی طرف بڑھتے ہوئے آ رہے ہیں۔ لہٰذا اپنے دفاع کو مضبوط کرنے اور شہر کو مسلمانوں سے محفوظ کرنے کی خاطر اس وقت اس نے شہر کے گرد ایک گہری اور چوڑی خندق کھدوا کر اس میں پانی بھر دیا تھا۔

شیر زاز ایک انتہائی دانش مند، معزز، شجاع اور عرب و عجم میں ہر دل عزیز ایک قابلِ تسخیر ایرانی سمجھا جاتا تھا۔ شہر کے گرد خندق کھودنے اور اس میں پانی بھر دینے پر ہی اس نے اکتفا نہ کیا بلکہ شہر کے دفاع کو اور مضبوط بنانے کی خاطر اس نے شہر کی فصیل اور خندق کے درمیانی حصّے میں جگہ جگہ مٹی کے دمدمے بنا دیئے تاکہ مسلمان یہاں آ کر اگر خندق کو مٹی سے بھر کر عبور کرنے کی کوشش کریں تو دمدموں کے پیچھے محفوظ رہ کر ان پر ایسی شدید اور جان لیوا تیر اندازی کی جا سکے کہ وہ خندق بھرنا تو ایک طرف خندق کے نزدیک بھی نہ آ سکیں۔

اس کے علاوہ شیر زاز نے دومۃ الجندل اور ارد گرد کے دیگر شہروں سے بھی کمک طلب کر کے اس قدر لشکر انبار شہر میں اکٹھا کر لیا کہ اتنے ایرانی پہلے کبھی جمع نہ ہوئے تھے۔ شہر کے اندر لشکر کے ٹھہرنے کی جگہ نہ رہی تھی۔ لہٰذا اسے فصیل سے باہر خیمے

نصب کر کے باہر سے آنے والے مزید لشکریوں کی رہائش و آسائش کا انتظا-

خالدؓ بن ولید جب اپنے لشکر کے ساتھ انبار پہنچے تو اس وقت بھی اونٹنیوں کے بچے انہوں نے اونٹوں پر باندھ کر سوار کر رکھے تھے۔

انبار شہر کے اندر جو نصرانی عرب تھے انہیں جب خالدؓ بن ولید کے لشکر کے آنے کی خبر ہوئی تو وہ فصیل پر چڑھ کر دیکھنے لگے۔ انہوں نے جب اونٹنیوں کے بچوں کو اونٹوں پر سوار دیکھا تو وہ فصیل پر کھڑے ہو کر شور کرنے لگے۔

"اے اہلِ انبار آج کا دن اہلِ انبار کے لیے بہت بُرا ہے۔ ہم ایک ناممکن کام دیکھ رہے ہیں۔ اونٹوں پر اونٹوں کے بچے لدے ہوئے ہیں جنہیں اونٹنیاں دودھ پلاتی ہیں۔"

شیرزاز بھی اس وقت فصیل پر موجود تھا اور مسلمانوں کو خندق کے اس پار پڑاؤ کرتے دیکھ رہا تھا۔ ایک اور نصرانی عرب نے چلاتے ہوئے کہا "قسم خداوند خدا کی، جنہوں نے بچوں کو اونٹوں پر سوار کرنے کا ناممکن کام کیا ہے وہ اس شہر کو ضرور فتح کر لیں گے۔"

اس پر شیرزاز ان عربوں کے پاس آیا اور انہیں ڈانٹ کر چپ کراتے ہوئے اس نے کہا۔ "میں قسم کھا کر کہتا ہوں میں شہر کی حفاظت میں اپنی جان کی بازی لگا دوں گا اور ان مسلمانوں کو یہاں سے مار بھگاؤں گا۔ تم لوگ بخوبی جانتے ہو، میں ساباط کا رئیس شیرزاز ہوں اور کبھی بھی کسی معرکے میں مجھے شکست نہیں ہوئی۔"

شیرزاز فصیل سے نیچے اُتر گیا۔ پہلے اس نے فصیل اور خندق کے درمیان بنائے مٹی کے دمدموں کی آڑ میں اپنے بہترین تیرانداز بٹھا دیے اور ان کے پاس تیروں کے علاوہ کھانے پینے کی اشیا کے ڈھیر لگا دیے تھے۔ اس کے بعد شیرزاز پھر شہر میں آیا۔ اور ایک تنظیم اور ضبط کے ساتھ اس نے فصیل کے اُوپر اپنے لشکر کو متعین کر دیا تھا۔ فصیل کے اُوپر شیرزاز نے پہلے ہی تیروں کے علاوہ پتھروں کے ڈھیر لگا رکھے تھے تاکہ مسلمان اگر کسی طور خندق کو عبور بھی کر لیں تو فصیل کے اُوپر سے ان پر تیروں اور

بھردن ی بارش کر کے انہیں پسپا ہونے اور بھاگنے پر مجبور کر دیا جائے۔ اس کے علاوہ یرزاز نے چند تیز رفتار قاصد امداد طلب کرنے کے لیے مدائن کی طرف روانہ کر دیئے تھے۔

مدائن میں حیرہ شہر کے فتح ہونے کی خبر سُن کر کسریٰ ایران خسرو چہارم مر گیا اور اس جگہ فرخ زاد کو ایران کا نیا بادشاہ بنایا گیا۔ نئے کسریٰ فرخ زاد نے بہمن جازویہ کو خالدؓ بن ولید کے ساتھ ٹکرانے سے پہلو تہی کر کے جابان کے حوالے لشکر کر کے مدائن طرف چلا گیا۔ اپنی افواج کا سپہ سالار مقرر کر دیا تھا تاہم شیرزاز مطمئن تھا اسے یقین تھا کہ اگر مُسلمانوں نے زیادہ زور بھی ڈالا تب بھی وہ مدائن سے کمک آنے تک مسلمانوں کو خندق سے باہر روکے رکھے گا اور کمک آنے کے بعد مسلمانوں کو بھگانا آسان ہو جائے گا۔"

خندق سے ذرا ہٹ کر خالدؓ بن ولید اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن ہوئے۔ پھر اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر انہوں نے خندق کا چکر لگا کر اس کا جائزہ لیا۔ ایک جگہ انہوں نے دیکھا خندق کا ایک حصّہ دوسروں کی نسبت کم چوڑا تھا۔ لہٰذا انہوں نے ہاں سے خندق عبور کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

دوپہر کے قریب آپ نے اپنے لشکر کے ایک حصّے کو آگے بڑھایا اور خندق عبور کرنے کی کوشش کی۔ لیکن سامنے کی طرف سے دمدموں کی آڑ میں ایسی تیراندازی ہوئی کہ مُسلمانوں کو رُک جانا پڑا۔

خالدؓ بن ولید نے خندق عبور کرنے والوں کو روکا اور انہیں حکم دیا کہ اپنے سامنے اپنی ڈھالیں رکھیں اور گھوڑوں کو پانی میں ڈال دیں اور خندق عبور کریں۔ ڈھالیں آگے جما کر خندق کو عبور کرنے کی ترکیب بھی ناکام ہو گئی۔ کیوں کہ دائیں بائیں کے دمدموں کی طرف سے مسلمانوں کے اطراف میں ایسی سخت تیراندازی ہوئی کہ کئی لشکری کام آ گئے باقی کو خالدؓ بن ولید نے واپس بُلا کر اس طریقے سے خندق عبور کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔

اسی روز مغرب کی نماز کے بعد خالدؓ بن ولید نے خندق کے قریب کھلے آسمان تلے ایک مجلسِ شوریٰ طلب کی ۔ مثنیٰ ، عدیم اور چند دیگر اصحاب جب آپ کے پاس آ کر بیٹھ گئے تو خالد بن ولید نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا ۔

" میرے رفیقو ! تم نے دیکھا ہم نے ہر طرح سے کوشش کر دیکھی لیکن ہم اس خندق کو پار نہیں کر سکے ۔ اس کی دو وجوہات ہیں ۔ ایک تو خندق کافی گہری ہے دوسرے خندق کے اس پار اہلِ انبار نے مٹی کے دمدمے بنا رکھے ہیں اور ان دمدموں کی آڑ سے وہ تیر اندازی کر کے ہماری ہر کوشش کو ناکام بنا دیتے ہیں ۔ جب تک ہم اس خندق کو پار نہیں کرتے اس وقت تک ہم چین سے نہیں بیٹھیں گے ۔

سنو میرے ساتھیو ! انبار شہر کے حاکم شیر زاز نے کچھ تیز رفتار قاصد مدائن روانہ کر رکھے ہیں تاکہ وہاں سے ہمارے خلاف کمک حاصل کی جائے ۔ اس خندق کو عبور کرنے میں ہم جتنی تاخیر کریں گے ہمارے لیے اسی قدر مصائب میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا ۔ اگر مدائن سے کمک آ گئی تو ہماری حالت اس اناج جیسی ہو گی جو چکی کے دو پاٹوں کے درمیان آ گیا ہو ۔ ایک طرف مدائن سے آنے والی کمک ہم پر شب خون مارے گی اور دوسری طرف شیر ناز انبار شہر سے نکل کر ہمارے خلاف اپنے انتقامی جذبوں کی آگ ٹھنڈی کرے گا ۔"

خالدؓ بن رُک کر ذرا اپنے ساتھیوں کا جائزہ لے کر پھر کہہ رہے تھے ۔ میں چاہتا ہوں کہ آج کی رات اپنے لشکر کو مکمّل آرام کرنے کا موقع دیا جائے اور آنے والی صبح نمازِ فجر کے بعد اس خندق کو عبور کر کے انبار شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی جائے ۔ اس خندق کو عبور کرنے کی میرے پاس ایک ترکیب بھی ہے شاید تم لوگ اسے پسند کرو ۔"

عدیم نے کہا ۔" آپ کہیئے ہم اس پر عمل کریں گے ۔"

خالدؓ بن ولید نے دوبارہ کہا ۔" خندق کو عبور کرنے کا اب صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ اس کو پاٹ کر اس کے اندر اپنے لشکر کے گزرنے کا راستہ بنایا جائے

کہ اب سوچنا یہ ہے کہ اسے کاہے سے پاٹا جائے ۔ اس میں ہم مٹی نہیں بھر سکتے ۔ ایک تو اس ں وقت زیادہ لگے گا ، دوسرے دشمن ہمیں ایسا نہ کرنے دے گا کیوں کہ وہ تیر اندازی کر کے نہ ہی ہمیں مٹی حاصل کرنے کے لیے خندق کے پاس کھدائی کرنے دے گا ، نہ ہی وہ ہمارے شکریوں کو اس قدر مہلت دے گا کہ وہ مٹی خندق میں ڈال کر اس میں سے گزرنے کے لیے راستہ بنا سکیں اس لیے خندق میں مٹی بھر کر اپنے لیے راستہ بنانا خارج از امکان ہے ۔

اب خندق کو عبور کرنے کا ایک دوسرا طریقہ بھی ہے اور وہ یہ کہ آنے والی صبح فجر کی نماز کے بعد خندق کے کنارے اُونٹ ذبح کیے جائیں ۔ دشمن کے لشکری یہی گمان کریں گے کہ ہم اپنے لشکر کے لیے کھانا تیار کرنے کی خاطر اونٹ ذبح کر رہے ہیں ۔ پھر جب اونٹوں کی مناسب تعداد ذبح ہو جائے تو انہیں ایک دم خندق میں پھینک کر ان کے اُوپر سے گزر کر دشمن پر حملہ کر دیا جائے ۔ بس میرے ذہن میں تو یہی ایک ترکیب ہے جس سے کام لے کر ہم موجودہ صورتِ حال پر قابو پا سکتے ہیں ۔ اگر تم میں سے کسی کے پاس اس کے علاوہ کوئی اور قابلِ عمل ترکیب ہو تو کہیئے تاکہ اس پر عمل کیا جا سکے ۔"

سب سے پہلے عدیم نے کہا ۔" بخدا خندق کو عبور کرنے کی اس سے بہتر اور ترکیب کیا ہو سکتی ہے ۔"

مثنیٰ نے بھی کہا ۔ میں آپ کی اس ترکیب سے مکمّل طور پر اتفاق کرتا ہوں ۔" اس کے بعد دوسرے اصحاب بھی خالدؓ بن ولید کی اس ترکیب کی تائید کر رہے تھے ۔

خالدؓ بن ولید نے کہا ۔" الحمدُ اللہ ہم کسی تجویز پر باہم متفق ہوئے ۔ اب اپنا عمل کا لائحہ عمل سنو ۔ لشکر کو حکم دے دیا جائے کہ آنے والی صبح فجر کی نماز کے بعد ہر لشکری اپنے جنگی لباس میں ہو گا ۔ پورا لشکر اپنی سابقہ ترتیب کے ساتھ خندق کے قریب اس جگہ آ کر بیٹھ جائے جہاں ان سے آگے خندق کے کنارے اُونٹ ذبح کیے جا رہے ہوں گے ۔ جونہی لشکری دیکھیں کہ اونٹوں کو ذبح کر کے خندق میں ڈال دیا گیا ہے تو وہ اُٹھ کر بھاگ کھڑے ہوں ۔ اور اونٹوں کے اوپر سے گزرتے ہوئے خندق کو پار کر جائیں ۔ ہاں اس امر کا خیال رہے کہ اپنے لشکریوں کو پُر زور تاکید کی جائے کہ آگے بڑھ کر خندق عبور کرتے وقت اپنی ڈھالوں کو اپنے

سامنے رکھیں تاکہ وہ دشمن کی تیر اندازی سے محفوظ رہیں

خالدؓ بن ولید ذرا رک کر پھر کہہ رہے تھے۔ خندق کو عبور کرنے کے بعد لشکر فوراً ہی اپنے تین حصوں میں بٹ کر حرکت میں آئے گا۔ قلب میرے پاس۔ میمنہ مثنیٰ کے پاس اور میسرہ عدیم کے پاس ہوگا اور خندق کے اس پار بھی جنگ کی ترتیب یہی رہے گی تھوڑی دیر بعد لشکر سے چند دستے ایسے متعین کر دیئے جائیں گے۔ جو ہمارے خندق پار کرنے کے بعد لشکر کی عورتوں اور پڑاؤ کی حفاظت کریں گے۔

اب تم میں سے اگر کسی کو میری اس تجویز کے خلاف کچھ کہنا ہو یا اس کے پاس کوئی اور بہتر تجویز ہو تو کہو ورنہ تم لوگ اٹھ کر آرام کرو۔ کسی نے کچھ نہ کہا اور سب خالدؓ بن ولید کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے تھے۔

○

ازلی اور ابدی قانون کی پابندی کرتے ہوئے رات اپنی ہلاکت خیز لطافتوں کے ساتھ اپنا آنچل دراز کرتی ہوئی وجدان، رجحانات اور میلانات کی دعوت دینے لگی تھی۔ بدنصیبی کے سایوں اور طلسمی غاروں کی طرح گھپ سیاہ اندھیرا یوں پھیل گیا تھا جیسے اس کی جڑیں زمین میں اور شاخیں لامکان تک چلی گئی ہوں۔

ہر شے پر ایک غنودگی، روحانی بیداری اور ترانوں کی بازگشت جیسی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔ اپنے لطیف بازوؤں کی پھڑپھڑاہٹ کے ساتھ طیور کہیں کھو گئے تھے۔ درختوں کے جھنڈ یوں چپ اور خاموش کھڑے تھے گویا وہ ایک عرصہ سے ایسی ہی خوابوں کی فضاؤں، تمنا و تمنا میں ڈوبی تاریک رات کی سرگوشیوں کے منتظر ہوں۔

اُجاڑ اور ویران خانقاہوں کے پاس انگور کے پیچے ایک تکلف اور شائستگی کے ساتھ ہونٹوں پر مسکراہٹ لیے روحوں کی نزہت کا نوازے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ نیلے آسمان پر لرزتے ستارے اپنی نوخیز کہربائی بصیرتوں کے ساتھ راہ گم کردہ مسافروں جیسی حالت میں محبت کے اسرار و عجائب کی تلاش میں لطیف خوشی کے گیت گاتے جا رہے تھے۔

آخر عدم کے تیز رو مسافر کی طرح رات تمام ہوئی۔ مشرق سے سحر کی روشنی نمودار

ہوئی اور رات کے آتش ناک آنسو اس کی آنکھوں ہی میں خشک ہوگئے۔

اسلامی لشکر فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد اپنے پوری جنگی ترتیب کو برقرار رکھے خندق سے ذرا پیچھے ہٹ کر بیٹھ چکا تھا۔ جب کہ خندق کے کنارے اونٹ ذبح ہونے شروع ہو چکے تھے۔ اندھیرے کی غنودگی اب جاتی رہی تھی۔ سورج طلوع ہو رہا تھا اور اک طلسماتی لحن کے ساتھ ہر شے اپنے آپ کو سورج کی پہلی کرنوں سے آشنا کرنے لگی تھی۔

خندق کے اس پار دشمن کے لشکری بھی حرکت کر رہے تھے۔ انبار شہر جاگ اٹھا تھا۔ فصیل کے اوپر رات بھر جاگنے والے اتر چکے تھے اور ان کی جگہ تازہ دم اور نئے لشکری اوپر آگئے تھے۔ دشمن کے خندق کے کنارے اونٹ ذبح ہونے کا کوئی خاص تاثر نہ لیا وہ یہی سمجھے کہ مسلمان اونٹ ذبح کر کے اپنے کھانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ جب کہ اسلامی لشکر فجر کی نماز کے بعد اپنے کھانے سے فارغ ہو چکا تھا۔

انبار شہر کی فصیلیں پرسکون تھیں۔ شہر کے لوگ اپنے معمول کے کاموں میں مصروف ہونے کے لیے جاگ اٹھے تھے۔ تاہم خندق کے اس پار دمدموں کی آڑ میں بیٹھے تیر انداز اپنی اپنی جگہوں پر چاق و چوبند تھے۔

اچانک فضاؤں کے اندر ایک شور، ایک کہرام برپا ہو گیا۔ مسلمان مجاہدوں نے آن کی آن میں ذبح کیے اونٹوں کو خندق میں پھینک کر راستہ بنانے لگے تھے۔ ہزاروں مجاہدین بیک وقت اس کام میں مصروف ہو گئے تھے۔

دمدموں کے پیچھے بیٹھے دشمن کے لشکری جان گئے تھے کہ مسلمان خندق کو ذبح کیے ہوئے اونٹوں سے پاٹ کر انبار شہر پر حملہ آور ہونے والے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے بری طرح تیر اندازی شروع کر دی تھی۔ لیکن بارش کی طرح برستے تیروں میں مجاہدین نے اپنے کئی ساتھیوں کے شہید اور زخمی ہونے کے باوجود خندق کے اس حصے کو اونٹوں سے پاٹ دیا۔

پھر خالدؓ بن ولید کی سرکردگی میں اسلامی لشکر خندق کو پار کر کے اپنی صفیں درست کرنے لگا تھا۔ دمدموں کے پیچھے بیٹھے ہوئے انبار شہر کے ہزاروں تیر انداز بھاگ کر شہر میں داخل ہو گئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمان شہر کے دروازوں تک ان کا تعاقب کریں گے لیکن خالدؓ

ولیدنے ایسا نہیں کیا۔ ایک تو ان کا لشکر ابھی تک درہم برہم تھا۔ اس کی صفیں درست کرنا تھیں۔ دوسرے اس طرح فصیل کے اوپر بیٹھے تیر اندازوں سے مسلمانوں کو کافی نقصان اٹھانا پڑتا اور پھر فصیل سے باہر شیرزاز کے لشکر کا ایک حصہ بھی خیمہ زن تھا۔

شیرزاز نے جب دیکھا کہ خالدؓ بن ولید اپنے لشکر کے ساتھ پانی سے بھری اس خندق کو پار کر چکے ہیں تو اپنے لشکر کے ساتھ وہ شہر کا دروازہ کھول کر باہر نکلا اور مسلمانوں کے سامنے آکر صف آرا ہوا۔

وہ مٹھی بھر اسلامی لشکر کے سامنے جو تعداد میں اس کے اپنے لشکر سے کئی گنا کم تھا محصور رہ کر شاید اپنے نام کے ساتھ کالک نہ لگانا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کھلے میدان میں مسلمانوں سے مقابلہ کر کے انہیں پسپا کرے۔ اور پھر مدائن کی طرف اسے کمک آنے کی بھی امید تھی۔ لہذا مسلمانوں کے مقابلے میں کھلے میدان میں آتے ہوئے وہ مطمئن اور پرسکون تھا۔ اسے یہ بھی اطمینان تھا کہ مسلمانوں کے پیچھے پانی سے بھری ہوئی خندق ہے لہذا وہ انہیں دھکیلتا ہوا پیچھے لے جائے گا اور انہیں خندق میں ڈبو کر رکھ دے گا۔

انبار شہر میں شیرزاز کے پاس اس قدر بڑا لشکر تھا۔ کہ فصیل کے اوپر تیر اور پتھر برسانے والے لشکری اپنی اپنی جگہ پر متعین رہے اور ان کے علاوہ ایک بہت بڑا لشکر شیرزاز لے کر میدان میں اتر پڑا تھا۔ طرفین میں سے کسی نے بھی انفرادی جنگ کی ابتدا نہ کی تھی۔

اپنی صفیں درست کرنے کے بعد شیرزاز نے اپنے پورے لشکر کے ساتھ مسلمانوں پر عام حملہ کر دیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ ایک زوردار حملہ کر کے مسلمانوں کو پسپا ہونے پر مجبور کرے اور خندق میں گرا کر انہیں نقصان پہنچائے لیکن شیرزاز کی ہر تدبیر ناکام رہی۔

خالدؓ بن ولید کی سرکردگی میں مسلمان ساحلی چٹانوں کی طرح ڈٹ گئے تھے۔ وہ سرگوشیاں کرتی فطرت اور کہربائی روشنی کی طرح اپنے رب کے نقیب بن کر دشمن کے سارے ساز اور عشوہ و ناز کو زندگی کے سوز و تپش میں ڈبونے لگے تھے۔

وہ رس بھرے گیتوں کی طرح تکبیریں بلند کرتے ہوئے آگے بڑھنے اور شوخ غزالوں کی طرح ان کے اندر گھس کر میدان جنگ کے ہر ذرے کو خونی نذرانے عطا کر کے اس کی خوفناک خاموشی کو ایک وجدان، ایک طوفان میں بدل رہے تھے۔

انبار شہر اور خندق کے درمیان موت اور نیستی، رخصت اے میرے حبیب! رخصت! پکارتی رہی۔ مسلمان طوفان زدہ سمندر اور مینا روں کے پھیلتے سایوں کی طرح بڑھتے اور دراز ہوتے جا رہے تھے۔ اپنے تیز حملوں سے جلد ہی انہوں نے شیرزاز کے لشکر کی حالت صبح کے وقت تاروں کی دھڑکن، اداس آنگن اور خزاں کے زخم کھاتی کلیوں جیسی کر دی تھی۔

اب سامنے کی طرف سے خالدؓ بن ولید شیرزاز کے لشکر پر آفتاب کی روشنی میں مسکراتے کنول جیسی تازگی کے ساتھ قلعہ شکن گرز بن کر برس رہے تھے۔ وہ اپنی معجزانہ حرکات کے ساتھ گہرے پانیوں سے ابھرتی پیاس بن کر دشمن کے لشکر میں کن فیکون کا سماں پیدا کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

بائیں طرف سے مثنیٰ اپنے میمنہ کے ساتھ اور دائیں طرف سے عدیم اپنے میسرہ کو لیے دشمن کے شباب کے اثرات، وجد و وجدان کے موسم اور ان کے دل کی آرزوؤں کے گلشن کو موت ایسی گہری نیند سلانے لگے تھے۔ وہ خزاں کی سنہری چاندنی، ساحل سے آشنا سمندری لہروں اور ایک انصاف پسند ضمیر بن کر رزم گاہ میں انقلاب سے بھی بالاتر کوئی کیفیت پیدا کرنے کے درپے تھے۔

شیرزاز کا لشکر زندگی کے اسرار میں گم ہوتا رہا۔ موت کی نیند انہیں زندگی کی گم کردہ راہوں میں فروخت کرتی رہی۔ نیستی انہیں پانی میں جھک کر اٹھکیلیاں کرتے بدمجنوں کی طرح چومتی رہی۔ فنا کی لہریں انہیں تیز رو چپوؤں کی طرح کھنگالتی رہیں۔ اور ان کی حالت اس اتھلے پانی جیسی کرتی رہیں جنہیں گھوڑوں نے اپنے سموں سے روند کر پامال کر کے رکھ دیا ہو۔

شیرزاز نے جب مسلمانوں کے لڑنے اور آگے بڑھنے کے لیے بے چین ہونے کے انداز دیکھے تو اس کی حالت اس بدقسمت شخص جیسی ہو گئی تھی جیسے کوڑیالے سانپوں نے ڈس لیا ہو۔ فصیل کے قریب اپنے گھوڑے پر سوار وہ دیکھ رہا تھا کہ مسلمان دور دراز سرزمین کی پرچھائیوں، سمندر کی وسعتوں اور صحرا کی پنہائیوں کی طرح آگے بڑھتے ہوئے اس

کے لشکر پر مترنم آوازوں، بادوں کے مرغزاروں اور شام کے گہرے سایوں کی طرح چھا رہے تھے ان کے حملوں میں چشموں کی تابانی تھی، پاکیزگی کا شرف و امتیاز اور پیکرِ حسن و شباب جیسی تازگی تھی۔ وہ فضاؤں کے قرطاس پر مستقبل کی تحریریں رقم کر رہے تھے۔ شیرزاد کی حالت پاؤں دھونے والے برتن جیسی ہو گئی تھی اور وہ جلتے لوبان کی طرح سلگ اٹھا تھا۔

اپنے آپ کو ناقابلِ تسخیر جاننے والا شیرزاد فصیل کے پاس کھڑا ناکامی کے جہنمی شراروں کا شکار ہو گیا تھا کہ مسلمان لبنان کے صنوبر کی طرح میدانِ جنگ میں جمے ہوئے ہیں اور اس کے اپنے لشکری ان کی سرکش طوفانی یلغاروں کو روکنے میں بُری طرح ناکام ہو رہے تھے۔ تو اس نے اندازہ لگا لیا کہ اگر جنگ تھوڑی دیر تک اور جاری رہی تو مسلمان اس کے لشکر کا صفایا کر کے رکھ دیں گے۔ لہٰذا اس نے اپنے لشکر کو پسپا ہو کر انبار شہر کے اندر محصور ہو جانے کا حکم دے دیا تھا۔

شہر میں محفوظ ہو کر اور شہر کے سارے دروازے بند کر لینے کے بعد شیرزاد نے اپنے سارے لشکر کو فصیل کے اُوپر پھیلا دیا تھا۔ تاکہ مسلمانوں پر تیز تیراندازی کر کے انہیں فصیل کے قریب نہ آنے دیا جائے۔

شیرزاد کے اس طرح ہزیمت اُٹھا کر محصور ہو جانے پر شہر کے اندر ایک کہرام برپا ہو گیا تھا۔ ہزاروں ہاتھ کلیساؤں اور معبدوں میں دیوتاؤں کے سامنے دُعا کے لیے اُٹھ گئے تھے۔ راہب اپنے راہب خانوں اور دوسرے لوگ اپنے سارے وسائلِ معاش کو چھوڑ کر اِدھر اُدھر پریشان اور بکھرے بکھرے پھرتے تھے۔ ان کے چہرے ان کی خاموش تمناؤں اور ان کے جذبات ان کے دکھوں کا اظہار کرتے تھے۔

یہاں خالدؓ بن ولید نے شیرزاد کے جنگی وسائل کو ہی کام میں لایا۔ شیرزاد نے جو مٹی کے دمدمے بنا رکھے تھے ان کے پیچھے خالدؓ بن ولید نے اپنے بہترین اور ایسے تیرانداز کو بٹھا دیا تھا جن کے نشانے بے خطا تھے اور پھر ڈھالوں کی آڑ میں انہوں نے اپنے لشکر کو آگے بڑھایا۔ تاکہ فصیل پر چڑھ کر شہر پر قبضہ کرنے کی کوشش کی جائے۔

شیرزاد نے اپنے تیراندازوں کو حکم دیا کہ وہ فصیل کی طرف بڑھتے ان مسلمانوں پر

...تار تیراندازی کریں کہ مسلمان آگے نہ بڑھ پائیں۔ لیکن اس کے تیرانداز ابھی ...مانیں ہی کھینچ رہے تھے کہ دمدموں کے پیچھے سے خالدؓ بن ولید کے لشکریوں نے ان پر ...تیراندازی کی کہ ان میں سے ایک ہزار[1] کی انہوں نے آنکھیں پھوڑ کر رکھ دیں اور جو ...اور دوسرے زخموں کا شکار ہوئے ان کی تعداد ان کے علاوہ تھی۔

اپنے اس نقصان پر شیرزاد کے لشکری خوفزدہ ہو کر اور چیختے چلاتے ہوئے فصیل ...اتر کر بھاگنے لگے تھے۔ دوسری طرف مسلمانوں نے فصیل پر کمندیں پھینک کر اُوپر چڑھنا ...ع کر دیا تھا۔ شیرزاد نے جو یہ حالت دیکھی تو اس نے فصیل کے چاروں طرف صلح ...سفید پرچم بلند کر دیئے۔

خالدؓ بن ولید نے فوراً فصیل پر چڑھتے اپنے لشکریوں کو روک دیا اور انہیں واپس ...کا حکم دے دیا۔ جب خالدؓ بن ولید کا لشکر ایک جگہ جمع ہو گیا تو شہر کا دروازہ کھلا اور ...زاد اپنے چند محافظوں کے ساتھ اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا اور خالدؓ بن ولید کے پاس آ کر ...نے کہا۔

"میں انبار شہر کا حاکم شیرزاد ہوں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں جنگی بصیرت میں آپ ...مقابلہ نہیں کر سکتا۔ قسم زرتشت کی میں نے اپنی پوری زندگی کبھی کوئی ایسا لشکر نہیں دیکھا۔ ...پ کے لشکر کی طرح ہر خوف و الم ناکی سے بعید ہو کر اپنے مذہب و ملت کی خاطر دشمن ...جانے کا ایسا فن جانتا ہو جس میں کوئی پسپائی کوئی ہزیمت نہ ہو۔ آپ کے لشکری یقیناً ...طرح آگے بڑھے تھے جس طرح ٹیلوں پر سایوں کی چادر پھیلتی ہے یا رات کی تاریکی ہر شے ...نے پَروں میں ڈھانپ لیتی ہے۔ میں آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اگر آپ مجھے اپنے چند ...کے ساتھ انبار شہر سے نکل کر مدائن کی طرف جانے کی اجازت دے دیں تو میں شہر ...کے حوالے کرتا ہوں۔"

خالدؓ بن ولید نے پوچھا۔ "کیا تمہارے شہر میں عرب بھی رہتے ہیں۔ شیرزاد نے

---

[1] ...کی بنا پر اس جنگ کو ذات العیون (آنکھوں والی جنگ) کا نام دیا گیا۔

کہا۔" ہاں انبار شہر میں بہت سے عرب ہیں اور وہ تب سے یہاں آباد ہیں۔ جب بابل کے عظیم عرب بادشاہ بخت نصر نے ان علاقوں پر حملہ کیا تھا۔"

خالدؓ بن ولید نے کہا۔" تمہیں مدائن جانے کی اجازت ہے۔

شیرزاز اپنے محافظوں کے ساتھ واپس لوٹ گیا اور اپنے احباب کو لے کر وہ مدائن کی طرف روانہ ہوگیا۔ انبار شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا اور شہر کے اندر بخت نصر[1] کے زمانے سے وہاں آباد ہونے والے عربوں کی نسل سے جس قدر لوگ تھے انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

[1] طبری اور کچھ دیگر مورخین بھی ان واقعات کی تصدیق کرتے ہیں کہ بختِ نصر کے عہد سے عرب انبار شہر میں آباد تھے۔

شیبانی قبائل کا سردار ہانی اپنی بیوی حذیفہ اور دونوں بچوں عدیم اور لابان کے ساتھ پچھلے چند روز سے بنوسلیم میں نیا بوث، ترمید اور رمینا کے پاس آکر ٹھہرا ہوا تھا۔

ایک روز وہ سب دیوان خانے میں بیٹھے باہم گفتگو کر رہے تھے کہ حویلی کے دروازے پر دستک ہوئی۔ ترمید دیوان خانے سے اُٹھ کر باہر گیا اور جب اس نے حویلی کا دروازہ کھولا تو وہاں ایک جوان اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے کھڑا تھا۔

ترمید کو دیکھتے ہی اس جوان نے کہا۔" میرا تعلق بنوشیبان سے ہے۔ میں اپنے سردار ہانی سے ملنا چاہتا ہوں۔ میرے پاس ان کے لیے ایک بہت بڑی خوش خبری ہے۔"

ترمید نے کہا۔ اگر ایسی کوئی بات ہے تو اندر آکر بیٹھو اور آرام سے گفتگو کرو۔"

اس جوان نے کہا۔" میں بیٹھوں گا نہیں، میرے کچھ ساتھی آپ کی بستی سے باہر کھڑے ہیں۔ ہم لوگ عمرہ کی غرض سے مکہ جا رہے ہیں اگر زحمت نہ ہو تو سردار ہانی کو یہیں بلا لیں۔ میں ان سے بات کر کے لوٹ جانا چاہتا ہوں۔ اگر میں بیٹھ گیا تو میرے ساتھی انتظار کی کوفت پر پریشان ہوں گے۔"

ترمید نے کہا" جیسی تمہاری مرضی، میں ہانی کو باہر بلاتا ہوں، پر کیا ہی اچھا ہوتا اگر

تم اندر آکر اس سے گفتگو کر لیتے۔"

اس جوان نے کہا۔ "میں اندر آتا ہوں۔ پر وعدہ کریں کہ آپ لوگ مجھے زیادہ دیر نہ روکیں گے۔"

ترمید نے کہا۔ "میں تمہیں وعدہ دیتا ہوں کہ تمہاری مرضی کے خلاف تمہیں یہاں نہ روکا جائے گا۔"

اس جوان نے اپنے گھوڑے کو حویلی کے دروازے کے ساتھ ہی باندھ دیا اور ترمید کے ساتھ چلتے ہوئے اس نے کہا۔ "چلیئے مجھے سردار ہانی سے ملائیے۔"

جب وہ جوان ترمید کے ساتھ دیوان خانے کے پاس آیا تو ہانی نے اسے دیکھ کر پہچان لیا اور وہ اس جوان سے کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اس جوان نے بولنے میں پہل کرتے ہوئے کہا۔

"اے سردار! میں تمہارے لیے خوش خبری لایا ہوں۔ جب تم نے مجھے اور میرے ساتھیوں کو خالدؓ بن ولید کے لشکر میں شامل ہونے کے لیے بھیجا تھا تو روانگی کے وقت تم نے تاکید کے ساتھ کہا تھا کہ ہم ہر اس شخص سے متعلق آپ کو خبر کریں جس کا نام عدیم یا یوعام ہو۔"

اے سردار! ہمیں ایسا کوئی جوان تو نہ ملا جس کا نام عدیم ہو، ہاں ہم نے ایک ایسے جوان کو ضرور ڈھونڈ نکالا ہے جس کا نام یوعام ہے۔"

یوعام کا نام سن کر دیوان خانے میں بستر پر لیٹی ہوئی نیا بوث نے اٹھ کر بیٹھنا چاہا۔ پر حذیفہ نے پیار سے نیا بوث کے کندھے پکڑتے ہوئے کہا۔ "تم لیٹی رہو ماں! تم بیمار ہو۔ بیٹھ نہ سکو گی۔"

نیا بوث بے چاری لیٹی رہ گئی۔ وہ جوان ہانی سے کہہ رہا تھا۔ "اے سردار جن دنوں میں اس یوعام نام کے جوان سے ملا تھا۔ ان دنوں وہ خالدؓ بن ولید کے ایک سردار رمینس کے خیمے میں اپنی بیوی کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا۔ اس کی بیوی کا نام نباط ہے۔ میں نے تفصیل کے ساتھ اس سے گفتگو کی تھی۔ وہ بچپن میں اپنے ماں باپ اور بھائی بہنوں کے ساتھ قسطنطنیہ سے میدا شہر کی طرف سفر کرتے ہوئے رہزنوں کے حملے کے باعث بچھڑ گیا تھا۔

اے سردار! وہ وہی یوعام ہے جس کی آپ لوگوں کو تلاش ہے۔ کیوں کہ اس نے اپنے باپ

...م لابان، ماں کا نام نیا بوث اور بہن کا نام حذیفہ بتایا تھا۔

بیمار ہونے کے باوجود نیا بوث بے چاری چلا اٹھی۔ "آہ وہی میرا بڑا بیٹا ہے۔ مجھے ...ے پاس لے چلو۔ میں اپنے اس چاند کو خود گھر لے کر آؤں گی۔ واہ میرے مولیٰ! رمینس ...گھر کے لیے کیسا خوش قسمت اور مبارک ثابت ہوا کہ میرا بڑا بیٹا یوعام اپنی بیوی کے ساتھ ...ے پاس رہ رہا ہے۔ اے اجنبی! کیا یوعام کی اولاد بھی ہے؟"

اس جوان نے کہا۔ "ہاں، یوعام کا ایک بیٹا ہے۔ پر میں نے اس کا نام نہیں پوچھا۔"

نیا بوث چلانے لگی۔ "مجھے یوعام کے پاس لے کر چلو۔ مجھے میرے بیٹے کے پاس لے چلو ...ری بیماری کی پرواہ نہ کرو۔" میں برسوں کے بچھڑے اپنے بیٹے کو خود جا کر اس حویلی میں ...ؤں گی۔"

حذیفہ نے آگے بڑھ کر نیا بوث کو اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے کہا۔ "اے میری ماں! ...اس حالت میں نہیں ہو کہ سفر کر سکو۔"

وہ اجنبی جوان پھر کہہ رہا تھا۔ "اے سردار! وہ یوعام اب رمینس کے خیمے سے ...ی بیوی اور بچے کے ساتھ اپنے گھر میں منتقل ہو گیا ہے اور اس کا گھر حیرہ شہر میں جھیل ...ف کے شمالی کنارے پر بائیں طرف سے گیارہواں ہے۔ مجھے اب اجازت دیجئے، میں ...تا ہوں۔ میرے کچھ ساتھی بستی سے باہر کھڑے ہیں اور بڑی بے چینی سے میرا انتظار کر رہے ...گے۔ اگر وہ ساتھ نہ ہوتے تو میں کچھ دیر ضرور آپ کے ساتھ بیٹھتا۔ ہم لوگ عمرہ کی ...کے لیے مکہ جا رہے ہیں۔"

ہانی نے کہا۔ "تم نے ہمارے لیے ایک بہت بڑا کام انجام دیا ہے۔ اس کے ...لیے میں تمہارا ممنون ہوں۔"

پھر اس جوان نے ہانی اور ترمید سے مصافحہ کیا۔ اور وہاں سے وہ رخصت ہو گیا تھا۔ ہانی اور ترمید دونوں دیوان خانے میں آکر بیٹھ گئے۔ نیا بوث نے پھر بولتے ہوئے ..."مجھے ساتھ لے کر آج اور ابھی یہاں سے چلو تاکہ میں اپنے بیٹے اور اس کی بیوی بچے ...کو یہاں لاؤں۔ خداوند کریم کیسا مہربان ہے کہ اس نے میرے دوسرے بیٹے سے ملنے کا سامان

بھی کر دیا ہے۔ اس کے لیے میں رمینس کی انتہائی ممنون ہوں کہ اس نے یوعام کو اپنے خیمے میں رکھا۔ جس کے باعث اس آنے والے جوان کو اس کی خبر ہوئی، اور اس نے ہمیں آکر اطلاع کی۔ آہ! رمینس، جب وہ میرے سامنے ہوتا ہے تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے میرا عدیم میرے پاس ہو۔

اس کی سرمگیں چشم سحر میں مجھے ماضی کے اَن گنت نقوش دکھائی دیتے ہیں۔ اس کا چہرہ دیکھ کر میرے دِل پہ لگی جدائی اور تکلیف کی گرہیں کھلنے لگی ہیں۔ کاش وہ میرا بیٹا ہوتا میرا اپنا عدیم ہوتا۔"

نیابوث جب خاموش ہوئی تو ہانی نے کہا۔ "میرے خیال میں کسی کے ساتھ جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف میں اور ترمید جاتے ہیں اور یوعام کو اپنے ساتھ لے آتے ہیں"

اس موقع پر حذیفہ نے بولتے ہوئے کہا۔ "ماں تو بیمار ہے سفر نہیں کر سکتی۔ لہٰذا وہ یہیں گھر پہ رہے گی۔ اس کی دیکھ بھال کے لیے رمیتا بھی یہیں رہے گی مگر میں آپ دونوں کے ساتھ چلوں گی۔ تاکہ میں اپنے بھائی کو پہچان سکوں۔ جب ہم سب بہن بھائی بچھڑے تھے تو اس وقت میں اور یوعام خاصے بڑے تھے صرف ترمید اور عدیم ہی چھوٹے تھے بلکہ عدیم تو بے چارہ بالکل معصوم تھا۔ ابھی اس نے نئی نئی باتیں کرنا سیکھیں تھیں۔ مجھے اُمید ہے میرا بھائی یوعام مجھے پہچان لے گا۔"

نیابوث نے کہا۔ "اگر تم تینوں نے ہی جانا ہے تو پھر اُٹھ کر اپنی تیاری کر داور یہاں سے کُوچ کر جاؤ اور سنو، جلد لوٹ آنا۔ وہاں زیادہ دِن قیام نہ کرنا۔ میں یہاں انتظار میں پریشان رہوں گی اور سنو، آتی دفعہ رمینس اور سیریا سے مل کر بھی آنا تاکہ ان دونوں کی خیریت جان کر میرے دِل کو سکون ہو۔ نہ جانے میرا پیا سا نفس کیوں کر رمینس کو میری رُوح کے اندر کھِلے گلاب کی سوندھی خوشبو کی طرح سمو رہا ہے۔" ہانی، ترمید اور حذیفہ وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی تیاری کرنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد وہ وہاں سے کُوچ کر رہے تھے۔

○

انبار شہر پر قبضہ کرنے کے بعد خالدؓ بن ولید وہاں اپنی حالت خوب مستحکم کر چکے

تھے کہ نیا کسریٰ ایران حرکت میں آیا اور اپنے ایک عمدہ ترین جرنیل مہران[1] کو ایک جرار لشکر دے کر خالدؓ بن ولید کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ ساتھ ہی اس نے ایرانی سرحد کے ساتھ ساتھ آباد عرب قبائل بنو نمیر، بنو تغلب اور بنو ایاد کی طرف قاصد روانہ کیے کہ اگر تم لوگ اپنے گھروں میں سلامتی کے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو مسلمانوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہو اور خالدؓ بن ولید کے خلاف جنگ کرنے کے لیے میرے جرنیل مہران کی مدد کرو۔"

کسریٰ ایران کے اس پیغام کا ان غیر مسلم عرب نے خاطر خواہ اثر لیا۔ انہوں نے سارے قبائل کے جنگجوؤں کو مِلا کر اتنا بڑا لشکر تیار کر لیا جتنا ایرانی جرنیل مہران کے پاس تھا۔ پھر عربوں نے عقہ نام کے ایک جوان کو اپنے اس لشکر کا سالار اور عبیدہ بن سعد اور زہیر بن فلان کو نائب سالار مقرر کر کے روانہ کیا۔

عقہ اپنے اس عظیم اور جرار لشکر کو لے کر ایرانی جرنیل مہرانؓ سے آملا اور یہ دونوں جرنیل خالدؓ بن ولید سے نمٹنے کی خاطر ایک سرحدی قلعے عین التمر میں آ مقیم ہوئے۔ خالدؓ بن ولید کو جب ایرانیوں اور عربوں کے اس عظیم اور متحدہ اجتماع کی خبر ہوئی تو آپ نے بڑی تیزی کے ساتھ انبار شہر سے عین التمر کی طرف کُوچ کیا تھا۔

جب ایرانی جرنیل مہران کو خبر ہوئی کہ خالدؓ بن ولید اپنے لشکر کے ساتھ بڑی تیزی سے اس کی طرف آرہے ہیں تو اس نے غیر مسلم عربوں کے لشکر کے سردار عقہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"اے عقہ! عربوں سے لڑنے کا ڈھنگ عرب ہی خوب جانتے ہیں۔ کیا تم ایسا نہیں کرتے کہ اپنے عرب لشکر کے ساتھ عین التمر سے خالدؓ بن ولید کی طرف کوچ کرو اور ے راستے میں ہی جا لو۔ میں اپنے ایرانی لشکر کے ساتھ عین التمر کی حفاظت کے لیے یہیں رہتا ہوں اور اگر تم میری ضرورت محسوس کرو تو میں بھی تم سے آملوں گا۔ لیکن اگر تم کھلے میدان میں تنہا صرف اپنے لشکر کے ساتھ مسلمانوں کو رزم گاہ سے بھاگنے پر مجبور کر دو تو

---

[1] مہران، خسرو پرویز کے عہد کے نامور جرنیل بہرام چوبین کا بیٹا تھا۔

پر تمہارے حق میں اور بہتر ہو گا۔ کسریٰ ایران کی نظروں میں تم جلیل القدر ہو جاؤ گے اور عرب قبائل میں تمہارا نام سنہری حروف میں لکھا جائے گا۔ تمام قبائل تمہاری ذات پر فخر اور تمہارے کارناموں پر انبساط کا اظہار کیا کریں گے۔"

ایرانی جرنیل مہران کی چال تھی کہ عربوں کو عربوں سے لڑا کر تماشہ دیکھا جائے۔ عرب جرنیل عقہ مہران کی اس چال میں آگیا اور اس نے مہران سے کہا۔ "تم نے کیا درست کہا ہے کہ عربوں سے لڑنے کا ڈھنگ عرب ہی جانتے ہیں۔ مہران! مہران! تم کچھ مت کرو اور یہیں عین التمر میں مقیم رہو۔ خالدؓ سے ہم نمٹ لیں گے۔"

مہران نے کہا۔ "زرتشت کی قسم! تم ٹھیک کہتے ہو۔ عربوں سے لڑنے میں تم ایسے ہی ماہر ہو جیسے ہم عجمیوں سے لڑنے کا تجربہ رکھتے ہیں۔ میرا مشورہ ہے کہ تم آج ہی یہاں سے کوچ کر جاؤ اور کسی مناسب جگہ جا کر خالدؓ سے ٹکرا جاؤ۔ ہم یہاں تمہاری مدد کو موجود ہیں"۔

عقہ بے چارہ لومڑی کی طرح مکار مہران کی چال میں آگیا اور اپنے لشکر کے ساتھ اسی روز عین التمر سے کوچ کر کے خالدؓ بن ولید کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ مہران نے عقہ کو دھوکہ دیا۔ اس نے اپنے آپ کو جنگ سے بچا کر عقہ کو موت کے منہ کی طرف دھکیل دیا تھا۔

جب عرب جرنیل عقہ عین التمر سے اپنے لشکر کے ساتھ مسلمانوں کی طرف کوچ کر گیا تو لشکر کے سب ایرانی سالار مہران کے پاس جمع ہوئے اور ان میں سے ایک سردار نے کہا۔ "تم نے اس عرب کتے عقہ سے یہ بات کیوں کہی کہ عربوں سے لڑنے کا ڈھنگ صرف عرب ہی جانتے ہیں۔ کیا اس میں ہم سب کی سبکی اور بے عزتی نہیں ہے"۔

مہران نے کہا۔ "تم لوگ احمق ہو، میری بات میں دخل نہ دو۔ میں نے جو ارادہ کیا ہے اس میں تم لوگوں کا ہی فائدہ ہے اور عربوں کا نقصان ہے۔ کیوں کہ اس وقت تمہارے مقابلے کے لیے مسلمانوں کا ایک ایسا لشکر آرہا ہے جس نے تمہارے بڑے بڑے سلاطین کو قتل کیا اور تمہاری شان و شوکت اور ساری سطوت کا خاتمہ کر دیا ہے۔ اگر یہ عرب مسلمانوں کے مقابلے میں کامیاب ہو گئے تو اس میں تمہارا ہی نفع ہے اور اگر ناکام ہوئے

تو بھی تمہارا ہی فائدہ ہے کہ یہ عرب مارے جائیں گے اور ان سے لڑنے کے بعد مسلمان کمزور ہو کر ہمارے سامنے آئیں گے اور ہم ان پر بآسانی قابو پالیں گے"۔ ایرانی سالاروں کی سمجھ میں ساری بات آگئی اور وہ خاموش ہو رہے۔

عرب جرنیل عقہ ایرانی جرنیل مہران کی چال نہیں سمجھا تھا۔ لہٰذا اپنے عرب لشکر کے ساتھ وہ اندھا دھند اس طرف یلغار کرنے لگا جدھر سے اسے خالدؓ بن ولید کے آنے کی اُمید تھی۔ ایک جگہ رُک کر عقہ اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر رہا تھا کہ تھوڑی دیر تک خالدؓ بن ولید بھی اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔

عقہ مسلمانوں کو آرام کرنے اور سستانے کا موقع نہ دینا چاہتا تھا۔ لہٰذا اس نے خالدؓ بن ولید کے ساتھ فیصلہ کن جنگ کرنے کے لیے اپنے لشکر کی صفیں درست کرنا شروع کر دی تھیں۔ اپنے لشکر کو اس نے تین حصوں میں تقسیم کیا۔ قلب اپنے پاس رکھا۔ میسرہ پر ہذیل بن عمران اور میمنہ پر اس نے بجیر بن فلاں کو سالار مقرر کر لیا تھا۔

خالدؓ بن ولید نے فی الفور اپنے لشکر کا پڑاؤ کیا اور اپنے لشکر کو انہوں نے صف آرا کر دیا۔ وہ جانتے تھے کہ دشمن فی الفور ان پر حملہ کرنے والا ہے لیکن عقہ ابھی تک اپنے لشکر کی صفیں درست کر رہا تھا کہ خالدؓ بن ولید نے اس پر حملہ کرنے میں پہل کر دی۔

خالدؓ بن ولید اپنے قلب کے ساتھ عقہ پر حملہ آور ہوئے تھے۔ مثنیٰ ہذیل پر اور عدیم دشمن کے میمنہ پر حملہ آور ہوا جس کا سالار بجیر تھا۔ اپنے پہلے ہی حملے میں مسلمانوں نے عقہ کی ساری امیدوں کے کس بل نکال کر رکھ دیئے تھے۔

انبار سے عین التمر کی طرف جانے والی شاہراہ کے کنارے ہولناک جنگ چھڑ گئی تھی۔ عقہ کے لشکر پر مسلمان چڑھتی ندیوں کے طوفان، پگھلتی چھلکتی صبح، بہار کی سرمستیوں اور سرد برفانی ہواؤں کے ناقابلِ برداشت جھکڑوں کی طرح حملہ کر دیا تھا۔ ان کے حملوں میں عظمت و بلندی کی معراج، ان کی پیش قدمی میں سوزش و اضطراب اور بے چارگی و سہمی طاری کر دینے والی مرتعش قوت تھی۔

نقارۂ نقیب کی صداقت، آندھیوں کی شورانگیزی کی طرح وہ اللہ اکبر پکارتے

ہوئے تلپٹ کر دینے والی آندھی اور گاتی مسکراتی خوشبو کی طرح حملہ آور ہو کر دشمن کے اوہام کی زنجیروں اور اس کے تمدن کی گمراہی اور پستی کا خاتمہ کرنے لگے تھے۔ غیر مسلم عرب عقہ کی سرکردگی میں بغیر کسی نصب العین کے نیستی کے جبڑوں کا شکار ہو رہے تھے۔

رنگین سحر کی مسکراہٹ، راگوں کی آہٹ، تلخی حیات اور اسرار ہستی کے عرفان کی طرح جنگ پھیلتی رہی۔ رزم گاہ کی ہر شے اپنے سر پہ لہو رنگے تاج پہننے لگی تھی زندگی کی آخری رمق کی خاطر خون بہتا رہا۔ رُوح کی آخری چمک کی خاطر خاک و خون ایک ہو تے ہیں موت زندگی کو زہر آلود خنجر گھونپنے لگی تھی۔ وقت کے فریب، سنسان ٹیلوں کا سوز اور لہو کی اڑتی لہروں نے عقہ کو مایوسی کا شکار کر دیا تھا۔

اچانک عدیم نے ایک زور دار حملے کے ساتھ اپنے مقابل اور عقہ کے میمنہ کے سالار بجیر بن فلان کی طرف بڑھنا شروع کر دیا تھا۔ آگے بڑھتا بڑھتا بالکل وہ دشمن کے میمنہ کے سالار بجیر بن فلان کے قریب پہنچ گیا تھا۔ پھر غیر مسلم عربوں نے بجیر بن فلان کے گرد اس کی حفاظت کے لیے ایک حلقہ بنا لیا اور انہوں نے ایک تیز حملہ کر کے مسلمانوں کو اپنے سالار بجیر بن فلان کی طرف بڑھنے سے روک دیا تھا۔

عدیم نے جو یہ حالت دیکھی تو اپنے گھوڑے کی زین سے بندھا ہوا چھوٹا سا نیزہ سنبھالا اور حدف باندھ کر وہ نیزہ اس نے بجیر بن فلان کی طرف دے مارا تھا۔

بجیر بن فلان کی قسمت اچھی تھی کہ اسی وقت اس کا ایک سوار اس کے سامنے آ گیا تھا اور عدیم کا نیزہ اسے چھیدتا ہُوا نکل گیا تھا۔ لیکن عدیم کی طرف سے اس نیزے کے ساتھ حملہ آور ہونے سے بجیر بن فلان پر اپنی زندگی جاتے رہنے کا خوف سوار ہو گیا اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلا تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے اس کا میمنہ بھی پسپا ہو رہا تھا۔ میسرہ نے جب اپنے میمنہ کی یہ حالت دیکھی تو وہ بھی جنگ سے جی چُرا کر بھاگے تھے۔

غیر مسلم عربوں کے میسرہ کے سالار ہذیل نے اپنے بھاگتے لشکریوں کو روکنے کی انتہائی کوشش کی لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی لہٰذا وہ خود بھی رزم گاہ سے منہ موڑ کر بھاگ نکلا تھا۔ غیر مسلم عربوں کے سالار عقہ نے جب دیکھا کہ اس کا میمنہ اور میسرہ جنگ سے بھاگ رہے ہیں اور اب وہ اپنے قلب کے ساتھ دشمن کے سامنے اکیلا ہے تو اس نے بھی بھاگنے کی کوشش کی لیکن خالدؓ بن ولید نے اس پر کمند پھینک کر اسے زندہ گرفتار کر لیا تھا۔

اس جنگ میں اَن گنت عرب نصرانی مارے گئے تھے اور جو میدانِ جنگ میں بھاگے انہوں نے عین التمر کا رُخ کیا تاکہ وہاں ایرانی سپہ سالار مہران کے پاس جا کر پناہ لیں۔

مہران کو جب خبر ہوئی کہ مسلمانوں کے ہاتھوں نصرانی عربوں کو ذلت آمیز شکست ہوئی ہے اور عرب جرنیل زندہ گرفتار ہو گیا ہے تو مہران اپنے لشکر کے ساتھ عین التمر سے نکلا اور اپنی جان بچانے کی خاطر وہ مدائن کی طرف بھاگ گیا تھا۔

خالدؓ بن ولید نے بڑی تیزی کے ساتھ عین التمر کی طرف پیش قدمی کی۔ شہر میں پناہ لینے والے عقہ کے شکست خوردہ لشکر نے شہر میں داخل ہو کر اور سارے دروازے بند کر کے اپنے آپ کو محفوظ و مامون کر لیا تھا۔

خالدؓ بن ولید نے عین التمر[1] پہنچ کر اپنے لشکر کے ساتھ شہر کا محاصرہ کر لیا۔ محصورین کا خیال تھا کہ خالدؓ بن ولید قدیم عرب لٹیروں کی طرح لوٹ مار کر کے لوٹ جائیں گے لیکن خالدؓ بن ولید نے سختی کے ساتھ محاصرہ کر کے جب اپنے طوفانی اور زہریلے حملوں کی ابتدا کر دی تو محصورین گھبرا گئے اور شہر سے باہر نکل کر انہوں نے امان طلب کی اور شہر خالدؓ بن ولید کے حوالے کر دیا تھا۔ خالد بن ولید نے شہر پر قبضہ کر لیا تھا۔

⊜

اپنے لشکر کے ساتھ عین التمر میں ٹھہرے ہوئے خالدؓ بن ولید کو ابھی چند روز ہی ہوئے تھے کہ انہیں خبریں ملنے لگیں کہ ان کے خلاف دومۃ الجندل میں زبردست اجتماع ہو رہا ہے۔ دومۃ الجندل میں نصرانی عرب آباد تھے اور وہاں کا حاکم اکیدر بن عبدالمالک اور اس کا نائب جودی بن ربیعہ تھا۔

اکیدر بن مالک جس قدر مسلمانوں سے جنگ کرنے کے خلاف تھا، جودی اتنا

---

[1] عین التمر کی جنگ میں فاتح ہسپانیہ موسیٰ بن نصیر کے باپ نصیر بھی اسیر ہو کر ملے تھے۔

ہی اس کا حامی تھا۔ جودی نے بھاگ دوڑ کی اور اپنے ایک ساتھی ودیعہ کلبی کو ساتھ ملا کر اس نے بنو کلب، بنو غسان، بنو تنوخ، بنو ضجاعم اور بنو بہراء کے جنگ جوؤں پر مشتمل جنگ کے ماہر جوانوں کی ایک بہت بڑی جمعیت دومۃ الجندل میں جمع کر لی تھی۔

ان عرب قبائل سے اس قدر لشکر جمع ہوا کہ دومۃ الجندل میں اس کے قیام کے لیے کوئی جگہ نہ رہی اور لشکر کے ایک بڑے حصے کو شہر سے باہر خیمہ زن کرنا پڑا۔

دومۃ الجندل کا حاکم اکیدر یہ سب کچھ صبر و تحمل سے دیکھتا رہا۔ جب اس نے دیکھا کہ اہلِ دومۃ الجندل ہر حال میں مسلمانوں کے ساتھ جنگ کریں گے تو اس نے دومۃ الجندل کے سب سرداروں کو جمع کیا اور انہیں مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا "اے اکابرِ دومہ! مجھے اطلاع ملی ہے کہ دومہ میں عرب جنگجوؤں کے اجتماع کی خبر خالدؓ بن ولید کو ہو گئی ہے اور وہ اپنے لشکر کے ساتھ اس طرف روانہ ہو گئے ہیں۔

سنو میرے عزیزو! میں خوب جانتا ہوں کہ خالدؓ بن ولید سے بڑھ کر کوئی شخص اقبال مند نہیں ہے اور نہ ہی کوئی اس سے زیادہ جنگ میں تیز ہے۔ جو قوم اس مسلمان سپہ سالار سے مقابلہ کرتی ہے وہ تعداد میں کتنی زیادہ ہی کیوں نہ ہو، ان کے مقابلے میں شکست کھاتی ہے۔ اگر میری مانو تو مسلمانوں کے ساتھ صلح کر لو۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ خالدؓ بن ولید جنگ میں کام نہیں آ سکتے۔ کیوں کہ ان کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انہیں سیف اللہ کا خطاب دیا تھا اور سیف اللہ ٹوٹ نہیں سکتی۔ اگر میری مانو گے تو فلاح پاؤ گے اور اگر میری مرضی کے خلاف کوئی عمل کرو گے تو تم جانو اور تمہارا کام۔ میں مسلمانوں کے خلاف اس جنگ میں حصہ نہ لوں گا۔"

اکیدر کے نائب اور دومۃ الجندل میں جمع ہونے والے عساکر کے سپہ سالار جودی نے اکیدر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "میں جانتا ہوں تم جنگ سے جی چرانے والے شخص ہو۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ تم ضرور مسلمانوں کے خلاف اس جنگ میں شامل ہو لیکن تم ہمیں اس جنگ سے باز نہیں رکھ سکتے۔ جس قدر دومۃ الجندل میں لشکر جمع ہو چکا ہے اس سے پہلے خالدؓ بن ولید نے اپنے مقابلے میں اس قدر لشکر نہیں دیکھا ہو گا۔

سنو اکیدر! ہم تمہیں یقین دلاتے ہیں کہ دومۃ الجندل سے باہر ہم مسلمانوں کو عبرت ناک شکست دیں گے۔ میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ میں خالدؓ بن ولید کو اپنے ہاتھوں سے قتل کروں گا۔ تاکہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ باطل ہو کہ اس سپہ سالار کو جنگ میں کوئی قتل یا زیر نہیں کر سکتا۔"

جودی کی یہ گفتگو سن کر اکیدر بن عبدالمالک اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ دومۃ الجندل سے نکل کر چلا گیا تھا۔

خالدؓ بن ولید کو چونکہ دومۃ الجندل میں اپنے خلاف اس اجتماع کی خبر ہو گئی تھی، لہٰذا آپ اپنے لشکر کے ساتھ برق رفتاری کے ساتھ عین التمر سے دومۃ الجندل کی طرف بڑھے۔

دومۃ الجندل میں جودی نے اکیدر بن عبدالمالک کے چلے جانے کے بعد جنگ کا بڑا اہتمام کیا۔ اس نے اپنے اس عظیم الشان لشکر کو تین بڑے حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ اپنے پاس رکھ کر وہ شہر کے اندر مقیم رہا۔ دوسرا حصہ اس نے ودیعہ کلبی کی کمانداری میں دیا اور اسے شہر سے باہر خیمہ زن کیا۔ تیسرا لشکر اس نے اپنے ایک خونخوار سردار ابن رومانس کی سرکردگی میں رکھا اور اس لشکر کو اس نے شہر سے باہر گھات میں بٹھا دیا تھا تاکہ جب مسلمانوں کے خلاف جنگ اپنے عروج پر آئے تو ابن رومانس اپنے لشکر کے ساتھ گھات سے نکل کر مسلمانوں پر ان کی پشت سے حملہ کر دے اور ان کے پڑاؤ کو آگ لگا دے۔ جنگ کے لیے یہ سارے انتظام مکمل کرنے کے بعد جودی اب خالدؓ بن ولید کی آمد کا انتظار کرنے لگا تھا۔

خالدؓ بن ولید اپنے لشکر کے ساتھ دومۃ الجندل پہنچے اور جودی کے اس لشکر کے سامنے آ کر خیمہ زن ہوئے جو پہلے سے شہر سے باہر ان کے انتظار میں پڑاؤ کیے ہوئے تھا۔ خالدؓ بن ولید نے اپنی فطری اور معمول کی عادت کے مطابق دشمن کی خبریں حاصل کرنے کے لیے اپنے آدمی پھیلا دیے۔ انہوں نے جودی کے اس لشکر کو دیکھ لیا جو ابنِ رومانس کی کمانداری میں پشت سے حملہ کرنے کی خاطر گھات میں بیٹھا تھا۔

اس امر کی اطلاع انہوں نے فوراً خالدؓ بن ولید کو کر دی اور وہ فوراً محتاط ہو گئے۔

خالدؓ بن ولید چونکہ صبح سویرے ہی دومۃ الجندل پہنچ گئے تھے لہٰذا جودی اپنے حصے کے لشکر کو

لے کر باہر نکلا اور شہر سے باہر پہلے سے خیمہ زن لشکر کو اپنے ساتھ ملا کر جنگ کے لیے اپنی صفیں درست کرنے لگا تھا۔

خالدؓ بن ولید نے بھی اپنے لشکر کی ترتیب تبدیل کر دی تھی۔ لشکر کے حصے انہوں نے تین ہی رکھے۔ ایک حصہ اپنے پاس، مثنیٰ چونکہ بیمار تھے اس لیے لشکر کا دوسرا حصہ ایک سالار عیاض کی سرکردگی میں رکھا اور تیسرا حصہ حسب معمول عدیم کے پاس تھا۔

اپنے اور عیاض کے حصے کو خالدؓ بن ولید نے دشمن سے جنگ کرنے کے لیے سامنے رکھا جب کہ عدیم کو اس کے لشکر کے ساتھ اپنے دونوں حصوں کی پشت پر رکھا تاکہ جب ابن رومانس گھات سے نکل کر پشت کی طرف سے حملہ آور ہو تو اس سے نمٹا جا سکے۔ کسی طرف سے بھی کوئی شخص انفرادی جنگ کے لیے باہر نہ نکلا اور سامنے کی طرف سے دشمن حملہ آور ہوا۔ خود جودی خالدؓ بن ولید کی طرف بڑھا کیوں کہ اس نے آپ کو قتل کرنے کی قسم کھا رکھی تھی جب کہ اس کا دوسرا سالار ودیعہ کلبی عیاض پر حملہ آور ہونے کو آگے بڑھا تھا۔

سب سے پہلے خالدؓ بن ولید اللہ اکبر کی پرزور تکبیر بلند کرتے ہوئے آگے بڑھے اور دشمن پر انہوں نے حملہ کیا تھا۔ جودی کا خیال تھا کہ وہ اپنے پہلے ہی حملے میں خالدؓ بن ولید کو ہلا کر رکھ دے گا لیکن جب خالد بن ولید نے حملہ کیا تو اس کی آنکھیں چکاچوند ہو گئیں۔

خالدؓ بن ولید اور ان کے سرکردگی میں لڑنے والے مجاہدین ایسے شوق و شیفتگی اور اشتیاق و تمنا کے ساتھ حملہ آور ہوئے تھے کہ بارش کے سنگیت، موجزن کے گیت، وحدت کے نغموں اور سعادت کے زمزموں کی طرح وہ دشمن پر چھانے لگے تھے۔

ان کی تلواریں ویرانوں کے خرابوں پر اپنی تلوار سے اپنی فتح مندی کے آتشیں حروف رقم کر رہی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے موت و حیات کی جبل پر یاں ہر سو ناچ اٹھی ہوں۔ خالدؓ بن ولید کے ساتھ ساتھ عیاض نے بھی دشمن پر حملہ کر دیا تھا۔

جودی بھی ایک طوفانی شکل میں آگے بڑھتا آ رہا تھا۔ وہ ہر طرح سے خالدؓ بن ولید پر حملہ آور ہو کر اپنی قسم پوری کرنے کی فکر میں تھا۔ وہ یہ بھی دیکھ رہا تھا کہ خالدؓ بن ولید اپنے

سامنے آنے والے اس کے ہر سورما کو راکھ کی طرح اڑانے اور کاغذ کے پتوں کی طرح بکھیرتے ہوئے پیش قدمی کر رہے تھے۔ ان کے حملوں میں ایک کامل معرفت، ایک غیر فانی حکمت تھی اور وہ حرف راز کی صورت فطرت کا جلال، صرصر کا جوش، بگولوں کا خروش اور ایک ہنگامۂ بے ستر کی طرح دشمن کے اندر گھس کر ان کی صفوں کو بے نظم اور بے ترتیب کرنے لگے۔

جس وقت خالدؓ بن ولید اور عیاض نے دشمن پر دباؤ ڈال کر اسے جنگ کی بھٹی میں سلگ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ جودی کا خونخوار جرنیل ابن رومانس اپنے لشکر کے ساتھ گھات سے نکلا اور اسلامی لشکر کی پشت پر حملہ آور ہونے کو آگے بڑھا لیکن اس سمے رومانس کے تعجب و پریشانی کی کوئی انتہا نہ رہی تھی جب عدیم اپنی پوری جنگی ترتیب کو برقرار رکھتا ہوا ایک دم اپنے لشکر کی پشت سے ہٹ کر رومانس پر حملہ آور ہوا تھا۔

رومانس اس امید کے ساتھ گھات سے نکل کر پشت کی طرف سے حملہ آور ہوا تھا کہ اس کے حملہ آور ہونے سے جنگ کا نقشہ یکسر بدل جائے گا اور مسلمان یا تو بھاگ نکلیں گے یا دونوں لشکروں کے درمیان پس کر رہ جائیں گے لیکن عدیم نے اس پر حملہ آور ہو کر اس کی ساری امیدیں خاک میں ملا دی تھیں اور پھر رومانس نے یہ بھی دیکھا کہ عدیم اک صدائے مستانہ کی طرح تکبیریں بلند کرتا اور اک رقص رندانہ کی طرح اس کی طرف بڑھا تھا۔

وہ چنگھاڑتے طوفان، روح و جسم کا رابطہ منقطع کر دینے والی ضرب، لہو کی جوالا، حدت شوریدہ اور اداس شام پر چھا جانے والی آندھیوں سے بھرپور تاریکیوں کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔ اس نے رومانس کی چڑھی تیوریاں ختم کر کے اس کی اینٹھی ہوئی گردن جھکا کر رکھ دی تھی۔ اپنے تیز حملوں سے عدیم نے رومانس کے لشکر کے انگ انگ میں خوف و ہراس کا زیر و بم۔ الام کی گرد اور دہشت کی آتش نفی طاری کر کے رکھ دی تھی۔

رومانس کے لشکر کو اندھا دھند کاٹتا ہوا عدیم قسمت کی مار اور خزاں کے طوفان کی طرح رومانس کے سر پر جا پہنچا تھا۔ پھر اس نے اللہ اکبر کی صدا بلند کی اور رومانس پر حملہ کر دیا تھا۔ اس موقع پر اس کی ضرب آہن اور صدا شعلہ تھی۔ رومانس عدیم کے اس طوفانی حملے کو روکنے میں بری طرح ناکام رہا اور عدیم نے اسے کاٹ کر رکھ دیا تھا۔

رومانس کے قتل ہوتے ہی اس کے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی تھی۔ اب عدیم نے اندھا دھند اور طوفانی حملے کر کے رومانس کے لشکریوں کو بُری طرح کاٹنا شروع کر دیا تھا۔

عدیم بحر و بر کے زلزلوں اور بھیانک آندھیوں کی طرح اپنے لشکر کے ساتھ رومانس کے لشکر پر چھا کر اس کا قتلِ عام کرتا رہا۔ یہاں تک کہ بچے کھچے لشکری جودی کے لشکر میں شامل ہونے کے لیے بھاگ کھڑے ہوئے۔ عدیم بھی ان کا تعاقب کرتا ہوا جودی کے لشکر کی طرف بڑھا تھا۔

جودی اور ودیعہ کلبی کا لشکر پہلے ہی خالدؓ بن ولید اور عیاض کے سامنے تنگی اور تکلیف میں مبتلا تھا۔ اب جو عدیم بھی رومانس کو قتل کرنے کے بعد اس کے تھوڑے سے بچنے والے لشکر کو مارتا کاٹتا دائیں پہلو سے جودی کے لشکر پر حملہ آور ہُوا تو جودی اور ودیعہ کلبی کے لشکر کی حالت کانٹے کی نوک پر ٹکے ہوئے پانی کے قطرے اور نمی کے باعث بکھرے حروف کی بے چہرہ صورتوں جیسی ہوگئی تھی اور پھر لمحہ بہ لمحہ مجاہدین کے دِل کی تڑپ سینوں کی روشنی، شعلہ سامانی اور اضطراب طاری کر دینے والی قوت قدم بہ قدم، لمحہ بہ لمحہ، افسانہ بہ افسانہ اور داستان بہ داستان بڑھتی پھیلتی رہی۔

مسلمان خالدؓ بن ولید کی راہنمائی میں صداقت کی قندیلیں، مسرت کی تنویریں، آدمیت کی تقدیر، اُجالوں کی پیغامبر اور رازِ مشیعت کی طرح دشمن پر چھانے لگے تھے۔ ایسا لگتا تھا، ارض و فلک کا اقتدار ان کے قبضے میں ہو اور وہ ہر بلندی و پستی کو زیر کر کے تاریخ انسانی کے اوراق پر دشمن کی رگ رگ سے جہل و ظلمات نچوڑ لینے کا عمل مرقوم کرنے کا عزم کر چکے ہوں۔ جنگ کا دائرہ وقت کے سمندر کی طرح پھیلتا جا رہا تھا۔

جودی نے جب دیکھا کہ اس کے لشکریوں کے اندر بددلی کے اثرات واضح ہونے شروع ہو گئے ہیں تو وہ اپنے محافظ دستوں کے ساتھ اور زیادہ تیزی کے ساتھ یلغار کرتا ہُوا خالدؓ بن ولید کی طرف بڑھا۔ وہ چاہتا تھا کہ خالدؓ بن ولید کو جلد از جلد ختم کر کے اپنی قسم بھی پوری کرے اور مستزاد یہ کہ وہ اس طرح اپنے لشکریوں کے حوصلے بحال کرنے میں بھی کامیاب ہو جائے گا۔ جودی کی دیکھا دیکھی یہی عمل ودیعہ کلبی نے بھی کرنا شروع کر دیا تھا اور وہ بھی برق

رفتاری سے عیاض کی طرف بڑھ رہا تھا۔

خالدؓ بن ولید نے بھی جودی کو بڑی تیزی کے ساتھ اپنی طرف بڑھتے دیکھ لیا تھا لہٰذا وہ خود بھی وقت کے منتظر انجام کی طرح جودی کی طرف بڑھنے لگے۔ جودی جس وقت لڑتا لڑتا خالدؓ بن ولید کے قریب آیا تو اس کے محافظ دستوں کو مجاہدین نے اُدھیڑ کر رکھ دیا تھا۔ اتنی دیر تک جودی خالد بن ولید کے قریب آ چکا تھا اور اس نے آپ پر حملہ کر دیا۔

خالدؓ بن ولید نے بڑی آسانی کے ساتھ جودی کا حملہ روک کر اس پر جوابی حملہ کیا۔ خالدؓ بن ولید کا وہ روحوں کی آخری ہچکی اور زندگی کی آخری رمق چھین لینے والا وار وہ روک نہ سکا اور آپ کی یمنی تلوار نے جودی کو موت کی نیند سُلا دیا تھا۔

دوسری طرف ودیعہ کلبی ابھی عیاض بن غنم کے قریب بھی نہ گیا تھا کہ ایک مجاہد اقرع بن حالیں نے اس پر حملہ آور ہو کر اس کا خاتمہ کر دیا تھا۔

جودی، ودیعہ کلبی اور رومانس کے مارے جانے کے بعد دومۃ الجندل کے لشکر کی حالت اس ریوڑ جیسی تھی جس کا کوئی چرواہا، کوئی چوبان نہ رہا ہو، اور مسلمانوں نے ان کا قتلِ عام شروع کر دیا تھا۔

آخر دشمن کے لشکری اپنی جانیں بچانے کی خاطر بھاگ کھڑے ہوئے اور شہر میں داخل ہو کر دروازے بند کر لیے۔ دشمن کا آدھے سے زیادہ لشکر اس جنگ میں کام آ گیا تھا۔

خالدؓ بن ولید بھی اپنے لشکر کو دومۃ الجندل کے دروازے پر لے آئے۔ اتنی دیر تک عیاض بن غنم اور عدیم بھی آپ کے پاس آ کھڑے ہوئے تھے۔ خالدؓ بن ولید نے ان دونوں کو مخاطب کر کے کہا۔ ”اب جب کہ دشمن شہر کے دروازے بند کر کے محصور ہو گیا ہے تم دونوں کا اس صورتِ حال میں کیا مشورہ ہے۔“

عدیم نے کہا۔ ”اے امیر! اگر اس وقت جب کہ شہر کے اندر داخل ہونے والا دشمن کا لشکر افراتفری کا شکار ہے اور کوئی ان کا سالار نہیں ہے ہم ایک موٹے اور مضبوط درخت کا تنا کاٹیں اور اسے شہر کے دروازے پر مار کر دروازہ توڑ دیں اور شہر میں داخل ہو کر اس پر

قبضہ کر لیں ۔ اگر ہم نے اس کام میں تھوڑی سی بھی تاخیر کی تو دشمن کا لشکر سنبھل جائے گا، وہ اپنے لیے کسی سالار کا انتخاب بھی کر لیں گے جو شہر کی حفاظت کے لیے فی الفور فصیل کے اوپر اپنے لشکر کو پھیلا دے گا ۔ ایسی صورت میں شہر پر قبضہ کرنے کے لیے ہمارے لیے اَن گِنت مسائل اُٹھ کھڑے ہوں گے“ ۔

خالدؓ بن ولید نے خوش ہوتے ہوئے گہری مسکراہٹ میں کہا ” اندریاس کے بیٹے ! بخدا تُو نے میرے دِل کی بات کی ہے ۔ یہاں اَن گنت درخت ہیں ۔ آؤ کسی مضبوط درخت کو کاٹ کر اپنے کام کی ابتدا کریں “ ۔

فی الفور شہر کے باہر سے ایک موٹا اور پُرانا درخت کاٹا گیا اور اس کے تنے کو اُٹھا کر مجاہدین نے شہر پناہ کے دروازے پر مارنا شروع کر دیا ۔ اس طرح شہر پناہ کا دروازہ توڑ کر خالدؓ بن ولید اپنے لشکر کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے اور جو بھی مسلح ہو کر سامنے آیا اسے تہ تیغ کر دیا ۔ باقی لوگوں کو امان دے دی اور شہر پر آپؓ کا قبضہ ہو گیا ۔

ظلمت کے فرشتوں نے ویران اور بے کیف رات کی بساط کو لپیٹ دیا تھا ۔ روحوں کی سرگوشیوں اور زندگی کے اسرار کی طرح سحر نمودار ہوئی تھی ۔ کُن کے فسوں اور تخلیق کے اعجاز کے ساتھ سُورج مشرق سے طلوع ہُوا تھا اور اس کی روشنی آتشِ سیّال کی طغیانی، طلسماتی جھنکار اور فطرت کے جلال کی طرح ہر شے کو شعلہ فگن آنکھوں سے گھورتی ہوئی اپنی لپیٹ میں لینے لگی تھی ۔

تیز دھوپ نے ہر شے کو عیاں کر کے رکھ دیا تھا ۔ ایسے میں جھیل نجف کے کنارے ہانی، ترمید اور حذیفہ بالکل یوعام کے گھر کے سامنے اپنے گھوڑوں سے اترے اور ترمید نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی تھی ۔

تھوڑی دیر بعد نباط نے دروازہ کھولا ۔ وہ اپنے بچّے کو اُٹھائے ہوئے تھی ۔ ترمید ہانی اور حذیفہ کی طرف حیرت اور تعجّب سے دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا ۔ ” آپ نے کس سے ملنا ہے “ ۔

اس بار حذیفہ نے آگے بڑھ کر پوچھا ۔ ” کیا یہ گھر یوعام کا ہے “ ؟
نباط نے کہا ۔ ” ہاں اس گھر کے مالک یوعام ہیں “ ۔

حذیفہ نے کہا۔" مجھے معلوم نہیں اس گھر میں اور کتنے افراد رہتے ہیں تاہم اگر مَیں غلطی پر نہیں تو تم یوعام کی بیوی ہو اور تمہارا نام نباط ہے۔"

نباط نے پریشانی اور جستجو ملی جلی آواز میں کہا۔" آپ کا اندازہ درست ہے۔ میرا نام نباط ہی ہے۔ پر آپ لوگ کون ہیں۔ کہاں سے آئے ہیں اور مجھے اور میرے شوہر یوعام کو کیسے جانتے ہیں؟"

حذیفہ نے کہا۔" پہلے تم یہ بتاؤ کہ تمہارے شوہر کہاں ہیں اور انہوں نے گھر کا دروازہ کیوں نہیں کھولا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ خالدؓ بن ولید کے لشکر میں شامل ہو چکے ہیں؟"

نباط نے کہا۔ اِن دِنوں وہ گھر ہی ہیں۔ فجر کی نماز کے بعد وہ جھیل کے اس کنارے چرواہوں سے دودھ لینے گئے ہیں۔ تھوڑی دیر تک آنے ہی والے ہیں۔ چند روز بعد وہ خالدؓ بن ولید کے لشکر میں شامل ہونے کے لیے یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ لیکن تم لوگوں نے ابھی تک اپنے متعلق کچھ بھی نہیں بتایا۔"

حذیفہ نے کہا۔" میرا نام حذیفہ ہے۔ یہ میرے شوہر اور شیبانی قبائل کے سردار ہانی اور یہ میرا چھوٹا بھائی ترمید ہے۔ کیا تم ہمیں اندر آنے کو نہ کہو گی کہ یوعام میرا اور ترمید کا بھائی ہے۔ اس کے ساتھ ہی حذیفہ نے ہاتھ بڑھا کر نباط سے بچّے کو لے لیا۔

نباط فوراً دروازے سے ایک طرف ہٹتی ہوئی بولی۔" آپ اندر آ کر بیٹھیں میں آپ کے ساتھ تفصیل سے گفتگو کرتی ہوں۔"

حذیفہ، ترمید اور ہانی اندر داخل ہوئے۔ نباط نے پہلے انہیں دیوان خانے میں بٹھایا۔ پھر وہ تینوں گھوڑوں کو اصطبل میں باندھنے کے لیے لے گئی تھی۔ نباط ابھی اصطبل ہی میں تھی کہ یوعام آگیا۔

اس نے دودھ ایک طرف رکھ دیا اور تعجب میں اس نے نباط سے پوچھا۔" یہ کس کے گھوڑے ہیں کیا گھر میں کوئی مہمان آیا ہے؟"

نباط نے گہری مسکراہٹ میں کہا۔" آپ ہی کے کوئی جاننے والے ہیں میں نے انہیں دیوان خانے میں بٹھا دیا ہے۔" یوعام فوراً دیوان خانے کی طرف چل دیا۔ نباط بھی اس

کے ساتھ ہولی۔

یوعام اور نباط دیوان خانے میں داخل ہوئے۔ انہوں نے دیکھا حذیفہ نے ان کے بچّے کو اپنی گود میں بٹھا رکھا تھا اور بچّے کو وہ اور ترمید باری باری چوم رہے تھے۔ دیوان خانے میں داخل ہو کر یوعام نے ایک بار غور سے حذیفہ کی طرف دیکھا۔ پھر اس نے کہا۔

" اے خاتون! خدا جھوٹ نہ بلوائے۔ وقت کے اس بیکراں سمندر میں پہلے بھی تمہیں کہیں دیکھا ہے۔ تمہارا چہرہ، تمہاری آنکھیں، تمہارا ناک نقشہ میرے لیے خاصا شناسا ہے۔ پر اے خاتون! میرے ذہن میں یادِ رفتہ اور ماضی کے بکھرے نقوش کے اندر یہ بات نہیں آرہی کہ مَیں نے تمہیں کہاں اور کس جگہ دیکھا ہے اور یہ کہ میرا دل جو جدائی کی تلخیوں سے لبریز، صبر کی شیرینی سے مالا مال اور اپنوں سے ملنے کی آس میں پیاسا ہے۔ ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر سکا کہ مَیں نے تمہیں کہاں اور کس جگہ دیکھا ہے۔ کاش میں یہ جان سکتا۔ کاش میں تمہیں پہچان سکتا کہ تمہاری آنکھوں میں اپنائیت کی چمک اور تمہاری ذات سے رشتوں کی خوشبو آتی ہے۔

حذیفہ اپنی جگہ پر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ بچّے کو اس سے ترمید نے لے لیا تھا۔ پھر حذیفہ نے یوعام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔" اے میرے بھائی! مَیں تمہاری بہن حذیفہ ہوں اور یہ میرے ساتھ میرے شوہر اور شیبانی قبائل کے سردار ہانی اور میرا چھوٹا بھائی ترمید ہیں۔

یوعام بھاگ کر آگے بڑھا اور حذیفہ کو اپنے ساتھ لپٹا کر وہ اس کی پیشانی چومنے لگا تھا۔ اس کے بعد وہ انتہائی پُرجوش انداز میں ترمید سے بغل گیر ہوا اور بعد میں وہ ہانی سے مل رہا تھا۔

پھر حذیفہ نباط کو گلے لگا کر ملی جب کہ ہانی اور ترمید نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔ اس کے بعد پہلے یوعام نے ان کے سامنے بیٹھ کر اپنے حالات سنائے۔ پھر ترمید نے اور آخر میں حذیفہ نے اپنے بچھڑنے سے لے کر ملنے تک سارے حالات سنا ڈالے تھے۔

یوعام نے انتہائی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تم دونوں مجھے ملے ہو اور یہ خوشخبری میری نگاہوں میں میری جان کو اور زیادہ قیمتی اور عزیز بنا گئی ہے کہ میری ماں زندہ ہے اور مل گئی ہے۔ میرا دل چاہتا ہے میں ایک جست میں ہاں صرف ایک ہی جست میں اپنی ماں کے پاس پہنچ جاؤں۔ اس سے ملوں۔ اس کے پاؤں دھوؤں، اس کی خدمت کروں۔"

اچانک یوعام کہتے کہتے رک گیا۔ پھر اس نے حذیفہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"اے میری عزیز بہن! ان تمام رشتوں کے اندر تم نے کہیں عدیم کا ذکر نہیں کیا۔ تم جانتی ہو وہ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھا اور میں نے کبھی اسے اپنے سے علیحدہ نہ کیا تھا۔ اے میری عزیز بہن! وہ ہمارے گھر کی سب سے قیمتی متاع تھا پھر تم نے اس کا ذکر کیوں نہیں کیا کہ وہ کیسا ہے، کہاں ہے، بخدا اس کے بغیر زندگی دوبھر اور بوجھ ہے۔"

عدیم کی یاد آنے پر حذیفہ بے چاری سسک سسک کر رونے لگی تھی۔ تاہم ترمید نے اسے سنبھالا اور یوعام کو مخاطب کر کے اس نے کہا۔ "اے میرے بھائی! عدیم ابھی تک نہیں ملا۔ وہ بالکل معصوم اور چھوٹا تھا جب ہم سے بچھڑا تھا، نہ جانے کہاں اور کس حال میں ہو گا۔"

حذیفہ بھی سنبھلی اور یوعام سے کہا۔ "اے بھائی! میرے دو بیٹے ہیں۔ عدیم کی یاد میں بڑے بیٹے کا نام میں نے عدیم اور چھوٹے کا نام اپنے باپ کے نام پر لابان رکھا ہے۔ میرا دل کہتا ہے جس رب عظیم نے ہم سب کو آپس میں ملایا ہے وہ ایک روز عدیم کو بھی ہم سے ملا دے گا۔"

نباط سب کو جدائی کی گھٹن سے نکالنے کے لیے کھانا لے آئی اور سب مل کر کھانے لگے۔ صرف ایک روز وہ وہاں قیام کرنے کے بعد وہ تینوں یوعام، نباط اور ان کے بچے کو لے کر وہاں سے کوچ کر گئے تھے۔

○

دومۃ الجندل سے باہر ابھی تک خالدؓ بن ولید کا لشکر خیمہ زن تھا۔ گو انہیں بڑی تیزی سے خبریں مل رہی تھیں کہ ایرانی، جزیرہ کے عربوں کو ساتھ ملا کر مسلمانوں کے خلاف ایک متحدہ لشکر تیار کرنے کی تگ و دو کر رہے ہیں۔ تاہم خالد بن ولید ابھی تک دومۃ الجندل میں ہی قیام کر کے حالات کا جائزہ لے رہے تھے۔

ایک روز سیریا اپنے خیمے کی صفائی کر رہی تھی کہ عدیم خیمے میں داخل ہوا۔ اس نے اپنے دونوں کندھوں سے دو بڑی بڑی پوٹلیاں لٹکا رکھی تھیں۔ اسے دیکھ کر سیریا مسکراتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی اور ہاتھ دھو کر اس نے انگوچھے سے صاف کرتے ہوئے عدیم کے کندھوں سے لٹکتی پوٹلیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ "یہ آپ کیا لے آئے ہیں۔"

عدیم نے کہا "میں دومۃ الجندل کے بازار گیا تھا۔ ذرا بتاؤ میں وہاں سے کیا لایا ہوں۔"

سیریا نے چہکتے ہوئے کہا۔ "پھل اور کھانے کی دیگر اشیاء ہوں گی جو آپ کا معمول ہے۔"

دونوں میاں بیوی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ پھر عدیم نے کہا۔ "میں اس کے علاوہ بھی کچھ لایا ہوں۔" اور پھر اس نے دونوں پوٹلیاں اپنے کندھوں سے اتار کر سیریا کے سامنے رکھ دیں۔

سیریا نے پہلے ایک پوٹلی کھولی اس میں انواع و اقسام کے پھل، کھانے کی اشیاء اور تازہ پنیر تھا۔ پھر اس نے دوسری پوٹلی کھولی اس میں کئی قسم کے نئے کپڑے تھے۔ سیریا نے حیرت و تعجب سے پوچھا۔

"یہ اتنے کپڑے آپ کس لیے لے آئے ہیں۔ ایسا لگتا ہے گویا آپ دومۃ الجندل کی کوئی پوری دوکان اٹھا لائے ہیں۔" پھر سیریا وہ سارے کپڑے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی ان میں زنانہ، مردانہ دونوں قسم کے کپڑے تھے۔

عدیم نے کپڑے اٹھا کر علیحدہ علیحدہ رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ تین سوٹ تمہارے ہیں اور ان کپڑوں میں سے ایک یوعام کی بیوی نباط کے لیے۔ ایک ترمید کی ماں نیا بوٹ اور ایک اس کی بیوی رمیتا کے لیے۔ ایک یوعام اور ترمید کے لیے۔

یوعام تو جب لشکر میں شامل ہو گا تو اس کے اور نباط کے کپڑے اسے دے

دیں گے۔ دوسرے کپڑے بنو سلیم کی طرف کوئی جانے والا ہوا تو اس کے ہاتھ بھجوا دیں گے ——— عدیم کہتے کہتے خاموش ہو گیا اور چونک سا پڑا۔ دروازے کی طرف سے انہیں آواز سنائی دی۔ "ہم اپنے کپڑے خود لینے آگئے ہیں۔ تم دونوں میاں بیوی کو بھجوانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

عدیم اور سیریا نے ایک ساتھ اپنے خیمے کے دروازے کی طرف دیکھا۔ وہاں یوعام، ترمید، نباط، ہانی اور حذیفہ کھڑے تھے۔

یوعام نے خیمے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "ہم نے تم دونوں میاں بیوی کی ساری گفتگو سن لی ہے۔"

عدیم اور سیریا دونوں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ کپڑے، پھل، پنیر اور کھانے کی دیگر اشیا سب اسی طرح خیمے کے اندر بچھی چٹائی پر بکھرے ہوئے تھے۔ عدیم کے پیچھے پیچھے نباط، ترمید، ہانی اور حذیفہ بھی خیمے میں داخل ہوئے۔

ترمید کو دیکھتے ہی عدیم نے چلا کر کہا۔ "او، میرا عزیز بھائی ترمید بھی آیا ہے۔" پھر وہ بھاگ کر ترمید سے بغل گیر ہو گیا ہے۔

یوعام نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تو گویا صرف ترمید ہی بھائی ہے ہم کچھ نہیں لگتے۔"

عدیم نے کہا۔ "یہ بات نہیں، تم دونوں ہی میرے لیے بھائیوں جیسے ہو۔ پر ترمید تمہارے ساتھ کیسے آگیا اور تم دونوں ایک دوسرے کو کیسے جانتے ہو۔"

یوعام کے بولنے سے قبل ہی ترمید نے ہانی اور حذیفہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ میری بڑی بہن حذیفہ ہیں اور یہ ان کے شوہر اور میرے بہنوئی ہانی ہیں۔"

عدیم نے آگے بڑھ کر ہانی سے مصافحہ کیا پھر اس نے حذیفہ کو سلام کیا۔ حذیفہ نے آگے بڑھ کر عدیم کے سر پہ ہاتھ پھیرا پھر وہ سیریا کو گلے لگا کر مل رہی تھی۔

سب مل کر جب چٹائی پر بیٹھ گئے تو یوعام نے عدیم سے کہا۔ "میں تو یہاں تم دونوں میاں بیوی کو ایک خوش خبری سنانے آیا ہوں۔ میں نے شاید ایک بار اشارتاً تمہیں بتایا تھا کہ میں بچپن میں اپنی ماں اور بہن بھائیوں سے بچھڑ گیا تھا۔ میری خوش بختی

دیکھو کہ میری ماں، میرا بھائی اور میری بہن مجھے مل گئے ہیں۔ نیا بوث جن کے ہاں تم رہتے رہے ہو، وہ میری ماں ہیں۔ ترمید میرا بھائی اور حذیفہ میری بہن ہیں۔

رمینس! رمینس! کاش تم نے مجھے پہلے بتایا ہوتا کہ جس خاتون کے ہاں تم نے سیریا کو چھوڑا ہے اس کا نام نیا بوث ہے تو میری ماں پہلے ہی مجھے مل گئی ہوتی۔"

عدیم نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں ترمید اور حذیفہ بہن کو برسوں کی جدائی کے بعد ملنے پر مبارک باد دیتا ہوں۔ دیکھو تمہاری ماں تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہو گی۔" پھر عدیم نے ترمید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ترمید! میرے بھائی! تمہاری ماں کیسی ہیں۔ وہ مجھ پر اور سیریا پر ایسی مہربان ہیں کہ ان کی یاد مجھے اکثر ستاتی ہے۔"

قبل اس کے ترمید کچھ کہتا سیریا اُٹھتی ہوئی بولی۔ "میں دوسرے کمرے سے کھانے کی دیگر اشیا بھی اٹھا لاؤں۔ پھر یہیں بیٹھ کر سب کھاتے ہیں۔" سیریا کے جانے کے بعد ترمید سے پہلے ہی حذیفہ نے عدیم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

رمینس! رمینس! میرے بھائی! میری ماں تو تمہیں اپنی اولاد کی طرح چاہتی ہے میرے شوہر کے قبیلے کے ایک شخص نے ہمیں آکر بتایا تھا کہ میرا بھائی یوعام حیرہ شہر میں رہتا ہے اور جب ہم سب یوعام کو لانے کے لیے بنو سلیم کے ہاں سے روانہ ہوئے تھے تو میری ماں نے بار بار مؤکد انداز میں کہا تھا کہ آتی دفعہ ہم تمہاری اور سیریا کی بھی خبر لے کر آئیں۔ وہ تم دونوں کو بہت یاد کرتی ہے، کاش تم ———

حذیفہ کہتے کہتے خاموش ہو گئی کیوں کہ سیریا کھانے کی چیزیں اُٹھا لائی تھی۔ وہیں ایک صاف ستھری چادر پر کھانے کی سب اشیا لگائی گئیں پھر وہ سب مل کر کھا رہے تھے دوسرے روز وہ سب عدیم اور سیریا کے پاس سے کوچ کر گئے تھے۔

○

ایران اور جزیرہ کے عربوں کا گٹھ جوڑ آخر رنگ لایا اور ایک بہت بڑا لشکر انہوں نے تیار کیا۔ عربوں کی طرف سے ہذیل نام کا ایک جنگ جو جوان اس حصے کا سالار مقرر ہوا جو عربوں پر مشتمل تھا۔ جب کہ ایرانی لشکر کے دو جرنیل تھے، ایک کا نام زرمہر اور

دوسرے کا نام روزبہ تھا۔

آخر یہ متحدہ لشکر الزمیل کے مقام پر جمع ہو کر خیمہ زن ہُوا تھا۔ خالدؓ بن ولید کو جب اس متحدہ لشکر کے الزمیل شہر سے باہر خیمہ زن ہونے کی اطلاع ملی تو آپ نے بڑی تیزی سے ان کی طرف دومۃ الجندل سے کوچ کر لیا تھا۔

الزمیل میں دشمن کے سامنے آکر ابھی آپ اپنے لشکر کے ساتھ رُکے ہی تھے، کہ ایرانی اور عربوں کے متحدہ لشکر کے تینوں جرنیل ہذیل، زرمہر اور روزبہ نے باہم مشورہ کیا کہ مسلمانوں کو خیمہ زن ہونے کا موقع نہ دیا جائے اور ان پر حملہ کر دیا جائے اوسان پر افراتفری طاری کر کے رزم گاہ سے بھاگ جانے پر مجبور کر دیا جائے۔

ان تینوں جرنیلوں کی یہ عیاری اور دھوکہ دہی پر مبنی ترکیب کسی معمولی جرنیل کے خلاف ضرور سودمند اور کامیاب رہتی لیکن یہاں ان کا مقابلہ اور سامنا خالدؓ بن ولید سے تھا۔ جس وقت ان تینوں نے خالدؓ بن ولید کے لشکر پر حملہ کیا تو وہ دنگ رہ گئے۔ انھوں نے دیکھا پڑاؤ نہ کرنے کے باوجود خالدؓ بن ولید کے لشکر نے لمحوں کے اندر اپنی جنگی ترتیب کو برقرار رکھتے ہوئے دشمن پر جوابی حملہ کر دیا تھا۔

ہذیل، زرمہر اور روزبہ کا خیال تھا کہ وہ مسلمانوں کو ان کی جنگی ترتیب میں نہ آنے دیں گے اور انہیں منتشر کر کے رکھ دیں گے۔

لیکن خالدؓ بن ولید نے اپنے لشکر کی پوری ترتیب اور تنظیم برقرار رکھی تھی۔ سامنے کی طرف سے وہ خود، دائیں طرف سے مثنیٰ اور بائیں طرف سے عدیم نے ان پر چمکتے ستاروں کے خرام، موت کی رقصاں اُنگلیوں اور آتشی لاوے کی طرح حملہ کر دیا تھا۔

خالدؓ بن ولید، مثنیٰ اور عدیم کی کمانداری میں لڑنے والے مجاہدین، قافلہ نور اور تیز رفتار وقت کے جلال کی طرح حملہ آور ہو کر دشمن کی گرسنہ شریانوں میں مایوسی کی لہریں اور نظروں میں خوف کے پیچ و تاب بھرنے لگے تھے۔

مجاہدین کے حملوں میں لذّت کی رفتار اور انگور کے شیرہ جیسی تازگی تھی، اجالوں کے پھیلتے سمندر کی طرح انھوں نے حملہ آور ہو کر دشمن کی حالت سنسان ٹیلوں، آنسوؤں کی

اور یادوں کی آہوں جیسی کر دی تھی۔

صرف تھوڑی دیر ہی کی جنگ کے درمیان دونوں ایرانی جرنیل زرمہر اور روزبہ ے گئے۔ ہذیل نے باقی بچنے والے لشکر کے ساتھ میدانِ جنگ سے بھاگ کر الزمیل میں لینے کی کوشش کی لیکن اس کے پیچھے پیچھے خالدؓ بن ولید بھی اپنے لشکر کے ساتھ شہر میں ل ہو گئے۔ آپ نے ہر اس شخص کو تہ تیغ کرا دیا جو مسلح ہو کر سامنے آیا اور الزمیل شہر پہ آپ نے کر لیا تھا۔ غیر مسلم عربوں کا جرنیل ہذیل بھی اس جنگ میں مارا گیا تھا۔

اس جنگ میں اس قدر مالِ غنیمت[۱] مسلمانوں کے ہاتھ لگا جس کا شمار نہ تھا۔ مالِ غنیمت پانچواں حصہ ایک شخص صباح کی حفاظت میں مدینۃ النبیؐ کی طرف روانہ کر دیا گیا اور باقی سارا غنیمت لشکریوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ اس جنگ نے ایرانیوں کی کمر توڑ دی تھی اور غیر مسلم وں کی قوت کا مکمّل طور پر صفایا کر دیا تھا۔

الزمیل پر قبضہ کرنے کے بعد خالد بن ولید نے یہاں چند روز تک قیام کیا۔ پھر وں نے لشکر کے ساتھ وہاں سے کُوچ کیا اور دریائے فرات کے کنارے فراض کے مقام پہ جا خیمہ زن ہوئے تھے۔

سورج اپنی ذات کے زنداں میں اسیر زمانے کے بعد اور وقت کی دوریوں کو گلے لگاتا ہُوا، اک اطاعت و انکساری میں اپنی سنہری کرنیں بکھیر تا غروب ہو رہا تھا طلسم سکوت ے لبریز فضائیں اور ناہموار پہاڑیاں خواب در آغوش ہونے کو سر جھکائے ہوئے تھیں۔

نیا بوث دیوان خانے میں بستر پر لیٹی ہوئی تھی اور رمیتا اس کے پاس بیٹھ کر اس ہم ہلکے ہلکے دبا رہی تھی۔ جب کہ حذیفہ کے دونوں بیٹے عدیم اور لابان بھی وہیں دیوان نے کے اندر بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک دم بیمار اور نحیف نیا بوث چونک اٹھی کیونکہ حویلی ے صدر دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

---

[۱] اس مالِ غنیمت میں جو عورتیں تھیں ان میں سے ایک بنتِ ربیعہ تھی جسے حضرت علیؓ نے خریدا جس سے آپؓ کے ہاں آپؓ کا بیٹا عمر اور بیٹی رقیہ پیدا ہوئی۔

نیابوٹ نے رمیتا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "اس وقت حویلی کے دروازے پر کون دستک دے سکتا ہے۔ میرا دل کہتا ہے۔ ترمید، حذیفہ اور ہانی میرے بیٹے یوعام اور اس کی بیوی نباط کو لے کر آگئے ہیں۔"

رمیتا نے اٹھ کر دروازے کی طرف بھاگتے ہوئے کہا۔ "میں دیکھتی ہوں ماں! کون آیا ہے۔" حذیفہ کے دونوں بچے، عدیم اور لابان بھی اس کے ساتھ بھاگ لیے تھے۔

رمیتا نے جب حویلی کا دروازہ کھولا تو باہر ترمید، حذیفہ، ہانی، عدیم اور نباط کھڑے تھے۔ حذیفہ کے دونوں بچے بھاگ کر باری باری حذیفہ اور ہانی سے لپٹ گئے۔ حذیفہ نے یوعام کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اے میرے عزیز بھائی! یہ ترمید کی بیوی رمیتا ہے۔"

یوعام نے آگے بڑھ کر پیار سے رمیتا کے سر پہ ہاتھ پھیرا پھر حذیفہ نے نباط کی طرف اشارہ کر کے رمیتا سے کہا۔ "رمیتا! رمیتا! میری بہن! یہ یوعام کی بیوی نباط ہے۔"

رمیتا پہلے بھاگ کر نباط کو گلے لگا کر ملی پھر اس سے اس کا بچہ لے کر وہ اسے چومنے لگی تھی۔ حذیفہ نے اس بار اپنے دونوں بچوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ان دونوں سے بھی ملیں۔ بڑے کا نام عدیم اور چھوٹے کا نام لابان ہے۔ یہ دونوں مجھے میرے عزیز باپ اور چھوٹے بھائی عدیم کی یاد دلاتے ہیں۔ یہ ان کی یادوں اور ان کے پیار کی کمی اور خلا کو پُر تو نہیں کر سکتے لیکن پھر بھی ان کے یہ نام میری ذات کے لیے ایک ڈھارس ضرور ہے۔"

یوعام اور نباط دونوں عدیم اور لابان کو پیار کرنے لگے تھے۔

پھر وہ حویلی میں داخل ہوئے۔ نیابوٹ نے انہیں آتے دیکھ لیا تھا۔ لہٰذا بیمار اور لاغر ہونے کے باوجود نہ جانے اس میں اتنی ہمت کہاں سے آگئی کہ وہ تکیوں کے سہارے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

جب وہ سب دیوان خانے میں آئے تو حذیفہ نے بہار کے پرندوں کی طرح خوشی میں چہچہاتے ہوئے کہا۔ "ماں! دیکھو میں اپنے ساتھ اپنے بھائی یوعام اور اس کی بیوی نباط کو لائی ہوں۔"

یوعام بھاگ کر آگے بڑھا اور نیابوٹ اسے اپنے ساتھ لپٹا کر چومنے لگی تھی۔ یوعام کے بعد نیابوٹ نے نباط کو لپٹا کر پیار کیا۔ پھر رمیتا نے یوعام کے بچے کو نیابوٹ کی گود میں رکھتے ہوئے کہا۔ "ماں! یہ اپنے یوعام کا بیٹا ہے۔"

نیابوٹ نے پہلے جی بھر کر بچے کو پیار کیا پھر اس نے یوعام سے کہا۔

"تو کہاں کھو گیا تھا میرے لال! تم بہن بھائیوں کی تلاش میں میری زندگی انحطاط و زوال اور فراق و ہجر کا شکار رہی۔ جس طرح شبنم کے قطرے رات کی پلکوں سے صبح کے جگر میں اُترتے ہیں، اس طرح تم سب کی جدائی کا غم میرے دل میں تیر بن کر کھبتا رہا۔ آہ تم لوگوں کے بغیر میری زندگی ایک رات، ایک ظلمت، ایک تنہائی اور خلا تھی۔ میں تم لوگوں کی تلاش میں بیگانہ صورتوں کے پیچھے بھاگتی تھی۔

لوگ زندگی کے سمندر کی گہرائیوں میں خوشیوں کے گیت گاتے تھے اور میں زمانے کی ان خوشیوں کے سامنے ایک بوسیدہ قبر کی طرح کھڑی اپنی تاریک زندگی پر آنسو بہایا کرتی تھی۔ تم کہاں کہاں رہے میرے بیٹے! مجھ سے اپنی داستان تو کہو۔" یوعام نیابوٹ کے پاس بیٹھ کر اپنی ساری داستان سنا رہا تھا۔

جب یوعام خاموش ہوا تو نیابوٹ نے اس کے بچے کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "تو نے اپنے بچے کا نام کیا رکھا ہے بیٹے!"

یوعام نے کہا۔ "اے میری ماں! آپ جانتی ہیں مجھے میرا چھوٹا بھائی عدیم بہت پیارا اور عزیز تھا۔ لہٰذا اپنے سکون کی خاطر اور اپنے بھائی کی یاد کو تازہ رکھنے کی خاطر میں نے اپنے بیٹے کا نام عدیم رکھا ہے۔"

عدیم کے ذکر پر نیابوٹ بے چاری کی ساری خوشی کافور ہو گئی تھی اور اس کے چہرے کا رنگ ہلدی ہو کر رہ گیا تھا۔

عدیم کے ذکر پر نیابوٹ بے چاری چند ثانیوں تک اپنے ہونٹ کاٹتی رہی پھر اس نے حذیفہ کو مخاطب کر کے کہا۔ "اے میری بیٹی! میں نے تمہیں زور دے کر کہا تھا کہ رمینس اور سیریا سے مل کر آنا۔ کیا تم لوگ اُن کے پاس گئے تھے؟"

حذیفہ نے کہا۔" اے میری ماں! ہم ان دونوں سے مِل کر آئے ہیں۔ وہ دونوں میاں بیوی بہت اچھے ہیں۔ ان دونوں نے ہم سب کے لیے کپڑے بھی دیئے ہیں۔ جو انہوں نے پہلے سے خرید کر رکھے ہوئے تھے۔ ان کپڑوں میں میرے، ہانی اور میرے بچّوں کے کپڑے نہ تھے۔ پر جس روز ہم ان کے پاس گئے اسی روز ہم سے ملنے کے بعد رمینس بازار گیا اور ہم چاروں کے کپڑے بھی خرید لایا۔

اے میری ماں! میں زندگی میں پہلی بار رمینس سے ملی ہوں، پر خداوندِ عظیم کی قسم اس سے مجھے اپنائیت کی خوشبو آتی تھی۔ ایسی ہی خوشبو جو میرے باپ لابان کے تعلق سے تھی اور جو میرے عزیز بھائی یوعام اور ترمید کے رشتوں میں ہے۔

ہاں ماں! وہ مجھے پرایا نہیں لگا۔ میں اسے کہنا چاہتی تھی کہ وہ مجھے اجازت دے کہ میں اسے رمینس کے بجائے عدیم کہہ کر پکارا کروں۔ پر ہائے حیف! یہ سب کچھ میں اسے کہہ نہ سکی۔ کاش وہ میرا بھائی عدیم ہوتا، تو اے میری ماں! میں کیسی خوش بخت بہن اور کیسی سرخرو بیٹی ہوتی۔

نیا بوث بے چاری گہری سوچوں میں کھوگئی۔ پھر اس نے کہا۔" کاش! عدیم اور سیریا بھی تم سب کے ساتھ آئے ہوتے تو میں سمجھتی مجھے میرے تینوں بیٹے مِل گئے ہیں۔ میں رمینس کو اس وقت سے جانتی ہوں۔ جب وہ ابھی نوعمر تھا اور اپنے باپ کے ساتھ اسکندریہ میں رہتا تھا۔

اس نے ایک بار رومنوں سے میری جان بچائی تھی تب سے مجھے ایسا لگا تھا کہ میری جان بچانے والا وہ رمینس کسی غیر کا بیٹا نہیں، میرا اپنا عدیم ہے۔ نہ جانے میرا بیٹا عدیم کہاں اور کس حال میں ہوگا۔ وہ تو اپنا نام بھی نہ کہہ سکتا تھا۔ کس نے اسے پالا ہوگا اور اس کا کیا نام رکھ دیا ہوگا۔

آہ! کب یہ بھید کھُلے گا اور کب میں اپنی ذات میں مکمل ہوں گی۔ اپنے اس چھوٹے بیٹے کے بغیر ابھی نا تمام اور ادھوری ہوں۔ اگر وہ مجھے مِل گیا تو میں سمجھوں گی کہ بنتِ نیل کی حیثیت سے جو سفر میں نے مصر کی سرزمین سے شروع کیا تھا۔ وہ یہاں آکر ان صحراؤں

کے اندر مکمل ہوگیا ہے۔"

حذیفہ نے شاید نیا بوث کا دِل بہلانے کی خاطر کہا۔" ماں! میں آپ کو وہ کپڑے لاکر دکھاتی ہوں جو رمینس اور سیریا نے ہم سب کے لیے بھیجے ہیں۔ وہ بڑے عمدہ، قیمتی اور نفیس کپڑے ہیں ماں!"

حذیفہ اٹھی اور بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی۔ ترمید بھی اُٹھ کر سارے گھوڑوں کو اصطبل میں باندھنے لگا تھا جب کہ حذیفہ اپنے گھوڑے کی خرجین سے کپڑے نکالنے لگی تھی۔

حذیفہ کے جانے کے بعد نیا بوث نے یوعام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔" اے میرے فرزند! میں نے سُنا تھا حیرہ شہر میں جھیل نجف کے کنارے تیرا اک اپنا مکان تھا کیا تم اسے بیچ آئے ہو؟"

یوعام نے کہا۔" نہیں ماں! وہ میں نے ابھی بیچا نہیں۔ اس میں ہمارا سارا سامان پڑا ہوا ہے۔ ہمارے ہمسائے بہت اچھے ہیں۔ وہ ہمارے مکان اور ہر چیز کی دیکھ بھال کریں گے پھر میں کسی مناسب موقع پر جاؤں گا۔ مکان بیچ آؤں گا اور سامان یہاں اُٹھوا لاؤں گا ———"

یوعام کہتے کہتے خاموش ہوگیا۔ کیوں کہ حذیفہ سارے کپڑے جو عدیم نے دیئے تھے، اُٹھا لائی تھی۔

سارے کپڑے اس نے نیا بوث کی گود میں رکھ دیئے اور کہا۔" ماں! یہ وہ کپڑے ہیں جو رمینس نے ہم سب کے لیے بھجوائے ہیں۔"

نیا بوث اُلٹ پلٹ کر سارے کپڑے دیکھنے لگی پھر حذیفہ نے ان میں سے سب سے زیادہ قیمتی ایک کپڑا نکالا اور نیا بوث کو تھماتے ہوئے کہا۔" ماں! یہ رمینس نے آپ کے لیے بھیجا ہے"۔

نیا بوث نے اس بار ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہا۔" رمینس بہت اچھا بچّہ ہے میں تو اسے اپنا بیٹا ہی سمجھتی ہوں، پر وہ بھی ہمارے ساتھ ایسا ہی سلوک کرنے لگا ہے۔ گویا وہ پرایا اور اجنبی نہیں ہمیں سے ہو اور اسی گھر کا ایک فرد ہو"۔

اس موقع پر یوعام نے نیابوث کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "ماں! ماں! بچھڑنے کے وقت سے لے کر اب تک مجھے اپنے پورے حالات سناؤ۔"

نیابوث کے اشارے پر حذیفہ نے اس کی گود میں رکھے ہوئے سارے کپڑے سمیٹ لیے تھے۔ نیابوث پلنگ پر لیٹ گئی۔ پھر وہ یوعام اور نباط کو اپنے حالات تفصیل سے کہہ رہی تھی۔

مدائن کے قصر میں کسریٰ ایران فرخ زاد ایران کے عجوبہ روزگار اور ہاتھی دانت، ساگوان ر سونے چاندی کے بنے ہوئے تختِ طاقدیس پر بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے سامنے ایک نصرانی اہب کو پیش کیا گیا۔

وہ راہب جب کمرے کے فرشِ زمستانی پر آہستہ آہستہ چلتا ہوا فرخ زاد کے سامنے آکر د جھک کر آداب بجالایا تو فرخ زاد نے اس راہب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے بتایا گیا ہے کہ رومی سلطنت کے شہنشاہ ہرکولیس نے تمہیں ہماری طرف کسی اہم اور ضروری کام کے ے بھیجا ہے۔ کہو اپنے آنے کا مقصد اور مدعا بلا جھجک کہو۔" ساتھ ہی فرخ زاد نے اپنے رے عہدیداروں کے پاس ایک خالی نشست کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "تمہیں جو کچھ کہنا ہے بیٹھ کر کہہ سکتے ہو۔ اس راہب نے اپنے سر کو خوب جھکاتے ہوئے کہا۔

"اے بادشاہ! میرا نام انیفس ہے۔ مجھے ہرکولیس نے اس غرض سے آپ کی ن روانہ کیا ہے کہ میں آپ سے یہ درخواست کروں کہ مسلمانوں سے نمٹنے کے لیے آپ ارا ساتھ دیں۔ آپ جانتے ہیں مسلمانوں نے ایرانی سلطنت کے مغربی حصوں پر آباد غیر م عربوں کو تاراج کرتے ہوئے ان کے وسیع علاقوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس کے بعد وہ

ان عربوں کی طرف بڑھے جو رومی سلطنت میں آباد تھے اور انہیں بھی مسلمانوں نے کچل کر رکھ دیا ہے۔

ان دنوں مسلمانوں کے سالار خالدؓ بن ولید فراض کے مقام پر اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن ہیں۔ گو فراض رومی سلطنت میں ہے لیکن وہ ایسی جگہ ہے جہاں رومی ایرانی اور جزیرہ کی سرحدیں آکر ملتی ہے۔ جزیرہ رومی سلطنت میں ہے لیکن وہاں کے عربوں کو بھی مسلمانوں نے روند کر رکھ دیا ہے۔

یاد رکھیئے! مسلمان اب اپنے اردگرد کے عربوں سے نمٹ چکے ہیں۔ ان نصرانی عربوں میں سے اکثریت نے اسلام قبول کر کے مسلمانوں کی قوت میں اور اضافہ کر دیا ہے عربوں پر مکمل طور پہ اپنی بالادستی قائم کرنے کے بعد اب مسلمان ہمارا اور آپ کا رُخ کریں گے۔ ان کے اگلے ہدف مدائن اور قسطنطنیہ ہوں گے بلکہ ان دنوں مسلمانوں کے کچھ قراول فلسطین اور یرموک کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اگر اس موقع پر روم اور ایران نے اتحاد نہ کیا تو مسلمان دونوں سلطنتوں کو باری باری اپنے سامنے زیر کرنے کے بعد تباہ و برباد کر دیں گے۔

قسطنطنیہ کی نسبت مدائن کو زیادہ خطرہ ہے۔ کیونکہ قسطنطنیہ پہاڑوں اور سمندر میں گھرا ہوا ایک محفوظ مرکز ہے، اس کے مقابلے میں مدائن کا دفاع کمزور ہے اور ایک طرح سے قدرتی دفاع سے بھی محروم ہے۔ ان حالات میں کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم متحد ہو کر مسلمانوں کا خاتمہ کر دیں۔ اس میں دونوں حکومتوں کی ہی بہتری ہے۔ اس مقصد کے لیے ہرکولیس نے ایک لاکھ کا لشکر ترتیب دیا ہے اور یہ لشکر ہرکولیس کے بھائی تھیوڈورو کی کمانداری میں ہے اور اس لشکر کے ساتھ تھیوڈورو فراض سے دس فرسنگ شمال میں خیمہ زن ہے۔"

راہب جب خاموش ہوا تو فرخ زاد نے گویا نیند، نشے اور کچی بیداری سے چونکتے ہوئے کہا "کیا تم یہ حقیقت بیان کر رہے ہو کہ عرب مسلمانوں سے رومنوں اور ایران جیسی عظیم و قدیم سلطنت کو خطرہ ہے کہ ریگستانوں کے اندر اپنے ریوڑوں کے لیے چراگاہوں کی تلاش کو والے عربوں کو یہ جرأت اور جسارت ہو سکتی ہے کہ وہ قسطنطنیہ اور مدائن کے ایوانوں کا رُخ کریں گے۔

کیا جَو کھا کر اور ستّو پھانک کر گزارہ کرنے والوں کے پاس اس قدر وسائل ہو سکتے ہیں کہ وہ مدائن تک پہنچ سکیں۔ کیا اس وقت تک ہم انہیں ننھے مُنّے بچّوں کے کھلونوں اور کسی بھیانک انہونی اور خوفناک خواب کی طرح ریزہ ریزہ اور کرچی کرچی کر کے بکھیر کر نہ رکھ دیں گے۔"

راہب نے کہا۔ "مسلمان اسلام قبول کرنے سے پہلے بے شک بے ضرر چرواہے اور خانہ بدوش ہی تھے لیکن ان کے اندر محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) نام کے جس شخص نے نبوّت کا دعویٰ کیا تھا اس نے ان کی ہیّت یکسر بدل کر رکھ دی ہے۔

اب وہ جَو کھانے اور ستّو پھانکنے والے عرب اسلام قبول کرنے اور اپنے اس رسولؐ کی تعلیم پر عمل پیرا ہونے کے بعد دریا سے سمندر، بگولے سے آندھی، صرصر سے طوفان، بارش سے سیلاب، جگنو سے برق، بازگشت سے رعد کی چنگھاڑ اور چنگاری سے آتش فشاں بن گئے ہیں۔

ان کے سامنے ہر لشکر کی سانس ٹوٹ رہی ہے۔ ہر جرنیل کے ہونٹ کانپ رہے ہیں اور یہ ہزاروں بدرنگ چیتھڑے پہننے والے عرب اب زندگی کے سمندر کی گہرائی، روحانیت کی باریکیوں کے عالم بن کر ایران و روم کی سلطنت کے اُفق پر ہیولوں کے عکسوں کے طوفان کالی رات کے اندھے سمندر، شدِ آتش و خون کے طوفان کی طرح چھانے لگے ہیں۔ اگر آج انہیں نہ روکا گیا تو کل یہ ہماری دونوں سلطنتوں کے اعضاء و جوارح کاٹ کر دجلہ و فرات اور یردن میں پھینک کر رکھ دیں گے۔

اے بادشاہ! فلسطین کے ایک یہودی نے کہ جو قدیم علوم کا ماہر، الہیات کا غواص پرانے صحائف و اساطیر کا رازداں اور تورات کی پیش گویوں کا شارح ہونے کے [illegible] ایک اعلیٰ پایہ کا رمّال اور نجومی بھی ہے اس نے پیش گوئی کی تھی کہ ایران کی پوری سلطنت اور روما کا اکثر علاقہ مسلمانوں کے زیرِ نگیں آجائے گا۔

گو ہرکولیس کے حکم پر اس یہودی عالم کو صلیب پر لٹکا دیا گیا تھا۔ پر اس سے کیا ہوتا ہے۔ خود مسلمانوں کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ایران اور روما کی فتح کی پیش گوئی کرنے کے علاوہ یہ بھی کہہ چکے ہیں کہ قسطنطنیہ کو ایک ایسا مسلم جرنیل فتح کرے گا جو ان کا ہم نام ہوگا۔

اے بادشاہ اب بھی وقت ہے اگر ہم آپس میں اتحاد کر لیں تو طوفان کا رُخ موڑ سکتے ہیں ان سُرخ آندھیوں پر قابو پا سکتے ہیں جو ٹڈی دَل کی طرح ہمارے علاقوں کا رُخ کر رہی ہیں کاش میرے پاس ایسے الفاظ ہوتے کہ میں آنے والے طوفانی دِنوں کی عکاسی کر سکتا۔ ان جنگوں کا نقشہ پیش کر سکتا جو قریب ترین مستقبل میں ہمارے سروں پر منڈلا رہے ہیں۔"

راہب جب خاموش ہوا تو فرخ زاد نے کہا۔ "تم کہتے ہو کہ مسلمانوں کا جرنیل خالدؓ بن ولید اپنے لشکر کے ساتھ دریائے فرات کے کنارے فراض کے مقام پر مقیم ہے اور تم لوگوں کا لشکر تمہارے شہنشاہ ہرکولیس کے بھائی تھیوڈورو کی کمانداری میں فراض سے دس فرسنگ شمال میں ہے۔ تمہارا یہ بھی کہنا ہے کہ تھیوڈورو کے ساتھ ایک لاکھ کا لشکر ہے۔ پہلے تم یہ تو کہو مسلمانوں کے جرنیل خالدؓ بن ولید کے پاس جو لشکر ہے اس کی کل تعداد کیا ہو گی۔

راہب نے گردن جھکاتے ہوئے اور سوچ کر کہا۔ "مسلمانوں کے اس لشکر کی تعداد زیادہ سے زیادہ اٹھارہ ہزار ہوگی۔"

فرخ زاد نے ایک طنزیہ مسکراہٹ میں کہا۔ "حیرت ہے تمہارا جرنیل تھیوڈورو ایک لاکھ کی جمعیت کے ساتھ اٹھارہ ہزار سے خوفزدہ ہے۔ ان پر حملہ آور ہونے کے بجائے شمال میں خیمہ زن ہے اور اس قدر لشکر ہونے کے باوجود ان اٹھارہ ہزار سے مقابلہ کرنے کے لیے تم ہمارا تعاون بھی چاہ رہے ہو۔ کیا وہ ایک لاکھ اس قابل نہیں کہ ان اٹھارہ ہزار کو کچل کر رکھ دیں۔"

راہب نے اس بار تیوریاں چڑھا کر کسی قدر انتقامی لہجے میں کہا۔ "تھیوڈورو کے پاس تو صرف ایک لاکھ ہی کا لشکر ہے جب کہ آپ جانتے ہیں خالدؓ بن ولید اس اٹھارہ ہزار کے لشکر کے ساتھ ایک لاکھ سے بڑے بڑے ایرانی لشکروں کو بھی تباہ و برباد کر چکے ہیں اور وہ ایرانی فوجوں سے ایک شہر کے بعد دوسرا شہر چھین کر ایک وسیع علاقے پر قابض ہو چکے ہیں۔ مسلمانوں کے ہاتھوں اس قدر نقصان اُٹھانے کے باوجود آپ کی گفتگو اتحاد و تعاون کے جذبے سے خالی ہے کیا میں یہ سمجھ لوں کہ مسلمانوں کے خلاف ایک فیصلہ کن جنگ کرنے کے لیے آپ ہمارا ساتھ دینے کو تیار نہیں۔ اگر ایسا ہے تو میں اپنے جرنیل تھیوڈورو کے پاس لوٹ جاتا ہوں اور اسے کہتا ہوں، ایرانی مسلمانوں سے خوفزدہ ہیں اور یہ میدان اب تم اکیلے ہی کو مارنا ہے۔ پر اے سلطنت ایران کے عظیم شہنشاہ آگ کا ۔ جب روشن ہوتا ہے تو اس کی حرارت اِردگرد بھی پھیلتی ہے۔ اگر مسلمانوں نے ہمیں برباد کرنے میں پہل کی تو وہ بربادی پھر مدائن کا بھی رُخ کرے گی اور کوئی بھی ایرانی اس سے محفوظ نہ رہ سکیگا۔

راہب کے خاموش ہونے پر کسریٰ ایران فرخ زاد چند ثانیوں تک خاموش رہ کر سوچتا رہا پھر اس نے راہب کو مخاطب کرکے پوچھا۔ "کیا تمہارے بادشاہ ہرکولیس کے پاس کوئی اور شخص نہ تھا کہ اس نے ایسے اتحاد کے لیے ایک راہب کو نقیب بنا کر بھیجا ہے۔"

راہب انیفس نے کہا۔ "میرا آنا اس واقعہ کو اور اہمیت دیتا ہے۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اہلِ روما مسلمانوں کو اپنے لیے اس قدر خطرناک سمجھتے ہیں کہ راہب اپنے راہب خانوں سے اُٹھ کر اُن کے خلاف حرکت میں آگئے ہیں۔"

فرخ زاد نے پھر پوچھا۔ "تمہارے خیال میں کس قدر لشکر ہو تو اس اٹھارہ ہزار کے مسلمانوں کے لشکر پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

راہب نے کہا۔ "کم از کم دو لاکھ کا لشکر تو ہو۔ کہ ایک مسلمان کے مقابلے کے لیے ہمارے پاس دس لشکری ہوں۔"

فرخ زاد نے طنزاً کہا۔ "اور اگر کبھی مسلمانوں کا لشکر تعداد میں دو لاکھ ہو تو شاید یہ کہو کہ ان سے نمٹنے کے لیے پوری دُنیا کو اتحاد کرنا ہو گا۔"

راہب نے بلند آواز میں کہا۔ "آپ نے بالکل درست کہا مسلمان یقیناً ایسے ہی ہیں۔"

فرخ زاد نے اس بار فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "جیسا کہ تم نے کہا ہے کہ تم یہاں سے نکل کر تھیوڈورو کے لشکر میں جاؤ گے تو جاؤ جا کر تھیوڈورو سے کہو کہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ

دریائے فرات شرقی کنارے پر اس جگہ پڑاؤ کرے جہاں دریائے فرات کے اس پار فراض کے مقام پر مسلمان خیمہ زن ہیں۔ ہم مسلمانوں سے نمٹنے کے لیے ایک لاکھ کا لشکر ترتیب دے رہے ہیں اور یہ لشکر ہم اپنے جرنیل بہمن جازویہ کی سرکردگی میں اس طرف روانہ کر رہے ہیں جہاں ہم نے تھیوڈورو کو پڑاؤ کرنے کے لیے کہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تھیوڈورو کے وہاں پہنچنے سے قبل بہمن جازویہ اپنے لشکر کے ساتھ دریائے فرات کے شرقی کنارے خیمہ زن ہو چکا ہوگا۔

راہب نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ ”آپ نے یقیناً ایک دانشمندانہ فیصلہ کیا ہے آپ اور ہرکولیس کے اس اتحاد پر آنے والی رومن اور ایرانی نسلیں یقیناً فخر کریں گی۔ میں جس کام کے لیے آیا تھا۔ وہ ہو چکا۔ میں اب جا رہا ہوں“۔ راہب جھک کر آداب بجا لایا اور مدائن کے اس قصر سے باہر نکل گیا تھا۔

•

ہرکولیس کا بھائی اور سلطنت روما کا نامور جرنیل تھیوڈورو فراض شہر سے اوپر دس فرسنگ کے فاصلے پر خیمے زن تھا۔

خالدؓ بن ولید کے خلاف حرکت میں آنے کے لیے اسے اس راہب انیفس کا انتظار تھا جو کسریٰ ایران فرخ زاد کے پاس اتحاد و تعاون کی بات کرنے گیا ہوا تھا۔

ایک روز جب کہ سورج غروب ہونے کو جھک رہا تھا کہ تھیوڈورو اپنے چند ماتحت کمانداروں کے ساتھ اپنے خیمے میں بیٹھا اپنی آئندہ جنگ سے متعلق گفتگو کر رہا تھا کہ راہب انیفس اس کے خیمے میں داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی تھیوڈورو کے چہرے پر خوشی اور اطمینان کی لہریں بکھر گئیں اور ہاتھ کے اشارے سے اس نے ایک نشست کی طرف اشارہ کرتے ہوئے راہب انیفس سے کہا۔

”بیٹھیں، قسم خداوند خدا کی مجھے بڑی بے چینی سے آپ کا انتظار تھا۔ اگر دو ایک روز تک آپ اور نہ آتے تو میں کسی اور کو آپ کی خبر لانے کو مدائن بھیج چکا ہوتا۔ اب بتائیں کسریٰ ایران سے آپ کیا معاملہ کر کے آئے ہیں“۔

راہب انیفس نے کہا۔ ”میں آپ کے لیے ہو [illegible] خوش کن خبر لے کر آیا

ہوں۔ کسریٰ ایران فرخ زاد ہمارے ساتھ مسلمانوں کے خلاف اتحاد کرنے پر رضامند ہو گیا ہے۔ اس نے ایک لاکھ کا لشکر مہیا کرنے کا عہد کیا ہے اور اس کا ایک جرنیل بہمن جازویہ اس ایک لاکھ کے لشکر کو لے کر دریائے فرات کے مشرقی کنارے پر اس جگہ خیمہ زن ہوگا۔ جس کی عین سیدھ میں مغربی کنارے پر مسلمانوں کا لشکر پڑاؤ کیے ہوئے ہے۔ آپ کے نام فرخ زاد کا پیغام یہ ہے کہ آپ اپنے لشکر کے ساتھ اس جگہ پہنچ جائیں جہاں ایرانی لشکر نے دریائے فرات کے کنارے آکر خیمہ زن ہونا ہے تاکہ ایک متحدہ لشکر کی صورت میں مسلمانوں کے خلاف جنگ کی جا سکے۔

اب ہمارے اس دو لاکھ کے متحدہ لشکر کے سامنے مسلمانوں کا یہ عقیدہ کہ ان کا سپہ سالار خالدؓ بن ولید سیف اللہ ہے اور یہ کہ اسے زیر نہیں کیا جا سکتا ختم ہو جائے گا۔ اب اس جنگ میں دونوں لشکروں کی نسبت مسلمانوں کے حق میں زہر ثابت ہوگی۔ کہاں ہمارا دو لاکھ کا لشکر اور کہاں وہ صرف اٹھارہ ہزار ہمارے دس دس سپاہیوں کے حصے میں صرف ایک ایک مسلمان لشکری آئے گا۔

تھیوڈورو نے پھر بولتے ہوئے کہا۔ ”صرف دو لاکھ ہی نہیں بلکہ آپ کے مدائن جانے کے بعد ان گنت تعداد میں وہ نصرانی عرب بھی ہمارے لشکر میں آ شامل ہوئے ہیں جو گذشتہ جنگوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں ہزیمت اٹھاتے رہے ہیں۔

اب ہمارے لشکر کی تعداد اڑھائی لاکھ سے کسی صورت بھی کم نہ ہوگی اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس لشکر کے ساتھ ہم مسلمانوں کو عبرت ناک شکست دینے کے بعد ان کے شہر یثرب اور مکہ میں داخل ہو رہے ہوں گے۔ اب کوئی قوت، کوئی دعا، کوئی خیر و برکت مسلمانوں کو ہمارے عذاب، ہمارے قہر سے بچا نہ سکے گی“۔

راہب انیفس نے کہا۔ ”میں آپ کے لیے ایک نئی خبر بھی لایا ہوں۔ مدائن سے ادھر آتے ہوئے مجھے کچھ ایسے جوان ملے تھے جو پہلے کبھی رومن لشکر میں تھے اور انہوں نے گذشتہ کئی جنگیں مسلمانوں کے خلاف بھی لڑی ہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ رمینس نامی وہ جرنیل جو کبھی ہمارے لشکر کے میسرہ کا سالار ہوا کرتا تھا اور جو دو مسلمانوں کو رہا کرتے

ہوئے قسطنطنیہ سے بھاگ گیا تھا۔ وہ بھی خالدؓ بن ولید کے لشکر میں میسرہ کا کمانڈار ہے سنا ہے وہ کٹر مسلمان ہے اور اس نے اسلامی لشکر میں گزشتہ جنگوں میں بڑے نمایاں کارنامے انجام دیئے ہیں۔"

رمینس کا نام سُن کر تھیوڈورو کا رنگ غصّے اور انتقام میں سُرخ ہو گیا اور چند لمحوں تک وہ کچھ سوچتا رہا پھر اس نے راہب انیفس سے کہا۔" رمینس کا قسطنطنیہ سے بھاگ جانا ہماری بدنامی اور ناکامی کا باعث تھا۔ میں اسے اس جنگ میں ہر حال اور ہر صورت میں قتل کرنا چاہتا ہوں۔ اس جنگ میں اسے میں بتاؤں گا کہ رومنوں کی قوت کیسی ہے۔"

ذرا رک کر تھیوڈورو نے پھر کہا۔" اے مقدّس راہب! اپنے لشکر میں اعلان کرا دیجیے کہ جو کوئی بھی مسلمانوں کے سردار خالدؓ بن ولید اور اس کے میسرہ کے کمانڈار کا سَر کاٹ کر لائے گا اسے ہر سَر کے بدلے ایک لاکھ سنہری دینار انعام کے طور پر دیئے جائیں گے۔"

راہب خوش خوش باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد تھیوڈورو کے حکم پر رومن لشکر وہاں سے دریائے فرات کے شرقی کنارے کی طرف کُوچ کر رہا تھا۔

ایک روز شام ہونے سے کچھ دیر پہلے تھیوڈورو اپنے لشکر کے ساتھ جب اس جگہ پہنچا جہاں دریا کے دوسری سمت خالدؓ بن ولید اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیے ہوئے تھے۔ تو اس نے دیکھا وہاں بہمن جازویہ کی سرکردگی میں ایرانی لشکر پہلے ہی خیمہ زن تھا۔

تھیوڈورو نے ایرانی لشکر کے بالکل پہلو میں اپنے لشکر کو خیمہ زن ہونے کا حکم دیا اور ابھی وہ اپنے گھوڑے کے پاس کھڑا اپنے لشکر کو خیمہ زن ہوتا دیکھ رہا تھا کہ ایرانی جرنیل بہمن جازویہ اپنے محافظوں کے جلو میں اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا وہاں آیا۔

تھیوڈورو کے پاس آ کر وہ اپنے گھوڑے سے اُترا اور پھر مصافحہ کے لیے اس نے اپنا ہاتھ تھیوڈورو کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔" میں ایرانی لشکر کا سالار بہمن جازویہ ہوں اے تھیوڈورو! میں تمہیں تمہارے لشکر کے ساتھ یہاں خوش آمدید کہتا ہوں۔"

بہمن جازویہ سے ہاتھ ملانے کے بجائے تھیوڈورو نے اسے گلے لگا کر ملتے ہوئے کہا۔" میں بھی اس سرزمین میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ ہمارا باہمی تعاون یسوع و زرتشت کا اتحاد ہے اور ان دونوں پیغمبروں کی دعائیں ہمارے ساتھ ہوں گی اور ان کی روحوں کی قوت ہمارے دشمن کو مغلوب اور ہمیں ان پر غالب رکھیں گی۔"

بہمن جازویہ نے کہا۔" اب یقیناً ایسا ہی ہو گا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ مسلمان اپنے لشکر کے ساتھ فرات کے اس کنارے خیمہ زن ہیں۔ آپ انہیں جنگ کی باقاعدہ دعوت دینے کے لیے اپنے لشکر کو کتنے دن آرام اور تیاری کا موقع دیں گے کریں گے۔ میرا اپنا ذاتی خیال ہے اور پھر ہمارے لشکروں کی تعداد بھی اب ایسی بھاری ہے کہ ہمیں زیادہ دیر تفکّر اور شش و پنج میں نہیں پڑنا چاہیے بلکہ فی الفور اپنے عملی تعاون کا مظاہرہ کرنا چاہیئے۔"

تھیوڈورو نے کہا۔" میں خود آپ کے خیالات سے اتفاق رائے رکھتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ صرف آنے والی رات لشکر کو آرام اور جنگ کی تیاری کرنے کا موقع دیا جائے اور اگلے روز صبح ہی صبح مسلمانوں کے جرنیل خالدؓ بن ولید کو پیغام بھجوایا جائے کہ یا تو وہ دریا پار کر کے اس طرف آ جائے۔ ہم پیچھے ہٹ جائیں گے اور میدانِ جنگ کے طور پر وسیع علاقہ مہیا کریں گے یا اُسے کہیں گے کہ اپنے لشکر کے ساتھ وہ پیچھے ہٹ جائے اور ہمیں دریا کے اس پار اُترنے کا موقع دے۔

کل کا دن مسلمانوں، ایرانی اور رومن اقوام کے درمیان فیصلے کا دن ہو گا۔ آج رات ہی رات میرے لشکری نزدیک نزدیک کے درخت کاٹ کر دریا کے کنارے کنارے پل تعمیر کر دیں گے۔ اگر ہم نے دریا کو پار کیا تو اس پُل کو استعمال کریں گے اور اگر مُسلمانوں نے دریا کے اس پار آنا چاہا تو یہ پُل انہیں مہیا کریں گے۔ تاکہ آنے والی نسلیں تاریخ کے اوراق میں لکھیں کہ ہم نے مسلمانوں کو مارتے ہوئے فراخدلی سے کام لیا تھا۔"

بہمن جازویہ نے ہلکا ہلکا مگر گہرا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔" حالات بتاتے ہیں، کہ مسلمان فرات کے مغربی کنارے جنگ کریں یا مشرقی کنارے، دونوں جگہوں، دونوں صورتوں میں ہمارے لیے ان کی موت اور وحشت ناک شکست یقینی ہے۔"

تھیوڈورو نے بھی قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔" کل کا دن مسلمانوں کے لیے بدترین اور ہمارے لیے اُمیدوں، مسرتوں اور خوش خبریوں کا دن ہوگا"۔

بہمن جازویہ نے تھیوڈورو کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔" اسی خوشی میں میرے ساتھ آیئے آپ کا آج شام کا کھانا میرے ساتھ ہوگا"۔

دونوں اپنے گھوڑوں پر سوار ہوگئے پھر بہمن جازویہ تھیوڈورو کو اپنے لشکر کی طرف لے جارہا تھا۔

رات اپنی تنہائیوں اور ظلمتوں کو سمیٹتی ہوئی آخری سانس لے چکی تھی۔ وقت کی عکس جمال اور گوہر شناس آنکھوں نے رات کی اندھی گپھاؤں کے اندر سے چمکتی چھلکتی سحر کو اس کے پورے ذوقِ جمال وجلال کے ساتھ نمودار کر دیا تھا۔ طلسم سکوت سے لبریز اور سوئی ہوئی روحیں جاگ اٹھی تھیں۔ سورج طلوع ہونے کو تھا اور شفق آسمان کی نیلگوئی سے الوداعی انداز میں گلے مل رہی تھی۔

دریائے فرات کے کنارے اسلامی لشکر فجر کی نماز کے بعد اپنے کھانے سے بھی فارغ ہوچکا تھا اور جو لشکری دریا کے مشرقی کنارے خیمہ زن دشمن پر نگاہ رکھنے کے لیے فرات کے مغربی کنارے پر پہرہ دے رہے تھے انہوں نے دیکھا، چھوٹی سی ایک کشتی جس میں صرف تین آدمی سوار تھے اور جس پر سفید رنگ کا جھنڈا لہرا رہا تھا ان کی طرف بڑھ رہی تھی۔ چار پہریدار اپنے گھوڑوں کو بھگاتے ہوئے اس طرف بڑھے تھے جس طرف وہ کشتی کنارے کی سمت آرہی تھی۔

جب وہ کشتی کنارے پر آکر لگی تو اس میں دو ملاح اور تیسرا راہب انیفس تھا ایک مسلمان پہریدار نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔" تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو"۔

وہ راہب کچھ کہنے والا تھا کہ لشکر کی طرف سے خالدؓ بن ولید، مثنیٰ اور عدیم اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے اس طرف آرہے تھے۔

اس مجاہد نے راہب انیفس سے کہا۔" دیکھو ہمارے امیر خالدؓ بن ولید آرہے ہیں۔ تم نے جو کچھ کہنا ہے ان سے کہو۔ ان کے ساتھ ان کے نائب مثنیٰ اور عدیم ہیں"۔

خالدؓ بن ولید مثنیٰ اور عدیم کے ساتھ جب نزدیک آئے تو پہریدار ادھر اُدھر ہٹ گئے۔ تینوں دریا کے کنارے آکر اپنے گھوڑوں سے اُترے پھر خالدؓ بن ولید نے راہب انیفس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"اے راہب! میں خالدؓ بن ولید ہوں اور میرے ساتھ میرے یہ ساتھی مثنیٰ اور عدیم ہیں۔ میں نے تمہیں کشتی میں اس طرف آتے دیکھ لیا تھا۔ کہو تمہیں کس نے ہماری طرف بھیجا ہے اور اس طرف آنے کی تمہاری کیا غرض ہے۔ اگر تم ہمیں اپنے لشکر کی تعداد سے مرعوب کرنے آئے ہو تو لوٹ جاؤ کہ اس میں تمہیں ناکامی ہوگی۔ میں اور میرے لشکری پہلے ہی جانتے ہیں کہ اس آنے والی جنگ میں ہمارا سامنا اڑھائی لاکھ کے متحدہ لشکر سے ہوگا۔

سنو راہب! میرے مخبر مجھے یہ بھی اطلاع کر چکے ہیں کہ رومن جرنیل تھیوڈورو نے میرے اور میرے اس عدیم نام کے ساتھی کے سر کاٹنے پر ایک بھاری رقم انعام میں مقرر کر دی ہے"۔

راہب نے درمیان میں بولتے ہوئے کہا۔" یہ جانتے ہوئے بھی کہ آنے والے لشکر کی تعداد آپ کے لشکر کی نسبت دس گنا سے بھی زیادہ ہے پھر بھی آپ ایسے لشکر کے ساتھ مقابلہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں"۔

اس بار عدیم نے تیز نگاہوں سے اس راہب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔" تو کیا سمجھتا ہے کہ تیری اس قسم کی گفتگو ہمیں مرعوب کر دے گی، ہرگز نہیں۔ بخدا رومن، ایرانی اور دیگر غیرمسلم قوتیں اس سے دُگنا لشکر بھی لے آئیں تب بھی ہم اپنے رب کا نام اور اس کی حمد سے ابتدا کرکے ایسے لشکروں کو خشک، بے جان پتوں کی طرح اڑا دیں گے"۔

راہب نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا۔" آپ کے لشکر کی کل تعداد اٹھارہ ہزار سے زیادہ نہ ہوگی۔ کیا اتنے بڑے لشکر سے ٹکرا کر آپ اپنے لشکر کو خودکشی پر مجبور نہ کریں گے"۔

خالدؓ بن ولید نے کہا۔" یہ آنے والی جنگ ہی بتلائے گی کہ اڑھائی لاکھ والے خودکشی کرنے آئے ہیں یا اٹھارہ ہزار والے۔ تم وہ مدعا کہو جس کے لیے تم آئے ہو"۔

راہب انیفس نے اس بار متاثر ہوتے ہوئے کہا۔" مجھے تھیوڈورو اور بہمن جازویہ

نے بھیجا ہے۔ انہوں نے آپ کے لیے یہ کہلا بھیجا ہے کہ آج ہم آپ کو جنگ کی دعوت دیتے ہیں۔ یا آپ اپنے لشکر کے ساتھ دریا پار کریں۔ یا ہمیں موقع فراہم کریں کہ دریائے فرات کو پار کر کے مغربی کنارے پر آپ کے سامنے خیمہ زن ہو کر جنگ کی ابتدا کریں۔"

خالدؓ بن ولید نے کہا۔ "جاؤ لوٹ جاؤ۔ تھیوڈورو اور بہمن جازویہ سے جا کر کہو کہ وہ اپنے اپنے لشکر کے ساتھ دریائے فرات کو پار کر آئیں۔ ہم اپنے لشکر کو پیچھے ہٹا لیتے ہیں۔ اور اپنے اور فرات کے درمیان انہیں ایک وسیع اور کھلا میدان مہیا کریں گے اور سنو راہب! یہی میدان رومنوں اور ایرانیوں کی موت و مرگ کی پہلی سیڑھی ثابت ہوگا۔"

راہب چند ثانیوں تک خالدؓ بن ولید، مثنیٰ اور عدیم کو دیکھتا رہ گیا تھا۔ پھر وہ اپنی کشتی میں سوار ہو کر لوٹ گیا تھا۔

راہب کے جانے کے بعد عدیم نے خالدؓ بن ولید کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اے امیر! رومنوں کو آپ میرے سپرد کر دیں۔ میں انہیں دیکھ لوں گا اور ان سے خوب نمٹوں گا۔"

خالدؓ بن ولید نے کہا۔ "جیسا تم چاہتے ہو ایسا ہی ہوگا۔ میں جانتا ہوں تم ایک عرصہ ان رومنوں کے اندر رہے ہو اور ان کے طریقہ جنگ سے خوب واقف ہو۔ سن رکھو میرے ساتھیو! آج کا دن انتہائی اہمیت کا ہوگا۔ اگر ہم اپنے رب کا نام لے کر ابتدا کریں تو ہم ان ایرانیوں اور رومنوں کو بکریوں کے ریوڑ کی طرح مار بھگائیں گے۔ آؤ اب اپنے لشکر کو پیچھے ہٹا لیں کہ دشمن فرات کو پار کر کے ہمارے سامنے آئے۔"

خالدؓ بن ولید، مثنیٰ اور عدیم اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے واپس جا رہے تھے۔ دریائے فرات کے کنارے پہرہ دینے والے مسلمان لشکری بھی ان کے پیچھے پیچھے لشکر کی طرف جانے لگے تھے۔

⊙

خالدؓ بن ولید نے جب اپنے لشکر کو کافی پیچھے ہٹا لیا تو تھیوڈورو اور بہمن جازویہ نے اپنے لشکروں کے ساتھ فرات کو پار کیا اور اسلامی لشکر کے سامنے وہ خیمہ زن ہوئے۔ اپنا پڑاؤ درست کرنے کے بعد تھیوڈورو اور بہمن جازویہ نے جنگ کی ابتدا کرنے کے لیے اپنے اپنے لشکر کو ترتیب دینا شروع کر دی تھیں۔ انہوں نے اس متحدہ لشکر کو صرف دو حصوں میں ہی لڑانے کا فیصلہ کیا تھا۔ پورا ایرانی لشکر بہمن جازویہ کے تحت اور رومنوں کے علاوہ جنگ میں حصہ لینے والے غیر مسلم عرب تھیوڈورو کے تحت تھے۔

حملے کی ابتدا کرنے کے لیے سب سے پہلے تھیوڈورو نے اپنے لشکر کو آگے بڑھایا اور اس کے ساتھ بہمن جازویہ نے بھی ایرانیوں کو آگے بڑھایا تھا۔ مسلمانوں کی طرف سے رومنوں کے مقابلے میں عدیم اور ایرانیوں کے مقابلے میں مثنیٰ تھے۔

خالدؓ بن ولید نے اپنے حصے کے لشکر کو درمیان میں رکھا تھا تاکہ وہ بیک وقت رومن اور ایرانی دونوں سے نمٹ سکیں۔ رومنوں اور ایرانیوں کے حوصلے اس بنا پر بلند تھے کہ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی اور ان کے مقابلے میں مٹھی بھر مجاہد تھے۔

تھیوڈورو اور بہمن جازویہ کو پورا یقین تھا کہ فراض کے میدانوں میں مسلمانوں کو شکست دے کر وہ عرب کے اندرونی حصوں کی طرف پیش قدمی کریں گے۔

قبل اس کے رومن آگے بڑھ کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوتے عدیم نے اپنے حصے کے لشکر کو آگے بڑھایا اور رومنوں پر حملہ آور ہونے میں اس نے پہل کر دی تھی۔ اپنے لشکر کے ساتھ وہ ایک رفیع الشان وحدت کی طرح آگے بڑھا تھا۔ اس کے حملوں میں عظمت و بلندی کی معراج، اضطراب کی سوزش، قوت کا ارتعاش اور روحوں کو پگھلا دینے اور خیالات کو مسمار کر دینے والا عزم تھا۔

اپنے پہلے ہی حملے میں اس نے دشمن پر شام کے بادلوں اور صبح کی روشنیوں کی طرح چھا کر رومنوں پر تاریکی و بدبختی۔ بے چارگی و کسمپرسی، ناامیدی، خوف، تلخی اور فنا و بقا کا کھیل طاری کر دیا تھا۔ تحریک نغمہ سازاں، آگ کے دریا اور لہو کی ندیوں کی طرح عدیم نے ایسا پُرزور حملہ کیا تھا کہ اس نے رومنوں کی اگلی چند صفوں کا مکمل طور پر صفایا کرنے کے بعد ان کی پچھلی صفوں پر ہوا کا واویلا، سمندر کا شور برپا کر کے ان پر بدنظمی اور افراتفری کا عالم برپا کر کے رکھ دیا تھا۔

خالدؓ بن ولید اس جگہ حملہ آور ہوئے جہاں رومنوں اور ایرانیوں کی صفیں آ کر ملتی

تھیں ۔ خالدؓ بن ولید اپنے حصے کے لشکر کو لے کر دشتِ امین کے نور، سرِ طور جلتی شمع ندیوں کے ترنم کی طرح حملہ آور ہوئے تھے ۔ ان کی پیش قدمی پھولوں کی مہک، ندیوں کے ترنم، بہاروں کی سرمستیوں جیسا سکون اور ان کے حملہ آور ہونے میں ایک اجنبی لذت، بصیرتوں کی گہرائی اور ان کے مرکزِ فکر و نظر میں ماہ و انجم اسیر تھے ۔

لرزہ طاری کر دینے والی رفتار سے آگے بڑھ کر وہ رومنوں اور ایرانی دونوں کے حیوانی مقاصد، خواہشوں کی گندگی اور نفس کی ذلت و ننگ کو پامال اور لخت لخت کرنے لگے تھے ۔

انہوں نے رومنوں اور ایرانی دوتوں کی اگلی صفوں کے اندر قیامت کا کہرام اور طوفانی کی تباہ کاری برپا کر دی تھی ۔ ایرانی اور رومن دونوں ہی خالدؓ بن ولید کا سامنا کرتے ہوئے جی ہرانے لگے تھے ۔

ایرانی گو پچھلی کئی جنگوں کی لگاتار شکست کے باعث بد دل تھے لیکن رومنوں کے ساتھ مل جانے کے باعث ان کی ہمت اور لڑنے کی ساری قوتیں پھر عود کر آئی تھیں ۔ ان کے سامنے اپنے لشکر کے ساتھ متنیٰ تھے ۔

وہ ایک اہتمام کے ساتھ اپنے صحرا کے باسیوں کو لے کر ایرانیوں پر حملہ آور ہوئے تھے اور سورج کی لطیف شعاعوں اور ہوا کی آہ وزاری کی طرح انہوں نے اپنے آپ کو ان پر مسلط کر لیا تھا ۔ ایک لامتناہی قوت کی طرح آندھیوں اور بارش جیسی شدت کے ساتھ انہوں نے ایرانیوں کو اپنے سامنے روک کر حیرت و استعجاب میں ڈال دیا تھا ۔

جنگ اپنے عروج پر آ گئی تھی ۔ مسلمان درختوں کی سرسراہٹ اور خارِ مغیلاں کی طرح دشمن کے اندر گھس کر لڑنے لگے تھے ۔ اپنے تیز اور بلند اللہ اکبر کے نعروں سے انہوں نے بلندیوں اور پستیوں، ظلمت و استبداد، انحطاط و زوال اور فراق و ہجر کو دشمن کے لیے یک جا کر دیا تھا ۔

عدیم بڑی تیزی سے ہرکولیس کے بھائی تھیوڈورو کی طرف بڑھ رہا تھا جس نے خالدؓ بن ولید اور اس کے سر کے لیے انعام مقرر کر رکھا تھا ۔ اپنے تیز رو دستوں کے

ساتھ عدیم تھیوڈورو کے سامنے جا نمودار ہوا اور اسے بلند آواز میں پکارتے ہوئے اس نے کہا ۔

" تھیوڈورو! میری طرف دیکھ میں رمنیس ہوں ۔ جو کبھی تیرے بھائی ہرکولیس کے لشکر میں میسرہ کا کماندار ہوا کرتا تھا ۔ تو نے میرے سر کی قیمت لگائی تھی ۔ میں خود چل کر تیرے پاس آ گیا ہوں ۔

اے بدبخت انسان! میرا مقابلہ کر کہ تیری حالت میں سراپا تشنہ ندیوں، ذلت و پستی کے کفن اور اندھیری راتوں کی غم گین سموں جیسی کر دوں ۔"

تھیوڈورو کا رنگ عدیم کو اپنے سامنے دیکھ کر فق ہو گیا تھا ۔ جب کہ اس سمے عدیم کے لبوں پر تبسم کی موت اور مسکراہٹ گل سے بکھے گہرے حروف تھے ۔ پھر عدیم حصارِ ظلمت، گردشِ دوراں، تشنگی کے طوفان اور تقدیر کے عذاب کی طرح تھیوڈورو پر حملہ آور ہوا ۔

تھیوڈورو کی بدقسمتی کہ جب اللہ اکبر کا نعرہ مار کر عدیم اس پر حملہ آور ہوا، اس پر بوکھلاہٹ طاری ہو گئی ۔ وہ عدیم کے پہلے وار ہی کو نہ روک سکا اور عدیم نے تھیوڈورو کی گردن کاٹ دی تھی ۔

تھیوڈورو کے قتل ہونے پر رومنوں میں ایک کہرام مچ گیا اور وہ جنگ سے جی ہرا کر بھاگنے لگے ۔ اس موقع پر کسی گمنام مجاہد نے بہمن جاذویہ کو نیزہ مارا جو اس کے بازو میں پیوست ہو گیا تھا ۔ اپنے زخمی ہونے پر وہ بری طرح بوکھلا گیا تھا ۔ اور پھر جب اسے یہ خبر ہوئی کہ تھیوڈورو جنگ میں مارا گیا ہے اور رومن پسپا ہونے لگے ہیں تو بہمن جاذویہ اپنے لشکر کو چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا ۔ وہ جانتا تھا کہ اب کوئی طاقت انہیں شکست سے نہیں بچا سکتی اور جب عام فرار اور پسپائی شروع ہوئی تو شاید پل پر ایسا جمگھٹا ہو جائے کہ وہ گزر ہی نہ سکے ۔ لہٰذا وہ فوراً بھاگ کر دریائے فرات پر اس پل کو پار کر جانا چاہتا تھا جو تھیوڈورو نے گزشتہ شب وہاں بنایا تھا ۔

رومن اور ایرانی لشکریوں میں جب یہ خبریں عام ہو کر پھیل گئیں کہ تھیوڈورو جنگ

میں مارا گیا ہے اور بہمن جاذویہ بھاگ کر دریائے فرات کو پار کر گیا ہے تو ایرانی اور رومی فوراً پلٹے اور پُل کی طرف بھاگے لیکن پُل اتنا چوڑا نہ تھا کہ وہ فی الفور اسے پار کر سکتے اور پھر خالدؓ بن ولید اپنے لشکر کے ساتھ اُن کے تعاقب میں تھے۔ بائیں طرف سے عدیم، درمیان سے خالدؓ بن ولید اور دائیں جانب سے مثنیٰ اپنے آگے آگے بھاگتے رومنوں اور ایرانیوں کا قتلِ عام شروع کر چکے تھے۔

مسلمان جب تعاقب کرتے ہوئے پُل تک آ گئے تو اکثر ایرانی اور رومن مسلمانوں کے ہاتھوں تہ تیغ ہو گئے تھے، کچھ دریائے فرات میں چھلانگ کر ڈوب مرے اور بہت کم ایسے تھے جو اپنی جانیں بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہو سکے تھے۔ اس جنگ سے بے شمار مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا تھا۔

اس عظیم الشان فتح کی خبر جب مدینۃ النبیؐ پہنچی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی فہم و فراست اور دانش مندی سے ایک تاریخی فیصلہ کیا۔ انہوں نے خالد بن ولید کو حکم بھیجا کہ لشکر کے دو حصے کیے جائیں۔ ایک حصہ خالد بن ولید اپنے پاس رکھ کر ارضِ شام پر حملہ آور ہوں اور دوسرا آدھا حصہ مثنیٰ کو دیا جائے تاکہ وہ ایران کے اندرونی حصوں کی طرف یلغار کریں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ جان گئے تھے کہ فراض کی فتح نے ایرانی اور رومنوں کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے اور اب ان دونوں عظیم سلطنتوں پر قابو پانا کوئی مشکل امر نہیں رہا۔ اس طرح نوہزار کے ساتھ سلطنتِ ایران کو اور نوہزار کے ساتھ رومنوں کی عظمت اور جلال کو فتح کر لینے کا عزم کر لیا گیا تھا۔

اس کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خالدؓ بن ولید کو یہ حکم بھی جاری کیا تھا کہ لشکر میں جس قدر عورتیں اور زخمی ہیں انہیں گھروں کو واپس بھجوا دیا جائے۔

نیابوث کی بیماری اپنے عروج پر آ گئی تھی اور اس کے بچنے کی کوئی اُمید نہ رہی تھی۔ اس کا پلنگ دیوان خانے سے نکال کر کھلے برآمدے میں لگا دیا گیا تھا۔

صیدا کی خانقاہ کا قدوم اپنی بیوی زمیل اور دونوں بچوں کے ساتھ آج کل وہیں آ کر ٹھہرا ہوا تھا کیوں کہ وہ چاروں حج کی غرض سے آتے تھے اور انہوں نے وہیں قیام کر رکھا تھا۔

ایک روز جب کہ نیابوث کی طبیعت زیادہ خراب تھی۔ یوعام، ترمید، ہانی، حذلیفہ بیتا، قدوم اور اس کی بیوی زمیل اس کے اردگرد دوسرے پلنگوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور حذلیفہ اور زمیل کے بچے حویلی کے باغ میں کھیل رہے تھے کہ حویلی کے دروازے پر دستک ہوئی۔

ترمید نے اُٹھ کر جب حویلی کا دروازہ کھولا تو عدیم اور سیریا حویلی میں داخل ہوئے زمید عدیم کو گلے لگا کر ملا اور پھر ان دونوں کے گھوڑوں کو اصطبل کی طرف لے گیا تھا۔ عدیم اور سیریا نے اپنے گھوڑوں سے سامان اور دیگر اشیاء اور کپڑوں سے بھری خرجینیں اُتار لی تھیں۔

یوعام اور بانی بھی اُٹھے اور عدیم کو گلے لگا کر ملے۔ زمیل، رمیتا اور حذیفہ، سیریا کو گلے لگا کر مل رہی تھیں۔ اس موقع پر نیابوث نے نحیف سی آواز میں پوچھا "کون آیا ہے؟"

حذیفہ نے کہا۔ "ماں آنکھیں کھول کر تو دیکھو رمنیس اور سیریا آئے ہیں"۔

عدیم اور سیریا نیابوث کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ نیابوث نے آنکھیں کھولیں اور باری باری اس نے دونوں کے سروں پر ہاتھ پھیرا اور مدھم آواز میں کہا۔ "تم آگئے میرے بچو! بخدا میرا دل کہتا ہے اس گھر کے افراد کے مکمل ہونے میں صرف تم دونوں ہی کی کمی رہ گئی تھی"۔

اتنی دیر میں رمیتا اندر گئی اور سیریا کا لکڑی کا ایک صندوق لا کر اس نے سیریا کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارا یہ صندوق لے آئی ہوں۔ چمڑے کی ان خرجینوں سے اپنے کپڑے اور دیگر سامان نکال کر اس صندوق میں ڈال دو"۔

سیریا اس صندوق کا تالہ کھولنے لگی تھی۔ نیابوث نے عدیم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تم کچھ دن رہو گے یا جلدی لوٹ جاؤ گے بیٹا!"

عدیم نے کہا۔ "میں صرف سیریا کو چھوڑنے آیا تھا کیوں کہ میں اپنے لشکر کے ساتھ ارضِ شام کی طرف روانہ ہونے والا ہوں لیکن آپ کی بیماری کی وجہ سے میں چند یوم یہاں رُک جاؤں گا"۔

سیریا اپنے اس صندوق میں پہلے سے رکھے کپڑے باہر نکال کر رکھ رہی تھی جب وہ ایک ریشمی رومال میں بندھی گٹھڑی نکال کر باہر رکھ رہی تھی تو حذیفہ نے جھپٹ کر وہ گٹھڑی اس سے چھین لی اور بڑی بے تابی میں اس نے پوچھا۔

"سیریا! میری عزیز بہن! یہ رومال تُو نے کہاں سے لیا۔ بخدا یہ رومال تو ہمارا ہے اور جب میرا سب سے چھوٹا بھائی ہم سے جُدا ہُوا تھا تو یہ رومال اس کے سر پر بندھا ہُوا تھا"۔

سیریا نے کہا۔ "یہ رومال تو میرے شوہر رمنیس کے بچپن کا ہے اور اس میں اُن

کے بچپن کے کپڑے اور جوتے بھی بندھے ہوئے ہیں۔ دراصل یہ اندریاس کے بیٹے نہ تھے۔ اس نے انہیں کسی سے خرید کر اپنا بیٹا بنا لیا تھا اور بچپن کے یہ کپڑے اس لیے سنبھال کر رکھ لیے تھے کہ اگر کہیں ان کے ماں باپ مل گئے تو انہیں ان کے حوالے کر دیں گے۔

عدیم نے سیریا کی طرف حیرت اور پریشانی سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

اس بار قدوم نے بولتے ہوئے کہا۔ "سیریا ٹھیک کہہ رہی ہے۔ تمہارے بچپن کے کپڑوں کی یہ گٹھڑی اندریاس نے مرنے سے قبل میری موجودگی میں سیریا کو سونپی تھی۔ میں اندریاس کو تم سے بہتر جانتا ہوں۔ وہ تمہارا باپ نہ تھا۔ اس نے تمہیں خرید کر پالا تھا۔ ورنہ اس نے تو ساری زندگی شادی ہی نہ کی تھی۔ اس نے تم پر یہ راز اس لیے ظاہر نہ کیا کہ تمہیں سگے بیٹوں کی طرح چاہتا تھا اور تمہارا دل توڑنا نہ چاہتا تھا۔ میں نہیں جانتا تمہارا اصل نام کیا تھا۔ تمہارا نام رمنیس اندریاس نے ہی رکھا تھا۔ کیوں کہ جس وقت اس نے تمہیں خریدا تھا تم اس قدر چھوٹے تھے کہ اپنا نام نہ کہہ سکتے تھے۔

اگر یہ رومال اور اس میں بندھے کپڑے اور جوتے حذیفہ کے سب سے چھوٹے بھائی ہی کے ہیں تو پھر اے عزیز تمہارا نام رمنیس نہیں عدیم ہے اور تم یوعام، ترمید اور حذیفہ کے بھائی اور نیابوث کے بیٹے ہو۔ میں اور سیریا نے یہ راز اس لیے اب تک ظاہر نہ کیا تھا۔ کہ تمہارا دل نہ ٹوٹے۔

نیابوث نے بے تاب ہو کر اپنی مردہ سی آواز میں کہا۔ "حذیفہ! حذیفہ! اس گٹھڑی کو کھول تو!"

حذیفہ نے اس ریشمی رومال میں بندھی گٹھڑی کو جب کھولا تو وہ بلند آواز میں چلّا اٹھی۔ "بخدا یہ کپڑے اور یہ جوتے میرے بھائی عدیم کے ہیں"۔

یوعام اور ترمید دونوں ایک ساتھ بھاگ کر عدیم سے لپٹ گئے۔ حذیفہ بھی آگے بڑھ کر بُری طرح عدیم کی پیشانی اور گال چومنے لگی تھی اور ساتھ ساتھ زور زور سے روتی بھی جا رہی تھی۔ "تم رمنیس نہیں ہو۔ میرے عزیز اور چھوٹے بھائی عدیم ہو"۔

حذیفہ نے عدیم کے بچپن کے جو کپڑے پلنگ پر رکھ دیئے تھے نیا بوث انہیں اُٹھا کر چومنے لگی تھی۔ بیماری کی وجہ سے وہ انتہائی مشکل سے حرکات کر رہی تھی۔

یوعام، ترمید اور حذیفہ ابھی تک عدیم کو گلے لگا کر چوم رہے تھے۔ ہانی سیریا اور رمیتا کے لبوں پر گہری مسکراہٹ تھی۔ پھر نیا بوث نے سر کے اشارے سے حذیفہ کو اشارہ کیا کہ وہ عدیم کو اس کے پاس لائے۔

حذیفہ عدیم کو اپنے ساتھ لپٹا کر نیا بوث کے پاس لے آئی۔ بڑی مشکل کے ساتھ نیا بوث نے اپنے ہاتھ اُٹھا کر پھیلائے اور عدیم ان ہاتھوں میں سما کر اپنی ماں سے گلے مِل گیا تھا۔ پھر بے چاری نیا بوث عدیم کی پیشانی اور مُنہ چومنے کے بعد کہہ رہی تھی۔

"اے میرے فرزند! تو میرے گھر میں تھا اور میں تجھے کہاں کہاں تلاش کرتی رہی۔ تُو اسکندریہ میں، قسطنطنیہ میں اور یہاں یروشلم میں بھی میرے پاس تھا۔ اے میری جان کی تجلّی! میری رُوح کے وقار! میں نے تمہیں کہاں کہاں تلاش نہ کیا۔ ظلمت کی گہرائیوں میں ایک شعاع کی طرح تیری خاطر سرگرداں رہی جس طرح کوّے رزق کی تلاش میں زمین پر اُترتے ہیں اس طرح میں بھی تجھے تلاش کرتی رہی۔

تیری جُدائی کا غم میرے جسم میں دھیرے دھیرے سُلگتا رہا اور میری حیات کو راکھ میں بدلتا رہا۔ تو میری صبح کا نور اور میری شام کا تارا تھا۔ تجھے ڈھونڈتے ہوئے میں دن کے وقت فاصلوں کی ڈور میں اُلجھی راہگزاروں پر دھکے کھاتی رہی اور اندھی خشک ہوائیں میری زیست کو یوں کھاتی تھیں جس طرح وہ درختوں کے پتے خشک کر دیتی ہیں۔ راتوں کو لرزاں تاروں کے اندر تجھے تلاش کرتے کرتے اور خون سے اپنے احوال لکھ لکھ کر سلگتی تھی۔ رات کے اندھیرے اور جدائی کا غم پرانے چیتھڑوں اور قدیم تصویر کی طرح مجھ سے میری زندگی کے جمال کا رنگ چھینتا رہتا تھا۔ میں زندگی پھر تیری خاطر موت کو سامنے دیکھ کر جینے کی دعائیں کیا کرتی تھی۔

اے فرزندِ عزیز! تُو بالکل میری خواہشوں کے مطابق حسن و جوانی کا پیکر بنا۔ میرا خُون مجھے تنبیہ کرتا تھا کہ تم میرے بیٹے ہو۔ تمہارے جسم کی خوشبو اکثر مجھے خوشخبری دیا کرتی تھی کہ تم میری ہی ذات کا ایک حصّہ ہو۔ پر تم نے اپنے باپ کا نام اندریاس بتا رکھا تھا۔ لہٰذا میں صبر

ے خاموش ہو رہتی تھی۔

آہ فرزند! تُو مجھے مِلا بھی اس وقت جب ہولناک طاقتور موت مجھ پر غالب آ رہی ہے۔ میرے جسم کی پابند رُوح اپنے لطیف کندھوں سے میری ذات کا بوجھ اُتارنے والی ہے۔ کاش ن و نیستی کی اس منزل سے پہلے ——

نیا بوث کہتے کہتے خاموش ہو گئی تھی اور اس کے ہاتھ ڈھلک کر نیچے گر گئے تھے۔ م نے نیا بوث کی نبض پر ہاتھ رکھا۔ اب وہاں کیا رکھا تھا۔ بنّتِ نیل دم توڑ چکی تھی۔ قدوم نے دکھ سے کہا۔ "نیا بوث اپنی مصافِ زندگی ہار کر ہمیشہ کے لیے ہم سے بچھڑ ہے۔" یوعام، ترمید، حذیفہ، سیریا اور رمیتا نیا بوث سے لپٹ کر رونے لگے تھے۔

عدیم اسی طرح اپنی ماں سے گلے مِلا ہُوا تھا اور جنگ میں لشکروں کو آندھی کی طرح ٹ کر دینے والا وہ مجاہد اپنی برسوں کے بعد ملی ماں کی مرگ پر ہچکیوں اور سسکیوں میں ہے کی طرح رو رہا تھا جس سے اس کی روانی چھین لی گئی ہو۔

تمت بالخیر